جنگِ آزادی ۱۸۵۷ء
(واقعات و شخصیات)
محمد ایوب قادری
پاک اکیڈمی ۱۴۱/۱ وحید آباد، کراچی ۱۸

(واقعات و شخصیات)

محمد ایوب قادری

پاک اکیڈمی ۱/۱۴۱ وحید آباد، کراچی ۱۸

مجید ۷۵ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تعداد ــــــــــــ ۱۰۰۰

ناشر ــــــــــــ پاک اکیڈیمی کراچی

مطبع ــــــــــــ معارف پریس لاہور

تاریخ اشاعت ــــــــــــ جون ۱۹۷۶ء

قیمت مجلّد ــــــــــــ ۳۶/۰ روپے

ہندوستان میں ملنے کا پتہ :-

کتاب منزل سبزی باغ - پٹنہ ۴ (انڈیا)

اِنتساب

اپنے والد مرحوم مولوی میاں مشیت اللہ قادری

کے نام

جن کو تاریخ و ادب فارسی سے گہرا لگاؤ تھا اور جو تاریخ و آثار روہیل کھنڈ پر سند کا درجہ رکھتے تھے جنگِ آزادی ۱۸۵۷ء اور تحریک آزادی پر بھی حضرت مرحوم کی گہری نظر اور وسیع مطالعہ تھا حضرت والد ماجد ۱۸۸۹ء میں قصبہ آنولہ (ضلع بریلی، یوپی انڈیا) میں پیدا ہوئے اور ۲۵/اکتوبر ۱۹۵۹ء کو دادو (سندھ) میں اِنتقال فرمایا اور وہیں دفن ہوئے۔ اللھم اغفرلہٗ

خاکسار مؤلف نے حضرت قبلہ و کعبہ سے فارسی ادب میں براہِ راست استفادہ کیا اور تاریخ و تحریکِ آزادی کے سلسلے میں بھی ان کے خیالاتِ عالیہ سے مستفید و متاثر ہُوا اور حقیقت یہ ہے کہ وہی خیالات اس کتاب کی تالیف کے مُحرک ہیں۔

محمد ایوب قادری

فہرست مضامین

باب اول

پس منظر

مفتی محمد عوض اور بریلی کا جہاد

تحریک مجاہدین پر ایک نظر

مولوی محمد جعفر تھانیسری

جہاد ہنومان گڑھی (راجودھیا) ۱۸۵۵ء

باب دوم

روہیل کھنڈ

بریلی کی جنگ آزادی کی کہانی

باب سوم

دوآبہ

باب چہارم

اودھ و کانپور

لکھنؤ کی جنگ آزادی کی کہانی مرزا النصیر الدین برلاس کی زبانی

باب پنجم

روہیل کھنڈ کے آخری معرکے

باب ششم

سقوط دہلی (۱)

باب ہفتم

سقوط دہلی (۲)

باب ہشتم

چند نادر دستاویزیں اور تحریرات

باب نہم
شخصیات

کتابیات

ان اشخاص کی فہرست جن کا ذکر حواشی میں کیا گیا ہے۔

تقریب

محمد ایوب قادری

جنگ آزادی ۱۸۵۷ء باقاعدہ اور منظم جنگ تھی جو انگریزی اقتدار سے چھٹکارا حاصل کرنے کے لئے لڑی گئی۔ قسمت کی بات کہ انگریز اس میں کامیاب ہوئے اور انہوں نے بالخصوص مسلمانوں سے ناقابل بیان انتقام لیا اس جنگ میں بادشاہ، امراء، روساء، علماء، شعراء، حکماء، ادباء، فنکار، زمیندار، عوام، بوڑھے، جوان، مرد، عورت سب ہی نے حصہ لیا۔

جنگ آزادی ۱۸۵۷ء کے موضوع پر انگریزوں نے بہت کچھ لکھا ہے ۱۹۶۶ء میں صرف انگریزی زبان میں لکھی ہوئی کتابوں کی ایک کتابیات بعنوان

The Revolt in India, 1857-58

By Jenice M. Ladendorf (Zug. Switzerland).

شائع ہوئی ہے جس میں اس موضوع پر (۹۹۰) مطبوعات، مخطوطات، مقالات اور اخبارات کو شامل کیا گیا ہے ان میں مطبوعہ کتب (۶۳۷) ہیں (۱۹۳) منتخب مقالات اور (۱۶۰) مخطوطات و اخبارات ہیں ظاہر ہے کہ اس موضوع پر انگریزی زبان میں ابھی اور مواد ہوگا۔

مئی ۱۹۵۷ء میں اس جنگ آزادی کو سو سال پورے ہوتے اس موقع پر برصغیر پاک و ہند میں اس موضوع پر مختلف لوگوں نے لکھا بھارت میں اس موضوع پر انگریزی زبان میں جو کام ہوا ہے اس کی تفصیل درج ذیل ہے سب سے پہلے ہم اس کا ذکر کریں گے جو سرکاری سطح پر ہوا ہے۔

مرکزی وزارت تعلیم اور براڈکاسٹنگ کی طرف سے مندرجہ ذیل کتابیں شائع ہوئیں۔

(1) 1857, By S.N. Sen, (Delhi, 1957).

(2) The great rising of 1857, (Delhi, 1958).

اسی طرح اتر پردیش (یو-پی) مدھیہ پردیش (سی-پی)، بہار اور بمبئی کی صوبائی حکومتوں کی طرف سے بھی مندرجہ ذیل کتابیں شائع ہوئیں۔

(1) Freedom Struggle in Utter Pradesh.
6 Vols. (Lucknow, 1957-61)

(2) The History of Freedom Movement in.
Madhya Pradesh (Nagpure, 1956)

(3) A History of the Freedom Movement.
Vol. I. (Bombay. 1957)

(4) History of the Freedom Movement in Bihar. 3 Vols (Patna, 1957-58)

اب ہم ان کوششوں کا ذکر کرتے ہیں جو انفرادی طور پر عمل میں آئیں۔

(1) The Sepoy Mutiny 1857.
by Haraprasad Chattopadhyaya (Calcutta, 1957)

(2) Civil Disturbances during British rule in India.
by Chaudhuri Sashi Bhusan. (Calcutta, 1955)

(3) Civil rebellion in the Indian Mutinies.
by C.S. Bhusan (Calcutta, 1957)

(4) Theories of the Indian Mutiny.
by C.S. Bhusan (Calcutta, 1965)

(5) Rebellion 1857.
by Puran Chandra Joshi (Delhi, 1957)

(6) The Sepoy Mutiny and the Revolt of 1957.
by Remesh Chandra Mujumdar (2nd. ed.) (Calcutta, 1957)

(7) The Mutiny and British land policy in North India by Jagdish Raj (Bombay, 1965)

(8) 1857 in Bihar
by Choudhuri Pramab Chandra (Patna, 1957)

(9) The Rebellion of 1857 (Assam)
by Benudhar Sharma (Calcutta, 1958)

(10) 1857 in Jabalpur
by R. M. Sinha (Jubbulpore, 1957)

(11) Biography of Kunwar Singh and Amar Singh by Kalikinkar, K. Datta (Patna, 1957)

(12) Nana Sahib and the rising of Cawnpore (Oxford, 1963)

(13) Bahadur Shah II and the war of 1857 in Delhi
by Agha M. Husain (Delhi, 1958)

(14) In 1857,
by Kavalram Modhava Parikkar (Amedabad, 1957)

(15) Nana Sahib Peshwa and the fight for freedom.
By Anand Swarup Misra, (Lucknow, 1961)

بھارت میں اس موضوع پر اردو میں جو کتابیں شائع ہوئی ہیں ان کی تفصیل یہ ہے ۱۸۵۷ء کے مجاہد شعراء (امداد صابری) ۱۸۵۷ء کے غدار شعرا (امداد صابری)[1] ۱۸۵۷ء اخبار اور دستاویزیں (عتیق صدیقی) جنگ آزادی ۱۸۵۷ء (خورشید)

---

[1] امداد صابری صاحب کی کتاب تاریخ صحافت جلد دوم (حصہ اول) میں ۱۸۵۷ء کے اخبارات و رسائل کے خاصے اقتباسات شامل ہیں۔

مصطفےٰ رضوی) سن ستاون (سندر لال) جنگ آزادی اور لکھنو (نور الحسن ہاشمی)
علمائے ہند کا شاندار ماضی جلد چہارم (محمد میاں) ماثر دلاوری (ابرار فاروقی) نوائے
آزادی (عبد الرزاق قریشی) اٹھارہ سو ستاون کا تاریخی روزنامچہ (عبد اللطیف۔
مرتبہ خلیق نظامی) نیز اخبارات و رسائل کے خاص نمبر۔

جنگ آزادی ۱۸۵۷ء کی صد سالہ یادگار کے موقع پر پاکستان میں سرکاری
سطح پر کوئی کام نہیں ہوا[1]۔ وزارت اطلاعات نے ایک دو مختصر سے پمفلٹ شائع
کر دیئے تھے۔ انفرادی طور پر البتہ بعض لوگوں نے کام کیا جس کی تفصیل درج ذیل ہے۔

The man behind the War of independence 1857.

By S. Lutfullah.

۱۸۵۷ء (غلام رسول مہر) ۱۸۵۷ء کے مجاہد (غلام رسول مہر) بہادر شاہ
ظفر اور ان کا عہد (رئیس احمد جعفری) واجد علی شاہ اور ان کا عہد (رئیس احمد۔
جعفری) اٹھارہ سو ستاون (میاں محمد شفیع) مشاہیر جنگ آزادی[2] (مفتی انتظام اللہ
شہابی) مولانا فیض احمد بدایونی (محمد ایوب قادری) بدایوں ۱۸۵۷ء میں (محمد سلیمان
بدایونی) نواب خاں بہادر خاں، مصطفےٰ علی بریلوی) اور اخبارات و رسائل کے خاص نمبر۔

لیکن حقیقت یہ ہے کہ ابھی کام کا آغاز ہوا ہے اور اصل کام باقی ہے جنگ۔
آزادی ۱۸۵۷ء کا تمام تر مواد انڈیا آفس لائبریری، برٹش میوزیم نیز لندن
کے دوسرے کتب خانوں، عجائب گھروں اور ذاتی ذخیروں میں محفوظ ہے اور
بہت سا مواد غیر مطبوعہ اور غیر مرتب حالت میں دبا پڑا ہے ضرورت ہے کہ مطبوعہ

---

[1] حکومت پاکستان نے تاریخ تحریک آزادی لکھنے کا ایک منصوبہ ۱۹۵۲ء میں بورڈ آف
ایڈیٹرس اور بعد ازاں پاکستان ہسٹاریکل سوسائٹی کے سپرد کیا تھا جو آج تک مکمل نہیں ہوا ہے۔

[2] مفتی انتظام اللہ شہابی مرحوم نے مولانا فضل حق خیر آبادی، احمد اللہ شاہ مدراسی اور
بہادر شاہ ظفر وغیرہ پر بھی چھوٹے چھوٹے تعارفی پمفلٹ لکھے۔

اور غیر مطبوعہ کتابوں، رپورٹوں، ڈائریوں، یادداشتوں، خطوط اور دوسرے کاغذات کی چھان بین کی جائے۔ اسی طرح ہند و پاکستان کے کتب خانوں اور قدیم خاندانوں میں بھی بعض ایسے نوادر محفوظ ہیں کہ جن سے بالواسطہ یا بلاواسطہ اس تحریک پر روشنی پڑتی ہے لیکن اس سے بھی زیادہ ایسی کتابوں اور نوشتوں میں محفوظ ہے جہاں ذہن کم رجوع ہوتا ہے۔ شعراء کے دواوین، بیاضیں، مثنویاں، انشاء اور خطوط کے مجموعے، اوراد، وظائف کے کشکول، ملفوظات سوانح عمریاں اور خود نوشت وقائع بھی غور سے دیکھنے چاہئیں اور متعلقہ مواد کی تلاش کرنی چاہیئے ملک کے علمی و تحقیقی اداروں، یونیورسٹیوں (خصوصاً شعبہ ہائے تاریخ) کو اپنی ذمہ داریاں پہچاننی چاہئیں اور تاریخ انقلاب ۱۸۵۷ء پر ایک منصوبے کے تحت تحقیقی کام ہونا چاہیئے۔

ایک تلخ حقیقت کی طرف اور اشارہ کرنا مقصود ہے کہ جنگ آزادی ۱۸۵۷ء اور تحریک آزادی پر اپنی قومی زبان اردو میں وافر لٹریچر مہیا کیا جائے[1] جس کی طرف سے دانستہ یا نادانستہ غفلت برتی گئی ہے اور جس کے نتائج ہم اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں۔ پاکستان کے قیام کو خیر سے چوتھائی صدی آپہنچی لیکن افسوس کہ تحریک آزادی کی تاریخ ہنوز پایہ تکمیل کو نہ پہنچ سکی۔ نئی نسل کو قومی زبان میں اس لٹریچر کی اشد ضرورت ہے۔

راقم نے ۱۹۵۴ء سے اس موضوع پر لکھنا شروع کیا مختلف مقالے شائع ہو کر علمی و ادبی حلقوں میں پسندیدگی کی نظر سے دیکھے گئے مئی ۱۹۵۷ء میں صد سالہ برسی کے موقع پر جنگ آزادی ۱۸۵۷ء کے ایک گمنام مجاہد "مولانا فیض احمد بدایونی" کے حالات لکھ کر شائع کئے۔

خیال تھا کہ اس موضوع پر علمی و تحقیقی انداز میں ایک مفصل کتاب لکھی جائے خدا کا شکر ہے کہ ایک عرصے کے مطالعہ اور کوشش کے بعد یہ

---

[1] ۱۹۶۸ء میں پاکستان ہسٹاریکل سوسائٹی سے انگریزی زبان میں ۱۸۵۷ء پر ایک کتاب شائع ہوئی ہے۔

کتاب پیش کی جارہی ہے اس کتاب کی تیاری میں ہم نے برصغیر پاک و ہند کے بعض مشہور سرکاری، غیر سرکاری اور ذاتی کتب خانوں سے استفادہ کیا ہے
مرحوم مولانا غلام رسول مہر[۱] اور ڈاکٹر محمود حسین صاحب کا شکریہ ادا کرنا بھی اپنا فرض سمجھتا ہوں جنہوں نے تعارف اور مقدمہ لکھ کر میری ہمت افزائی فرمائی۔ فقط

محمد ایوب قادری

---

[۱] افسوس کہ کتاب شائع نہ ہو سکی اور ۱۶ نومبر ۱۹۷۱ء کو مولانا مہر نے اور ۱۰ اپریل ۱۹۷۵ء کو ڈاکٹر محمود حسین نے داعی اجل کو لبیک کہا۔

تعارف

جناب مولانا غلام رسول مہر، لاہور

۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کے متعلق انگریزی اور اردو میں مطبوعات کا بہت بڑا ذخیرہ فراہم ہو چکا ہے۔ کم و بیش پچاس سال تک صرف وہی نقطۂ نگاہ دنیا کے سامنے رہا جو اجنبی انگریزی حکومت کی مصلحتوں کے لئے ہر اعتبار سے ساز گار تھا اگرچہ بعض چیزیں خود انگریزوں کے قلم سے بھی اس کے خلاف شائع ہوئیں، پھر رفتہ رفتہ دوسرا نقطہ نگاہ ابھرنا شروع ہوا لیکن تمام احوال و وقائع پر قومی انداز میں غور و فکر کا واضح آغاز اس وقت سے ہوا جب اجنبی حکومت ختم ہو گئی اور اس کی جگہ دو آزاد وطنی حکومتوں نے سنبھال لی پھر پے در پے چھوٹی بڑی کتابیں شائع ہوتی رہیں جن میں سے ایک کتاب کو ۱۸۵۷ء کی دستاویزی سرگزشت قرار دیا گیا اگرچہ وہ بھی بعض اعتبارات سے سراسر غیر متوازن اور غیر معقول تھی۔ ان کتابوں میں ایسی بھی ہیں جن کا تعلق محض کسی خطے یا علاقے یا مقام یا فرد سے ہے اور ایسی بھی ہیں جن میں پورے ہنگامے کی داستان و وقائع سلجھا کر پیش کی گئی ہے۔

تاہم اس حقیقت سے کون اختلاف کر سکتا ہے کہ ابھی بہت سی چیزیں اشاعت طلب ہیں جنہیں اس ہنگامے کے چشم دید حالات کا مرقع کہا جا سکتا ہے خدا جانے ایسے کتنے مرقعے ہوں گے جو مختلف اصحاب نے جا بجا مرتب کئے ہوں گے مگر اجنبی حکومت کی کامیابی کے بعد بلا امتیاز، ظلم و جور، جبر و تشدد اور انتقام و عداوت کا ایسا طوفان بپا ہوا کہ کسی کو کوئی شے منظر عام پر لانے کا حوصلہ ہی نہ رہا یہاں تک کہ مولانا فضل حق خیر آبادی مرحوم کے مرتبہ حالات بھی چھپے ہی رہے، چھپ نہ سکے حالانکہ ان میں شاید ہی کوئی بات ایسی ہو جو خطرناک سمجھی جا سکتی تھی۔ ضروری

ہے کہ جہاں جہاں سے کوئی چشم دید دستاویز اس ہنگامے کے متعلق مل سکے اسے مناسب طریق پر چھاپا جائے تاکہ ارباب فکر و نظر کو پورے ہنگامے کے بارے میں بہتر و محکم تر رائے قائم کرنے کا موقع ملے نیز اجنبی حکومت کے یک طرفہ بیانات کی تردید مستند طریق پر کی جاسکے۔

مجھے خوشی ہوئی کہ میرے عزیز و فاضل دوست محمد ایوب صاحب قادری نے جو اس سلسلے میں یہ کتاب مرتب فرمائی ہے یعنی "جنگ آزادی ۱۸۵۷ء۔ واقعات و شخصیات" اس کے تعارف کے لئے یہ چند سطریں لکھ رہا ہوں حالانکہ قادری صاحب علم و فضل، وسعت و دقت نظر اور شہرت تحریر و تصنیف کے اعتبار سے میرے یا کسی دوسرے صاحب کے تعارف سے کاملاً بے نیاز ہیں۔

یہ کتاب نو ابواب پر مشتمل ہے پہلا باب صرف پس منظر یا تمہید تک محدود ہے دوسرے باب کا تعلق روہیل کھنڈ کے حالات سے ہے تیسرے کا دوآبہ گنگ و جمن کے حالات سے، چوتھے میں کان پور اور لکھنؤ کے وقائع پیش کئے گئے ہیں پانچویں میں روہیل کھنڈ کے آخری معرکوں کا بیان ہے، چھٹے اور ساتویں دو ابواب میں دہلی کے حالات اور دوسرے ضروری کوائف ترتیب دیئے گئے ہیں، آٹھویں باب میں ۱۸۵۷ء سے متعلق بعض نادر اور قیمتی دستاویزیں اور تحریریں پیش کی گئی ہیں، نواں اور آخری باب اس ہنگامۂ عظیم کی بعض ممتاز شخصیتوں کے سوانح پر مشتمل ہے۔

خصوصیت سے قابل ذکر امر یہ ہے کہ ہر حصے میں ایک یا زیادہ ایسے مرقعے آگئے ہیں جنہیں چشم دید بیانات کہنا چاہیئے مثلاً بریلی کے حالات میں مرزا محمد رضا کے بیانات (فارسی مع ترجمہ)، لکھنؤ کے حالات میں مرزا نصیر الدین اور مؤلف وقائع دل پذیر کے بیانات، دہلی کے حالات میں مولوی رضی الدین بدایونی کے بیانات، دستاویزوں میں حیدر آباد سندھ کے متعلق مختلف اصحاب کے بیانات نہایت اہم ہیں۔

کتاب بجائے خود بھی ہمارے اہم اور مفید معلومات کا ایک بصیرت افروز گنجینہ ہے لیکن ان متعدد چشم دید مرقعوں اور دستاویزوں نے اس کی اہمیت میں دو چند اضافہ کر دیا ہے۔

محمد ایوب صاحب قادری کو قدرت نے علمی نوادر کی کاوش و جستجو کا پاکیزہ ذوق عطا کیا ہے اور وہ قیمتی چیزیں فراہم کر کے انہیں حسن ترتیب سے پیش کرنے کا خاص سلیقہ رکھتے ہیں۔ ان کی متعدد تصانیف علمی حلقوں سے سند قبول حاصل کر چکی ہیں اگرچہ میری یہ مختصر سی تحریر پیش نظر کتاب کے تعارف کے طور پر شائع ہو رہی ہے لیکن حقیقتاً میری زبان پر بے اختیار یہ شعر جاری ہے۔

حکایت از قد آں یار دل نواز کنیم
بہ ایں افسانہ مگر عمر خود دراز کنیم

مہر

مسلم ٹاؤن لاہور
۱۷ر جولائی سنہ ۱۹۷۱ء

مقدمہ

جناب ڈاکٹر محمود حسین صاحب وائس چانسلر کراچی یونیورسٹی

۱۸۵۷ء برصغیر ہند و پاکستان کی تاریخ کا ایک اہم سال ہے۔ جس طرح نحیف سے نحیف جسم بھی شدید بیماری کی صورت میں ایک نہ ایک مرتبہ اپنی ساری توانائیوں کو سمیٹ کر مرض کو دفع کرنے کے لئے پورا زور صرف کر دیتا ہے کم و بیش ایسا ہی واقعہ ۱۸۵۷ء میں پیش آیا جب کہ ہند و پاکستان کے لوگ جو اندرونی زوال اور بیرونی تسلط کی دوہری مار سے پس چکے تھے ایک مرتبہ پھر منظم و متحد ہوئے اور انہوں نے اجنبی اقتدار کے جوئے کو کاندھے سے اتار پھینکنے کے لئے غیر معمولی طاقت کا مظاہرہ کیا۔ افسوس ہے کہ غیر ملکی غلبے کے خلاف عوام کے اس مقدس جہاد کو مخالفین نے ایک حقیر واقعہ بنانے کی کوشش کی۔ بغاوت، شورش، ہنگامہ، غدر نہ جانے اور کتنے ایسے نام ہیں جو اس واقعہ کے لئے استعمال کئے گئے ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ ان میں سے بعض تو ناکافی معلومات کا نتیجہ ہوں لیکن بلاشبہ ان میں سے اکثر ذاتی یا قومی مفاد کے پیش نظر تراشے گئے ہیں۔

۱۸۵۷ء سے متعلق جو تاریخی ناانصافی ہوئی ہے اس کا بڑا سبب یہ رہا کہ بدلے ہوئے حالات میں عرصے تک جنگ آزادی کے مشارکین و مشاہدین کے لئے ممکن نہ تھا کہ وہ واقعات کی صحیح تصویر پیش کرتے۔ ظلم و استبداد کے خلاف جہاد میں ہار جانا تاریخ میں کوئی ان ہونی بات نہیں لیکن انگریز حاکموں نے محبانِ وطن کو ان کی ناکامی کے بعد جس ظلم و ستم کا نشانہ بنایا اس کی مثال کم ملے گی۔

محبانِ وطن کے خلاف طرح طرح کے بہانے بنائے گئے اور اکثر بے بنیاد الزام لگا کر انہیں سنگینوں کا شکار بنایا۔ انگریزوں نے جس طرح سیاست میں برصغیر کے

عوام پر ستم ڈھلے اسی طرح علمی طور پر بھی عوام کے اس جہاد حریت کی وقعت کو کم سے کم کرنے کی کوشش کی۔ اس کو محض غدر سے تعبیر کیا گیا گویا یہ ایک معمولی شورش تھی جو فوج سے اٹھی اور فوج ہی میں دب کر رہ گئی۔ واقعہ یہ ہے کہ آغاز تو ایسا ہی ہوا جیسا کہ اکثر بیان کیا جاتا ہے یعنی یہ کہ ہندوستانی فوجیوں کو اپنے حکام کے ساتھ متعدد شکائتیں پیدا ہو گئی تھیں جو رفتہ رفتہ عام فوجی بے چینی کا باعث بن گئیں۔ یہی وہ بے چینی اور بے اطمینانی ہے جو ۱۸۵۷ء میں جنگ کی صورت میں ظاہر ہوئی۔ لیکن چونکہ یہی وہ زمانہ تھا جبکہ برصغیر کے مختلف طبقات نے جو قطع نظر جذبۂ آزادی کے اور دوسری وجوہ کی بنا پر اجنبی تسلط سے بیزار تھے اس موقع سے فائدہ اٹھانا چاہا۔ چنانچہ یہ واقعہ جس کا آغاز تو فوجی شورش سے ہوا بالآخر قومی جنگ کی صورت اختیار کر گیا۔ مگر حال کے جن مورخین نے مسئلہ کو اسی طرح سمجھا ہے ان کی تصانیف کا سب سے بڑا نقص یہ ہے کہ اس میں داستان کی تکمیل اور نتائج کے اخذ کرنے میں اس رول کو ملحوظ نہیں رکھا گیا جو کہ مسلمان علماء نے اس جنگ آزادی میں ادا کیا۔

محاربہ ۱۸۵۷ء کو جنگ آزادی کہا جائے یا نہ کہا جائے اس کا انحصار بڑی حد تک اس پر ہے کہ جنگ آزادی سے آخر مراد کیا ہے۔ اگر جنگ آزادی کے لئے لازمی شرط یہ ہو کہ سارا ملک بلا استثنا اس میں شامل ہو جائے جیسا کہ بعض مصنفین کا خیال ہے تو پھر ۱۸۵۷ء کا واقعہ اس لحاظ سے جنگ آزادی نہیں کہلایا جا سکتا۔ اگر جنگ آزادی کا معیار ملک کے سارے طبقوں کا اس میں شریک ہو جانا ہے تو بھی ۱۸۵۷ء کے معرکہ کو جہاد حریت سے موسوم کرنا ایک منطقی غلطی ہوگی۔ جنگ آزادی جانچنے کی کسوٹی ہمارے نزدیک رقبۂ آبادی نہیں بلکہ وہ جذبہ ہے جو اس جنگ میں کارفرما رہا ہو اگر اس نقطہ نظر سے دیکھا جائے تو ۱۸۵۷ء کی جنگ کیا بہ لحاظ واقعہ اور کیا بہ اعتبار نتائج برصغیر کی پہلی جنگ آزادی کہلائی جا سکتی ہے۔ رقبہ اور آبادی جو اس سے متاثر

ہوئی وہ بھی کم نہ تھی۔

جہاں تک واقعات کا تعلق ہے یہ بھی جانتے ہیں کہ انگریز برصغیر میں تاجروں کی حیثیت سے داخل ہوئے لیکن یہاں کے سیاسی حالات بالخصوص درباری رقابتوں سے فائدہ اٹھا کر پہلے تو انہوں نے دکن میں اپنا عمل دخل بڑھایا اور کچھ عرصے بعد بنگال کے علاقے کے مالک بن بیٹھے۔ البتہ ابتدا ہی سے انگریز پیش قدمی اور توسیع اقتدار کی پالیسی پر کار فرما رہے اور نت نئے طریقوں سے بالواسطہ یا بلا واسطہ سارے برصغیر پر قابض ہو گئے۔

بیرونی غلبے کا فوری اثر یہ پڑا کہ حکمراں طبقہ اقتدار سے محروم ہو گیا اور امرا اپنا اثر و رسوخ کھو بیٹھے۔ سیاسی محرومی اپنے جلو میں معاشی ابتری بھی لئے ہوئے تھی۔ پہلی بڑی معاشی مار زمیندار طبقے پر پڑی جس سے وہ طبقہ بھی متاثر ہوا جو ان سے کسی نہ کسی طرح پر وابستہ تھا۔ تاجر و صنعت کار طبقے بھی انگریزی حکومت سے خوش نہیں رہ سکتے۔ ملک کی صنعتیں اور حرفتیں ملک کے نئے حالات میں پنپ نہ سکیں۔ یہاں کی صنعتیں حکومت کی سرپرستی کے بغیر آزاد مقابلے کی تاب نہ لا سکتی تھیں۔ سیاسی و معاشی غلامی میں ظاہر ہے کہ ملکی تہذیب بیرونی اثر سے آزاد نہیں رہ سکتی، چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ انگریزی تہذیب رفتہ رفتہ ملک میں اثر و نفوذ کرنے لگی جو دور رس نتائج کا باعث بنی۔ ان حالات میں ایک غیور قوم کا اجنبی حکومت کو للکارنا ایک فطری امر تھا۔

ہندو اور مسلمان طویل سیاسی اور تہذیبی مقاصد میں ہمیشہ سے الگ الگ رہے ہیں لیکن بیرونی غلبے سے آزادی حاصل کرنا ایسا جذبہ تھا جس میں ہندو اور مسلمان دونوں برابر کے شریک تھے۔ اس موقعہ پر جو نقطۂ اتحاد دونوں قوموں کے لئے قابل قبول ہو سکتا تھا وہ مغل شہنشاہ کی ذات تھی مانا کہ مغل بادشاہ کا وجود اب برائے نام تھا لیکن اس کی قانونی حیثیت اب بھی مسلم تھی۔ مزید برآں عوام کی وفاداری کی دیرینہ روایات بھی مغل خاندان سے وابستہ تھیں۔ ان

ہی وجوہ کی بنا پر قیادت کے لئے ہندو اور مسلمان دونوں کی نظریں مغل شہنشاہ پر پڑیں۔ لیکن ملک کی سیاسی بے چینی ابھی منظم تحریک کی پختہ صورت نہ اختیار کر پائی تھی کہ فوج میں بغاوت کی چنگاری اٹھی جس نے دیکھتے ہی دیکھتے ایک شعلے کی شکل میں برصغیر کے بڑے حصے کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ اس جنگ میں امیر و غریب، عالم و جاہل سب ہی شامل تھے۔ مرد تو مرد عورتوں نے بھی اس موقعہ پر غیر معمولی شجاعت کا مظاہرہ کیا۔

نتائج کے اعتبار سے بھی یہ جنگ برصغیر میں پہلی جنگ آزادی کہلانے کی مستحق ہے۔ یہ صحیح ہے کہ انگریزوں کو نکال باہر کرنے میں کامیابی نہیں ہوئی لیکن ان کی یہ ناکامی عوام کے جذبۂ حریت کو پامال نہ کر سکی۔ بیرونی اقتدار کے خلاف جذبہ روز بروز بڑھتا رہا ہے حصول آزادی کی متواتر کوششیں مختلف سمتوں میں جاری رہیں جس کا پھل بالآخر مکمل آزادی کی صورت میں ۱۹۴۷ء میں ملا۔

تاریخ میں اختلاف رائے ایک معمولی امر ہے یہ تحقیق حق میں کسی طرح حارج نہیں تاریخی مساعی میں اختلاف رائے کا پایا جانا ایک اعتبار سے ضروری بھی ہے۔ علم تاریخ میں ایک فرد کی کوشش بالکل ناکافی ہوتی ہے کیونکہ کسی مورخ کی آنکھ میں اتنی تیزی نہیں کہ واقعہ کو اس کے پورے پس منظر میں دیکھے مختلف آنکھوں کی مدد ہی سے وہ بصیرت حاصل ہو سکتی ہے جس سے واقعہ کی ماہیت کو اچھی طرح دیکھا جا سکتا ہے۔ مختلف نقطہائے نظر سے مسئلے کے سمجھنے میں الجھاؤ ضرور پیدا ہو جاتا ہے۔ لیکن دلائل کی تنقیدی جانچ سے اس الجھاؤ کو دور کیا جا سکتا ہے۔ اس لئے کسی فی الحقیقت تاریخ بنیادی طور پر ایک ایسا علم ہے جس میں تنقید کے ذریعہ ہی سے حقیقت تک پہنچا جاتا ہے۔ جہاں تک ۱۸۵۷ء کا تعلق ہے اس پر اب تک جو کام ہوتے ہیں اور خاص طور پر ۱۹۵۷ء میں صد سالہ یادگار کے موقع پر جو کتابیں شائع ہوتی ہیں اپنی اپنی جگہ پر مستحسن ہیں لیکن ان کو کافی قرار نہیں دیا جا سکتا۔ قطع نظر اختلاف رائے کے جوابات

قابل ذکر ہے وہ یہ کہ ابھی تک کوئی ایسا مبسوط کام نہیں کیا گیا ہے جس میں مسلمان علماء کے کارناموں کو بیان کیا گیا ہو۔ ناکامی کے بعد محبان وطن پر جو جھوٹے مقدمے چلائے گئے اور ان کے خلاف بربریت اور وحشت کے جو افسانے گڑھے گئے وہ سب مورخ کی ناقدانہ جانچ کے محتاج ہیں۔ ضرورت ہے کہ مورخین اس طرف متوجہ ہوں۔

مجھے یہ دیکھ کر خوشی ہوتی ہے کہ پاکستان کے نوجوان مورخ بھی اس خصوص میں اپنی ذمہ داری کو محسوس کر رہے ہیں، جس کا ایک ثبوت موجودہ تالیف ہے جو اگلے صفحات میں پیش کی گئی ہے۔

اس کتاب کے مؤلف محمد ایوب قادری صاحب ملک کے تاریخ داں طبقے کے لئے نئے نہیں ہیں۔ کافی عرصے سے اپنی تالیفوں اور ترجمے کے ذریعہ حلقۂ مورخین میں متعارف ہیں انہوں نے اپنی اس کتاب میں بعض ایسے مسئلوں کو اجاگر کیا ہے جن کی اب تک کسی کی جانب سے خاطر خواہ وضاحت نہیں کی گئی تھی۔ خاص کر موصوف نے بعض ایسی شخصیتوں سے متعلق معلومات فراہم کی ہیں جن کا جنگ آزادی میں اہم رول رہا ہے لیکن جن کے کارنامے اب تک پردۂ خفا میں تھے۔ شخصیات کے تحت مصنف نے جو اپنی کاوشیں پیش کی ہیں مجھے یقین ہے وہ پہلی جنگ آزادی کے ادب پر ایک مفید اضافہ ثابت ہوں گی۔

محمود حسین

کراچی
۸ر اگست ۱۹۷۱ء

بابِ اوّل

پس منظر

مفتی محمد عوض اور بریلی (روہیل کھنڈ) کا جہاد ۱۸۱۶ء

بعض قومی واقعات اگرچہ بڑی اہمیت و امتیاز کے حامل ہوتے ہیں مگر وقتی مصلحتوں کی وجہ سے نہ صرف ان کی اہمیت گھٹ جاتی ہے بلکہ ان کو دانستہ بھلایا جاتا ہے۔ مفتی محمد عوض اور بریلی کے جہاد ۱۸۱۶ء کے ساتھ بھی یہی ہوا حالانکہ وہ پہلے مجاہد تھے جنہوں نے روہیل کھنڈ (شمالی ہند) میں انگریزوں کے ظلم و استبداد کے خلاف علم جہاد بلند کیا اور ان کے خلاف وسیع پیمانے پر سخت و شدید محاذ قائم کیا

پس منظر تاریخ روہیل کھنڈ میں حافظ الملک حافظ رحمت خاں کی شہادت کا سال ۱۷۷۴ء ہمیشہ یادگار رہے گا۔ شجاع الدولہ (م ۱۷۷۵ء) نے روہیلوں کی حکومت انگریزوں کی مدد سے ظلم و ناانصافی کے ساتھ ختم کر کے روہیل کھنڈ پر قبضہ کر لیا چونکہ انگریزوں نے حکمراں شجاع الدولہ کا ساتھ دیا تھا اس لئے اہل روہیل کھنڈ انگریزوں سے چنداں خوش نہ تھے ۱۷۹۴ء[1] میں آصف الدولہ (ف ۱۷۹۷ء) کے زمانے میں اہل روہیل کھنڈ نے انگریزوں سے ٹکر لی اور یہ کوشش کی کہ نواب اودھ کے تسلط اور غلبے سے آزاد ہو جائیں، ہمارا اشارہ جنگ دوجوڑہ کی طرف ہے[1] جو ۲۰ ربیع الاول ۱۲۰۹ھ مطابق ۲۴ اکتوبر کو

---

[1] نواب فیض اللہ خاں کے انتقال (۱۷۹۴ء) کے بعد ان کے بیٹے نواب محمد علیخاں مسندِ (باقی اگلے صفحہ پر)

ہوئی اس جنگ سے اہل روہیل کھنڈ کی حریت پسندی اور آزادی کے جذبہ کا اندازہ ہوتا ہے اس لڑائی میں ہر طبقہ و گروہ نے حصہ لیا مگر روہیلہ سرداروں میں مستقیم خاں عرف بجو خاں، بلند خاں، سرفراز خاں، وغیرہ خاص طور سے قابل ذکر ہیں۔ اگرچہ شروع میں روہیلوں کو اودھ والوں اور انگریزوں کے مقابلہ میں کامیابی ہوئی مگر آخر میں انہیں پسپا ہونا پڑا تاہم ان لوگوں کی بہادری و جانبازی کی یہ کوششیں تاریخ حریت اور تحریک آزادی کا ایک روشن باب ہیں۔

۱۸۰۱ء میں نواب آصف الدولہ کے بھائی، جانشین اور اودھ کے حکمراں نواب سعادت علی خاں (ف ۱۲۲۹ھ/۱۸۱۴ء) سے انگریزوں نے یہ زرخیز علاقہ بغیر لڑے بھڑے حاصل کرلیا، اور باقاعدہ اپنی حکومت قائم کرلی۔ اہل روہیل کھنڈ انگریزوں سے کشیدہ خاطر تھے ان کی حکومت کے چودہ پندرہ سال بعد ہی موقع ملتے ہی انہوں نے انگریزوں سے مقابلہ کیا۔ جس کی قیادت مفتی محمد عوض نے کی۔

یہاں ہمیں جنگ آزادی ۱۸۵۷ء کے قبل کے اس معرکہ جہاد ۱۸۱۶ء کی روداد

(پچھلے صفحہ کا بقیہ حاشیہ) ریاست رام پور پر بیٹھے۔ ان کی تربیت آصف الدولہ کے دربار میں ہوئی تھی انہوں نے دربار آصفی کے طریق و آداب رام پور کے پٹھان امراء و رؤساء پر جاری کرنے چاہے جن کے یہ لوگ عادی نہ تھے اور آصف الدولہ کی تربیت و صحبت سے نواب محمد علی خاں نے مذہب امامیہ بھی اختیار کرلیا تھا۔ اس لئے خوانین رام پور بگڑ گئے ان کی بجائے ان کے چھوٹے بھائی نواب غلام محمد خاں کو مسند ریاست پر بٹھایا اور نواب محمد علیخاں کو قتل کر دیا۔ آصف الدولہ کو جب یہ واقعہ معلوم ہوا تو اس نے انگریزوں کی مدد سے رام پور پر چڑھائی کر دی آصف الدولہ اور غلام محمد میں لڑائی ہوئی پٹھانوں نے خوب داد شجاعت دی بعض خوانین کی غداری سے پانسہ پلٹ گیا، غلام محمد خاں ناکام رہے نواب محمد علی خاں کا بیٹا احمد علی خاں (ف ۱۸۴۰ء) مسند حکومت پر بیٹھا اور نیابت کا کام نواب نصر اللہ خاں (ف ۱۸۱۱ء) پسر نواب عبد اللہ خاں کے سپرد ہوا۔ نواب غلام محمد خاں نادون (ریاست کشمیر) میں ۶ر جمادی الاخریٰ ۱۲۳۳ھ کو فوت ہوئے (ملاحظہ ہو اخبار الصنادید جلد اول ص ۶۰-۶۷)۔

اور مفتی محمد عوض بریلوی کے حالات پیش کرتے ہیں مفتی صاحب نے سب سے پہلے شمالی ہندوستان (روہیل کھنڈ) میں انگریزوں کے خلاف باقاعدہ علم جہاد بلند کر کے انگریزوں سے مقابلہ کیا اور تحریک آزادی کی بنیاد رکھی۔

مفتی مرحوم کا خاندان

مفتی محمد عوض کا تعلق بدایون کے عثمانی خاندان سے تھا، خاندانی روایات کے مطابق خاندان کے بزرگ محمد دانیال قطری لاہور و دیوبند ہوتے ہوئے عہد شمسی میں بدایوں آئے[1]۔ مفتی محمد عوض کے بزرگوں میں مولوی مرید محمد ابن ملا عبدالشکور نے عہد عالمگیری میں خاندانی روایت کے مطابق قوم ناگہ (اہنود) سے جہاد کیا، بدایوں سے دو میل جانب مشرق سورج کنڈ[2] کے مقام پر قدیم زمانے کی ایک مسجد تھی جس کو ناگوں نے شہید کر دیا تھا مولوی مرید محمد کو جب یہ معلوم ہوا تو اپنے مدرسہ کے طلبہ کی ایک کثیر جماعت اور دوسرے لوگوں کے ہمراہ موقع پر پہنچ گئے ناگوں سے زبردست معرکہ ہوا جس میں وہ کامیاب ہوئے مسجد کی دوبارہ تعمیر ہوئی[3]۔

---

[1] مفتی محمد عوض کے خاندانی حالات کے لئے ملاحظہ ہو اکمل التاریخ حصہ اول از محمد یعقوب حسین ضیا القادری بدایونی مطبوعہ عثمانی پریس بدایوں ۱۳۳۳ھ/۱۹۱۵ء

[2] سورج بنسی خاندان کے راجا آفتاب پرست ہوتے تھے چنانچہ اس دور کے معابد اور سکے آفتاب پرستی کی خبر دیتے ہیں، ان کی مملکت میں اکثر جگہوں پر سورج کنڈ بنے ہوتے تھے جو آفتاب پرستوں کا خاص شعار ہے ان کے خیال میں سورج دیوتا کی سواری کا رتھ ایک سفید گھوڑا کھینچتا ہے جس کے سات سر ہیں، اور اس کا نام سبت اشو (सप्त अश्व) ہے سنسکرت میں سبت بمعنی سات اور اشو بمعنی گھوڑا، یعنی سات سر کا گھوڑا۔ (یہ نام سورج کنڈ کے گھوڑے کے لئے مخصوص تھا۔) اس گھوڑے کی قرار گاہ ایک تالاب ہوتا ہے جس کو سورج کنڈ کہتے ہیں۔ آفتاب پرست راجا (سورج بنسی راجا) اپنے دارالحکومت کے قریب سورج کنڈ ضرور تعمیر کراتا تھا تاکہ لڑائی کے وقت دشمن کے مقابلے میں اپنے دیوتا سے مدد طلب کر سکے۔

[3] اکمل التاریخ حصہ اول ص ۲۷ وخطبہ استقبالیہ جلسہ مدرسہ قادریہ بدایون) از خان بہادر شیخ محمد محی الدین حیدر رئیس شیخوپور بدایون (مطبوعہ نظامی پریس بدایوں ۱۹۲۶ء) ص ۵

مفتی محمد عوض کے والد مفتی درویش محمد ابن ملا شیخ محمد ابن مولانا شیخ مصطفےٰ بدایوں میں ۱۱۰۶ھ میں پیدا ہوئے، نہایت حسین، قوی الجثہ، ذہین اور طباع تھے۔ علم و فضل اپنے خاندان نیز دیگر علماء سے حاصل کیا اور درس و تدریس کا سلسلہ شروع ہوگیا۔ حافظ الملک حافظ رحمت خاں کے زمانے میں شہر بریلی میں خدمت افتاء پر مامور تھے[۱]۔ نہایت خوش اقبال اور صاحب حیثیت تھے ۱۱۹۳ھ / ۱۷۷۹ء میں بریلی میں انتقال ہوا۔ ان کی زوجہ اول، (بدایونی) سے چھ فرزند مفتی عبد الغنی، مفتی محمد امجد[۲]، قاضی امین الدین[۳]، مولوی حسیب الدین، مولوی وجیہہ الدین اور محمد لطیف تھے اور زوجہ ثانی (بریلوی) سے مفتی محمد عوض اور مولوی محمد انجب پیدا ہوئے، مولوی محمد انجب لاولد فوت ہوئے[۴]۔

مفتی عبد الغنی کا ذکر بھی ضروری ہے وہ اپنے زمانہ کے بڑے نامور عالم، فاضل، محدث اور فقیہہ تھے انہوں نے علم دین کی تکمیل مولانا محمد علی بدایونی (المتوفی ۱۱۹۰ھ / ۱۷۷۶ء) سے فرمائی۔

---

[۱] عہد بنگش کی سیاسی، علمی و ثقافتی تاریخ از مفتی ولی اللہ فرخ آبادی مرتبہ محمد ایوب قادری (کراچی ۱۹۶۵ء) ص ۲۰۹

[۲] مولوی محمد امجد کے فرزند سوم مولوی غلام نبی قاضی بریلی تھے اور آخر تک شہر بریلی کے قاضی اسی خاندان سے ہوئے، قاضی غلام نبی کے بیٹے قاضی غلام احمد اور ان کے بیٹے قاضی عبد الجلیل تھے۔ قاضی عبد الجلیل کے بیٹے خان بہادر قاضی عبد الجمیل جنون شاگرد مرزا غالبؔ تھے جن کے نامور فرزند اور یادگار رئیس شہر قاضی محمد خلیل حیراں تھے۔ بریلی کی عیدین کی امامت اور خطابت اسی خاندان سے متعلق ہے۔ ملاحظہ ہو اکمل التاریخ حصہ اول ص ۴۵-۴۶

[۳] قاضی امین الدین نارنول چلے گئے ان کی اولاد جے پور اور نارنول میں تا ایندم موجود ہے۔

[۴] ملاحظہ ہو اکمل التاریخ حصہ اول ص ۴۵

مولوی محمد یعقوب حسین ضیاء القادری نے اپنی کتاب اکمل التاریخ میں مفتی عبدالغنی اور روہیلہ نوابوں کے جو تعلقات دکھائے ہیں ان کا تاریخ سے ثبوت نہیں ملتا، بلکہ بعض قرائن کی روشنی میں وہ فرضی معلوم ہوتے ہیں۔ مفتی عبدالغنی کے نامور تلامذہ میں شاہ حسن علی چشتی، مولوی اکرام اللہ محتشر مصنف روضۃ صفا، شیخ محمد افضل مصنف ہدایت المخلوق اور مفتی محمد عوض وغیرہ خاص طور سے قابل ذکر ہیں۔ مفتی عبدالغنی کا انتقال ۲۱ رمضان ۱۲۰۹ھ م ۱۱ اپریل ۱۷۹۵ء کو ہوا "قطب عالم مقتدائے عارفاں" تاریخ وفات ہے[1]۔ مفتی عبدالغنی کے پوتے مفتی ابوالحسن ابن مولانا ابوالمعانی، صدر الصدور رہے بریلی میں مستقل سکونت اختیار کر لی تھی جن کی اولاد مفتخر و معزز رہی، ان کے تین بیٹے مولوی احمد حسن خاں صدر الصدور (المتوفی ۱۲۷۳ھ) مولوی محمد حسن خاں صدر الصدور، مولوی حامد حسن خاں تھے، مولوی احمد حسن خاں صدر الصدور کے نامور بیٹے مولوی سلطان حسن خاں بریلوی صدر الصدور شاگرد علامہ فضل حق خیر آبادی تھے[2]۔

پیدائش و تعلیم

مفتی محمد عوض ابن مفتی درویش محمد عثمانی بریلی میں پیدا ہوئے سنہ پیدائش معلوم نہ ہو سکا۔ مفتی محمد عوض کی ننہال بریلی میں تھی پرورش بڑے ناز و نعم سے ہوئی ابتدائی تعلیم اپنے والد مفتی درویش محمد سے پائی پھر اپنے بڑے بھائی مولانا عبدالغنی مفتی آنولہ سے علوم منقول و معقول کی تکمیل کی اور حدیث و فقہ اور قرأت سبعہ میں مہارت حاصل کی نیز مولانا محمد علی بدایونی سے بھی بعض علوم میں استفاضہ فرمایا[3]۔ تکمیل علوم کے بعد درس و تدریس کا سلسلہ شروع کیا اور علم و فضل کی

---

[1] اکمل التاریخ جلد اول ص ۲۹ - ۳۹

[2] 〃 〃 〃 ۴۱ - ۴۳

[3] 〃 〃 〃 ۴۶

بنا پر اپنے دور کے مشاہیر علماء میں شمار ہوئے۔ نواب صدیق حسن خاں لکھتے ہیں[۱]۔

"حضرت الیشاں در عصر خود بعلم و فضل و کمال و فضائل صوری و معنوی یگانہ بودند"۔

عہدہ افتا و درس و تدریس

اپنے والد مفتی درویش محمد کے انتقال کے بعد ۱۱۸۸ھ میں بریلی کے مفتی شرع مقرر ہوئے اور یہ تقرر حافظ الملک حافظ رحمت خاں کے زمانۂ حیات میں ہوا[۲]۔ مسند افتا پر فائز ہونے کے باوجود درس و تدریس کا سلسلہ برابر جاری رہا۔ ان کا حلقۂ درس بڑا وسیع تھا اگرچہ اس وقت بریلی میں دوسرے علماء کرام بھی علوم اسلامی کی نشر و اشاعت میں مصروف تھے اس سلسلے میں مولوی مجد الدین[۳] عرف مولوی مدن شاہجہاں پوری (المتوفی ۱۲۲۸ھ) کا نام خاص طور سے قابل ذکر ہے، ان کا مدرسہ مقبرہ حافظ الملک حافظ رحمت خاں میں تھا جہاں مشہور فاضل مولانا سلامت اللہ کشفی بدایونی ثم کانپوری (المتوفی ۱۲۸۱ھ) نے تعلیم پائی مفتی محمد عوض کے علم و فضل کا اکناف و اطراف میں شہرہ تھا۔ اور دور دراز کے مختلف شہروں سے طالبان علم بریلی آکر ان سے مستفید ہوتے تھے حکیم عنایت حسین مارہروی

---

[۱] تاریخ قنوج از نواب صدیق حسن خاں (قلمی) ص۲۳۶ (مخزونہ مسلم یونیورسٹی لائبریری علیگڑھ)

[۲] عہد بنگش ص۲۰۹ [۳] مولوی مجد الدین عرف مولوی مدن ابن مولوی محمد طاہر، شاہجہاں پور وطن تھا۔ نامور عالم فاضل جامع معقول و منقول تھے علوم معقول میں حضرت شاہ عبد العزیز دہلوی سے مباحثہ کیا تھا۔ نواب سعادت علی خاں کے عہد میں حاکم عدالت عالیہ لکھنؤ رہے اس کے بعد مدرسہ عالیہ کلکتہ کے صدر مدرس ہوئے۔ ۱۸۰۶ء میں وہاں سے سبکدوش ہو کر بریلی میں مستقل قیام کیا، مقبرہ حافظ الملک حافظ رحمت خاں میں رہتے تھے، وہیں مدرسہ قائم کیا۔ بہت سے حضرات نے استفادہ فرمایا آپ بہت پاکیزہ خط تھے بدایوں میں بھی کچھ دنوں قیام رہا تھا اس دوران میں انہوں نے ایک قرآن شریف نقل کیا تھا، یہ قرآن شریف راقم کی پھوپی مرحومہ ملانی غفور النساء (ف ۲۴ مئی ۱۹۶۲ء) زوجہ چودھری حاجی شمس الدین رئیس و زمیندار ادھیانی ضلع بدایوں کے پاس تھا، مولوی مدن نے ۱۲۲۸ھ میں بریلی میں انتقال کیا متصل گنبد حافظ الملک اندرون مقبرہ دفن ہوئے مزار پختہ ہے (تاریخ شاہجہاں پور از صبیح الدین خلیل ص۱۴۷ ص۱۵۳ لکھنؤ ۱۹۳۲ء)

اپنی کتاب آثار احمدی میں شاہ اچھے میاں مارہرویؒ کے خلیفہ مولوی فضل امام بریلوی کے حالات میں لکھتے ہیں[1]۔

"از اکابر فضلائے انام دیار ان عظام جناب عالی شاہ اچھے میاںؒ، است در فضیلت شانے عظیم داشتہ و درفقر منہج قویم مولد و منشائے اجدائے بریلی من مضافات صوبۂ اودھ دود ومانش بریاست چودھر وغیرہ آنجا موصوف بود، وے بعنفوان شباب از وطن خود برآمدہ بعزیمت کسب علوم طلبۂ علم گلگشتے نمودہ درمقام بانس بریلی رسیدہ بخدمت فضیلت درجت مفتی محمد عوض پیوست وکسب فضائل نمود و در فنون متداولہ صورتے تجراندوخت مفتی بعد فراغ از غایت شادمانی دختر خودرا بعقد ازدواج او بخشید"۔

اس زمانہ میں روہیل کھنڈ و اودھ کے مشاہیر اہل علم نے مفتی مرحوم سے استفادہ کیا، مولانا فضل امام رائے بریلوی خلیفہ اچھے میاں مارہرویؒ اور مولانا اولاد حسن قنوجی رف ۱۲۵۳ھ (والد نواب صدیق حسن خاں قنوجی ثم بھوپالی) ان کے خاص شاگرد تھے[2]۔ مفتی مرحوم سے نہ صرف مسلمان بلکہ ہنود بھی علم حاصل کرتے تھے۔ رائے منوہر لال کا بیٹا رائے کندن لال اشکی ان کا شاگرد تھا جو اپنے زمانہ کا بڑا فاضل اور کئی اعلیٰ تصانیف کا مالک تھا[3]۔ نواب صدیق حسن خاں اپنی کتاب ابقاء المنن بالقاء المحن میں لکھتے ہیں[4]۔

"میرے نانا مفتی محمد عوض ساکن بانس بریلی عالم عارف باللہ قریشی صحیح النسب اولاد خلیفۂ سوم تھے ان کا نسب جداگانہ مضبوط ہے۔ آصف الدولہ والی اودھ ان کو نذر دکھاتے تھے"۔

---

[1] آثار احمدی از حکیم عنایت حسین قلمی مملوکہ محمد ایوب قادری ص۶۶) [2] اکمل التاریخ حصہ اول ص۷۸ [3] ملاحظہ ہو مقالات شروانی از مولانا حبیب الرحمٰن شروانی (علی گڑھ ۱۹۴۷ء) ص ۱۲۶،۱۱۶ [4] ابقاء المنن بالقاء المحن (مطبع شاہجہانی بھوپال ۱۳۰۵ھ) ص ۷

اس سلسلے میں نواب علی حسن خاں اس طرح رقمطراز ہیں[1]۔

" مفتی صاحب اپنے زمانہ میں علم و فضل، زہد و توکل میں بلند درجہ رکھتے تھے ان کو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر میں بڑا انہماک رہا کرتا تھا وہ دراصل رہنے والے بدایوں کے تھے اور بانس بریلی میں وطن اختیار کر لیا تھا۔ اور وہ بریلی کے مشہور مفتی اسلام تھے۔ حدیث و فقہ خصوصاً علم قرآن اور ضبط قرأت سبعہ کے ماہر کامل تھے چند رسائل قرأت وغیرہ جن کو انہوں نے ۱۲۱۸ھ میں اپنے قلم خاص سے لکھا تھا۔ اور سید علام مغفور (سید اولاد حسن قنوجی)، کے کتب خانہ میں موجود تھے[2]۔ باعتبار حسن و جمال ظاہری لوگ ان کو یوسف ثانی کہا کرتے تھے۔

ایک بار نواب آصف الدولہ بہادر والی ملک اودھ بریلی وارد فرما ہوئے اور آپ کی زیارت کے لئے تشریف لائے اور زر نقد و جواہر گرانبہا مع سند دیہات جاگیر نذر گذرانی مگر مفتی صاحب نے معذرت کی اور قبول نہیں کی"۔

مفتی ولی اللہ فرخ آبادی نے ان کو دیانت داروں اور پرہیز گاروں کا پیشوا لکھا ہے[3]۔

روہیل کھنڈ کی حالت

مفتی محمد عوض کے زمانہ میں حافظ الملک حافظ رحمت خاں کی شہادت ہوئی نوابان اودھ کی

---

[1] مآثر صدیقی حصہ اوّل از نواب علی حسن خاں نول کشور پریس لکھنؤ ۱۹۲۴ء ص ۹۶

[2] مولوی ولاد حسن قنوجی اور نواب صدیق حسن خاں کا نصف کتب خانہ ان کے بیٹے نواب علی حسن خاں کے قبضہ میں آیا انہوں نے زمانہ کی حالت دیکھ کر خصوصاً عربی و فارسی کی نادر و بیش قیمت کتابیں نیز دوسرے مخطوطات پر مشتمل نصف کتب خانہ ندوۃ العلماء لکھنؤ کو دیدیا جو علیحدہ وہاں کتب خانہ صدیقی کے نام سے محفوظ ہے۔ خیال اغلب ہے کہ اسی میں مفتی محمد عوض مرحوم کے تحریر کردہ وہ رسائل بھی ہونگے۔

[3] عہد بنگش ص ۲۱۰

حکومت قائم ہوئی جنہوں نے اس سرسبز وشاداب اور زرخیز علاقہ کو تاراج وبرباد کردیا پھر ۱۸۰۱ء میں یہ علاقہ انگریزوں کو ملا مگر اہل روہیل کھنڈ انگریزوں کی حکومت سے بھی چنداں خوش نہ تھے۔

انگریزوں کے ابتدائی عہد میں ایک سخت ہولناک قحط پڑا۔ نواب امیرخاں (بانی ریاست ٹونک) نے ۱۸۰۵ء میں اس علاقہ پر تاخت کی، مفتی محمد عوض سے ان کی صاحب سلامت تھی طرفین سے خط وکتابت بھی ہوئی۔ افتخار التواریخ کا مؤلف منشی دیبی پرشاد اس واقعہ کا ذکر اپنی کتاب کے صفحہ ۲۱۹ پر یوں کرتا ہے[1]۔

"بریلی کا مفتی محمد عوض، ان کی جان پہچان کا تھا اس کو لکھ بھیجا کہ تم ضیافت کا سامان تیار کر رکھنا ہم آتے ہیں۔"

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مفتی مرحوم کا تعلق شروع ہی سے حریت پسند اور آزادی خواہ جماعت سے تھا۔ انگریز کپتان جرنیل اسکاٹ گھبراگیا، اس نے مرادآباد سے کوچ کرکے چندوسی وبریلی کے درمیان اپنی فوج حائل کردی چونکہ اس وقت امیر خاں کی پالیسی جم کر لڑنے کی نہیں تھی اس لئے وہ طرح دے گئے۔ اسی دوران میں بیسل پور (ضلع پیلی بھیت) کے زمینداروں نے انگریزوں سے مقابلہ کیا اور انگریزوں کی ۱۸۱۳-۱۸۱۶ء تک نیپالیوں سے ہولناک لڑائیاں ہوئیں جنمیں انگریزوں کو بُری طرح شکست کھانی پڑی، اس وقت حریت اور آزادی کے شیدائی وفدائی انگریزوں کی غلامی کا جوا اپنی گردن سے اتار پھینکنے کی فکر میں تھے کہ موقع ہاتھ آگیا۔

آغاز جہاد

۱۸۱۴ء کے ریگولیشن ایکٹ دفعہ ۱۶ کی رو سے گورنمنٹ نے ہاؤس ٹیکس (چوکیدارہ) کا قانون بریلی میں جاری کیا ۱۸۱۶ء میں اس قانون پر عمل درآمد شروع ہوگیا۔ باشندگان بریلی میں ہنگامہ مچ گیا۔ ابھی چند

---

[1] افتخار التواریخ مولفہ منشی دیبی پرشاد کا مطبوعہ نسخہ پیش نظر ہے مگر ناقص الطرفین ہے اس لئے مقام طباعت اور سن طباعت تحریر نہ کیا جاسکا۔

سال پہلے یہ لوگ اس ملک کے مالک تھے، صاحب اقتدار و حیثیت تھے آج ان کے مسکونہ موروثی مکانات سے ٹیکس لیا جانے لگا۔ جن مکانوں میں وہ سالہاسال سے رہتے چلے آرہے تھے۔ بریلی میں لوگوں نے احتجاجاً تمام کاروبار بند کردیئے بلاتفریق مذہب و ملت سب لوگوں میں غصہ کی لہر دوڑ گئی لوگ گروہ در گروہ احتجاج کرنے کے لئے کچہری پر جمع ہونے لگے عوام و خواص کے ساتھ علماء و مشائخ بھی اپنی اپنی خانقاہوں اور درس گاہوں سے نکل آئے خاندان حافظ الملک حافظ رحمت خاں نے سب سے زیادہ بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ تمام اہل الرائے حضرات نے اس وقت کے مقدس و عالم و جری و بہادر شخص مولانا مفتی محمد عوض کو اس تحریک کی رہنمائی کے لئے منتخب کیا۔ مفتی صاحب نے پہلے بطور اتمام حجت کلکٹر ضلع مسٹر ڈمبلٹن (Dumblaton) کے سامنے عوام کی شکایت پیش کی اس عاقبت نااندیش انگریز نے حکومت کے نشہ میں سرشار ہو کر نہ صرف اپنا غیر منصفانہ حکم منسوخ کرنے سے انکار کردیا بلکہ جراغ یا ہو کر ٹیکس کی وصولیابی کا کام ایک ہندو کوتوال کرندسنگھ کے سپرد کردیا جو نہایت سخت گیر اور ظالم تھا۔ ہندو مسلمان یکساں طور سے اس کے نامناسب اور غیر معقول رویہ کی وجہ سے غیظ و غضب میں آگئے ۱۶ اپریل ۱۸۱۶ء ہندو مسلمانوں کا ایک ہجوم شہر کی سڑکوں پر جمع تھا کہ کلکٹر ضلع کچھ فوجی سپاہیوں کے ہمراہ آیا کہیں کہیں لوگ اس کو دیکھ کر منتشر ہو گئے مگر جب اس کا گزر مفتی محمد عوض کے مکان کے پاس سے ہوا تو مجاہدین میں سے کچھ لوگ اس کے سخت گیر اور ظالمانہ رویہ سے متاثر ہوتے اور ان کو خیال ہوا کہ کلکٹر مفتی عوض کی گرفتاری کے لئے آیا ہے۔ چنانچہ انھوں نے اس پر حملہ کردیا کلکٹر کے ساتھی سپاہیوں نے جواب میں گولیاں چلائیں کچھ لوگ شہید بھی ہو گئے اب تو ایک آگ لگ گئی گویا آتش فشاں پھوٹ پڑا[1]۔ اور مفتی محمد عوض مرحوم نے شمس الائمہ سرخسی کی سنت کی

---

[1] یہ بیان حیات حافظ رحمت خاں از الطاف علی بریلوی (کراچی ۱۹۶۳ء) ص ۲۱۹ سے ماخوذ ہے۔ جو گزٹیئر ضلع بریلی (انگریزی الہ آباد ۱۹۱۱ء) کا ترجمہ ہے۔

پیروی کر کے حق کی حمایت کی۔[1]

معرکۂ جہاد جنگ کی ابتدا ہو گئی طرفین سے کچھ نقصان بھی ہوا مسلمانوں میں بے پناہ جوش و خروش تھا، مفتی مرحوم نے شہر میں مقابلہ مناسب نہ سمجھا اور شہر سے بجانب مغرب حسینی باغ میں جاکر انگریزوں کے خلاف علم جہاد بلند کر دیا پھر کیا تھا اسلام اور اسلام کی عظمت پر مرمٹنے والے بکثرت ہتھیار بند مجاہدین اور شمع آزادی کے پروانے مفتی مرحوم کے شریک ہو گئے اور صرف دو روز کے قلیل عرصہ میں جب کہ ذرائع آمد و رفت محدود سے محدود تر تھے قریب کے شہر اور قصبوں مثلاً پیلی بھیت، رامپور، آنولہ، سرولی، شیر گڑھ اور شاہجہان پور وغیرہ سے ہزاروں آدمی جہاد کے لئے جمع ہو گئے اور مفتی مرحوم کی قیادت میں آناً فاناً چھ ہزار سے متجاوز مجاہدین کی ایک فوج تیار ہو گئی مفتی مرحوم اور ان کے رفقاء نے اس گروہ میں وعظ جہاد سے ایک زبردست روح پھونکدی، نواب صدیق حسن خاں لکھتے ہیں۔[2]

---

[1] شمس الائمہ سرخسی پانچویں صدی ہجری کے مشہور فقیہہ اور امام تھے، ماوراء النہر کے علاقہ میں جب نئے نئے بھاری ٹیکس لگائے گئے جن کا عام مفاد سے کوئی تعلق نہ تھا تو شمس الائمہ نے اس کے خلاف فتویٰ دیا اور اس ظلم کے انسداد کی کوشش کی۔ ارباب اقتدار غصہ سے آگ بگولا ہو گئے خاقان نے اوزجند کے ایک کنوئیں میں علامہ سرخسی کو قید کر دیا وہ دس سال سے زیادہ عرصہ تک اس میں رہے کتاب کے مطالعہ کے بغیر طالب علموں کو املا کراتے تھے، شاگرد کنوئیں کے اوپر بیٹھے رہتے تھے اسی قید میں انہوں نے شرح سیر الکبیر اور مبسوط جیسی عظیم اور ضخیم کتابیں زبانی لکھوائیں، مبسوط تیس جلدوں میں ہے۔ شمس الائمہ کا قید رہنا بے کار نہ ہوا ظالم حکمرانوں کے خلاف ملک میں بغاوت کے شعلے بھڑک اٹھے اور حکومت کا تختہ الٹ گیا۔ (اسلام کے معاشی نظریے جلد دوم از محمد یوسف الدین، حیدر آباد دکن ۱۹۵۰ء) ص ۶۹۷

[2] تاریخ قنوج قلمی ص ۶۹

"جوق در جوق مردم از ناحیہ بعزیمت جہاد رسیدند...... آخر رایت محمدی نصیب شد"

حکیم وحید اللہ بدایونی لکھتے ہیں[1]۔

"مخلوق بریلی نے مفتی محمد عوض مفتی بریلی سے جاکر احوال اپنی مفلسی اور عدم استطاعت کا بیان کیا مفتی محمد عوض نے خلقت کی طرفداری کی تا آنکہ لوگوں نے مجتمع ہو کر اپنا محمدی جھنڈا ایستادہ کیا اور گرد و نواح کے شہرات اور قصبات کی خلقت جمع ہو گئی"۔

علماء نے جہاد کا متفقہ فتویٰ دیا اور بنفس نفیس شریک جہاد ہوئے بریلی کے ایک نامور عالم مولوی محمد عثمان[2] مدرسہ کے بارہ طالب علموں کے ہمراہ شریک جہاد ہو کر شہید ہوئے[3]۔ بریلی کے اہل ثروت نے جہادیوں کے مصارف برداشت کئے نواب صدیق حسن خاں لکھتے ہیں[4]۔

"اہل دول از مال و سلاح امداد و اعانت نمودند"۔

حکیم وحید اللہ بدایونی نے لکھا ہے[5] کہ

"مسمی کماؤ ساہوکار ساکن بریلی کفیل مصارف اہل بلوہ کا ہوا۔"

مسٹر ڈمبلٹن کلکٹر ضلع نے یہ حالات دیکھ کر گرد و نواح سے مقابلہ کے لئے ایک معقول فوج جمع کر لی جنگ سے پہلے ایک دفعہ پھر مصالحت کی کوشش کی گئی مگر اہل شہر نے ٹیکس کی منسوخی اور شہر کو توال کو ان کے حوالے کئے جانے کے مطالبات کئے جو

---

[1] تذکرہ حکومت المسلمین از حکیم وحید اللہ بدایونی (قلمی تالیف ۱۲۸۵ھ/۱۸۶۹ء) کاتب غلام حسین کتب خانہ رضائیہ رام پور ص ۳۴ [2] مولوی محمد عثمان کے والد مولانا محمد عمر بڑے فاضل مقدس اور مرتاض بزرگ تھے قصبہ کمپل ضلع فرخ آباد میں پیدا ہوئے نواب احمد خاں غالب جنگ ان کے معتقد تھے پھر فرخ آباد سے بریلی آ گئے بریلی میں مسجد اور خانقاہ بنائی بریلی میں انتقال ہوا مولوی محمد عثمان اپنے زمانہ کے نامور فاضل تھے ان کا ایک مدرسہ تھا جس میں درس دیا کرتے تھے [3] ملاحظہ ہو عہد بنگش ص ۳۲ (باقی اگلے صفحہ پر)

نامنظور ہو گئے ، مجاہدین میں بے پناہ جوش و ولولہ تھا ۔ انگریزی فوج بھی تیار تھی مجاہدین نے مقابلہ کے لئے میدان شہر کہنہ متصل زیارت حضرت شاہ دانا ولی تجویز کیا ۔ نواب صدیق حسن خاں لکھتے ہیں[1] ۔

" در وقت ایشاں حکام وقت یعنی نصاریٰ در بلدہ بریلی کہ وطن آنجناب بود بر ہر یک خانہ شہر مقدارے از چوکیداری مقرر نمودند کہ ہر ماہ می گرفتند حضرت ایشاں ایں اخذ و جبر را در حق مسلمین جزیہ فہمیدہ و موجب کتاب حرمت اسلام دانستہ ادائش غیر لازم شمردند حاکم ایں حرکت را از مسلمان ناپسندیدہ درا مضائقش شدت نمود ، اسلامیان بلدۂ بریلی آمادہ پیکار شدند ...... حاکم از خوف بلوہ صلح خواست و فصل ایں خصومت برائے مفتی صاحب گزاشت حضرت ایشاں ہم رضا بصلح دادند کہ الصلح خیر " ۔

مصالحانہ گفتگو کے سلسلے میں حکیم وحید اللہ بدایونی لکھتے ہیں[2]

" جب صاحب کلاں بہادر ضلع بریلی نے یہ ماجرا دیکھا تو اپنے بعض معتمدین کو پاس مفتی محمد عوض کے بھیجا اور فہمائش کی کہ انجام اس بلوے کا اچھا نہ ہوگا جو لوگ کہ سرغنہ بلوے کے ہیں ان کو فہمائش کرنی چاہئے مفتی محمد عوض نے اقرار انسداد بلوہ کا کیا اور چند شروط پیش کیں ۔

اول یہ کہ ۔ مسمی کرند سنگھ کوتوال شہر بریلی کا موقوف ہو جائے

دوم یہ کہ ۔ جو لوگ جنگ اول میں مارے گئے ہیں ان کے وارثوں کے واسطے سرکار کمپنی انگریز بہادر سے کچھ معاش مقرر ہو جائے ۔

سوم یہ کہ ۔ سررشتہ ٹیکس کا یک قلم ہمیشہ کو موقوف ہو جائے ۔

کلکٹر ضلع بریلی نے پہلی شرط کو منظور کر لیا مگر دوسری اور تیسری شرائط کو کلکتہ صاحبان

(نوٹ صفحہ گزشتہ)

[4] تذکرہ حکومت المسلمین ۔ صـ٣٦ [5] تاریخ قنوج صـ١٦٠ [6] تذکرہ حکومت المسلمین صفحہ ٣٤

[1] تاریخ قنوج صـ٢٦٠ [2] تذکرہ حکومت المسلمین صـ٣٦

صدر کونسل کو لکھنے کے لئے کہا اور معاملہ کو لیت ولعل میں ڈالا

۲۱ اپریل ۱۸۱۶ء کو مجاہدین کے ہاتھوں عدالت گشتی کے جج مسٹر لیسٹر Leycester کا لڑکا مارا گیا۔ مجاہدین نے انگریزی فوج پر دھاوا بولدیا۔ مجاہدین کی جنگ کا عجیب نظارہ تھا۔ معمر حضرات سفید ریش اور سفید پگڑیوں کے ساتھ داد شجاعت دے رہے تھے اور جوان بڑھ چڑھ کر دشمن کی صفوں میں کھلبلی مچا رہے تھے یہانتک کہ انگریزی فوج کو شکست ہوئی۔

بے جرأت رندانہ ہر عشق ہے روباہی   بازو ہے قوی جس کا وہ عشق یداللّٰہی

مگر کسے معلوم تھا کہ نتائج ابھی اپنی آخری منزل پر نہیں پہونچے ہیں۔ اسی دوران میں کپتان کننگھم مراد آباد سے تازہ فوجی کمک لیکر آگیا جس کے مقابلہ میں مجاہدین کامیاب نہ ہو سکے مگر بقائے دوام کا سہرا انہیں کے سر رہا۔ حضرت شاہ دانا ولی کی زیارت کے پاس جو گنج شہیداں ہے وہ اسی واقعہ عظیم کے شہدائے کرام کی یادگار ہے[۱]۔

ہرگز نمیرد آنکہ دلش زندہ شد بعشق   ثبت است بر جریدۂ عالم دوام ما

"وائے دریغ" اس واقعہ کی تاریخ ہے[۲]
۱۲۳۱ھ

شہر پر انگریزوں کا باقاعدہ تسلط ہوگیا، اس واقعہ کے بعد زیادہ سخت گیر پالیسی اختیار نہ کی گئی۔ البتہ کنٹونمنٹ میں ایک قلعہ تعمیر کیا گیا جو نہایت چھوٹا ثابت ہوا اور اس سے کبھی کوئی خاص کام نہ لیا جاسکا شہر میں مکمل امن ہوگیا

ذیل میں ہم انگریز مورخوں کے دو اقتباس پیش کر رہے ہیں جن میں پہلا اقتباس مشہور مورخ مارش مین کا ہے وہ لکھتا ہے[۳]

---

[۱] یہ بیان حیات حافظ رحمت خان ص ۲۱۹-۲۲ سے ماخوذ ہے جو گزیٹیر ضلع بریلی کا ملخص ہے۔

[۲] اکمل التاریخ حصہ اول ص ۲۴

[۳] دی ہسٹری آف انڈیا حصہ دوم از جان کلارک مارش مین (سی رام پور ۱۸۶۰ء) ص ۲۳۲

"نیپال کی جنگ ۵ مارچ ۱۸۱۶ء کو ختم ہوگئی اور پنڈاریوں کے خلاف جنگ دوسرے سال ۱۶ اکتوبر کو شروع ہوئی یہ درمیانی وقفہ بہر نوع انتشار اور خلفشار کا دور نہیں تھا لیکن حکومت پر دو فوجی مہمات شمالی مغربی صوبہ میں عائد ہوئیں جو اگرچہ نسبتاً کم وقیع تھیں تاہم ان کی وجہ سے لارڈ ہسٹنگز کو کورٹ آف ڈائرکٹرز کو جو فوج میں تخفیف کرنے پر مصر تھے یہ یقین دلانے کا موقع مل گیا کہ ہمارے اپنے مقبوضات اتنے محفوظ نہیں ہیں جتنی پارک شائر میں کوئی جاگیر ہوتی ہے۔ مالیانہ کو بار سے بچانے کے لئے یہ طے پایا کہ بلدیاتی پولیس کو قائم رکھنے کے واسطے بعض بڑے شہروں پر ٹیکس عائد کیا جائے دیگر شہروں کے ساتھ ساتھ ایک شہر روہیلکھنڈ کا صدر مقام بریلی بھی تھا ٹیکس کی شرح کا تعلق ہر حلقہ کو خود کرنا تھا اور اس کے اخراجات کی نگرانی اہل قصبہ کا کام تھا مقدار کے اعتبار سے یہ ٹیکس کسی طرح بھی ناقابل برداشت نہیں تھا۔ اس کی زیادہ سے زیادہ رقم صرف چار روپے سالانہ تھی اور ادنیٰ درجے کے لوگ اس سے کلیتاً مستثنیٰ تھے۔ لیکن ہاؤس ٹیکس ایک جدت تھی جس کو قدیم دستور یا روایت کی سند حاصل نہیں تھی۔ چنانچہ اس کے خلاف، مخالفت کی ایک لہر ان لوگوں میں پیدا ہوئی جو برضا و رغبت غیر معمولی قسم کے لیکن قدیم شہری محاصل ادا کر رہے تھے، روہیلے جو ہندوستان میں افغان آبادکاروں میں سب سے زیادہ شورش پسند تھے اس کی مخالفت پر آمادہ ہوئے۔ جب مجسٹریٹ اس خیال سے بریلی میں داخل ہوا کہ عمائد شہر کے مشورہ سے تشخیص ٹیکس کی تفصیلات مرتب کرے تو ایک جتھے نے جس کو مفتی (محمد عوض) صاحب یعنی بڑے مذہبی پیشوا نے مشتعل کیا تھا اس پر حملہ کیا۔ اس نے بھی مجبوراً اپنے محافظ دستے کو حکم دیا کہ ان شورش پسندوں سے راستہ صاف کریں اس تصادم میں تین ان کے آدمی اور چھ یا سات شہری ہلاک اور زخمی ہوئے۔ اہل شہر نے ان کو شہدا کا درجہ دے دیا اور اس سے ان کے غصہ اور اشتعال میں بےحد اضافہ ہوگیا فوراً قاصد مضافاتی قصبہ رامپور کی جانب دوڑائے گئے۔ یہ وہ مقام تھا جو ان افغان قسمت آزماؤں کے بڑے بڑے گروہوں کا ایک عام مستقر تھا جو ہر سال ہندوستان کے مختلف والیان کے یہاں

فوجی ملازمت کی تلاش میں اپنے بے آب وگیاہ کوہستان سے جوق در جوق آتے تھے رامپور اور دوسرے قصبات سے رات بھر میں کمک کھنچ کر بریلی آگئی اور طلوع سحر کے وقت تک پانچ ہزار مجاہدین کا اجتماع سبز محمدی جھنڈے کے نیچے جمع ہوگیا خوش قسمتی سے حکومت کی فوجی قوت کو بھی اسی وقت فوجی مدد پہونچ گئی۔ اس شدید معرکہ میں جو پیش آیا۔ باغیوں کے جتنے آدمی کام آئے ان کی تعداد چار سو سے کم تھی، ایک بڑی تعداد زخمی ہوئی اور وہ پورا گروہ منتشر ہوگیا۔ اگر نتیجہ اس کے برعکس ہوتا تو اسی وقت پورا صوبہ روہیلکھنڈ بغاوت پر اٹھ کھڑا ہوتا اور امیر خاں جو نسلاً روہیلا تھا اور اس وقت بارہ ہزار روہیلوں کو اپنے جھنڈے کے نیچے مجتمع کئے آگرہ سے چند منزل کے فاصلہ پر خیمہ زن تھا موقع کو کسی طرح ہاتھ سے نہ جانے دیتا"

دوسرے انگریزی مورخ ہنری بیوریج نے اس کو کسی قدر تفصیل سے لکھا ہے چنانچہ وہ لکھتا ہے[1]

"ایک اور ہنگامہ سے جو معمولی سی باتوں پر بپا ہوا زیادہ سنجیدہ نتائج پیدا ہونے کا خطرہ لاحق ہوگیا۔ ہندوستان کے باشندوں کو کسی بات سے بھی اتنا ڈر نہیں لگتا جتنا بدعت یا جدت سے، انہیں ٹیکس عائد کئے جانے سے خصوصاً نفرت ہے اس وقت وہ اس کے اور بھی مخالف ہوتے ہیں جب وہ کسی نئی شکل میں لگایا جائے یہ احساس کیوں ہوتا ہے اس کی ایک آسان توضیح و تشریح ہے خصوصاً جب یہ بات ذہن میں رکھی جائے کہ ان کو اپنے حکمرانوں کے استحصال زر کے سبب کتنی تکلیفوں سے دوچار ہونا پڑا نیز بار بار ایسا ہوا کہ بظاہر کسی معین یا عارضی مدت کے لئے قلیل سی زر معین کردی گئی اور پھر وہ ایک مستقل غیر معین اور تکلیف دہ بار بن گئی، ہمیشہ سے اراضی ہی محاصل کا اہم ذریعہ رہ چکی تھی۔ اور پیداوار کا وہ حصہ جو حکومت وصول کرلیتی تھی اگرچہ اس کی مقدار اکثر و بیشتر ناقابل برداشت ہوتی تھی لیکن شاذونادر ہی اس کی مخالفت کی جاتی تھی اس محصول کی

---

[1] کمپری ہنسو ہسٹری آف انڈیا جلد سوم از ہنری بیوریج (لندن ۱۸۶۲ء) ص ۲۹-۳۳

ادائی یہ سمجھ کر کی جاتی تھی کہ گویا یہ قدرت کا وضع کردہ قانون ہے اور اس کی ادائی کے موقع پر لوگ خواہ کتنا ہی بڑبڑاتے لیکن مایوسی یا برہمی کا اظہار کبھی نہیں کرتے تھے لیکن نئے ٹیکس کا معاملہ دوسرا ہی تھا اور اس لئے حکومت بنگال نے ۱۸۱۳ء میں جب کہ لارڈ منٹو کا انتظام تھا مکان کے ٹیکس کی شکل میں محصول بڑھانا چاہا تو اتنی شدت اور عمومیت سے مخالفت ہوئی کہ جب تک اس کو ہٹا نہ لیا گیا ختم نہ ہوئی بالخصوص بنارس میں لوگوں نے کام پر جانا چھوڑ دیا دوکانیں بند کردیں اور نہ آبادی سے کسی قدر فاصلہ پر خیمہ زن ہو کر مجسٹریٹ کو اس مضمون کی درخواست بھیجی کہ تاوقتیکہ یہ ٹیکس نہیں ہٹایا جائیگا ہم اپنے مکانوں کو واپس نہیں لوٹیں گے حکومت کو دب جانے کی ضرورت کا احساس دلانے میں یہ خاموش احتجاج کسی جارحانہ شورش کے مقابلہ میں کہیں زیادہ مؤثر ثابت ہوا اور مکان پر ٹیکس لگاکر قومی محاصل کے اضافے کا خیال ترک کردینا پڑا ۔

اگرچہ حکومت کو شکست مان لینی پڑی تھی لیکن اس کو تسلیم کرنے پر دل سے راضی نہ ہوئی، اور دوسرے سال اس نے کوشش کی کہ پولیس کے مصارف تک محفوظ رکھ کر ہاوس ٹیکس (House Tax) کا اصول مقرر کردے اور اس کی ادائی رضا کارانہ کردے ۔ نیز اس کو لوگوں پر چھوڑ دے کہ وہ کمیٹیاں بناکر مختلف حلقوں میں خود اس کا تعین کریں پہلے پہل جن شہروں میں اس طرح کا ٹیکس لگایا گیا وہ ڈھاکہ ، پٹنہ اور مرشد آباد تھے لیکن جب اس طرح ایک مثال بن گئی تو اس کا دائرۂ عمل وسیع کردیا گیا اور زیریں صوبہ جات کے علاوہ بنارس اور بریلی بھی اس آفت میں آ گئے ۔ اگرچہ محصول کے تعین سے عام طور پر شدید بےچینی پھیلی پھر بھی بنارس اپنی سابقہ کامیابی سے ایک گونہ اطمینان محسوس کرتا رہا اور بظاہر کسی نفرت و مخالفت کے بغیر اپنے حصہ کا محصول ادا کرنے کے لئے راضی ہوگیا ۔ لیکن بریلی کی مخالفت کو آسانی سے نہ دبایا جا سکا یہ شہر جو روہیلوں کے علاقہ کے مرکزی حصہ سے دور نہیں تھا اور اس کی آبادی میں زیادہ تعداد

ان لوگوں کے تھے جو وجاہت و تمول کے اعلیٰ مراتب سے گر کر نسبتاً حقارت کے درجہ کو پہونچ گئے تھے اور انہیں اپنی وہ گردش تقدیر بخوبی یاد تھی جو اس ظالمانہ سودے کی بدولت ان کو دیکھنی نصیب ہوئی تھی جو وارن ہسٹنگز نے ان کو نواب اودھ کے ہاتھوں بیچ کر کیا تھا۔ اس موقع پر نیز دوسرے مواقع پر جس ناانصافی کا انہیں ہدف بننا پڑا وہ ابھی تک ان کے دلوں کو مسوس رہی تھی اور چونکہ یہ امر محال تھا کہ وہ ایک ایسی حکومت سے حقیقی طور پر تعلق خاطر محسوس کر سکیں جس نے ان کے ساتھ یہ ناروا سلوک کیا تھا اس لئے وہ کسی بھی حقیقی یا فرضی شکایت کی تلاش میں رہتے تھے جو ان کو اپنی بے اطمینانی کے اظہار کا آسانی سے موقع دے، عام لوگوں کی کوئی بھی قوجی نوعیت کی یا شورش پسندانہ تحریک ان کو آسانی سے کسی قسم کے ہنگامہ میں بھی حصہ لینے کے لئے آمادہ کر سکتی تھی۔ اس کے علاوہ مخالفت و دشمنی کے کئی اور بھی اسباب تھے کوتوال شہر یا پولیس کا سربراہ جو مسلمانوں کے لئے محض اس لئے قابل نفرت تھا کہ وہ ہندو تھا اپنے متکبرانہ طرز عمل سے اور بھی قابل نفرت بن گیا تھا اور برطانوی مجسٹریٹ اپنے بے تکلفانہ اور پر اخلاق طور طریقوں کے باوجود لوگوں کے دلوں میں محبت کے جذبات پیدا کرنے کی بجائے یہ خیالات پیدا کر سکا کہ گویا وہ سب سے دور رہ کر اور مغرورانہ رویہ اختیار کر کے اپنی شان جتانا چاہتا ہے اس خیال نے بہت سے شریف دیسی خاندانوں کو اس قدر مشتعل کیا کہ انہوں نے اس کے ساتھ کسی قسم کے دوستانہ روابط قائم رکھنے سے بیزاری کا اظہار کیا۔ غرض جو مواد اس طرح پختہ ہو اتھا اس کو شعلہ جوالہ بنانے میں ایک معمولی سی چنگاری کافی تھی۔

بریلی میں بلدیہ پولیس کے لئے ٹیکس کا عائد کیا جانا کوئی عجیب بات نہیں تھی حدود میونسپلٹی کی شاہراہوں میں اپنی املاک کی حفاظت کے لئے دوکاندار پولیس رینٹ کے نام سے ایک واجبی ٹیکس ادا کرنے کے عادی تھے ایسی صورت میں ان کی جانب سے جو کچھ اعتراض ہو سکتا تھا وہ یہ کہ ٹیکس کی مقدار میں اضافہ کیوں کیا گیا، یہ یقیناً ایک شکایت تھی۔ لیکن یہ ان لوگوں کی شکایت کے مقابلہ میں بہت خفیف تھی جو بیشتر ٹیکس سے

مستثنیٰ تھے اور اب پہلی مرتبہ ان پر ٹیکس عائد کیے گئے تھے۔ اس قسم کے لوگوں میں خاص طور پر ان تباہ حال خاندانوں کے افراد تھے جن کا ذکر پہلے کیا جا چکا ہے۔ اپنی اس ناداری کے زمانہ میں بھی ان میں سے اکثر اپنی حفاظت کے لئے کافی خدام اور مصاحب رکھتے تھے اور اس لیے نئے ٹیکس سے ان کے بار میں اضافہ ہو جاتا تھا حالانکہ اس سے ان کو فائدہ کچھ بھی نہیں پہونچتا تھا، وہ یقیناً اپنے خدام میں کمی کر سکتے تھے اور اپنی حفاظت کی ذمہ داری میونسپل کو بنا سکتے تھے۔ ہوا بھی یہی کہ وہ یہ اقدام کرنے پر مجبور ہوئے لیکن خدام کو برطرف کرنا وہ اپنے لئے توہین سمجھتے تھے۔ ایک ایسا ٹیکس جس نے ان کو یہ قدم اٹھانے پر مجبور کیا وہ ان کے لئے نہ صرف اس لئے ناپسندیدہ تھا کہ وہ ان پر ایک بار بن گیا تھا بلکہ موجب ہتک ہونے کی وجہ سے بھی ناقابل قبول تھا۔

وہ کوشش جو کمیٹیوں کے ذریعہ رضاکارانہ طور پر محصول وصول کرنے کے لئے کی گئی تھی جب بریلی میں کلیتاً ناکام ہو گئی تو مجسٹریٹ نے کوتوال کو حکم دیا کہ وہ اپنے اختیار تمیزی سے اس کو لوگوں پر تقسیم کر کے عائد کرے کہا جاتا ہے کہ اس کام کی انجام دہی میں جو ہر طرح دقت طلب ثابت ہو چکا تھا اس نے بے انتہا سختی کا رویہ اختیار کیا ادنیٰ طبقہ کے لوگوں کو سامان قرق کرنے کی اور اعلیٰ طبقہ کے افراد کو زنجیر و سلاسل اور قید و بند کی دھمکی دی، جب تمام شہر میں یہ جوش و خروش پھیلا ہوا تھا اور عوام کا غصہ بے حد بڑھا ہوا تھا اس وقت پولیس کے ایک سپاہی نے کہ ٹیکس عائد کرتے وقت اس کی مزاحمت کی گئی ایک عورت کو زخمی کر دیا، لوگوں نے اسے ایک چارپائی پر ڈالا اور فوراً مفتی محمد عوض کے پاس لے گئے یہ مفتی محمد عوض وہ تھے جن کا تقویٰ و تقدس روہیلکھنڈ بھر میں مشہور تھا، وہ پہلے ہی پبلک کے اس اشتعال کی حمایت کر چکے تھے اور جب ان کی خدمت میں یہ واقعہ پیش کیا گیا تو انھوں نے مشورہ دیا کہ اس عورت کو فی الفور مجسٹریٹ کی قیام گاہ پر لے جاؤ۔ مجسٹریٹ کے یہاں سے یہ جواب ملا کہ عورت اپنی شکایت باضابطہ طور پر متعلقہ عدالت میں

پیش کرے، جوش اور جھلاہٹ اس قدر فزوں تھے کہ وہ معمولی ضابطہ کی کارروائی سے دبنے والے نہیں تھے، پھر مفتی صاحب نے ان دونوں چیزوں کو یہ اعلان کرکے اور ہوا دی کہ اگر انصاف کا یونہی خون ہوتا رہا تو کسی آدمی کی بھی زندگی اور عزت محفوظ نہیں رہ سکتی ہنگامہ کرنے والے سڑک پر جمع ہونے شروع ہوگئے اور مفتی مرحوم کے مکان کے نزدیک ایسی خطرناک صورت حال پیدا ہوگئی کہ مجمع کو منتشر کرنا ضروری سمجھا گیا۔ جب مجسٹریٹ کچھ سواروں اور سپاہیوں کو لے کر موقع واردات پر آیا تو لوگوں کو شبہ ہوا کہ اس کا مقصد مفتی مرحوم کو گرفتار کرنا ہے۔ ظاہر ہے کہ اس بات کی اجازت یہ انبوہ کسی قیمت پر بھی نہیں دے سکتا تھا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ مقابلہ شروع ہوگیا جس میں کئی جانیں تلف ہوگئیں۔ اور مفتی مرحوم بچ کر نکل گئے۔

اس وقت ایک عام بغاوت کا پھوٹ پڑنا لازمی تھا، چنانچہ جس خانقاہ میں مفتی مرحوم نے پناہ لی تھی اس پر اسلامی پرچم لہرا دیا گیا اور معتقدین میں یہ اعلان کردیا گیا کہ دین خطرہ میں ہے جو لوگ بریلی میں موجود تھے ان کے علاوہ قرب و جوار کے قصبات سے مجاہدین جوق در جوق آنے لگے اور دو ہی دن میں چھ ہزار مسلح آدمیوں کا اجتماع ہوگیا، افسران بھی غافل نہیں تھے فوری طور پر ان کے پاس جو قوت تھی اس میں چار سو بیس آدمی اور دو توپیں تھیں، ساتھ ہی مراد آباد سے کمک نہایت تیزی سے آرہی تھی، اسی دوران میں باغیوں سے صلح کی بات چیت ہوئی۔ مفتی مرحوم برضامندی اس ہنگامہ بلاخیز سے کنارہ کشی اختیار کرلیتے جو خود انہوں نے ہی برپا کیا تھا۔ لیکن یہ امر ان کی دسترس سے باہر ہوگیا اور باغی جو اپنی مرضی کے مختار تھے ان شرائط پر اڑ گئے کہ محصول ختم کیا جائے، کوتوال کو ان لوگوں کے حوالے کیا جائے تاکہ وہ اس سے اس خون کا بدلہ لے سکیں جو اس نے بہایا ہے، جن لوگوں کو نقصانات پہونچے ہیں ان کے متعلقین کو گزارہ دیا جائے اور عام معافی کا اعلان کیا جائے چونکہ ان شرائط کو اسی وقت ماننے سے انکار کردیا اس لئے بلوائیوں نے فی الفور تشدد شروع کردیا۔ ایک نوجوان کو جو گشتی عدالت کے ایک جج کا لڑکا تھا اور تنہا فوج کی ایک چوکی سے دوسری پر جا رہا تھا

گولی کا نشانہ بنادیا بعدہٗ اس سے پیشتر کہ کمک آئے اس سپاہ پر جو شہر کے اندر موجود تھی حلہ بول دیا۔ . . . . باغیوں نے پہلے مزاحمت کی بعدہ تعاقب کیا پھر چار سو لاشیں اور کثیر تعداد میں مجروح اور قیدی چھوڑ کر راہ فرار اختیار کر گئے۔ یہ شکست نہایت موقع سے ہوئی تھی کیونکہ اسمیں کوئی شک نہیں کہ اگر عوام کو پہلے معرکہ میں کامیابی ہو جاتی تو عام شورش پھیل جاتی۔ لیکن اس کے بعد فساد برپا کرنیکی کوشش نہیں کیگئی مفتی مرحوم اور دیگر سرغنے جو کمپنی کی عملداری سے بچکر نکل گئے تھے ان کا تعاقب نہیں کیا گیا اور جو چند مقدمات چلے وہ بھی بغیر کسی سزا کے ختم ہو گئے اسکی وجہ یا تو یہ ہوئی کہ کافی شہادت میسر نہ ہو سکی یا نرمی کو سختی پر ترجیح دینا مناسب سمجھا گیا۔

گزیٹیر بریلی کے مرتب مسٹر نیول انگریز نے بھی مفتی مرحوم کے واقعہ کو نہایت صراحت سے لکھا ہے، مگر مولف "مآثر صدیقی" صفی الدولہ حسام الملک نواب علی حسن خاں (ابن والاجاہ نواب صدیق حسن خاں قنوجی ثم بھوپالی) نے واقعہ کی صورت ہی مسخ کر دی چنانچہ وہ لکھتے ہیں[1]

"ان کے وقت میں انگریزی عملداری کا ابتدائی زمانہ تھا اور انگریزی حکومت کے اصول و قوانین سے بہت کم آدمی واقف تھے اس زمانہ میں حکام بریلی نے شہر کے تمام مکانوں پر چوکیداری کا حق قائم کر کے باشندگان شہر پر ٹیکس جاری کیا تھا جو ہر مہینے وصول کیا جاتا تھا، مفتی صاحب اور ان کے ساتھ عام رعایا نے جن میں افغانان بریلی بھی تھے اس ٹیکس کو جزیہ کا مرادف سمجھ کر اور ہتک حرمت اسلام جان کر اس کے ادا کرنے سے انکار کیا حکام کو یہ حرکت سخت ناگوار گزری اور انہوں نے تشدد کرنا شروع کیا یہ دیکھکر تمام مسلمانان بریلی برہم ہو کر آمادہ فساد ہو گئے حکام نے

---

[1] مآثر صدیقی حصہ اول ص۶۳

بلوہ کے خوف سے چاہا کہ مصالحانہ طریقہ سے فیصلہ ہو جائے
اور مفتی صاحب سے گفتگو کی مفتی صاحب نے ٹیکس کی حقیقت
سے واقف ہو کر اور "الصلح خیر" کہہ کر حکام کی رائے سے اتفاق کیا
اور رفع فتنہ میں پوری کوشش کی مگر افسوس ہے کہ افغانان رامپور
و بریلی جو مجسم تودہ جہالت تھے ایک نہ سنی اور آمادۂ بغاوت ہو کر
جنگ شروع کر دی، مفتی صاحب نے اس طوفان بدتمیزی کو دیکھ کر
اہل بریلی کو سخت ملامت کی اور سمجھایا کہ "شما باوے محاربہ شوید
ظالم نہ میر بید مظلوم میر بید" مگر ایک بات بھی پیش نہ گئی بلکہ برخلاف
اس کے تمام رعایائے شہر نے مجبور ہو کر کے مفتی صاحب کو اپنے حلقۂ
جماعت میں لے لیا اور ہر طرف ایک عظیم جنگ برپا ہو گئی جس میں
دونوں طرف کے بہت سے آدمی کام آئے آخر کار کچھ دنوں
کے بعد ان کی ہمتوں میں ضعف آنا شروع ہو گیا اور مصلحت وقت
اور طمع دنیا ان پر غالب آ گئی اس وقت انہوں نے مجبور ہو کر اپنے ہتھیار
رکھے اسطرح فساد کا خاتمہ ہوا"

مولوی یعقوب حسین ضیاء القادری بدایونی مولف اکمل التاریخ نے بھی انکاری لہجہ
اختیار کرتے ہوتے اس واقعہ کو اس طرح بیان کیا ہے۔[1]

"مفتی صاحب کے زمانے ۱۲۳۱ھ میں بریلی میں بلوہ عظیم
برپا ہوا" وائے دریغ ۱۲۳۱ھ جس کی تاریخ ہے آپ اس بلوہ کی کشمکش
سے بچ کر ریاست ٹونک کی جانب چلے گئے اور وہیں
انتقال ہوا"

نواب علی حسن خاں مولف "مآثر صدیقی" مفتی مرحوم کی بیٹی کے پوتے ہیں، ان کے

---

[1] اکمل التاریخ حصہ اوّل ص ۴۷

والدوالاجاہ نواب صدیق حسن قنوجی ثم بھوپالی نے اپنی تصنیفات میں جہاد سے متعلق کچھ مضامین درج کئے تھے جس کی پاداش میں انتزاع خطاب اور معزولی منصب تک نوبت پہونچی[1]۔ پھر بھلا نواب علی حسن خاں مفتی محمد عوض کے کارنامے کس طرح درج کرکے انگریز کی نظر میں مشتبہ ٹھہرتے اور تمام تر ذمہ داری افغانان بریلی ورامپور پر ڈالکر مفتی مرحوم کو مجبور و بادلِ ناخواستہ شرکت کرنے والا ٹھہرایا، مگر ان کو کیا خبر تھی کہ کبھی یہاں سے انگریز بھی جائے گا اور اصل حالات ظاہر ہوکر رہیں گے، حقیقت یہ ہے کہ نواب صدیق حسن نے بھی اپنی کتاب تاریخ قنوج میں کچھ اسی قسم کا تاثر دیا ہے۔

افغانان بریلی ورامپور کے سلسلہ میں صرف اتنا عرض کرنا ہے کہ اس "تودۂ جہالت" سے عقل ودانش اور حریت وآزادی کے جو کارنامے ظہور میں آئے وہ تاریخ میں بقائے دوام حاصل کرچکے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان مجاہدین کو اپنی رحمتوں سے نوازے۔

مولوی محمد یعقوب حسین ضیاء القادری بدایونی کی کتاب "اکمل التاریخ" مفتی مرحوم کے خاندان والوں سے متعلق ہے۔ مولوی صاحب نے اپنے دوران ملازمت میں یہ کتاب ترتیب دی لہٰذا انہوں نے بھی انکاری پہلو ہی مناسب سمجھا، ورنہ حقیقت اپنی جگہ ظاہر وعیاں ہے۔

بہر رنگے کہ خواہی جامہ می پوش — من انداز قدت را می شناسم (حافظ)

مرتب گزیٹیر ضلع بریلی نے اس واقعہ کو صراحت سے لکھا ہے، پھر جناب الطاف علی صاحب بریلوی مؤلف حیات حافظ رحمت خاں نے گزیٹیر بریلی کے انگریزی مواد کو بطور تلخیص سب سے پہلے اپنی کتاب حیات حافظ رحمت خاں میں پیش کیا ورنہ مصلحت بیں حضرات نے تو بھلا ہی دیا تھا۔

مفتی مرحوم کا ورود ٹونک اور سفر آخرت

انگریزوں کے تسلط کے بعد مفتی مرحوم اس تحریک کے دوسرے حضرات کے ساتھ بریلی چھوڑ کر براہ قاضی موئی شیر گڑھ اور

[1] مآثر صدیقی حصہ سوم از نواب علی حسن خاں ص ۱۱۵ و ص ۱۹۵

بلاس پور ہوتے ہوئے رام پور گئے اور وہاں سے چھپتے چھپاتے ٹونک پہونچے
نواب صدیق حسن خاں لکھتے ہیں [1]

"چوں مفتی صاحب دریں معرکہ جانب حق بودند بعد شکست
حق تعالیٰ حمایت و حراست ذات ایشاں نمود و از دست
ظلم کفار و فجار نگاہداشت فرمود یعنی چوں بعد غلبۂ نصاریٰ
تجسس ایشاں کہ نام نہاد امیر الاسلام و مبدء جہاد بودند،
بسیار شد و سر نہگاں حاکم وقت بطلب ایشاں بر شوارع
و طرق متعین شدند حضرت ایشاں در عین آں حالت از
بلدۂ بریلی بر آمدند و بجانب مصطفےٰ آباد در رام پور رفتند
و از شر آں مفسدان نجات یافتند و دریں بر آمدن
بمشیت تعالیٰ ہیچ کس ایشاں را نشناختند و در اسراغ
نیافت اما حضرت ایشاں آنجا (در رام پور) مقیم
نشدہ بریاست ٹونک آمدند"

مفتی محمد عوض کے نواب امیر خاں والی ٹونک سے دیرینہ تعلقات تھے جیسا کہ افتخار التواریخ
کا حوالہ اوپر گزر چکا ہے مفتی مرحوم کے پہونچنے پر نواب امیر خاں نے بڑا اعزاز و اکرام
کیا بڑی قدر و منزلت فرمائی سرکاری مہمانداری ہوئی مگر زیادہ عرصہ نہ گزرا کہ
پیغام خداوندی آپہونچا اور عالم جاودانی کو سدھارے تاریخ وفات
معلوم نہ ہو سکی۔ مولف مآثر صدیقی لکھتے ہیں۔

نواب امیر خاں والی ٹونک نے ان کا باقاعدہ استقبال کیا
اور پورے طور پر لوازم مہمانداری و قدر شناسی ادا کئے ہنوز
ٹونک آتے ہوئے ان کو زیادہ زمانہ نہ گزرا تھا کہ اجل موعود

---

[1] تاریخ قنوج ص ۲۶۸

کا وقت آپہونچا اور انہوں نے داعی اجل کو لبیک کہہ کر سفر آخرت کیا"[1]

حکیم وحید اللہ بدایونی لکھتے ہیں[2]

"جب لڑائی برطرف ہوئی مفتی محمد عوض مخفی طرف ٹونک وغیرہ کے روانہ ہوئے اور نواب محمد میر خاں بہادر کے پاس پہونچے اور مدت العمر وہاں قیام کیا اور جاں بحق تسلیم ہوئے"

ہمارا خیال یہ ہے کہ نواب علی حسن خاں کا بیان صحیح ہے کہ "ٹونک پہونچے مفتی مرحوم کو زیادہ زمانہ نہ گزرا تھا کہ اجل موعود کا وقت آپہونچا" ٹونک میں مفتی عوض کا قیام محلہ بہیر میں تھا۔

خدا اس مجاہد جلیل کو اعلیٰ علیین میں جگہ دے جس نے قومی عز و شان اور ملی تحفظ و بقا کے لئے یہ مصائب جھیلے اور قوم کو قربانی و ایثار کا سبق دیا[2]

اولاد و احفاد

مفتی مرحوم کے ٹونک جانے کے بعد ان کے اہل و عیال و دیگر رشتہ داروں کے ہمراہ بریلی میں رہے ان کے مکانات واقع مفتی گلی (نیم کی چڑھائی متصل دوکان محمد ہاشم سرمہ فروش) پرانی طرز کی قدیم حویلیوں کی طرح تھے، ان کے ایک صاحبزادے مولوی محمد حسن تھے جن کے بیٹے شیخ حامد حسین ہوئے[3] ان کو نواب صدیق حسن خاں کی بہن محمدی بیگم منسوب تھیں، شیخ حامد حسین کے کوئی اولاد نرینہ نہ تھی البتہ تین لڑکیاں تھیں اسما بیگم، ہاجرہ بیگم، عائشہ بیگم۔ شیخ حامد حسین مرحوم بھوپال میں نواب صدیق حسن خاں کے

---

[1] تذکرہ حکومت المسلمین صفحہ ۳۶ [2] ۱۹ دسمبر ۱۸۱۷ء نواب امیر الملک امیر خاں سے انگریزوں نے معاہدہ کیا جس کی رو سے ان کو ریاست ٹونک کی نوابی ملی لہٰذا اس تاریخ کے بعد ہی وہ ٹونک پہنچے اور ۱۸۱۸ء سے قبل مفتی مرحوم کی وفات کا امکان نہیں۔

[3] مآثر صدیقی حصہ اول صفحہ

توسط سے کامدار ڈیوڑھی خاص کے فرائض کی انجام دہی پر مامور تھے اور ان کو حسب قاعدہ قدیم رئیسہ عالیہ شاہجہاں بیگم والیہ بھوپال کی سرکار سے چھ ہزار روپیہ سالانہ کی جاگیر عطا ہوئی تھی بعد وفات یہ جاگیر ان کی دو لڑکیوں کو مقرر ہو گئی (غالباً تیسری لڑکی کا انتقال ہو گیا ہوگا) حافظ حمید الدین بدایونی نے "عمدۃ التحقیق فی ذکر آل سیدنا صدیق" میں مفتی مرحوم کے دو صاحبزادے جمال میاں اور شفاعت اللہ کا نام بھی درج کیا ہے جن کا مزید کوئی حال نہ ملا۔ مؤلف اکمل لتاریخ مولوی محمد یعقوب حسین ضیا القادری اولاد ذکور کے سلسلے میں بالکل خاموش ہیں، ان کو مفتی مرحوم کے صاحبزادوں کا حال نہ معلوم ہوا ہوگا۔

مفتی مرحوم کی کئی لڑکیاں تھیں، ایک مولوی اولاد حسن قنوجی کو منسوب تھیں جن سے مولوی احمد حسن عرشی[1]، والا جاہ نواب صدیق حسن خاں[2] اور تین لڑکیاں فاطمہ بیگم، محمدی بیگم اور مریم بیگم پیدا ہوئیں۔ مولوی احمد حسن عرشی لاولد فوت ہوئے۔ نواب صدیق حسن خاں کا سلسلۂ اولاد بفضلہ موجود ہے دوسری لڑکی مولانا فضل امام رائے بریلوی خلیفہ حضرت اچھے میاں مارہروی کو منسوب تھیں

---

[1] مولوی احمد حسن جامع علوم عقلیہ و نقلیہ تھے۔ درسی کتابیں مولوی فیض احمد بدایونی سے پڑھیں شاعری میں مرزا غالب سے تلمذ تھا۔ سند حدیث شاہ عبد الغنی دہلوی سے حاصل کی ۱۲۷۶ھ میں بارادہ حج چلے تھے کہ بڑودہ میں ۹ جمادی الاولیٰ ۱۲۷۷ھ کو انتقال ہوا۔ ان کی ایک کتاب "شہاب ثاقب" ہے۔ (تذکرہ علمائے ہند رحمٰن علی، مترجمہ و مرتبہ محمد ایوب قادری کراچی ۱۹۶۱ء ص ۹۵-۹۶)

[2] صدیق حسن ۱۲۴۸ھ میں قنوج میں پیدا ہوئے ابتدائی تعلیم کے بعد مفتی صدر الدین آزردہ سے تحصیل علم کی علوم تفسیر و حدیث دوسرے علماء سے حاصل کئے ریاست بھوپال میں اول محکمہ انشاء میں ملازم ہوئے بعدہ رئیسہ عالیہ بھوپال نواب شاہجہاں بیگم نے ان سے نکاح کر لیا۔ خطاب خانی و نوابی ملا۔ عربی، اردو، فارسی میں تقریباً تین سو کتابیں ان سے یادگار ہیں۔ ۱۳۰۷ھ میں انتقال ہوا۔ (تذکرہ علمائے ہند ص ۲۵۰-۲۵۱)

جن کے سلسلے کا مزید حال معلوم نہ ہوسکا۔ مولوی فضل امام رائے بریلوی عالم اور صاحب نسبت بزرگ تھے۔ تیسری مفتی مرحوم کے بھتیجے قاضی بدر الدین بدایونی ابن مفتی محمد امجد کو منسوب تھیں جن کے بیٹے غلام نظام الدین اور پوتے غلام محی الدین ہوئے، غلام محی الدین کے بیٹے حاجی آل حسن تھے جن کے صرف ایک بیٹے ابن حسن عرف ابن تھے جو نہایت وجیہہ وشکیل تھے عین عالم جوانی میں فوت ہوگئے حاجی آل حسن نے مدتوں ان کی سوگواری کی چوتھی لڑکی سید حیدر علی ساکن سرائے میراں (بدایوں) کو منسوب ہوئیں جن کے تین بیٹے حسن علی، عاشق علی اور محمد شاہ تھے۔ حسن علی بھوپال میں علازم تھے اور وہیں فوت ہوئے ان کے دو بیٹے خورشید علی اور فیاض علی ہوئے۔ فیاض علی پلٹن بنگال انفینٹری 33 B.I. میں صوبیدار تھے۔ پھر رجسٹرار رہے ان کے تین بیٹے، سلطان احمد، سلیمان احمد اور ظفر احمد ہوتے۔ عاشق علی کے دو بیٹے نذیر احمد وکیل اور عزیز احمد ہوتے۔ عزیز احمد کے ایک بیٹے خلیل احمد ہوئے سید محمد شاہ نے جنگ آزادی ۱۸۵۷ء میں حصہ لیا لہذا اسی جرم میں وہ اپنے داماد (شوہر حسینہ بانو) کے ہمراہ گولی سے ماردیئے گئے حسینہ بانو کی شب عروسی کی صبح کو یہ روح فرسا واقعہ ظہور پذیر ہوا پانچویں بیٹی قاضی قمر الدین حمیدی ساکن قاضی ٹولہ (بدایوں)[۱] کو منسوب تھیں انکا سرکار بھوپال سے وظیفہ مقرر تھا۔ ان کے دو بیٹے نیاز الدین اور بشیر الدین تھے بشیر الدین کے ایک بیٹے وصی الدین ہوئے اور نیاز الدین کے شمس الدین اور ریاض الدین ہوتے شمس الدین تک بھوپال سے وظیفہ ملتا رہا اس کے بعد بند ہوگیا۔ شمس الدین بڑے صاحب کمال اور ہفت قلم تھے تاریخ گوئی کا خوب ملکہ تھا۔

شمس الدین کے دو بیٹے سراج الدین اور قطب الدین عرف مقلا شاہ ہوئے سراج الدین بریلی میں ۱۹۴۹ء میں بی بی جی کی مسجد "ہندو مسلم فساد" میں شہید ہوئے۔

---

[۱] تاریخ بنی حمید مولفہ مولوی محمد انشاء اللہ بدایونی مطبوعہ امیر الاقبال پریس بدایوں صد۴۹

تحریک مجاہدین پر ایک نظر

دورِ اوّل سید احمد شہیدؒ کی تحریک تجدید و احیائے دین اور جہاد کی تحریک تھی توحید خالص کی تبلیغ، شرک و بدعت اور قبر پرستی کا استیصال، مراسم محرم کی بیخ کنی، شادی و غمی نیز دیگر تقریبات کے غیر اسلامی مراسم کے بجائے اسلامی سادہ زندگی کا احیاء اور نکاح بیوگان کی ترویج و اشاعت اس تحریک کے خاص عنصر تھے، اس مقصد کے لئے شاہ اسمٰعیل شہیدؒ نے تقویت الایمان جیسی انقلاب آفریں کتاب لکھی[1]۔ پھر تو اِس سلسلہ کو اس قدر وسعت ہوئی کہ اس خانوادے کے دوسرے تربیت یافتہ علماء نے احیاء سنت اور اصلاح معاشرہ کے لئے متعدد کتابیں اور رسالے لکھے، اور اچھا خاصا ادب مہیا کر دیا[2]۔

---

[1] مولانا فضل حق خیرآبادی (ف ۱۲۷۸ھ / ۱۸۶۱ء) نے سب سے پہلے تقویۃ الایمان کی ایک عبارت "اس شہنشاہ کی تو یہ شان ..... کی برابر کے پیدا کر ڈالے" پر امتناع نظیر اور امکان نظیر کی بحث چھیڑی اور ایک مختصر سا رسالہ اس عبارت کے رد میں لکھا، پھر تو اس سلسلے میں بہت سے رسالے قلمبند ہوتے اور تقویۃ الایمان کے مستقل رد لکھے گئے۔ بغرض اس تحریک کی مخالفت کے آغاز کا سہرا مولانا فضل حق خیرآبادی کے سر ہے (اعترافات تقویۃ الایمان از مولانا فضل حق خیرآبادی۔ قلمی مملوکہ حکیم نصیر الدین ندوی کراچی) ص۱

[2] مسائل اربعین و مائۃ مسائل (شاہ محمد اسحاق ف ۱۲۶۲ھ / ۱۸۴۶ء) نصیحۃ المسلمین و رسالہ جہادیہ مولوی خرم علی بلہوری (ف ۱۲۷۳ھ / ۱۸۵۶ء) ہدایۃ المومنین رسالہ راہ سنت و رسالہ رد عقائد مشرکین (مولوی اولاد حسن قنوجی (ف ۱۲۵۳ھ / ۱۸۳۷ء) رسالہ تقویٰ، رسالہ کلمات کفر و عقائد نامہ (مولوی سخاوت علی (ف ۱۲۷۴ھ / ۱۸۵۸ء) رسالہ دعوت و رسالہ رد شرک (مولوی ولایت علی (باقی اگلے صفحہ پر)

سید احمد شہید کی تحریک کا اہم ترین عنصر جہاد اور اصل مقصد حکومت الٰہیہ کا قیام تھا سید صاحب کا کوئی مکتوب یا وعظ ترغیب جہاد سے خالی نہ تھا جس زمانہ میں پنجاب میں سکھا شاہی کا زور تھا مساجد اور اسلامی شعائر کی علانیہ بے حرمتی ہوتی تھی۔ اس علاقے کے مسلمان سخت مصائب و آلام میں مبتلا تھے ان کی زندگیاں اجیرن ہو چکی تھیں، سید احمد شہید نے اس طاغوتی اور برائے نام سکھا شاہی حکومت کے خلاف علم جہاد بلند کیا، گھر بار چھوڑا بہت سے شہر اور قصبات کا دورہ کیا ہجرت و جہاد کے وعظ کہے اللہ کے دین کی سربلندی اور اعلائے کلمۃ الحق کی خاطر سرحد کے پہاڑوں کو کمین گاہ بنایا اور اسلام کے ان خادموں نے ایمان و اخلاص کے بھروسے پر دین کے دشمنوں سے مقابلہ کیا، اور ان کے چھکے چھڑا دیے مگر ملت کا نصیبہ سویا ہوا تھا گردش کے دن ابھی باقی تھے، غلامی کا دور ابھی ختم نہ ہونا تھا کہ حالات نے ناسازگاری دکھائی، اپنوں نے غیروں کا ساتھ دیا، نتیجہ ظاہر تھا کہ ۲۴ ذی قعدہ ۱۲۴۶ھ (۶ مئی ۱۸۳۱ء) کو سید احمد شہید اور شاہ اسمٰعیل شہید نے بالاکوٹ میں جام شہادت نوش کیا[1]

(گزشتہ سے پیوستہ) (ف ۱۲۶۶ھ/۱۸۵۲ء) رسالہ بت شکن، (مولوی عنایت علی ف ۱۲۷۴ھ/۱۸۵۸ء) رسالہ تجہیز و تکفین مسلمان کی، (مولوی محمد عمران بدایونی ف ۱۲۷۱ھ/۱۸۵۵ء) رفاہ المسلمین (شرح مسائل اربعین، و سعادت دارین (مولوی سعد الدین بدایونی ف ۱۲۸۳ھ/۱۸۶۶ء) تحفۃ المسلمین (ترجمہ مسائل اربعین) و رسالہ عقیقہ (ملا نظام ف ۱۸۹۰ء) تذکیر الاخوان (مولوی سلطان خاں شاہ آبادی) تنبیہ الغافلین (ترجمہ و شرح) و ترجمہ مسائل اربعین و تفسیر مقبول (مولوی عبداللہ بن بہادر علی حسینی وغیرہ کتب و رسائل خاص طور سے قابل ذکر ہیں۔

[1] جس وقت اللہ کے یہ فرمانبردار بندے دین و ملت کی خاطر میدان جہاد میں نبی جانیں نچھاور کر رہے تھے اس زمانے میں اس تحریک کے سب سے زیادہ مخالف مولانا فضل حق خیر آبادی (ف ۱۲۷۸ھ/۱۸۶۱ء) ایجنٹ دہلی کے محکمہ میں سررشتہ دار اور مولوی فضل رسول بدایونی (ف ۱۲۸۹ھ/۱۸۷۲ء) کلکٹری بدایوں (سہسوان) میں سررشتہ دار تھے، حکومت برطانیہ کی (باقی اگلے صفحہ پر)

ع   خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را

دورِ دوم و سوم

حادثۂ بالاکوٹ ۱۸۳۱ء کے بعد جماعتی تنظیم کی غرض سے اہل الرائے حضرات کے مشورے اور اصرار پر شیخ ولی محمد پھلتی امیر جماعت قرار پائے۔ مجاہدین کی سالاری عامہ کے فرائض مولوی نصیر الدین منگلوری نے انجام دے۔ اور جب شیخ ولی محمد پھلتی سید احمد شہید کی زوجہ بی بی صاحبہ کو لے کر سندھ چلے گئے تو مجاہدین کی امارت و سالاری کا سارا بار گراں مولوی النصیر الدین منگلوری کے دوش ہمت پر رہا۔

(گزشتہ سے پیوستہ) دور اندیشی اور پالیسی ملاحظہ ہو کہ اس نے مسلمانوں کے ذہین اور صاحب علم و فضل طبقے کو سرکاری خدمات کے لئے حاصل کر لیا۔ دہلی میں وزیر الدولہ نواب فرید الدین (ف ۱۲۴۴ھ / ۱۸۲۸ء) منشی زین العابدین (ف ۱۲۷۳ھ / ۱۸۵۶ء) مفتی صدر الدین آزردہ (ف ۱۲۸۵ھ / ۱۸۶۸ء) مولوی فضل امام خیر آبادی (ف ۱۲۴۴ھ / ۱۸۲۹ء) مولوی محمد صالح خیر آبادی (برادر فضل امام خیر آبادی) منشی فضل عظیم خیر آبادی (فرزند اکبر فضل امام خیر آبادی) مولوی فضل حق خیر آبادی (ف ۱۲۷۸ھ / ۱۸۶۱ء) بدایوں میں مولوی فضل رسول (ف ۱۲۸۹ھ / ۱۸۷۲ء) مولوی علی بخش صدر الصدور (ف ۱۳۰۳ھ / ۱۸۸۵ء) مراد آباد میں مولوی عبد القادر حبیب رامپوری (ف ۱۲۶۵ھ / ۱۸۴۹ء) الٰہ آباد میں مفتی اسد اللہ (ف ۱۳۰۰ھ / ۱۸۸۲ء) و قاضی عطاء رسول چریا کوٹی۔ کلکتہ میں قاضی نجم الدین خاں کاکوری (ف ۱۲۲۹ھ / ۱۸۱۴ء) اور ان کے صاحبزادگان، قاضی سعید الدین (ف ۱۲۶۲ھ / ۱۸۴۶ء) مولوی حکیم الدین (ف ۱۲۶۹ھ / ۱۸۵۴ء) اور قاضی علیم الدین (ف ۱۲۵۷ھ / ۱۸۴۱ء) وغیرہ۔ مدراس میں قاضی ارتضا علی گوپاموی (ف ۱۲۷۰ھ / ۱۸۵۳ء) اور ناسک میں خان بہادر مولوی عبد الفتاح مفتی وغیرہ برصغیر پاک و ہند کے وہ اعاظم و افاضل ہیں جنہوں نے منصب افتاء، اقضاء اور صدر الصدوری کے ذریعے سرکار کمپنی کے انتظام و اقتدار حکومت کو بحال اور مضبوط کیا، ملاحظہ ہو تبیین فریدیہ۔ از سر سید احمد خاں ص ۱۸، ۳۰ باغی ہندوستان از عبد الشاہد خاں شروانی ص ۴۳ علم و عمل (وقائع عبد القادر خانی) جلد اول ص ۲۵۵، ص ۲۵۷ و جلد دوم ص ۱۳، ۹۸، ۹۹، ۱۰۵ بیاض مولانا فضل حق خیر آبادی ص ۳۳ (مملوکہ حکیم نصیر الدین نظامی دواخانہ کراچی) اکمل التاریخ از محمد یعقوب ضیاء جلد دوم ص ۱۵ تذکرہ علمائے ہند، ص ۱۰۸، ۱۰۹، ۴۲، ۴۳، ۴۴، ۴۳، ۵۰۹، ۵۱۲، ۵۱۳ تذکرہ مشاہیر کاکوری ص ۱۴، ۱۲۳، ۱۹۰، ۲۸۷، ۳۳۴۔   لہ ملاحظہ ہو سرگزشت (باقی اگلے صفحہ پر)

مولوی نصیر الدین منگلوریؒ کی شہادت (۱۸۳۸ء) کے بعد جب مولوی سید نصیر الدین دہلوی مجاہدین کے مرکز ستھانہ پہونچے تو وہ امیر بنا دیئے گئے، لیکن ابھی وہ وہاں کوئی کارنامہ انجام نہ دینے پائے تھے کہ ان کا انتقال ہوا، مولانا غلام رسول مہر صاحب کا خیال ہے کہ ۱۸۴۰ء میں ان کا انتقال ہوا[۱]۔ اور ان کے انتقال پر تحریک مجاہدین کا دوسرا دور ختم ہوا۔

مولانا ولایت علی

مولوی سید نصیر الدین دہلوی کی وفات کے بعد مجاہدین نے میر اولاد علی کو اپنا امیر بنا لیا۔ جو ایک مرتبہ مولوی نصیر الدین منگلوری کی شہادت کے بعد بھی کچھ مدت کے لئے منصب امارت پر مقرر ہوتے تھے۔ لیکن جب مولانا ولایت علی عظیم آبادی اس علاقہ میں پہونچے (۱۷ شوال ۱۲۶۲ھ م ۹ اکتوبر ۱۸۴۶ء) تو قیادت ان کے سپرد ہوئی اور اب تحریک مجاہدین کا تیسرا دور شروع ہوا مولانا ولایت علی نے مجاہدین کی کمان اپنے ہاتھ میں لے لی، اس وقت کشمیر کے راجا گلاب سنگھ اور مجاہدین کے درمیان جنگ چھڑی ہوئی تھی، راجا کو شکست ہوئی اس نے انگریزوں کے سایہ میں جا کر پناہ لی، جو اس وقت تک پنجاب کے ایک حصہ پر قابض اور ملکی معاملات میں پوری طرح دخیل ہو چکے تھے۔ مارچ ۱۸۴۹ء میں تمام پنجاب پر انگریزوں کا قبضہ ہو گیا۔ ۱۸۴۹ء سے تحریک جہاد کا ایک نیا موڑ شروع ہوتا ہے۔ چونکہ اب تک مقابلہ سکھوں سے تھا اس لئے سرکار کمپنی خاموش تھی جب پنجاب پورے طور پر انگریزوں کے قبضے میں آ گیا تو مجاہدین کی سرگرمیاں انگریزی حکومت کو ایک آنکھ نہ بھائیں، حکومت کے پیدا کردہ حالات سے مجبور ہو کر مولانا ولایت علی اور ان کے بھائی مولانا عنایت علی اپنے وطن پٹنہ پہونچے اور وہاں مجسٹریٹ کے سامنے جا کر دو سال کے لئے مچلکے دے[۲]۔ مولانا ولایت علی نے تبلیغ و تذکیر کا سلسلہ برابر جاری رکھا مولانا عنایت علی کو بنگال بھیجا اور دو سال کی

(بقیہ نوٹ صفحہ پچھلا) مجاہدین از مولانا غلام رسول مہر (کتاب منزل لاہور ۱۹۵۶ء) ص ۱۲۳ - ۱۲۴۔

[۱] مولوی نصیر الدین منگلوری کے حالات کے دیکھئے سرگزشت مجاہدین ص ۱۲۳ - ۱۲۸۔ مولوی سید نصیر الدین دہلوی کے لئے ملاحظہ ہو سرگزشت مجاہدین ص ۱۳۵ - ۲۱۳۔

[۲] سرگزشت مجاہدین ص ۲۰۷۔

مدت گزارنے کے بعد سرحد روانہ ہو گئے، اور وہاں پہونچنے کے سال ڈیڑھ سال بعد ۲۲ محرم ۱۲۶۹ھ (۵ نومبر ۱۸۵۲ء) کو انتقال ہو گیا۔

مولانا عنایت علی

مولانا ولایت علی کے انتقال کے بعد ان کے منجھلے بھائی مولانا عنایت علی امیر مقرر ہوئے جو نہایت پرجوش مجاہد تھے بہت سے معرکوں میں حصہ لے چکے تھے۔ مولانا عنایت علی نے ۱۸۵۲ء سے ۱۸۵۸ء تک برابر اپنی سرگرمیاں جاری رکھیں اور براہ راست انگریزی حکومت سے جھڑپیں کیں انگریزوں کے حلیف جہاں داد خاں والیِ امب پر حملہ ہوا اسی زمانے میں مولانا عنایت علی نے انگریزی حکومت کی فوجوں سے بھی براہ راست تعلقات قائم کرنے کی کوشش کی[۱] ۱۸۵۸ء میں پشاور سے جنرل کاٹن کی سرکردگی میں مجاہدین پر حملہ ہوا، مجاہدین نے خوب داد شجاعت دی، مگر بڑی تعداد میں شہید ہوئے اور کچھ پہاڑوں میں چھپ گئے۔ مولانا عنایت علی نے ستھانہ کا رخ کیا، مگر راستے ہی میں بمقام چمبئی داعی اجل کو لبیک کہا (۱۲۷۴ھ ۱۸۵۸ء)

مولانا عنایت علی کے بعد ۱۸۶۲ء میں ان کے بھتیجے مولانا عبد اللہ ابن مولانا ولایت علی، امیر مقرر ہوئے[۲] مولانا عبد اللہ (ف ۱۹۰۲ء) زمام کار ہاتھ میں لیتے ہی تندہی اور مستعدی کے ساتھ جماعت کی فوجی تربیت میں لگ گئے۔ مولانا عبد اللہ کا دور امارت کا سب سے اہم واقعہ معرکۂ امبیلا (۱۸۶۳ء) ہے، معرکۂ امبیلا میں مجاہدین نے دین کی عظمت اور سربلندی کے لئے جس عزم و استقلال اور بہادری و جانبازی کا مظاہرہ کیا اس سے انگریزی حکومت کے حوصلے پست ہو گئے گو میدان انگریزی حکومت ہی کے ہاتھ رہا مگر اس کو بخوبی اندازہ ہو گیا کہ سرحد کے مجاہدین کو انگریزی مقبوضات کے

---

۱ سرگزشت مجاہدین ص ۲۹

۲ ۱۸۵۸ء میں مولانا عنایت علی کے انتقال کے بعد تین سال تک مجاہدین کی قیادت میر نصر اللہ اور میر مقصود علی نے کی۔ ملاحظہ ہو ہسٹری آف فریڈم موومنٹ جلد دوم حصہ اول ص ۱۳۶ کراچی ۱۹۶۰ء۔

اندر سے رسد اسلحہ، رقوم اور تازہ دم مجاہدین پہونچتے ہیں اور ہندوستان میں اس تحریک کا سب سے بڑا مرکز صادق پور پٹنہ ہے اور اس کے علاوہ چھوٹے چھوٹے معلوم نہیں کتنے مراکز ہیں۔

بغاوت کے مقدمات

جنگ امبیلا کے بعد انبالے کا مشہور مقدمہ (۱۸۶۴ء) ظہور پذیر ہوا جس میں گیارہ ملزم (۱) محمد شفیع انبالوی (۲) عبدالکریم (۳) الٰہی بخش (۴) میاں حسینی تھانیسری (۵) حسینی عظیم آبادی (۶) عبدالغفور (۷) قاضی میاں جان (۸) مولوی یحییٰ علی (۹) میاں عبدالغفار (۱۰) مولوی عبدالرحیم (۱۱) مولوی محمد جعفر تھانیسری تھے جن میں سے اول الذکر چھ حضرات ابتلاء و آزمائش میں ثابت قدم نہ رہ سکے اور سرکاری گواہ بن کر نہایت ذلت و خواری کے ساتھ رہا ہوئے البتہ پانچ حضرات نے ایمان و استقامت کا پورا پورا ثبوت دیا۔ قاضی میاں جان انبالہ جیل میں وفات پا گئے، مولوی یحییٰ علی نے جو تقویٰ اور ایمان و اخلاص میں سلف کا نمونہ تھے جزیرہ انڈمان کو آرام گاہ بنایا باقی تین حضرات میاں عبدالغفار، مولوی عبدالرحیم اور مولوی محمد جعفر تھانیسری نہایت سخت جان نکلے اور اٹھارہ سال کی مدت جزائر انڈمان میں گزار کر وطن پہونچے[1]

مقدمۂ انبالہ کے بعد حکومت نے پٹنہ (۱۸۶۵ء)، مالدہ (۱۸۷۰ء)، راج محل (۱۸۷۰ء) اور پٹنہ (۱۸۷۱ء بار دوم) میں بہت سے علماء تجار اور مبلغین پر بغاوت اور سازش کے مقدمے چلائے۔ پٹنہ کے پہلے مقدمے ۱۸۶۵ء میں مولانا احمد اللہ صادق پوری (۱۲۲۳ھ۔ ۱۲۹۸ھ) بن الٰہی بخش کو ملزم بنا کر مقدمہ چلایا گیا۔ اول انہیں سزائے موت کا حکم ہوا پھر اپیل کرنے پر یہ سزا حبس دوام بعبور دریائے شور میں تبدیل

---

[1] اس مقدمے کے واقعات و حالات کے لئے ملاحظہ ہو سرگزشت۔ ص ۳۰۷ تا ۳۹۵ و تواریخ عجیبہ (کالا پانی) از مولوی محمد جعفر تھانیسری (مرتبہ محمد ایوب قادری) کراچی ۱۹۱۳ء۔

ہوئی اور ان کا انتقال ۲۸ ذی الحجہ ۱۲۹۸ھ مطابق ۱۲ نومبر ۱۸۸۱ء کو جزائر انڈمان میں ہوا۔[1]

مالدہ کے مقدمہ ۱۸۷۰ء کے ملزم مولوی امیر الدین بن رفیع منڈل تھے مالدہ ان کی سرگرمیوں کا مرکز تھا۔ ایک شخص نو لوکرسٹو گھوش نے مخبری کی جس کے نتیجے میں مولوی امیر الدین گرفتار ہوئے مقدمہ چلا جس دوام بعبور دریائے شور کی سزا ہوئی، جزائر انڈمان پہونچے بحیثیت قیدی ان کا نمبر (۱۷۴۸) تھا۔ ۱۸۸۳ء میں مولوی عبدالرحیم کے ہمراہ رہا ہوئے اگلو می (راج محل) پرگنہ سنتھال میں سکونت اختیار کر لی۔[2]

راج محل کے مقدمے ۱۸۷۰ء میں مولوی محمد ابراہیم اور نذیر سردار ملزم تھے مولوی محمد ابراہیم مالدہ اور راج شاہی کے علاقے میں تحریک جہاد کے سب سے بڑے رکن تھے۔ اس کام میں ان کے مددگار نذیر سردار بھی تھے۔ ایک شخص تواری لسبواس کی شکایت اور گھوش کی جاسوسی پر دونوں حضرات گرفتار ہوئے، مقدمہ چلا۔ جس دوام بعبور دریائے شور کی سزا ہوتی ۱۸۸۳ء میں مولوی محمد ابراہیم رہا ہوئے۔[3]

پٹنہ کا دوسرا مقدمہ ۱۸۶۵ء میں چلا جس میں سات ملزم پیر محمد، امیر خاں، حشمت داد خاں (یا حشم داد خاں) مولوی مبارک علی، مولوی تبارک علی (ابن مولوی مبارک علی) حاجی دین محمد اور امین الدین تھے، ان حضرات میں جماعتی تنظیم کے اعتبار سے سب سے زیادہ اہم مولوی مبارک علی تھے۔[4]

اس مقدمہ میں ماخوذین کی جائدادیں ضبط ہوئیں ان کو جیلوں میں ٹھونسا گیا جس دوام بعبور دریائے شور کی سزائیں دی گئیں یہی نہیں بلکہ بنگال اور بہار کے تمام مبلغوں کی فہرست مرتب کی گئی اور اس فہرست کے بموجب تقریباً دس سال تک یہ غریب تنگ کئے جاتے رہے۔ اور اس کی وجہ سے بنگال کے کتنے ہی خوش حال خاندان تباہ و برباد

---

[1] ملاحظہ ہو تواریخ عجیب (کالا پانی) ص ۲۳۱، ۲۳۲ [2] تواریخ عجیب ص ۲۲۷، ۲۲۵ [3] تواریخ عجیب ص ۲۵۰-۲۵۲ [4] اس مقدمے کی تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو، ہندوستان کی پہلی اسلامی تحریک از مسعود عالم ندوی حیدرآباد دکن ۱۳۷۱ھ) ص ۱۶۷-۱۸۰ و سرگزشت مجاہدین ص ۴۱۶-۴۲۵

کردے گئے۔ سازش کے مقدمات کا ذکر کرنے کے بعد مولوی مسعود عالم ندوی لکھتے ہیں[1]

"اس کے یہ معنی نہیں کہ صرف یہی حضرات قید و محن میں مبتلا کئے گئے ۱۸۴۹ء سے ۱۸۷۱ء تک گرفتاریوں کا سلسلہ برابر جاری رہا بڑی تعداد "دے کر" چھوڑ دی گئی اور بے قانون اور بے سزا حوالات اور جیلوں میں سڑتے پھرے ایک اچھی خاصی جماعت وعدہ معاف گواہ بننے پر مجبور کی گئی۔"

سر عبدالرحیم لکھتے ہیں[2]

"بنگال میں وہابی تحریک کے بعد جو عمل اختیار کیا اس سے مسلمان جاگیردار اور زمینداروں کی تمام املاک جو وسعت میں تمام بنگال کی ایک چوتھائی تھی گورنمنٹ انگلشیہ نے ضبط کرلی اس پالیسی کا نتیجہ یہ ہوا کہ ہماری ملت کے سیکڑوں شریف اور خوش حال خاندان نان شبینہ کو محتاج ہو گئے۔ اور ہماری قوم کے ہزاروں افراد بیکسی اور مفلسی میں در بدر پھرنے لگے۔"

حکومت کی معاندانہ پالیسی

حقیقت یہ ہے کہ انگریز نے تحریک جہاد کو بڑی طرح کچلا، مجاہدین اور مصلحین کو "وہابی"[3] کے

---

[1] ہندوستان کی پہلی اسلامی تحریک از مسعود عالم ندوی۔ ص ۱۶۸، ۱۶۹ [2] خطبۂ صدارت آنریبل سر عبدالرحیم، اجلاس آل انڈیا مسلم لیگ علی گڑھ ۱۹۲۵ء (ترجمہ قاضی عبدالرشید) ص ۱۲ مسلم یونیورسٹی علیگڑھ ۱۹۲۵ء) [3] ترکوں اور انگریزوں کے سیاسی پروپیگنڈے نے محمد بن عبدالوہاب نجدی کی تحریک کو وہابیت کا نام دے کر بدنام کیا، ہندوپاکستان میں انگریزوں نے سید احمد شہیدؒ کی تحریک کے حضرات کو وہابیوں کے نام سے مطعون کیا۔ اس سلسلہ میں ملاحظہ ہو "ہندوستان کی پہلی اسلامی تحریک از مسعود عالم ندوی۔ ص ۱۵۔ ۳۱۔

نام سے موسوم کر کے بدنام کیا گیا۔ تمام ملک میں "وہابیوں" کی سرگرمیوں کا جائزہ لیا گیا مرکزی حکومت نے صوبائی حکومتوں سے ان کے حالات اور سرگرمیوں کی کیفیت طلب کی ایک محکمہ بہ سرغ رسانی اسی مقصد خاص کے لئے وجود میں آیا، حکومت انگریزی نے باغی اور وہابی مترادف الفاظ قرار دئے، عامۃ المسلمین میں ان کے خلاف نفرت کا جذبہ پیدا کیا۔ اور ایک عام معاشرتی انقطاع شروع ہو گیا۔

بعض علماء کا کردار

بہت سے علمائ نے مذہبی خدمات سمجھ کر وہابیوں کی مخالفت کی، حکومت نے ایسے علماء کی سرگرمیوں کو بہ نظر استحسان دیکھا اور ان علماء کو بالواسطہ یا بلاواسطہ ان خدمات کا معاوضہ دیا، وہابیوں کو مسجد میں نماز پڑھنے سے روکا گیا[۲]، مقدمات قائم کر کے ان کے قبضے سے مسجدیں نکالی گئیں ایک عرصہ تک حکومت کی عام پالیسی اس سلسلے میں یہ رہی کہ ایسے مقدمات میں بالعموم وہابیوں کی مخالفت پارٹی کے حق میں فیصلہ ہوا۔

مولوی وصی احمد سورتی ثم پیلی بھیتی (ف ۱۳۳۴ھ) نے ایک فتویٰ "جامع الشواہد فی اخراج الوہابیین عن المساجد مرتب کیا۔ گم نام سے گمنام مولوی نے اس پر دستخط کئے[۲] اس فتوے کی خوب تشہیر ہوئی مولوی محمد لدھیانوی (ف ۱۹۰۱ء) بن مولوی عبد القادر لدھیانوی نے اس موضوع پر ایک رسالہ انتظام المساجد باخراج اہل الفتن والمفاسد لکھا[۳] اسی طرح لاہور کے مولوی نبی بخش حلوائی نے اخراج المنافقین من مساجد المسلمین لکھا[۴] ان فتاویٰ اور رسائل کی رو سے مساجد میں "وہابیوں" کو نماز پڑھنے سے روکا گیا ان کو زدوکوب کیا گیا انکی تذلیل اور تشہیر کی گئی۔ اگر ایک طرف "ڈبلیو ولسن ہنٹر نے اور انڈین مسلمانس" لکھ کر ان کے خلاف حکومت کو مواد مہیا کیا تو دوسری طرف مولانا فضل رسول بدایونی (ف ۱۲۸۹ھ/۱۸۷۲ء) اور ان کے ہمنوا علماء نے غریب "وہابیوں" کے خلاف تصنیفات و تالیفات کا

---

[۱] ملاحظہ ہو جامع الشواہد فی اخراج الوہابیین عن المساجد مرتبہ وصی احمد سورتی" مطبوعہ مطبع ریاض آگرہ) [۲] ایضاً [۳] ایضاً ص ۱۹۔ [۴] اخراج المنافقین من مساجد المسلمین از نبی بخش حلوائی (کریمی پریس لاہور)

ایک انبار لگا دیا۔

مولوی فضل رسول بدایونی کی تصانیف میں سیف الجبار، تصحیح المسائل، البوارق المحمدیہ لرجم الشیاطین النجدیہ، احقاق الحق وابطال الباطل اور مجموعہ رسائل وفوائد وغیرہ ہماری نظر سے گزرے ہیں، مولانا فضل رسول بدایونی کی تصانیف کی طباعت کے سلسلے میں ایک بات خاص طور سے ہم نے نوٹ کی کہ ان کی اکثر تصانیف کسی نہ کسی سرکاری ملازم کی اعانت سے شائع ہوئی ہیں۔

شاید یہاں یہ ذکر بھی بے محل نہ ہو کہ مولوی فضل رسول بدایونی کو ریاست حیدر آباد سے سترہ روپے یومیہ وظیفہ دیا گیا جو بعد کو گیارہ روپے یومیہ ہو گیا۔ اور ۱۹۱۵ء تک ان کی اولاد کو ملتا رہا۔ جیسا کہ ان کے سوانح نگار نے لکھا ہے[1]

مولانا حیدر علی ٹونکی نے اس سلسلے میں ایک خاص بات یہ لکھی ہے[2] کہ مولوی فضل رسول بدایونی نے مولانا اسمٰعیل شہید دہلویؒ کی شہادت ۱۸۳۱ء کے بیس سال بعد وہابیوں کی رد میں کتابیں لکھنی شروع کیں۔ ظاہر ہے پنجاب کے انگریزوں کے قبضے میں آ جانے کے بعد مجاہدین کا مقابلہ براہ راست انگریزوں سے تھا۔

مولوی فضل رسول کے ہمنوا علماء میں انکے بھانجے اور داماد مولوی فیض احمد بدایونی نے تعلیم الجاہل، مولوی عماد الدین سنبھلی نے شمس الایمان، مولوی محی الدین نے رسالہ صولۃ قادریہ مولوی سراج الحق نے رسالہ تحفۃ الحرمین شریفین، رسالہ مسائل فقہیہ مولوی عبد الفتاح گلشن آبادی نے تحفہ محمدیہ فی رد وہابیہ لکھے[3]

وہابی یا اہل حدیث

غیروں اور اپنوں کے اس ردے سے "وہابی" گھبرا اٹھے اور انہوں نے ہتھیار ڈالدئے جہاد کی تحریک اندرون

---

[1] اکمل التاریخ (جلد دوم) از مولوی محمد یعقوب صاحب ضیاء القادری بدایونی ۱۹۱۵ء، ص ۵۲ [2] صیانۃ الاناس از حیدر علی ص ۴۰۳ - (خطی) رضا لائبریری رامپور) [3] ملاحظہ ہو طوالع الانوار از مولوی انوار الحق (مطبع صبح صادق سیتاپور ۱۲۹۶ھ ص ۸۵ و ۹۱ و اکمل التاریخ جلد دوم) ص ۲۵ -

ہندو پاکستان قطعی طور سے ختم ہو گئی۔ اپنے لیے "وہابی" کے بجائے "اہل حدیث" کا نام مروج و مشتہر کیا۔ انہوں نے باقاعدہ حکومتِ برطانیہ کی وفاداری کا اعلان کیا مولوی محمد حسین بٹالوی (ف ۱۳۳۸ھ) نے سرکاری تحریرات میں وہابی کے بجائے اہل حدیث لکھے جاتے کے باقاعدہ احکام جاری کرائے۔

مولوی محمد حسین بٹالوی نے سرکار برطانیہ کی وفاداری میں جہاد کی منسوخی پر ایک مستقل رسالہ "الاقتصاد فی المسائل الجہاد" ۱۲۹۲ھ میں لکھا۔ انگریزی اور عربی زبانوں میں اس کے ترجمے ہوئے۔ یہ رسالہ سر چارلس ایچی سن اور سر جمیس لائل، گورنران پنجاب کے نام معنون کیا گیا۔ مولوی محمد حسین نے اپنی جماعت کے علماء سے رائے لینے کے بعد ۱۲۹۶ھ میں یہ رسالہ اشاعت السنہ کی جلد دوم شمارہ گیارہ میں بطور ضمیمہ شائع کیا پھر مزید مشورہ و تحقیق کے بعد ۱۳۰۶ھ میں باضابطہ کتابی صورت میں شائع ہوا۔ اس سلسلے میں خود مولوی حسین بٹالوی لکھتے ہیں[1]۔

"اگرچہ اس مضمون منسوخی جہاد کے رسائل گورنمنٹ اور ملک کے اور خیر خواہوں نے بھی لکھے ہیں لیکن جو ایک خصوصیت اس رسالے میں ہے وہ آج تک کی کسی تالیف میں پائی نہیں جاتی وہ یہ ہے کہ یہ رسالہ صرف مؤلف کا خیال نہیں رہا۔ اس گروہ کے عوام و خواص نے ...... اس کو پسند کیا اور اس سے اپنی آرا کا توافق ظاہر کیا۔ اس توافق رائے حاصل کرنے کے لئے مؤلف (محمد حسین بٹالوی) نے عظیم آباد پٹنہ تک ایک سفر کیا تھا جس میں لوگوں کو یہ رسالہ سنا کر اتفاق حاصل کیا اور جہاں خود نہیں پہونچا وہاں اس رسالہ کی متعدد کاپیاں ارسال کر کے توافق حاصل کیا۔

مولوی مسعود عالم ندوی لکھتے ہیں[2]۔

---

[1] رسالہ اشاعۃ السنہ لاہور جلد ۶ نمبر ۵ ص ۳۶۱-۳۶۲ [2] ہندوستان کی پہلی اسلامی تحریک ص ۲۱۲۔

"اس کتاب پر (مولوی محمد حسین بٹالوی) انعام سے بھی سرفراز ہوئے
جماعت اہل حدیث کو فرقے کی شکل دینے میں ان کا خاص حصہ
ہے۔ اور یہ وہ بزرگ ہیں جنہوں نے اس سادہ لوح فرقے میں
وفاداری کی خوبو پیدا کی، نہ صرف یہ ہوا بلکہ دوسرے معاصر علماء کو
سرکار کی مخالفت کے طعنے بھی دیئے"

مسعود عالم ایک دوسری جگہ لکھتے ہیں[1]

"معتبر اور ثقہ راویوں کا بیان ہے کہ اس کے معاوضے میں سرکار
انگریزی سے انہیں "جاگیر" بھی ملی تھی۔ اس رسالے کا پہلا
حصہ پیش نظر ہے پوری کتاب تحریف و تدلیس کا عجیب و
غریب نمونہ ہے"

مولوی عبد المجید خادم سوہدری لکھتے ہیں[2]

"(مولوی محمد حسین بٹالوی نے) اشاعۃ السنہ کے ذریعہ اہل حدیث کی
بہت خدمت کی لفظ "وہابی" آپ ہی کی کوشش سے سرکاری
دفاتر اور کاغذات سے منسوخ ہوا اور جماعت کو اہل حدیث
کے نام سے موسوم کیا گیا۔۔۔۔ (آپ نے) حکومت کی خدمت
بھی کی اور انعام میں جاگیر پائی"

مولوی محمد حسین بٹالوی نے لفظ "وہابی" کی منسوخی کے لئے جو کوششیں کی ہیں وہ سارا تحریری مواد ہمارے پیش نظر ہے طوالت کے خوف سے ہم اس کو یہاں نقل نہیں کر سکتے صرف اشارات پر اکتفا کرتے ہیں، انہوں نے ارکان جماعت اہلحدیث کی ایک دستخطی درخواست لفٹننٹ گورنر پنجاب کے ذریعے سے وائسرائے ہند کی

---

[1] ہندوستان کی پہلی اسلامی تحریک ص ۲۹ [2] سیرت ثنائی از مولوی عبد المجید خادم سوہدری (گجرانوالہ ۱۹۵۲ء) ص ۳۷۲

خدمت میں روانہ کردی، اس درخواست پر سرفہرست شمس العلما میاں نذیر حسین کے دستخط تھے۔ گورنر پنجاب نے وہ درخواست اپنی تائیدی تحریر کے ساتھ گورنمنٹ آف انڈیا کو بھیج دی، وہاں سے حسب ضابطہ منظوری آگئی کہ آئندہ وہابی کے بجائے "اہل حدیث" کا لفظ استعمال کیا جائے۔ لفٹننٹ گورنر پنجاب نے باقاعدہ اس کی اطلاع مولوی محمد حسین کو دی، اسی طرح گورنمنٹ مدراس کی طرف سے ۱۵ اگست ۱۸۸۸ء کو بذریعہ خط نمبر ۱۲۷ گورنمنٹ بنگال کی طرف سے ۴ مارچ ۱۸۹۰ء کو بذریعہ خط نمبر ۱۵۶ اور گورنمنٹ یو پی کی طرف سے ۲۰ جولائی ۱۸۸۸ء کو بذریعہ خط نمبر ۳۸۶، گورنمنٹ سی پی کی طرف سے ۱۴ جولائی ۱۸۸۸ء کو بذریعہ خط نمبر ۴۰۷ اور گورنمنٹ بمبئی کی طرف سے ۴ اگست ۱۸۸۸ء کو بذریعہ خط نمبر ۷۳۲، اس امر کی اطلاع مولوی محمد حسین بٹالوی کو ملی۔[1]

مولوی محمد حسین بٹالوی نے خوشامد اور کاسہ لیسی کی حد کردی وہ لکھتے ہیں[2]

"اس گروہ اہل حدیث کے خیر خواہ وفادار رعایا برٹش گورنمنٹ ہونے پر ایک بڑی اور روشن اور قوی دلیل یہ ہے کہ یہ لوگ برٹش گورنمنٹ کے زیر حمایت رہنے کو اسلامی سلطنتوں کے ماتحت رہنے سے بہتر سمجھتے ہیں اور اس امر کو اپنے قومی وکیل اشاعۃ السنہ کے ذریعے سے جس کے نمبر ۱۰ جلد ۶ میں اس امر کا بیان ہوا ہے۔ (اور وہ نمبر ہر ایک لوکل گورنمنٹ در گورنمنٹ آف انڈیا میں پہونچ چکا ہے۔) گورنمنٹ پر بخوبی ظاہر اور مدلل کرچکے ہیں جو آج تک کسی اسلامی فرقہ رعایا گورنمنٹ نے ظاہر

---

[1] اس سلسلے میں ملاحظہ ہو اشاعۃ السنہ لاہور جلد گیارہ شمارہ ۲ ص ۲۶-۳۹ و مآثر صدیقی جلد دوم (لکھنؤ ۱۹۲۴ء) ص ۱۶۲-۱۶۳۔ [2] اشاعۃ السنہ (لاہور) جلد ۱۱ شمارہ ۹ ص ۲۶۳۔

نہیں کیا اور نہ آئندہ کسی سے اس کے ظاہر ہونے کی امید
ہو سکتی ہے۔"

اسی طرح ملکہ وکٹوریہ کے جشن جوبلی پر جو ایڈریس محمد حسین بٹالوی نے گروہ مسلمانان اہل حدیث کی صرف سے پیش کیا تھا اسمیں لکھا تھا[1]

"یہ مذہبی آزادی اس گروہ کو خاصکر اس سلطنت میں حاصل ہے
بخلاف دوسرے اسلامی فرقوں کے کہ ان کو اور اسلامی سلطنتوں
میں بھی یہ آزادی حاصل ہے اس خصوصیت سے یہ یقین ہو سکتا
ہے کہ اس گروہ کو اس سلطنت کے قیام و استحکام سے
زیادہ مسرت ہے اور ان کے دل سے مبارکباد کی صدائیں زیادہ
زور کے ساتھ نعرہ زن ہیں"

اسی طرح لارڈ ڈفرن وائسرائے ہند کی سبکدوشی پر جماعت اہل حدیث نے ایک خوشامدانہ ایڈریس دیا، جس پر سب سے پہلے شمس العلماء میاں نذیر حسین کے دستخط ہیں، اس کے بعد ابو سعید محمد حسین وکیل اہل حدیث مولوی احمد اللہ واعظ میونسپل کمشنر امرتسر، مولوی قطب الدین پیشوائے اہل حدیث روپڑ، مولوی حافظ عبداللہ غازی پوری[2] مولوی محمد سعید بنارسی مولوی محمد ابراہیم آرہ اور مولوی نظام الدین پیشوائے اہل حدیث مدراس کے دستخط ہیں

مولوی محمد حسین بٹالوی کی خدمات پر تبصرہ کرتے ہوئے مسعود عالم ندوی لکھتے ہیں[3]

"ان بے چاروں کو یہ ہوش نہیں رہا کہ وہ اپنے کو سرکار کی زد
سے بچانے کی فکر میں کیا کر رہے ہیں اور اپنے ماننے والوں کو
کس پستی کی طرف لے جا رہے ہیں۔ مولوی محمد حسین صاحب

---

[1] اشاعۃ السنہ، لاہور، جلد ۹ شمارہ نمبر ۷، ص ۲۰۵-۲۰۶ [2] مولوی حافظ عبداللہ غازی پوری کی سرکار انگلشیہ کی وفاداری کے سلسلے میں ملاحظہ ہو "شمع توحید" از مولوی ثناء اللہ امرتسری مکتبہ ثنائیہ سرگودھا سنہ طباعت ندارد، ص ۴۴ [3] ہندوستان کی پہلی اسلامی تحریک - ص ۲۹ -

اور ان ہی جیسے بعض علماء اہل حدیث کی روش کا یہ نتیجہ ہوا کہ موجودہ جماعت اہل حدیث کا عام رجحان فروعی مسئلوں تک محدود ہو کر رہ گیا ہے"

مولانا سید سلیمان ندوی مرحوم لکھتے ہیں[1]۔

"اہل حدیث کے نام سے اس وقت بھی جو تحریک ہے حقیقت کی رو سے وہ قدم نہیں نقش قدم ہے۔ مولانا اسماعیل شہیدؒ جس تحریک کو لے کر اٹھے تھے وہ فقہ کے چند مسائل نہ تھے بلکہ امامت کبریٰ، توحید خالص اور اتباع نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بنیادی تعلیمات تھیں مگر افسوس ہے کہ سیلاب نکل گیا اور باقی جو رہ گیا ہے وہ گذرے ہوئے پانی کی فقط لکیر ہے۔"

مولوی محمد حسین بٹالوی کی پوری پالیسی ہی شمس العلماء شیخ الکل میاں نذیر حسین محدث و معاون بلکہ سرپرست و سرخیل رہے، اور صادق پور کی بجائے مرکز قیادت دہلی و لاہور منتقل ہو گیا۔ پھر بیسویں صدی کے آغاز پر دسمبر ۱۹۰۶ء میں بمقام آرہ (بہار) آل انڈیا اہل حدیث کانفرنس وجود میں آئی جس کے سب سے فعال کارکن مولانا ابو الوفا ثناء اللہ امرتسری تھے۔ اہل حدیث کانفرنس کی کارروائی کم و بیش مولوی محمد حسین بٹالوی ہی کے انداز پر رہی

انگریز یا سکھ تحریک مجاہدین کے سلسلے میں ایک امر کی طرف اشارہ کرنا ضروری ہے۔ بعض لوگوں نے یہ بحث چھیڑی ہے کہ تحریک مجاہدین کا مقصد سکھوں کا استیصال تھا یا انگریزوں کے اقتدار سے چھٹکارا حاصل کرنا

---

[1] تراجم علمائے حدیث ہند از ابو یحیٰی امام خاں نوشہروی (مقدمہ از مولانا سید سلیمان ندوی) دہلی ۱۹۳۸ء ص ۳۸۔

حقیقت یہ ہے کہ تحریک مجاہدین کا مقصد حکومت الہٰیہ کا قیام اور مسلمانوں کے گئے ہوئے اقتدار کو واپس لانا تھا۔

ہمارے خیال سے تحریک مجاہدین کی اساس شاہ عبدالعزیز دہلوی کے اس فتوے پر ہے جس میں انہوں نے ہندوستان کو دار الحرب قرار دیا ہے[1]۔ مولانا مہر صاحب نے مکاتیب شاہ اسمٰعیل شہید سے اس کے متعلق ناقابل تردید شہادتیں پیش کی ہیں[2]۔

اس سلسلے میں انہوں نے باقاعدہ جہاد کا منصوبہ بنایا اور ایک طریق کار وضع کیا کہ پہلے سکھوں کا خاتمہ کرنا چاہئے۔ اور پھر انگریزوں کی طاقت سے نمٹنا چاہیے چنانچہ اس کے بدیہی آثار و قرائن موجود ہیں۔ سکھوں[3] کے بعد انہوں نے مسلسل انگریزوں سے مقابلہ کیا اور حکومت برطانیہ پریشان ہوگئی حقیقت یہ ہے کہ اس تحریک کا مقصد مسلمانوں سے زیادہ تو انگریز مورخ ڈبلیو ڈبلیو ہنٹر نے سمجھا ہے اور "انڈین مسلمانس" میں واضح کر دیا۔

واقعہ یہ ہے کہ یہ شوشہ بھی خود انہوں ہی کی طرف سے حکومت برطانیہ کی وفاداری کے سلسلے میں چھوڑا گیا۔ سب سے پہلے سر سید احمد خاں (ف ۱۸۹۸ء) نے اور انڈین مسلمانس میں تبصرہ[4] کیا اور یہ ثابت کرنے کی کوشش کی کہ یہ جہاد سکھوں کے خلاف تھا پھر اس تحریک کے خاص رکن مولوی محمد جعفر تھانیسری نے اصل مواد میں ترمیم کرکے انگریز کی بجائے سکھوں کا لفظ لکھا اور اسکو مشتہر کیا[5] بعض کوتاہ جہالیت ذہنیت رکھنے والے اشخاص تحریک مجاہدین کی اہمیت کم کرنے کے لئے اس قسم کے غیر معیاری رسالے کبھی کبھی چھاپتے رہتے ہیں حقیقت یہ ہے۔ جو لوگ اس کوچے سے ہی نابلد ہیں۔ وہ تحریک مجاہدین کو کیا سمجھیں۔

---

[1] تفصیل کے لئے دیکھئے فتاوائے عزیزی از شاہ عبدالعزیز دہلوی (مطبع مجتبائی دہلی ۱۳۴۱ھ) ص ۱۶-۱۷

[2] جماعت مجاہدین از مولانا غلام رسول مہر (کتاب منزل لاہور ۱۹۵۵ء) ص ۱۱ - ۱۶ [3] مولانا محمد میاں مصنف " علمائے ہند کا شاندار ماضی" نے جلد دوم (ص ۲۷۰ - ۲۷۷) میں سکھوں کے مقابلہ کو ہنگامی حالات کا تقاضا بتایا ہے [4] ملاحظہ ہو سید احمد شہید (مہر) ص ۱۵۹-۱۶۲

مولوی محمد جعفر تھانیسری

مولوی محمد جعفر تھانیسری سید احمد شہید کی تحریک کے خاص رکن تھے انہوں نے تحریک مجاہدین کے سلسلے میں جانی و مالی قربانیاں پیش کیں۔ معرکہ امبیلا کے بعد ۱۸۶۴ء میں بغاوت اور سازش کے الزام میں ان پر مقدمہ چلا جائداد ضبط اور حبس دوام بعبور دریائے شور کی سزا ہوئی مگر انہوں نے فرنگی استبداد کے خلاف استقامت کا مظاہرہ کیا اور ابتلا و آزمائش میں پورے اترے۔ یہاں ہم مولوی محمد جعفر تھانیسری کے تفصیلی حالات و واقعات پیش کرتے ہیں۔

ابتدائی حالات

مولوی محمد جعفر تھانیسر (ضلع انبالہ) کے باشندے تھے۔ والد کا نام میاں جیون تھا۔ آرائیں[1] قبیلے کے چشم و چراغ تھے، تقریباً ۱۸۳۲ء میں پیدا ہوئے[2] ابتدائی عمر میں تعلیم کی طرف توجہ نہیں ہوئی جلد ہی والد کا انتقال ہوگیا۔ اس سلسلے میں خود مولوی محمد جعفر لکھتے ہیں[3]

---

[1] آرائیں ہندی الاصل شریف اور با وجاہت قوم ہے، بعض دوسرے ہندی الاصل مسلمانوں کی طرح آرائیوں نے بھی اپنے کو عربی النسل ثابت کرنے کی کوشش کی ہے مولوی جعفر تھانیسری نے اپنے نسب کی طرف ایک ہلکا سا اشارہ کیا ہے جس سے ہمارے زاویۂ نظر کی تائید ہوتی ہے۔ ملاحظہ ہو تواریخ عجیب (کالا پانی)، از مولوی محمد جعفر تھانیسری (مرتبہ محمد ایوب قادری پاک اکیڈمی کراچی ۱۹۶۲ء ص ۹۱-۹۲ ھ

[2] مولوی محمد جعفر تھانیسری نے کالا پانی میں کئی جگہ اپنی عمر کا ذکر کیا ہے

[3] مولوی محمد جعفر تھانیسری نے خود اپنے حالات ۱۰ ذی الحجہ ۱۲۷۸ھ مطابق (۱۲ جون ۱۸۶۲ء) سے (بقیہ اگلے صفحہ)

میں نے دس برس کی عمر تک کوئی تعلیم حاصل نہیں کی اپنے
باپ کے فوت ہو جانے کے بعد جب کہ میری عمر دس بارہ
برس کی تھی اور میرا چھوٹا بھائی چھ مہینے کا تھا ہم اپنی والدہ
کی سرپرستی میں تربیت پانے لگے۔ میری والدہ بالکل ناخواندہ
تھیں انہیں کوئی مذہبی تعلیم نہ دی گئی تھی لڑکپن میں میں نے
تعلیم کی طرف مطلق توجہ نہ کی اور آزاد پھرتا رہا مجھ میں تھوڑی
سی عقل آگئی تو تعلیم کی طرف توجہ کی"

تعلیم محمد جعفر نہایت ذہین و ذکی تھے جب تعلیم کی طرف میلان ہوا تو نہایت ذوق و شوق اور کوشش و سعی کا مظاہرہ کیا۔ مولوی جعفر کی تعلیم کی متعلق تفصیلات نہیں ملتیں مگر اندازہ ہے کہ مروجہ فارسی تعلیم سے جلدی فراغ حاصل کر لیا ہوگا۔ ممکن ہے عربی کی ابتدائی تعلیم بھی حاصل کی ہو، عام طور پر ہم عصر لوگوں نے ان کو منشی محمد جعفر لکھا ہے۔ اس سے خیال ہوا کہ عربی تعلیم کچھ زیادہ نہیں ہوئی ہوگی۔

مولوی جعفر کی تعلیم اس نہج پر ہوئی کہ خواص ادویہ سے بھی کچھ مناسبت ہوگئی چنانچہ جب انبالہ جیل میں بیمار ہوئے اور انگریزی دواؤں سے فائدہ نہ ہوا تو ڈاکٹر کے کہنے سے اپنے لئے مربہ سیب، مربہ بہی، شربت انار، شربت بنفشہ و نیلوفر اور ورق نقرہ وغیرہ عمدہ عمدہ مزیدار و مفرح دوائیاں تجویز کیں ان دواؤں سے خاطر خواہ فائدہ ہوا خود ہی لکھتے ہیں[1]

"بخار تو قسم محرقہ سے تھا ان شربتوں کے استعمال سے دوسرے

بقیہ نوٹ صفحہ پچھلا۔ تحریر کئے مولوی صاحب کا یہ نوشتہ حکومت کے ہاتھ لگ گیا، اس کا خلاصہ مقدمہ انبالہ میں پیش ہوا۔ ولیم ہنٹر نے وہی خلاصہ اپنی کتاب "آور انڈین مسلمانس" میں شامل کیا ہے ملاحظہ ہو "آور انڈین مسلمانس" از ڈبلیو ڈبلیو ہنٹر کلکتہ ۱۹۴۵ء صفحہ ۸ ؎ [1] ملاحظہ ہو تواریخ عجیب ص۱۱۱

دن دفع اور مربوں اور اوراق نقرہ سے بدن اور معدہ میں
بھی طاقت آگئی۔"

مولوی محمد جعفر کو قرآن وحدیث سے خاص شغف تھا بقدر تین سیپاروں کے قرآن کریم حفظ یاد تھا حدیثیں تو سیکڑوں یاد تھیں تہجد کی نماز کے بچپن سے عادی تھے۱؎ بچپن سے نماز تہجد کے عادی ہوتے ہیں ان کے والدین کی مذہبی زندگی کا اثر معلوم ہوتا ہے مولوی محمد جعفر کی والدہ نہایت راسخ العقیدہ خاتون اور سنت کی پابند تھیں جس زمانے (۱۸۶۴ء) میں مولوی صاحب قید وبند کی مصیبتیں جھیل رہے تھے ان بزرگ خاتون کو سانپ نے کاٹ کھایا، لوگوں نے سانپ کے علاج کے لئے مشرکانہ رسوم تجویز کیں تو انہوں نے سختی سے انکار کردیا اور کہا۔

"میرے گھر سے شرک وبدعت مدت سے اٹھ گیا ہے اب میں
اپنے بیٹے کی غیر حاضری میں اپنے گھر میں شرک نہ
ہونے دوں گی۔ ایسی بے ایمانی کی حیات سے موت
افضل ہے۔"

مئی ۱۸۶۴ء میں اس دین دار خاتون کا انتقال ہوگیا۔ ایسی موت پر لاکھوں زندگیاں قربان۔

عرائض نویسی مروجہ تعلیم حاصل کرنے کے بعد مولوی محمد جعفر نے ۱۸۵۶ء میں مقامی عدالتوں میں عرائض نویسی شروع کردی اور تھوڑی ہی مدت میں قانون دانی میں ایسا کمال حاصل کرلیا کہ تمام عرائض نویس اور وکلاء عدالتی قوانین اور ضوابط کے متعلق ان سے مشورے لینے لگے۔ یہاں تک کہ مولوی محمد جعفر کی دور دور شہرت ہوگئی اور قرب وجوار کے بعض زمینداروں نے ان کو اپنا قانونی مشیر مقرر کرلیا۲؎ مولوی محمد جعفر کی قانون دانی اور مہارت کا اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ انہوں نے اپنے مقدمات انبالہ میں

۱؎ ملاحظہ ہو تواریخ عجیب ص۱۲۲ ۔ ۲؎ ملاحظہ ہو تواریخ عجیب ص۱۰۶ ۔ اور انڈین مسلمانز ص۔

کوئی وکیل پیروی کے لئے مقرر نہیں کیا بلکہ خود ہی جواب دہی کی جرح و بحث میں اس قدر مہارت تھی کہ جب انہوں نے گواہوں سے سوالات کئے تو وہ جوابات سے تنگ آ گئے۔[1]

معلوم ایسا ہوتا ہے کہ مولوی محمد جعفر کے والد میاں جیون کا ذریعہ معاش کاشتکاری تھا اور وہ ایک مرفہ الحال شخص[2] تھے مولوی محمد جعفر کا جب ۱۸۵۶ء میں نکاح ہوا تو انہوں نے اپنے حصہ کی کل جائداد مہر کے عوض میں اپنی بیوی کے نام لکھدی[3] مولوی محمد جعفر نے عرائض نویسی اور قانون دانی کے ذریعہ بھی کافی دولت اور شہرت حاصل کی زمینداری اور جائداد پیدا کی تھانیسر سے ایک میل کے فاصلے پر ان کی زمینداری تھی مولوی محمد جعفر اپنی مالی حالت پر ان الفاظ میں تبصرہ کرتے ہیں[4]۔

"میں ہزاروں روپے کی جائداد منقولہ اور غیر منقولہ پر قابض تھا، بیسیوں آدمی میری رعیت رہتے تھے، ایسے بڑے شہر کا نمبردار گھوڑے اور گاڑیوں میں سوار پھرتا تھا ہر کام کے میرے گھر میں نوکر چاکر تھے۔"

---

[1] ملاحظہ ہو تواریخ عجیب ص ۹۳

[2] ہنٹر نے لکھا ہے کہ "وہ (مولوی محمد جعفر) ایک بہت ہی غریب گھرانے میں پیدا ہوا" (آور انڈین مسلمانس ص ۹۰) یہ بات درست معلوم نہیں ہوتی کیونکہ بقول ہنٹر ۱۸۵۶ء میں مولوی محمد جعفر نے عرائض نویسی کا پیشہ اختیار کیا اور اسی سال ان کی شادی ہوئی تو انہوں نے اتنی جلدی کہاں سے زمینداری و جائداد حاصل کر لی کہ جس کو بیوی کے مہر میں لکھدیا۔ یہ یقیناً ان کے والد کی چھوڑی ہوئی جائداد تھی جس میں سے انہوں نے اپنے حصے کی جائداد اپنی بیوی کے مہر میں لکھدی۔

[3] مولوی محمد جعفر کی شادی پانی پت میں ہوئی تھی گرفتاری کے وقت دو لڑکے اور ایک لڑکی تھی بڑا لڑکا محمد صادق ان کی اسیری کے زمانے میں فوت ہوگیا۔ چھوٹا لڑکا، لڑکی، اور بیوی رہائی کے وقت زندہ تھے۔

[4] ملاحظہ ہو تواریخ عجیب ص ۱۱۱

تحریک مجاہدین سے تعلق

مولوی محمد جعفر علمائے صادق پور کی تحریک کے خاص رکن تھے مولوی عنایت علی کے سرحد ہجرت (شوال ۱۲۶۵ھ) کرنے کے بعد جب جماعت کا نظام مولوی یحییٰ کے سپرد ہوا تو مولوی محمد جعفر ان کے زیر ہدایت اپنے "فرائض" انجام دینے لگے بلکہ ہنٹر کی رائے ہے کہ مولوی یحییٰ علی کی تعلیم و تحریک ہی سے وہ تحریک جہاد میں شریک ہوئے۔ ہنٹر لکھتا ہے[1]۔

> "جعفر بہت دور دراز تک پھیلی ہوئی وہابی سازش میں شریک ہوگیا، اس کے خفیہ فرائض نے اس کے نفرت انگیز پیشے کو بھی مقدس بنا دیا کیونکہ وہ اس کے متعلق لکھتا ہے کہ میں نے اس کام کو ایک خاص آدمی کے حکم کے مطابق اور ایک خفیہ مقصد کے لئے اختیار کر رکھا ہے یہ خاص شخص پٹنہ کا مولوی یحییٰ علی ہندوستان میں وہابیوں کا پیشوا تھا کہ مہاجن کی وہابی نوآبادی کو رنگروٹ اور اسلحہ بہم پہونچائے جائیں جو اس وقت علانیہ حکومت سے برسرپیکار رہتے۔

بہرحال یہ بات یقینی ہے کہ مولوی محمد جعفر ۱۸۵۰ء سے قبل اس تحریک میں ذمہ دارانہ طور سے شریک ہو چکے تھے اور اس کے عواقب و نتائج کا بھی ان کو کسی قدر اندازہ تھا اسی لئے انہوں نے اپنے نکاح کے دن ہی اپنے حصّے کی جائداد حفظ ما تقدم کے طور پر اپنی بیوی کے مہر میں لکھدی تھی[2]۔

۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں مولوی عنایت علی نے نہایت عزم و ارادہ کے ساتھ مردانہ وار حصہ لیا، مجاہدین کی قیادت کی اور انگریزی حکومت کے لئے مشکلات پیدا کیں جس کے نتیجہ میں نوشہرہ اور مردان کے فوجیوں میں کچھ شورش و بغاوت ہوئی اور نارجی

---

[1] آور انڈین مسلمانس ص ۸۲ ٭ [2] تواریخ عجیب ص ۱۱۱

کی جنگ کا واقعہ پیش آیا[1]۔ ہنٹر کا بیان ہے کہ ۱۸۵۷ء کے ہنگامے میں مولوی محمد جعفر اپنے بارہ معتمد ہمراہیوں کے ساتھ مجاہدین کے کیمپ کی طرف (مولوی عنایت علی) کے پاس گئے[2]۔ اور نہایت قابلیت کے ساتھ جنگ میں حصہ لیا[3]۔ لیکن جب دہلی میں (ستمبر ۱۸۵۷ء) باغیوں کی امیدیں خاک میں مل گئیں تو محمد جعفر تھانیسر واپس آگئے۔

مولوی محمد جعفر تحریک جہاد کے رکن عظیم اور ایک بڑے رازدار تھے۔ ان کا اصطلاحی نام "پیرو خاں" یا "پیرو خلیفہ" تھا۔ سرحد کو روپیہ اور مجاہدین ان کے ذریعے سے جاتے تھے، پیامبر اور مجاہدین ان کے یہاں ٹھہرتے تھے، رازدارانہ خط و کتابت ان کے ذریعے ہوتی تھی، حقیقت یہ ہے کہ سرحد اور صادق پور کے مرکزوں کے درمیان تھانیسر بھی ایک خاص مرکز تھا۔ مولوی محمد جعفر اکابر صادق پور کے معتمد علیہ اور ان کے رازہائے سربستہ کے امین و محافظ تھے۔ شیخ الکل شمس العلما میاں نذیر حسین دہلوی (ف ۱۹۰۲ء) سے بڑے تعلقات تھے چنانچہ جب ۱۸۶۵ء میں میاں نذیر حسین راولپنڈی میں نظر بند ہوتے تو ان کے کاغذات میں مولوی محمد جعفر تھانیسری کے بھی تین خط نکلے[4]۔

گرفتاری و مقدمہ

ایک سپاہی غزن خاں نے مخبری کی تو حکومت کو یہ یقین ہوگیا کہ سرحد پر مجاہدین کے پاس رقم اور آدمی مولوی محمد جعفر کے ذریعہ سے بھیجے جاتے ہیں ۱۲ دسمبر ۱۸۶۳ء کو ان کی خانہ تلاشی ہوئی مولوی

---

[1] مولوی عنایت علی کی قیادت میں ۱۸۵۷ء میں جو واقعات پیش آئے ان کی تفصیل مولوی غلام رسول مہر نے کتاب "سرگزشت مجاہدین" میں نہایت تحقیق سے درج کی ہے ملاحظہ ہو ص ۲۹۱-۳۱۰۔ [2] آور انڈین مسلمانس ص ۸۱۔ [3] ہنٹر کے علاوہ "اس خبر واحد" کی، کسی اور ذریعے سے تصدیق نہیں ہوئی۔ [4] سلیکشنس فرام بنگال گورنمنٹ ریکارڈس آن وہابی ٹرائلس مرتبہ معین الدین احمد خاں ص ۶۵-۶۶۔

محمد جعفر فرار ہو گئے، ان کی گرفتاری کے لئے دس ہزار روپے کا اشتہار جاری ہوا آخر علی گڑھ سے گرفتار کر کے انبالے لائے گئے، مقدمہ چلایا گیا۔ ۲ رمئی ۱۸۶۴ء کو مقدمے کا فیصلہ سنا دیا گیا۔ تمام جائداد منقولہ وغیر منقولہ ضبط ہوئی اور پھانسی کی سزا تجویز ہوئی مولوی محمد جعفر نے کسی قسم کی پریشانی اور رنج کا اظہار نہیں کیا بلکہ نہایت خوش اور مطمئن رہے، مقدمے میں مولوی محمد جعفر نے نہایت استقامت اور پامردی کا ثبوت دیا۔ مولوی محمد جعفر کو لالچ بھی دیا گیا اور زد و کوب سے بھی واسطہ پڑا مگر ایمان کی لذت سے سرشار ہر قدم پر ثابت قدم رہے۔ جج نے مولوی محمد جعفر سے مخاطب ہوتے ہوئے فیصلہ ان الفاظ میں سنایا[1]۔

"تم بہت عقلمند ذی علم اور قانون داں اور اپنے شہر کے نمبردار اور رئیس ہو تم نے اپنی ساری عقلمندی اور قانون دانی کو سرکار کی مخالفت میں خرچ کیا تمہارے ذریعے سے آدمی اور روپیہ سرکار کے دشمنوں کو جاتا تھا۔ تم نے سوائے انکار بحث کے کچھ حیلۃً بھی خیر خواہی سرکار کا دم نہیں بھرا اور باوجود فہمائش کے اس کے ثابت کرانے میں کچھ کوشش نہ کی اس واسطے تم کو پھانسی کی سزا دی جائے گی اور آخر میں یہ کلمہ بھی کہا کہ میں تم کو پھانسی پر لٹکتا ہوا دیکھ کر بہت خوش ہونگا۔"

مولوی محمد جعفر نے کیا مردانہ وار جواب دیا۔

"جان دینا اور لینا خدا کا کام ہے آپ کے اختیار میں کچھ نہیں ہے۔ وہ رب العزت قادر ہے کہ میرے مرنے سے پہلے تم کو ہلاک کر دے"

---

[1] ملاحظہ ہو تواریخ عجیب صفحہ ۹۸

مولوی محمد جعفر کے یہ الفاظ الہامی ثابت ہوئے اور چند روز کے بعد وہ جج اپنی موت مر گیا۔

چیف کورٹ میں اپیل کی گئی، ۱۶ دسمبر ۱۸۶۴ء کو اپیل کا فیصلہ سنا دیا گیا پھانسی حبس دوام بعبور دریائے شور میں تبدیل ہو گئی اور وہ بھی اس وجہ سے کہ ان جہاد و حریت کے نقیبوں کو مسلسل شدائد و مصائب کا شکار کیا جائے۔

ڈبلو، ڈبلو ہنٹر ان کو خراج عقیدت اس طرح پیش کرتا ہے۔

"جعفر علی عرضی نویس اور یحییٰ علی رئیس المسلمین نے اپنی وفاداری کا کہیں جھوٹا دعویٰ نہیں کیا۔ اور نہ ہم سے کوئی مراعات طلب کیں وہ بڑے بااصول اور مخلص اللسان تھے انہوں نے اپنے آپ کو اس زہر آلود ہتھیار سے مجروح کیا جس کو ایک جھوٹے مذہب نے ان کے ہاتھ میں دیدیا تھا لہٰذا اب جبکہ انہوں نے اپنی غداری کی سزا بھگت لی ہے تاریخ ان کے اس انجام کو پُر رحم جذبات کے ساتھ یاد کرے گی"

ستمبر ۱۸۶۴ء سے فروری ۱۸۶۵ء تک مولوی محمد جعفر انبالہ جیل میں رہے، ۲۲ فروری ۱۸۶۵ء کو لاہور جیل روانہ ہوتے اخیر اکتوبر ۱۸۶۵ء کو انڈمان روانگی ہوئی لاہور سے ملتان سکھر ٹھٹھہ، کوٹری ہوتے ہوئے کراچی پہونچے ایک ہفتہ کراچی جیل میں رہے، پھر بذریعہ بادبانی جہاز بمبئی روانہ ہو گئے وہاں تھانہ جیل میں ایک ماہ رہے۔ ۸ دسمبر ۱۸۶۵ء کو وہاں سے بھی روانگی ہو گئی۔ ۱۱ جنوری ۱۸۶۶ء کو مولوی محمد جعفر نے سرزمین انڈمان پر قدم رکھا اور زندگی کا ایک نیا باب شروع ہوا۔

۱؎ ہمارے ہندوستانی مسلمان (اردو ترجمہ) ص ۱۴۷ (لاہور ۱۹۴۴ء)

جزیرۂ انڈمان کی زندگی

مولوی محمد جعفر جہاز سے اترتے ہی اس تحریک کے ایک ممتاز رہنما مولانا احمد اللہ اور انکے ساتھیوں نے استقبال کیا، مولانا احمد اللہ[1] (ف ۱۸۸۱ء) چھ ماہ پہلے انڈمان پہونچ چکے تھے۔ مولوی محمد جعفر مولانا احمد اللہ کے ہمراہ منشی غلام نبی محرر کے مکان پر پہونچے وہاں مولوی محمد جعفر کی بیڑیاں کاٹی گئیں اور عمدہ لباس پہنایا گیا۔ منشی اکبر زماں[2]، اکبر آبادی کی کوشش سے چیف کمشنر کے دفتر میں "محرر سکشن در" یا "نائب میر منشی" مقرر ہو گئے تنخواہ کے علاوہ رہنے کو مکان اور خدمت کو ایک ملازم ملا، کسی قسم کی کوئی پابندی نہ رہی جہاں چاہیں آئیں جہاں چاہیں جائیں۔

جب مولوی محمد جعفر انڈمان پہونچے اس وقت ان کی عمر ۲۷ سال تھی عین عالم شباب تھا۔ پہلے اپنے اہل وعیال کو وطن سے بلانے کی کوشش کی جب اس میں ناکام رہے تو انہوں نے وہیں ایک کشمیری خاتون سے نکاح کر لیا۔ ۳۰ اپریل ۱۸۶۶ء کو ان کا انتقال ہو گیا۔ یہ بیوی نہایت دیندار اور متبع سنت تھیں، مولوی یحییٰ علی کی مرید تھیں، مولوی محمد جعفر نے دوسری شادی الموڑہ کی ایک برہمن زادی سے کی مولوی صاحب نے پہلے

---

[1] مولوی احمد اللہ بن مولوی الٰہی بخش ۱۲۲۳ھ / ۱۸۰۸ء میں پیدا ہوئے سید احمد شہید کی تحریک کے نامور رکن اور علمائے صادق پور میں ممتاز و محترم تھے ۱۸۵۷ء میں کمشنر پٹنہ "ٹیلر" نے حفظ ماتقدم کے طور پر نظر بند رکھا۔ مولانا احمد اللہ کے بیشتر اعزہ تحریک جہاد کے سرگرم کارکن تھے مولوی احمد اللہ پر بھی بغاوت کا مقدمہ چلایا گیا اور حبس دوام بعبور دریائے شور کی سزا دی گئی جائداد اور مال واسباب ضبط ہوا۔ ۱۲۸۱ھ / ۱۸۶۵ء میں انڈمان پہونچے اور وہیں ۱۲ نومبر ۱۸۸۱ء کو فوت ہوئے (ملاحظہ ہو تواریخ عجیب ص ۲۲۲ - ۲۲۴۔

[2] منشی اکبر زماں کا تفصیلی حال باب ہفتم میں ملاحظہ ہو۔

اس کو اسلام کی دعوت پیش کی جسے اس نے بخوشی قبول کر لیا۔ ۱۵ اپریل ۱۸۶۸ء کو دوسرا نکاح ہوا اس بیوی سے دس اولادیں ہوئیں جن میں آٹھ زندہ رہیں اور یہی بیوی مولوی محمد جعفر کے ہمراہ ہندوستان آئیں۔

مولوی محمد جعفر نے ملازمت کے ساتھ تجارت بھی کرنی چاہی مگر اس میں کوئی خاص فائدہ نہ ہوا۔ تین سو روپے کا مال دہلی سے منگوایا جو دو سال میں ان کے پاس پہونچا اس میں ڈیڑھ سو روپے کا خسارہ ہوا دوسری مرتبہ ان کی ہنڈی بنگالیوں نے پکڑوادی کیونکہ ملازم سرکار کو تجارت کی اجازت نہ تھی۔ مولوی محمد جعفر نے اپنے سابقہ تعلقات و روابط کی بناء پر شمس العلماء مولوی نذیر حسین دہلوی سے خط و کتابت جاری رکھی مختلف اوقات میں کتابیں منگوائیں، مذہبی فتوے اور مسئلے پوچھے تجارت کے سلسلے میں دہلی سے جو چیزیں منگائی گئی تھیں وہ مولوی نذیر حسین ہی کے ذریعے سے منگائی تھیں اور ان کو لکھا تھا کہ یہ تمام سامان خرید کر کلکتہ میں مولوی احمد علی کے پاس بھیجدیا جائے مولوی نذیر حسین دہلوی سے ایک فتویٰ پوچھا گیا کہ ایک عورت جس کو حبس دوام بعبور دریائے شور کی سزا ہوئی ہے اس کی رہائی کی کوئی امید نہیں ہے اور وطن میں اس کا شوہر زندہ ہے تو ایسی صورت میں انڈمان میں اس عورت کا نکاح کرنا جائز ہے یا نہیں یہ مسئلہ اس زمانے میں جزیرۂ انڈمان میں خاص اہمیت رکھتا تھا۔ مولوی محمد جعفر نے اپنے مکتوب مورخہ ۲۹ اپریل ۱۸۶۷ء (موصولہ دہلی اگست ۱۸۶۷ء) کے ذریعہ مولوی رحمت اللہ کیرانوی (ف ۱۳۰۸ھ / ۱۸۹۰ء) کی ایک کتاب "رد نصاریٰ" منگوائی [۱]

مولوی محمد جعفر نے انڈمان کا تمام زمانۂ اسیری ملازمت میں گزارا پہلے جزیرۂ پریسوڈنٹس میں رہے جنوری ۱۸۶۹ء میں ہر دو جزیرے کو تبادلہ ہوا اور وہاں اسٹیشن محرر مقرر ہوئے فروری ۱۸۷۲ء میں لارڈ میو کا قتل ہوا تو مولوی محمد جعفر کو صدر جزیرہ روس بلالیا گیا جون ۱۸۷۲ء میں جزیرۂ ابرڈین کو بحیثیت میر منشی تبادلہ ہو گیا اور غالباً وہیں آخر وقت تک

---

[۱] سلیکشنز فرام بنگال گورنمنٹ ریکارڈس آن وہابی ٹرائلس ص ۶۴-۶۵

رہے مولوی صاحب نہایت محنت اور قابلیت سے اپنے فرائض منصبی انجام دیتے تھے۔ تمام حکام ان پر اعتماد کرتے تھے میجر پر اتھرو لکھتا ہے[1]

"میں فروری ۱۸۶۹ء سے محمد جعفر کو جانتا ہوں اس وقت سے آج تک جہاں کہیں مجھ کو موقع اس کے چال چلن کے دریافت کا ملا ہے میں نے اس کو ایک بے نظیر اور لاثانی آدمی پایا ہے یہ شخص بڑا علم دوست اور نہایت جفاکش آدمی ہے پورٹ بلیر میں آکر اس نے علم انگریزی بھی سیکھ لیا ہے کہ اس کو نہایت عمدگی سے پڑھتا، لکھتا اور بولتا ہے۔ اور بہت سے موقعوں میں جہاں جہاں یہ سرکاری کچہری میں رہا ہے نہایت کارآمد سرکار رہا ہے .... اور جب کسی کام کے واسطے اس کو حکم ملا ہے تو ہمیشہ نہایت خوشی سے اس نے اسکو انجام دیا ہے اور کیسا ہی کسی قدر کام ہو، میں ہمیشہ اس کو اسکے کرنے میں کمربستہ و تیار پاتا ہوں۔"

رہائی کے موقع پر جب حکومت ہند نے محمد جعفر کے حالات اور چال چلن کی کیفیت طلب کی تو سپرنٹنڈنٹ نے لکھا[2]

"مولوی محمد جعفر نے انڈمان کے تمام دوران قیام میں نہایت قابلیت اور لیاقت کا مظاہرہ کیا ہے، اس کا کردار اور چال چلن بہت اچھا رہا ہے۔"

---

[1] تاریخ پورٹ بلیر (تاریخ عجیب) از محمد جعفر تھانیسری (نول کشور پریس لکھنؤ ۱۸۸۰ء) صفحہ ۲۰۳

[2] سلیکشنس فرام بنگال گورنمنٹ ریکارڈس آن وہابی ٹرائلس صفحہ ۲۶۰

مولوی محمد جعفر کے اعمالنامے میں صرف چار قابل اعتراض واقعات کی نشاندہی کی گئی ہے جو درج ذیل ہیں[1]۔

(۱) ۱۲ جنوری ۱۸۶۶ء کو ایک گمنام درخواست سپرنٹنڈنٹ (جزیرہ) کو بھیجی جس میں جھوٹی اور بدنام کن اطلاع تھی اس کے نتیجہ میں سپرنٹنڈنٹ کے دفتر سے برخاست ہوئے اور بطور سزا تیسرے درجے کے ملازمین میں تبدیل ہو گئے۔

(۲) ۴ جنوری ۱۸۶۸ء کو جھوٹی شکایت کرنے پر پانچ روپئے جرمانہ ہوا۔

(۳) ۹ جون ۱۸۸۵ء کو ایک یوروپین سپاہی کے کپڑے خریدے جس پر ان کو تنبیہ ہوئی۔

(۴) ۱۹ اگست ۱۸۸۲ء کو سپرنٹنڈنٹ کے جاری کردہ کسی قانون کی تعمیل نہیں کی جس کی بنا پر وہ حکم عدولی کے جرم سے نامزد کئے گئے۔

انڈمان میں بحیثیت قیدی کے مولوی محمد جعفر کا نمبر (۱۱۴۵۰) تھا[2]۔

مولوی محمد جعفر نے ایک شخص رام سروپ سے انگریزی پڑھی اور ایک سال کے عرصے میں اس زبان میں لکھنے پڑھنے اور بولنے میں خاصی مہارت حاصل کرلی مولوی محمد جعفر فرصت کے اوقات میں فارسی اردو، ناگری زبانیں انگریزوں وغیرہ کو سکھایا کرتے تھے، اس لئے انگریزوں سے باہمی ربط وضبط رکھتے اور ترجمہ و مشق کی وجہ سے انگریزی کی استعداد خاصی پختہ ہو گئی یہانتک کہ وہ انگریزی میں عرضی اور اپیل بھی لکھنے لگے اور اس سے ان کو کافی مالی منفعت بھی ہوئی جزائر انڈمان میں انکے سوا کوئی دوسرا مسلمان انگریزی خواں نہ تھا انہوں نے مسلمانوں کے مقدمات میں بڑی مدد کی یہانتک کہ بعض کی پھانسیاں منسوخ ہوئیں غرض انگریزی جاننے

---

[1] سلیکشنس فرام بنگال گورنمنٹ ریکارڈس آن وہابی ٹرائلس ص ۲۴۷، ۲۶۰

[2] " " " " " " ص ۲۶۰

کی وجہ سے انہوں نے مسلمانوں کی بڑی گراں قدر خدمات انجام دیں انگریزی زبان کی اہمیت کے متعلق محمد جعفر لکھتے ہیں[۱]۔

"جو انگریزی نہیں جانتا وہ بلاشبہ دنیا کے حالات سے بخوبی ماہر نہیں۔ اور بے انگریزی سیکھے پکا دنیا دار اور طرار نہیں ہو سکتا اور نہ سوائے اس زبان کے آج کل کوئی آلہ زر کمانے کا ہے"

انڈمان کی نو آبادی میں مختلف اقوام، ممالک اور مذاہب کے لوگ تھے اندازہ ایسا ہوتا ہے کہ ان میں اکثریت ہندوستانیوں کی تھی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ عام استعمال کی زبان اور دفتری زبان ہندوستانی (اردو) قرار پائی مولوی محمد جعفر لکھتے ہیں[۲]

"جب یہ لوگ آپس میں مل کر بیٹھتے ہیں تو اپنی اپنی زبان میں بات چیت کرتے ہیں مگر بازار اور کچہریوں کی زبان یہاں ہندوستانی ہے اس واسطے ہر آدمی کو خواہ وہ کسی ملک کا ہو ہندوستانی زبان سیکھنا ضرور پڑتا ہے بلکہ بے سیکھے تھوڑے روز کے بعد ہر آدمی خود بخود ہندوستانی بولنے لگتا ہے کیونکہ جب تک کوئی آدمی ہندوستانی نہ بولے اُس کا گزارا نہیں ہو سکتا"

رہائی

مولوی محمد جعفر نے رہائی کے لئے بہت کوشش کی مگر بے سود ۱۵ اگست ۱۸۸۳ء کو مولوی عبدالرحیم صادق پوری (ف ۱۹۲۳ء) کی بیوی مسماۃ جمیلہ نے اپنے شوہر کی رہائی کی درخواست دی جس کے نتیجہ میں "وہابی کیس" کے جملہ ملزمان کا مسئلہ زیر بحث آیا اس وقت ہندوستان کے گورنر جنرل لارڈ رپن تھے۔ جن کا تعلق لبرل

۱؎ تواریخ عجیب صـ۱۷۶ ۲؎ تواریخ عجیب صـ۲۰۳

جماعت سے تھا، ان کی حکومت نے "وہابی کیس" کے جملہ ملزمین کی رہائی منظور کر لی[1] چنانچہ ۳۰ دسمبر ۱۸۸۲ء کو ان کی رہائی کی اطلاع مولوی محمد جعفر کی بیوی کو پانی پت میں مل گئی۔

۲۲ جنوری ۱۸۸۳ء کو رہائی کا حکم محمد جعفر کو انڈمان میں ملا۔ مگر ان کی بیوی کو بھی عمر قید کی سزا ہوئی تھی اور ابھی صرف ۱۴ سال گزرے تھے، انہوں نے اپنی بیوی کی رہائی کی درخواست دی، یکم مئی ۱۸۸۳ء کو ان کی بیوی کی رہائی کا حکم بھی آگیا۔ اتفاق سے ان کو اس وقت چھ ماہ کا حمل تھا، لہذا چھ ماہ مزید ٹھہرنا پڑا اس دوران میں محمد جعفر نے اپنا تمام اسباب فروخت کیا اور مکان کو وقف کر کے مسجد بنانی چاہی جسکی ڈپٹی کمشنر نے اجازت نہیں دی۔

۹ نومبر ۱۸۸۳ء کو سترہ سال دس ماہ بعد انڈمان سے ایک بیوی آٹھ بچے اور آٹھ ہزار روپیہ نقد لے کر ہندوستان روانہ ہوئے ۱۳ نومبر ۱۸۸۳ء م ۱۴ محرم ۱۳۰۱ھ کو کلکتہ پہونچے اور مولوی عبد الرحیم کے بھائی مولوی عبد الرؤف کے پاس چینا پاڑے میں دو روز ٹھہرے۔ ۲۰ نومبر ۱۸۸۳ء کو رات کے نو بجے انبالہ چھاؤنی کے اسٹیشن پہونچے۔ تقریباً اٹھارہ سال کے بعد اس مرد مجاہد کو سرزمین وطن دیکھنی نصیب ہوئی۔

انبالہ میں سکونت و انتقال

مولوی محمد جعفر بازار انبالہ کیمپ میں ایک مکان کرایہ پر لے کر اس میں رہنے لگے، اس زمانہ میں مولوی جعفر کے ایک شاگرد کپتان ٹمپل کیمپ انبالہ میں مجسٹریٹ تھا، کپتان ٹمپل نے ان کی بڑی مدد کی، اپنی ضمانت پر حکومت کی عائد کردہ پابندیاں ختم کرائیں۔ بیس روپے ماہانہ اپنی طرف سے مقرر کر دیے دوسرے انگریزوں کے پڑھانے سے تیس روپے مل جاتے تھے۔ اپریل ۱۸۸۶ء میں کپتان ٹمپل کا تبادلہ ہو گیا تو مولوی جعفر

---

[1] سلیکشنز فرام بنگال گورنمنٹ ریکارڈس آن وہابی ٹرائلز ص ۲۴۰-۲۴۲

پر پولیس کی نگرانی ہوگئی لیکن فروری ۱۸۸۸ء میں خود بخود حکومت نے یہ پابندیاں مولوی محمد جعفر کے اوپر سے ختم کر دیں، انبالہ میں مولوی محمد حسین بٹالوی (ف ۱۳۳۸ھ) نے محمد جعفر تھانیسری سے ملاقات کی مگر ساتھ ہی ساتھ اپنی عدم واقفیت کا بھی ذکر کر دیا[۱] مولوی تھانیسری کافی مطمئن تھے۔ پھر مولوی محمد جعفر تھانیسری نواب عظمت علی خاں رئیس کرنال (ف ۲۶ دسمبر ۱۹۰۰ء) کے یہاں مختار عام ہوگئے تھے۔ سلیم التواریخ کے مؤلف صوفی محمد اکبر علی سے کرنال میں ملاقات ہوئی تھی، صوفی صاحب نے ان کی خدا پرستی، نیکو کاری اور راسخ الاعتقادی کا بطور خاص ذکر کیا ہے[۲]۔

۱۹۰۵ء میں انتقال ہوا۔ ان کے صاحبزادے مولوی محمد اسمٰعیل وکیل انبالہ ۱۹۴۷ء کے فسادات میں غیر مسلموں کے ہاتھ سے شہید ہوئے مولوی محمد اسمٰعیل کے صاحبزادے آج کل لاہور میں کسی سرکاری محکمے میں ملازم ہیں[۳]۔

تصانیف

مولوی محمد جعفر کو تصنیف و تالیف سے خاص شغف تھا کئی کتابوں کے مصنف ہیں۔ جن میں کالا پانی (تواریخ عجیب) اور سوانح احمدی کافی مشہور ہیں۔

نصائح جعفری

مولوی محمد جعفر نے اپنے حالات ۱۰ ذی الحجہ ۱۲۷۸ھ م (۱۲ جون ۱۸۶۲ء) سے لکھنے شروع کئے یہ نوشتہ حکومت کے ہاتھ لگ گیا۔ اس کا خلاصہ مقدمہ انبالہ میں پیش ہوا۔ ولیم ہنٹر نے اسی خلاصہ کو اپنی کتاب "آور انڈین مسلمانس" میں شامل کر لیا۔ کتاب کا آغاز اس طرح ہوتا ہے[۴]

۱۔ رسالہ اشاعت السنہ (لاہور) جلد ۶ شمارہ ۱۰ ص۲۸۶

۲۔ سلیم التواریخ از صوفی محمد اکبر علی (جالندھر ۱۹۱۹ء)، ص۹۶۸

۳۔ مکتوب مولانا غلام رسول مہر بنام محمد ایوب قادری مورخہ ۱۱ اکتوبر ۱۹۶۱ء

۴۔ آور انڈین مسلمانس ص۲۳

"میں نے یہ کتاب منگل کے روز ۱۰ ذی الحجہ ۱۲۸۶ھ سے لکھنی شروع کی ہے، اس کا اختتام اللہ کے ہاتھ میں ہے، میں نے اس میں کسی خاص طریقہ کی پیروی نہیں کی، میں نے صرف وہ واقعات لکھدیئے ہیں جن کا تعلق دین و دنیا سے ہے۔ اور جن میں میں نے وقتاً فوقتاً حصہ لیا۔ مزید برآں میں یہ ظاہر کر دینا چاہتا ہوں کہ یہ دنیا فانی ہے۔ انسان، جن، فرشتے، حیوانات یا نباتات جو کوئی بھی اس دنیا میں پیدا ہوا ہے اپنے وقت مقرر پر فنا ہو جائے گا۔ سوائے خدا کی ذات کے اور کوئی ہمیشہ رہنے والا نہیں جو کوئی بھی اس دنیا میں پیدا ہوا وہ ہزار سال تک کیوں نہ زندہ رہے، آخر افسوس اور ندامت کے سوا کچھ نہ لے گا"[1]

ترجمہ آئین پورٹ بلیر جزائر انڈمان و پورٹ بلیر کے ڈپٹی کمشنر میجر پرا تھرو نے پورٹ بلیر کے آئین سے متعلق ایک کتاب مرتب کی اس کتاب کی تیاری میں مولوی محمد جعفر نے میجر پرا تھرو کی پوری پوری مدد کی[1] اور اس آئین پورٹ بلیر کا ترجمہ بھی مولوی محمد جعفر نے کیا جو چھپ چکا ہے[2]

تاریخ پورٹ بلیر (تاریخ عجیب) اس کتاب کا تاریخی نام "تاریخ عجیب" ہے یہ کتاب اپریل ۱۸۷۹ء میں مکمل ہوئی در اصل یہ کتاب دو حصوں پر مشتمل ہے جس میں پہلا حصہ تو جزائر انڈمان و پورٹ بلیر کے حالات و

---

[1] تاریخ پورٹ بلیر (تاریخ عجیب) ص۲ [2] جزائر انڈمان و پورٹ بلیر میں جس قدر نقشہ جات اور رپورٹیں مرتب ہوئیں وہ سب مولوی محمد جعفر تھانیسری نے مرتب کیں۔ (تاریخ عجیب) ص۲

واقعات سے متعلق ہے اور دوسرے حصہ میں ان جزائرانڈمان میں تیئیس مشہور زبانوں کے روزمرہ کی ضروریات کے چھوٹے چھوٹے جملے اور اسمار" خالق باری" کے طرز پر اردو جملوں کے ساتھ لکھے ہیں یہ کتاب ۲۶×۲۰/۸ کے ۲۲۸ صفحات پر مشتمل ہے اس کتاب کے سبب تالیف کے متعلق مولوی محمد جعفر لکھتے ہیں[۱]

"مدت دراز سے بہت سے صاحب لوگوں کی مجھ سے زبان اردو، ناگری اور فارسی سیکھتے تھے یہ فرمائش تھی کہ اردو روجہ پورٹ بلیر میں کوئی ایک کتاب تصنیف کی جائے کہ جس سے یہاں کے لوگوں کو اردو سیکھنے میں مدد ملے اور اس کے سوائے اور بہت سے لوگوں کی مدت سے یہ تمنا تھی کہ ایک کتاب تاریخ پورٹ بلیر جس میں یہاں کی آبادی اور اوضاع و اطوار و بند و بست و قانون و زبان مختلفہ پورٹ بلیر و حال جنگلیاں جزائر ہذا کا مفصل درج ہو، تصنیف کر کے غیر جانبدار ہند کے لوگوں کو بھی یہاں کے عجائبات سے آگاہ کیا جاوے سوان دونوں غرضوں سے رفع ہو جانے کے واسطے اس خاکسار محمد جعفر میر منشی سدرن ڈسٹرکٹ نے یہ مختصر کتاب تحریر کر کے اس کا تاریخی نام تاریخ عجیب رکھ دیا۔

یہ کتاب چھ فصلوں پر مشتمل ہے پہلی فصل میں جزائر انڈمان و پورٹ بلیر کے محل وقوع آبادی، جغرافیائی حالات، مقامی باشندوں نیز دوسرے عجائبات کا ذکر ہے دوسری فصل میں انتظامی امور کا ذکر ہے۔ جزائر انڈمان پر انگریزوں کے قبضہ کرنے سے اس وقت تک سات سپرنٹنڈنٹ مقرر ہوئے تھے ان حکام کے عہد کے خاص خاص واقعات اور ان کی انتظامی اور آئینی کارگزاریوں کا ذکر ہے۔ تیسری

---

[۱] تاریخ عجیب ص ۳-۴

فصل میں لارڈ میو گورنر جنرل[1] کے قتل کے چشم دید واقعات تفصیل سے بیان کئے گئے ہیں، چوتھی فصل میں مروجہ دستور العمل اور ان قوانین کا ذکر ہے جن کا وقتاً فوقتاً جزائر انڈمان میں نفاذ ہوتا رہا ہے۔ پانچویں فصل جزائر انڈمان و پورٹ بلیر کی مروجہ زبانوں اور وہاں کے دیگر ممالک کے باشندوں کے طرز معاشرت اور عادات و اطوار کے بیان پر مشتمل ہے۔ چھٹی فصل نہایت مختصر ہے جس میں قیدیوں کے کچھ عجیب و غریب نام انتخاب کرکے لکھے ہیں۔ اور ان کا ایک مفصل گوشوارہ بھی دیا ہے آخر کتاب میں ایک مختصر سی فرہنگ شامل کی ہے، اس کتاب کا قطعہ تاریخ تصنیف مولوی ایوب خاں کیفی[2] مرادآبادی نے لکھا ہے۔

انڈمان کا جو کل لکھا احوال	منشی جعفر نے بعنوان غریب
نام و تاریخ کی خواہش جو کی	کہا کیفی نے ہے "تاریخ عجیب"
	۱۲۹۶ھ

---

[1] لارڈ میو ۱۸۶۹ء میں ہندوستان کا گورنر جنرل اور وائسرائے مقرر ہو کر آیا اسے جزائر انڈمان میں اصلاحات جاری کرنے کا خیال ہوا چنانچہ اس مقصد کے لئے اس نے ایک نیا مجموعۂ ضوابط تیار کرکے ۱۸۷۱ء میں نافذ کرایا پھر اس نے خود جزائر انڈمان دیکھنے کا ارادہ کیا تاکہ مزید اصلاحات جاری کر سکے چنانچہ وہ ۸ر فروری ۱۸۷۲ء کو جزائر انڈمان پہونچا۔ چیف کمشنر نے اطمینان دلایا کہ گورنر جنرل کی حفاظت کا مکمل انتظام کر لیا گیا ہے۔ چنانچہ گورنر جنرل نے دورہ کیا شام کے وقت جزیرۂ ماؤنٹ ہیریٹ پہونچا وہاں ایک قیدی شیر علی آفریدی نے گورنر جنرل کا کام تمام کر دیا ۱۱ر مارچ ۱۸۷۲ء کو لارڈ میو کے قتل کی وجہ سے ایک مہینہ چار روز بعد شیر علی کو بھی پھانسی دے دی گئی۔ (ملاحظہ ہو سرگزشت مجاہدین ص ۴۴۶-۴۵۱ - و تاریخ عجیب ص ۶۵ - ۸۴۔

[2] مولوی ایوب خاں کیفی کا حال باب ہفتم میں ملاحظہ ہو۔

مولوی محمد جعفر نے یہ کتاب سردار بگھیل سنگھ[1] ڈسٹرکٹ سپرنٹنڈنٹ پورٹ بلیر اور ان کے بیٹے ٹھاکر سنگھ کی فرمائش پر لکھی اور سردار صاحب ہی کے نام معنون کی ہے ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ (پورٹ بلیر) کی اجازت کے بعد پہلی مرتبہ یہ کتاب نول کشور پریس لکھنؤ میں ۱۸۸۰ء میں طبع ہوئی۔ کتاب کے شروع میں ابتدائیہ اور ٹائیٹل انگریزی میں بھی لکھا ہے۔ اس کتاب کا دوسرا ایڈیشن ۱۸۹۲ء میں مولوی محمد جعفر کی نظر ثانی کے بعد دوبارہ شائع ہوا۔ اشاعت ثانی میں چھٹی فصل حذف کر دی گئی ہے۔ اب یہ کتاب نایاب ہے[2]۔

سوانح احمدی

یہ کتاب سید احمد شہیدؒ اور ان کے اکابر خلفاء کے حالات و سوانح پر مشتمل ہے سید صاحب کے حالات پر یہ سب سے پہلی کتاب ہے جو اس قدر تفصیل سے لکھی گئی اور اس موضوع پر دوسری کتابوں کے لئے بنیادی مواد ثابت ہوئی۔ سوانح احمدی پانچ حصص (ابواب) پر مشتمل ہے۔ پہلے باب میں سید صاحب کی پیدائش، ایام طفولیت، تعلیم و تربیت فیوض باطنی اور سفر حج کا ذکر ہے یعنی ۱۲۰۰ھ سے ۱۲۴۰ھ تک کے حالات آ گئے ہیں دوسرے باب میں ان کی تعلیمات کا بیان ہے۔ یہ باب گویا صراط مستقیم کا لب لباب ہے تیسرا باب ۱۲۴۱ھ سے ۲۴ ذی قعدہ ۱۲۴۶ھ تک کے حالات پر مشتمل ہے اس میں ان کی سپاہیانہ زندگی اور مجاہدانہ سرگرمیوں کا حال ہے اور ان تمام معرکوں کو تفصیل سے

---

[1] سردار بگھیل سنگھ قصبہ ڈڈالہ ضلع سیالکوٹ کے باشندے اور خاندانی رئیس تھے جو ۱۸۵۷ء سے اودھ میں پولیس افسر تھے۔ ۱۵ جنوری ۱۸۶۷ء کو اکسٹرا اسسٹنٹ مقرر ہوئے پورٹ بلیر پہونچے ۱۸۶۸ء میں پورٹ بلیر کے سپرنٹنڈنٹ پولیس مقرر ہوئے انہوں نے انتظام بہت اچھا کیا جرائم میں کمی ہوگئی۔ ملاحظہ ہو تاریخ عجیب ص۱۵، ص۱۶، ص۶۳

[2] خوش قسمتی سے تاریخ عجیب کا پہلا اڈیشن ہمارے پاس اور دوسرا ایڈیشن پاکستان ہسٹاریکل سوسائٹی کراچی کے کتب خانہ میں موجود ہے۔

پیش کیا گیا ہے، جو سکھوں وغیرہ سے پیش آئے، چوتھے باب میں نامور خلفاء کی فہرست اور ان کے ضروری حالات درج ہیں پانچویں باب میں سید شہید کے وہ مکاتیب ہیں جو انہوں نے وقتاً فوقتاً روسا، وخوانین وغیرہ کو لکھے تھے۔

اس کتابچے کا پہلا ایڈیشن ۱۳۰۹ھ میں مطبع فاروقی دہلی سے شائع ہوا اس کے بعد صوفی کمپنی پنڈی بہاؤ الدین سے غالباً دو مرتبہ شائع ہوا۔

اس کتاب کے مطالعے سے یہ بات واضح ہوئی کہ مولف نے اس امر کے ثابت کرنے کی کوشش کی کہ جہاد کی تحریک از اول تا آخر سکھوں کے خلاف تھی انگریزوں سے اس کا کوئی واسطہ نہ تھا، اور سید احمد شہید کی جماعت مجاہدین کے سرگرم ارکان کو انگریزوں سے کوئی دشمنی یا پرخاش نہ تھی، حقیقت یہ ہے کہ مولوی محمد جعفر جماعت کے خاص راز دار تھے۔ جس کے نتیجے میں انہوں نے خوفناک تکلیفیں اٹھائیں، گھر بار لٹایا، ہزاروں کی منقولہ اور غیر منقولہ جائداد سے محروم ہوئے، بیوی بچے چھٹے، عزت و دولت سے محروم ہوئے، زندگی کے بہترین اٹھارہ سال جنگلوں اور پہاڑوں (جزائر انڈمان) میں قیدی کی حیثیت سے گزارے۔ جب کالے پانی سے رہا ہو کر آئے تو پولیس کی پابندیوں اور نگرانیوں سے بھی واسطہ پڑا ان حالات اور مصائب و آلام کا یہ ردعمل ہوا کہ انہوں نے اس مرقع میں مصلحت کے قلم سے نقش و نگار بھرنے کی کوشش کی ہے[1] ورنہ حقیقت اپنی جگہ عیاں اور ظاہر ہے۔

تائید آسمانی

مولوی محمد جعفر تھانیسری نے قادیانیت کے رد میں یہ رسالہ لکھا تھا جس کی نشاندہی مولانا عطاء اللہ حنیف شارح سنن ابن نسائی (مدیر الاعتصام لاہور) نے کی ہے انکے پاس اسکا ایک نسخہ موجود ہے۔

---

[1] حیرت کی بات یہ ہے کہ اپنے مقصد کے حصول کے لئے سید احمد شہیدؒ کے بعض مکاتیب کی عبارتیں تک بدل دی ہیں مولانا غلام رسول مہر نے اپنی معرکۃ الارار تصنیف "سید احمد شہید" میں اس کا انکشاف کیا ہے۔ ملاحظہ ہو سید احمد شہید، ص ۱۵۹ تا ۱۶۲

مولوی محمد جعفر تھانیسری نے سوانح احمدی کے خاتمہ میں بھی قادیانیت کے سلسلے میں بعض چٹکیاں لی ہیں۔ جولائی ۱۸۹۲ء میں یہ رسالہ شائع ہوا تھا۔

کالا پانی

حقیقت میں یہ کتاب تاریخ پورٹ بلیر کا دوسرا حصہ یا تتمہ ہے جب ۱۸۸۳ء میں مولوی محمد جعفر انڈمان سے واپس آئے تو احباب و اعزہ نے اس طویل زمانہ اسیری کے حالات پوچھنے شروع کیے مولوی صاحب نے اس مختصر سی کتاب میں اپنی گرفتاری، مقدمے، قید، سفر انڈمان، انڈمان کی زندگی اور رہائی کے حالات نہایت دلچسپ انداز میں لکھے ہیں۔ خود لکھتے ہیں[1]۔

> میری واپسی انڈمان کے بعد جب ہر ایک دوست نے جس سے میری ملاقات ہوئی میری قید بست سالہ اور سفر اوران جزائر کی کیفیت پوچھنی شروع کی تو ہر ایک شخص کے روبرو ایک بست سالہ تواریخ کا بیان کرنا دشوار سمجھ کر کچھ ضروری حالات و واقعات جو اس مدت بیس سال میں مجھ کو پیش آئے مختصراً واسطے ملاحظہ ناظرین کے لکھ دیتا ہوں کہ سائل اور مستفسر کے روبرو اس کو پیش کر دوں"

اس کتاب کا پہلا اڈیشن ٹمپل پریس (انبالہ ؟) میں باہتمام شیخ محمدی بڑی تقطیع پر شائع ہوا تھا۔ اس کے بعد صوفی کمپنی پنڈی بہاؤ الدین نے آخر سے کچھ حصہ حذف کر کے کئی اڈیشن شائع کیے۔

برکاتِ اسلام

اسلام کے برکات و محاسن و عبادات وغیرہ پر یہ کتاب لکھی ہے سرکار برطانیہ کی خوبیاں بھی

---

[1] ملاحظہ ہو تواریخ عجیب ص۵۸ [2] کالا پانی کا پہلا اڈیشن، ہمیں محمد اقبال مجددی (لاہور) کے کتب خانے میں ملا۔

بیان کی ہیں۔ اس کے بعد ہی محمد جعفر تھانیسری پر سے گورنمنٹ نے پابندیاں اٹھالیں اس کا پہلا اڈیشن محمود المطابع دہلی میں شائع ہوا۔ اس کمیاب کتاب کا نسخہ ہمیں جناب محمد اقبال مجددی کے کتب خانے میں ہم دست ہوا۔

مکتبہ السلفیہ ملتان نے بھی ایک مرتبہ شائع کیا ہے ملتان کا ایڈیشن ۱۹۳۵ء کے بعد شائع ہوا ہے کیونکہ ناشر نے آخر کتاب میں مولوی یحیٰی علی کے حالات شامل کر دئے جو سیرت سید احمد شہید مولفہ مولوی ابوالحسن علی ندوی سے ماخوذ ہیں۔

۱۳۶۳ھ میں اقبال اکیڈیمی لاہور نے ایک ایڈیشن شائع کیا ایک مجاہد کی ڈائری کے عنوان سے نفیس اکیڈیمی (حیدرآباد دکن) نے شائع کیا یہ داستان اتنی دلچسپ ہے کہ مختلف رسائل و جرائد میں بالاقساط شائع ہوئی ہے ۱۹۵۳ء میں الارشاد جدید (کراچی) اور ۱۹۶۱ء میں "چٹان" (لاہور) میں قسط وار شائع ہوئی[1]۔ کتاب اس قدر دلچسپ ہے کہ بار بار پڑھنے کو جی چاہتا ہے۔ محمد جعفر لکھتے ہیں[2]۔

"اس قصے کو ایک کہانی ایک مسل ایک فوجداری کا ترجمہ نہ سمجھو بلکہ یہ قصہ ایک بڑی آیت آیات الٰہی ہے اس کو بار بار خود ملاحظہ کرکے عبرت پکڑنا چاہئے"

درحقیقت سید احمد شہید کی تحریک کے سلسلے میں مولوی محمد جعفر کے یہ خودنوشت حالات ایک قیمتی دستاویز ہیں اور یہ وہ اصل ماخذ ہے کہ جس سے بہت سی ایسی باتیں معلوم ہوتی ہیں جو کسی دوسرے ذریعہ سے معلوم نہیں ہو سکتی تھیں۔

راقم الحروف کے مقدمے، حواشی اور تعلیقات کے ساتھ اس کتاب "کالا پانی" (تواریخ عجیب[3]) کا ایک ایڈیشن سلمان اکیڈیمی کراچی سے ۱۹۶۲ء میں شائع ہوا ہے۔

---

[1] ہم نے ان تمام اشاعتوں کی روشنی میں متن کی تصحیح کی ہے۔ [2] ملاحظہ ہو تواریخ عجیب ص ۲۶۵

[3] تاریخی نام ہے جس سے "۱۳۰۲ھ" اعداد نکلتے ہیں۔

جہاد ہنومان گڑھی (اجودھیا) ۱۸۵۵ء

پس منظر

اجودھیا ہندوؤں کا مشہور قدیم تاریخی مقام ہے جہاں ابوالمنصور خاں صفدر جنگ کے عہد میں ابھے رام ایک ہندو بیراگی بہت مشہور تھا۔ کہا جاتا ہے کہ اس کو ہنومان جی نے خواب میں اپنے درشن دئے اور تعمیر مندر کے لئے ہدایت کی اتفاق سے انہی دنوں نواب صفدر جنگ سخت بیمار ہوئے اور ابھے رام کی طرف رجوع کیا، اس نے دعا کی اور نواب صاحب صحت یاب ہو گئے۔ بس پھر کیا تھا، ابھے رام نے ہنومان مندر تعمیر کرا لیا اور نواب صفدر جنگ نے اس کی تعمیر میں مدد کی[1]۔ اس سلسلے میں نواب صاحب کے پروانے کا اقتباس نقل کیا جاتا ہے[2]:

> "ابھے رام بیراگی التماس نمود کہ در اودھ می خواہد کہ جائے ہنومان تعمیر سازد۔ لہٰذا مرقوم می شود کہ احدے متعرض احوال او نشود و غور و اعانت لازم دانند کہ بخاطر جمع در آنجا بودہ بعبادت الٰہی و دعائے خیر پردازد"

نواب شجاع الدولہ نے پھر اپنے عہد میں اس حکم کی تجدید کی چنانچہ متصدیوں کو لکھا کہ[3]

> "ابھے رام بیراگی باغ و مکان ہنومان برائے سکونت فقرا در بلدہ مذکورہ احداث ساختہ و احدے مزاحم نشدہ لہٰذا نوشتہ می شود کہ الحال ہم از مکان مذکور بوجہے من الوجوہ موافق معمول متعرض نشدہ

---

[1] تاریخ اودھ (حصہ پنجم) از حکیم نجم الغنی رام پوری (نول کشور پریس لکھنؤ ۱۹۱۹ء) صہ ۱۹۹

[2] 〃 〃 〃 〃 〃 صہ ۲،۳

[3] 〃 〃 〃 〃 〃 صہ ۲۰

امورات متعلقہ مو رد پرداخت نمودہ باشند کہ فقرا بخاطر جمعی در
آنجا سکونت دارند، دریں باب تاکید دانند و حسب المسطور
بعمل آرند" ۱۵ ربیع الاول ۱۱۷۸ھ

اجودھیا میں مسلمانوں کی چار مسجدیں تھیں، ایک مسجد بابر بادشاہ کی تعمیر کردہ بتائی جاتی ہے۔ دوسری مسجد رام گھاٹ کے قریب فدائی خاں صوبیدار نے بنوائی تھی ایک مسجد عین قلعہ کے اندر تھی اور چوتھی مسجد اورنگ زیب عالمگیر کی بنوائی ہوئی تھی۔ ہندوؤں کو جب بھی موقع ملتا تھا وہ ان مساجد کی بے حرمتی کرتے تھے۔ ان کے محراب و منبر خراب کر ڈالتے تھے اور ان کے انہدام کی کوشش کرتے تھے۔ یک مرتبہ ہندوؤں نے فدائی خاں صوبیدار کی تعمیر کردہ مسجد کو بڑی حد تک ڈھا دیا، امجد علی شاہ کے عہد میں اس کی دوبارہ تعمیر کا حکم ہوا مگر ان کو اجل نے مہلت نہ دی، جب قلعہ اجودھیا لچھمن مہنت کو معاف ہو گیا تو اس نے اس مسجد کو مسلمانوں کے لئے بند کر دیا۔ عالمگیری مسجد کے انہدام پر ہمیشہ ہندوؤں کو اصرار رہا اور انہوں نے اس کی متعلقہ زمین پر ایک کوٹھری بنا کر ہنومان کی مورتی رکھ لی اور اس کا نام ہنومان بیٹھک رکھ دیا[1]۔

جب نوابان اودھ کی قوت کو ضعف ہوا اور تعلقہ داری ہندوؤں کو ملنے لگی تو ہندو تعلقہ دار نہایت خودسر ہو گئے۔ راجہ درشن سنگھ کی نظامت کے زمانے میں ہندوؤں کا زور بڑھ گیا انہوں نے ہنومان بیٹھک کی ملحقہ زمین پر ایک چہار دیواری قائم کر لی اور لڑائی کے قابل ایک قلعہ بنا لیا، انہوں نے ہنومان گڑھی اس کا نام رکھا مسلمانوں کی قبریں توڑ دی اذان اور گاؤکشی تک بند کر دی نواب محمد علی شاہ کے زمانہ میں اذان کی رسم جاری ہوئی[2]۔

واجد علی شاہ کے زمانہ میں حالت اور بھی خراب ہو گئی بیراگیوں نے بابری مسجد میں بت خانہ

---

[1] حدیقہ شہداء از مرزا جان طبع لکھنؤ ۱۳۰۶ھ ص۳ و تاریخ اودھ حصہ پنجم ص۲۰۱ و ص۲۰۲
[2] " " " " " ص۷ " " " ص۲۰۲ و ص۲۰۳

قائم کیا۔ فدائی خاں کی مسجد کو خراب کیا، قلعہ کی مسجد پہلے ہی سے بند تھی، عالمگیری مسجد کو بھی نقصان پہونچایا۔ ۱۲۷۱ھ میں شاہ غلام حسین نے مولوی محمد صالح کی مدد سے اجودھیا کی مساجد کو ہندوؤں کے قبضہ سے نکالنا چاہا اور اس کے لئے جہاد کا اعلان کر دیا اور گومتی کے پار محمدی جھنڈا قائم کیا۔ احسان علی خاں رسالدار ان کا مددگار ہوا، رستم علی خاں اور بہادر علی خاں بھی ان کے شریک ہوئے، اس کے بعد تو بہت سے مسلمان ان کے معین و مددگار ہو گئے۔ مسلمانوں کی اس جماعت نے شاہ غلام حسین کی قیادت میں فیض آباد کی راہ لی مگر اعلیٰ علی قائم مقام ناظم سلطان پور نے ان کو فیض آباد نہ جانے دیا شاہ غلام حسین نے لکھنؤ کا راستہ لیا جو لوگ فیض آباد پہونچ گئے ان کو نثار حسین کوتوال اور کپتان الیگزنڈر نے نکلوا دیا۔

آغازِ جہاد جب اس واقعہ کی خبر واجد علیشاہ بادشاہ اودھ کو ہوئی تو انہوں نے آغا علی خاں ناظم اور منعم بیگ کوتوال کو مسجد کی تحقیقات کا حکم دیا۔ شاہ غلام حسین کو جب معلوم ہوا تو انہوں نے کچھ آدمی بھیجدئے اور اس کے بعد خود بھی پہونچ گئے اور بیراگیوں سے مسجد کے واگزاشت کرانے کی کوشش کرنے لگے، کپتان الیگزنڈر، مرزا منعم بیگ اور مرزا اعلیٰ علی نے مسلمانوں کو شاہ غلام حسین کی مدد سے باز رکھا مگر پھر بھی شاہ غلام حسین اور مولوی محمد صالح کے پاس سو سوا سو آدمی جمع ہو گئے، مگر اس کے برخلاف بیراگیوں کی مدد کو راجہ مان سنگھ راجہ کشن دت پانڈے اور دیگر ہندو زمینداروں کے آدمی جوق در جوق پہونچ گئے اس طرح کم و بیش دس ہزار ہندو جمع ہو گئے[2]

۱۰ ذیقعدہ ۱۲۷۱ھ کو قریب تین سو کے مسلمان ہو گئے اور انہوں نے جمعہ کی نماز بابری مسجد میں ادا کرنی چاہی، جب بیراگیوں کو معلوم ہوا تو انہوں نے مسجد کو چاروں طرف سے گھیر لیا۔ اور سرکاری افسر چونکہ رشوت کھا چکے تھے اس لئے موقع سے ہٹ گئے مرزا

---

[1] تاریخ اودھ (حصہ پنجم) ص۲۰۲ و حدیقہ شہدا ص۹

[2] تاریخ اودھ (حصہ پنجم) ص۲۰۳ -

رجب علی بیگ سرور لکھتے ہیں[1]

"ناظم سلطان پور کا نائب اعلیٰ علی ہے اسے کہتے ہیں سخت شقی ہے
مسلمانوں کو روکا کہا دو روز چپ رہو دنگا نہ کرو ہم فیصلہ
کر دیں گے، رشوت پہلے سے کھا چکا تھا زر نقد کیسہ میں
آ چکا تھا"

مسلمان مرنے مارنے پر آمادہ ہو گئے آخر کار سرکاری پیادوں اور سواروں نے دفع شر کیا، غرض کہ یہ ہنگامہ اتنی دیر رہا کہ مسلمان نماز جمعہ ادا نہ کر سکے دوسرے دن کپتان ہری بھی کپتان آر کے پاس جودھیا پہونچ گیا، دونوں انگریزوں نے مسجد کو دیکھا تو اس میں کواڑ نہ تھے انہوں نے کواڑ لگانے کا مشورہ دیا شاہ غلام حسین نے بیگم پورہ سے ایک جوڑی کواڑ منگوائے چار پانچ مجاہد وہاں پہونچ گئے بیراگیوں کو جب معلوم ہوا بیراگیوں نے اپنی طاقت اور قوت کے زعم میں نہتے مسلمانوں پر حملہ کر دیا مگر ان مسلمانوں نے بھی خوب داد شجاعت دی جب مسلمانان مسجد کو خبر ہوئی تو وہ بھی مدد کو روانہ ہو گئے مگر ان کو راستے میں راجہ مان سنگھ کے آدمیوں نے روک لیا آخر یہاں بھی گھمسان کا مقابلہ ہوا اور مسلمانوں کے مقابلہ میں ہندو زیادہ کھیت رہے اتنے میں مینہ برسنے لگا اور بدلی چھا گئی، شاہ غلام حسین صاحب مسجد میں واپس آ گئے۔

شاہ غلام حسین کی شہادت

اس وقت ایک غریب سبزی فروش کھانا لایا یہ لوگ کئی وقت کے بھوکے تھے، دستر خوان بچھ گیا، جان ہرزی اور الیگزنڈر آر نے کہلا بھیجا کہ تم کمر یں کھول دو اور اطمینان سے کھانا کھاؤ اور مسجد سے نہ نکلو تم سے کوئی نہ بولے گا، دونوں انگریز، اعلیٰ علی اور مرزا نثار حسین اپنی سپاہ اور توپ کے ہمراہ وہاں سے ہٹ گئے ابھی ایک گھڑی نہ گزری تھی کہ ہزاروں بیراگی نعرے لگاتے ہوئے آتے اور انہوں نے مسجد کو گھیر لیا اور ایک کوٹھے پر

---

[1] انشائے سرور (مجموعہ مکاتیب مرزا رجب علی بیگ سرور لکھنوی) مرتبہ مرزا احمد علی (نول کشور پریس لکھنؤ ۱۳۰۲ھ ہجری) صہ ۲۲

چڑھ کر شاہ غلام حسین کے ہمراہیوں پر گولیاں برسانی شروع کر دیں، مسجد میں داخل ہو کر مسلمانوں کا قتل عام کیا اور ان کے جسم کے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالے اکثر مسلمانوں کے گلوں میں قرآن شریف پڑے ہوئے تھے جن کے پرزے پرزے کر کے پانوؤں سے روندا اور جلایا اور مسجد کو نقصان پہونچایا۔ مرزا رجب علی بیگ سرور لکھتے ہیں[1]۔

"ستر مسلمان تیس چالیس قرآن شہید ہوئے۔ سی پاروں کو ہزار پارہ کیا، کام ناکارہ کیا، کچھ جلائے کچھ نوچ کے مہریوں کے دانت بنائے۔"

واجد علی شاہ کی فوج کی موجودگی میں یہ سب کچھ ہوا اس دن مقتولین کی لاشیں بے گور و کفن پڑی رہیں، دوسرے دن نثار حسین کوتوال نے مسجد کے دروازے پر ایک گڑھا کھدوا کر سب کو ایک جگہ دفن کرادیا، کسی نے اس واقعہ کی تاریخ "بلغ العلیٰ بکمالہ" سے نکالی ہے[2]
افضل التواریخ کے مصنف رام سہائے تمنا نے اس واقعہ کی تاریخ یہ کہی ہے

پئے سالش چو کمر ہمت ابست   ہلہم غیب گفت "یافتہ شکست" ۱۲۷۱ھ

مسلمانوں کو شہید کرنے کے بعد بیراگی مسجد میں جوتیاں پہن کر داخل ہوتے ہوم کیا سنکھ بجایا[3]
قیصر التواریخ کے مولف کمال الدین حیدر، علی علی کی زبانی بیان کرتے ہیں[4]۔

"(بیراگیوں نے) غلام حسین کے ہمراہیوں پر گولیاں برسانا شروع کیا اور مسجد میں آکر ۲۹۶ آدمیوں کو ذبح کیا اور ٹکڑے ٹکڑے کر دئے"

---

[1] انشائے سرور (مجموعہ مکاتیب مرزا رجب علی بیگ سرور لکھنوی) مرتبہ مرزا احمد علی (نول کشور پریس لکھنؤ سنہ ۱۳۰۲ھ) صد ۲۴ [2] حدیقہ شہدا، صد ۱۲۱ و قیصر التواریخ جلد دوم از کمال الدین حیدر (نول کشور پریس لکھنو۔ سنہ ۱۸۹۶ء صد ۱۱۳

[3] تاریخ اودھ حصہ پنجم صد ۲۰۵ و صد ۲۰۶ [4] قیصر التواریخ (جلد دوم) صد ۱۱۴

مسجد میں لہو بہنے لگا اور قرآن شریف جو اکثروں کے حمائل تھا
پرزے پرزے کرکے معاذ اللہ! پانوؤں سے
روندا اور جلا دیا"

شاہی تحقیقات لکھنؤ میں جب یہ خبر پہنچی تو بادشاہ کی طرف سے حکم ہوا کہ مولوی نہال الدین، مولوی حفیظ اللہ داروغہ عدالت فیض آباد اور مولوی سید محمد پیش نماز اجودھیا جائیں اور مکمل تحقیقات کرکے حضور شاہی میں پیش کریں۔ ۱۶ ذی الحجہ ۱۲۷۱ھ کو یہ وفد لکھنؤ سے روانہ ہوا اور وہاں پہونچ کر تحقیقات شروع کی۔ ہندو مسلمانوں کے بیانات لئے، سب نے ہنومان گڑھی کے پاس مسجد کا ہونا بیان کیا، بلکہ قاضی یار علی نبیرہ حبیب اللہ نے کئی محضر دکھائے جس سے مسجد کا ثبوت ہوتا تھا۔ "حدیقہ شہداء" میں ان گواہوں کی مکمل فہرست اور بعض کے بیانات دیے گئے ہیں[۱]۔

مولوی نہال الدین نے وہ کیفیت حضور شاہی میں پیش کی اور مسجد کا ہونا بیان کیا مگر برا ہو درباری سازشوں اور اغراض نفسانی کا کہ کچھ لوگوں نے علی نقی وزیر سے کہا یہ کیفیت جو مولویوں نے مرتب کی ہے، یک طرفہ ہے، راجہ مان سنگھ اور آغا علی کو بھیجا جائے اور ان سے تحقیقات کرائی جائے۔ یہ لوگ اندرونی طور پر مہنتوں سے مل گئے تھے، اور ان سے مٹھی گرم کرلی تھی، وزیر خود یہ چاہتا تھا، اس نے راجہ مان سنگھ اور آغا علی کو اجودھیا روانہ کیا۔ یہ دونوں اجودھیا پہونچے تو مسلمانوں کو سخت دھمکیاں دیں بیراگیوں سے تو ان کا معاملہ تھا ہی، ایک صلح نامہ اور ایک اقرار نامہ مرتب کراکے سرکار میں بھیجدیا کہ یہاں ہندو مسلمانوں میں کسی طرح کا فساد اور نا اتفاقی نہیں ہے، وزیر کو جب یہ تحریر پہونچی خوش ہوا اور بادشاہ کو مطمئن کردیا[۲]۔

---

[۱] حدیقہ شہداء ص ۱۶، وقیصر التواریخ جلد دوم ص ۱۱۳ و ۱۱۵۔ ان صریح تحریری بیانات اور شہادتوں کے باوجود راجہ درگا پرشاد نے لکھدیا ہے کہ ارکان وفد نے عرض کیا کہ "دعوئی اہل اسلام باطل است وحق بدست ہندوان ست" (بوستان اودھ دفتر سوم از راجہ درگا پرشاد مطبوعہ لکھنؤ ۱۸۹۲ء) ص ۱۵۹۔

[۲] تاریخ اودھ حصہ پنجم ص ۲۰۷ - ۲۰۸ - وحدیقۂ شہداء ص ۲۱ - ۲۲ -

اس کو سیکڑوں مسلمانوں کے قتل، قرآن شریف کی بے حرمتی اور انہدام مسجد کا مطلق خیال نہوا، یہ تھی واجد علی شاہ کی حکومت۔

جب یہ خبر لکھنؤ اور اطراف میں پھیلی تو عوام و خواص کے کان کھڑے ہوئے بیراگیوں کی یہ جرأت اور حکومت کی ایسی خاموشی آج انہوں نے ہنومان گڑھی کی مسجد کو ڈھایا ہے کل وہ لکھنؤ کی مساجد پر ہاتھ صاف کریں گے۔ چنانچہ مولوی عبدالرزاق فرنگی محلی اور مولوی امیرالدین علی عرف مولوی امیر علی نے علم جہاد بلند کیا اور بیراگیوں سے مسجد واگزاشت کرانے کا اعلان کردیا اور لکھنؤ سے امیٹھی پہونچے اور وہاں محمدی جھنڈا نصب کردیا جب علی نقی وزیر کو یہ خبر ہوئی تو بہت گھبرایا اور اس نے فوراً مفتی محمد یوسف فرنگی محلی کو طلب کیا اور ان سے کہا کہ فرنگی محل کے کن لوگوں نے فساد مچایا ہے، آپ جائیے اور اس فتنہ کو دبایئے۔ مفتی محمد یوسف فرنگی محل میں جب یہ خبر لائے تو وہاں کہرام مچ گیا۔ حدیقہ شہداء کے مؤلف لکھتے ہیں[1]

"مفتی (محمد یوسف) صاحب نے بھی زبانی، کوئی بات بے عزتی کی اٹھا نہ رکھی، ایمان کی حمیت اور حیا ذرا نہ رکھی"

وزیر نے فقیر اللہ اور میر صفدر علی چکلہ دار کو امیٹھی روانہ کیا ان دونوں نے مولوی امیرالدین علی اور مولوی عبدالرزاق سے کہا کہ حضور عالم وزیر علی نقی کہتے ہیں کہ[2]

"تم کو کیوں اضطراب ہے پہلے تدارک اس کا ہم پر واجب ہے، اگر خدانخواستہ ہم اس امر دینی میں پہلوتہی کریں تو اس وقت تم کو مناسب ہے۔"

یہ لوگ دو تین روز وہاں ٹھہرے اور آخر یہ تحریر لکھ دی[3]۔

"اگر مسجد ثابت ہوگی تو نواب صاحب بہادر اسی وقت بنوا دیں گے اور بیراگیوں سے بے ادبی کا انتقام بھی لیں گے، اور اگر ثابت نہوئی

---

[1] حدیقہ شہداء ص۲۲ [2] حدیقہ شہداء ص۲۲ [3] حدیقہ شہداء ص۲۳

تو مجبوری ہے"۔

ان لوگوں کا جادو چل گیا مولوی عبدالرزاق اس عہد و پیمان پر وثوق کر کے مع اعوان و انصار اپنے گھر کو آ گئے مگر مولوی امیر الدین علی تشریف نہ لائے۔ مولوی عبدالرزاق نے حسب طلب نواب سے ملاقات کی نواب نے خلعت دیا مگر مولوی عبدالرزاق نے انکار کر دیا اس کے بعد دو ایک مرتبہ پھر ملاقات کی، جب دیکھا کہ نواب علی نقی تعمیر مسجد میں لیت و لعل کرتا ہے تو اپنے واپس آنے پر افسوس کرنے لگے[1]

وزیر کی فتنہ انگیزی

مولوی عبدالرزاق[2] کے واپس آنے پر بھی وزیر کو اطمینان نہ ہوا اس نے حضور شاہ میں عرض کیا کہ یہ سارا فساد بشیر الدولہ خواجہ سرا کا ہے۔ صورت یہ تھی کہ وزیر اور خواجہ سرا میں دشمنی تھی اور خواجہ سرا کے میر منشی اور متوسل میر حیدر تھے جو مولوی امیر الدین علی کے رشتہ دار تھے اسطرح وزیر نے باور کرایا کہ بشیر الدولہ کے اشارہ پر امیر الدین علی نے جو میر حیدر کے رشتہ دار ہیں یہ فساد مچایا ہے۔ بشیر الدولہ کو جب یہ معلوم ہوا تو وہ سخت پریشان ہوا اس نے میر حیدر سے کہا کہ جسطرح ہو مولوی امیر الدین علی کو لکھنؤ لاؤ، چنانچہ میر حیدر مولوی مذکور کو لکھنؤ لائے، بشیر الدولہ خود استقبال کو پہونچا اور امجد علی شاہ کے امام باڑے میں اتارا ان کی ضیافت کی اور اپنے ساتھ علی نقی کے پاس لے گیا وزیر سے مولوی صاحب کی گفتگو ہوئی بعض علماء نے شرائط جہاد کے مباحث چھیڑے خاص طور سے مولوی خادم احمد فرنگی محلی نے گفتگو میں زیادہ حصہ لیا اور فرمایا[3]

---

[1] تاریخ اودھ حصہ پنجم۔ صہ ۲۱ و حدیقۂ شہداء صہ ۲۳ و صہ ۲۴۔ [2] مولوی عبدالرزاق بن مولوی جمال الدین فرنگی محلی ۱۲۳۵ھ میں پیدا ہوئے نامور عالم تھے ۱۳۰۷ھ/۱۸۸۹ء میں ان کا انتقال ہوا ملاحظہ ہو تذکرہ علمائے ہند (رحمان علی) مترجمہ محمد ایوب قادری (کراچی ۱۹۶۱ء) صہ ۲۹۳ و صہ ۲۹۴ [3] مولوی خادم احمد بن مولوی محمد حیدر فرنگی محل کے نامور عالم اور واعظ تھے۔ بقول تذکرہ علمائے ہند دوسرے زبردست علماء کے ساتھ انہوں نے بھی نواب علی نقی کے اشارہ پر مولوی امیر الدین علی کو فہمائش کی اور اسی زمانے میں ۱۰ ذی الحجہ ۱۲۷۱ھ/۱۸۵۵ء کو انتقال ہوا۔ تذکرہ علمائے ہند۔ صہ ۱۰۰

[4] حدیقۂ شہداء صہ ۵

> "فرضیت جہاد سے ہمیں انکار نہیں، اس میں براہین و دلائل درکار نہیں بلکہ ہم نے بھی تو آپ سے بیعت کی تھی مگر حاکم کی ممانعت سے نہ معیت کی تھی وہی اب بھی عرض کرتے ہیں کہ بندہ بھی عازم ہے مگر بجاآوری حکم حاکم لازم ہے"

مگر نتیجہ کچھ برآمد نہ ہوا، وزیر نے خلعت دینا چاہا مگر مولوی مذکور نے انکار کر دیا اور جہاد کے ارادے سے باز نہ آئے، وزیر نے چاہا مولوی مذکور قید کرلے مگر میر حیدر نے بشیر الدولہ سے کہا کہ سب سے پہلے میں اپنی گردن کاٹ کر مرجاؤں گا آخرش اسی رات مولوی مذکور کو لکھنؤ سے ان کے مکان پر پہونچا دیا۔ مولوی امیر الدین علی کے ہمراہ کم و بیش دو سو آدمی تھے[۱]

مولانا امیر الدین علی نہایت عالم فاضل اور صاحب صلاح و تقویٰ بزرگ تھے، شیخ نظام الدین بندگی میاں امیٹھوی کی اولاد میں تھے۔ ان کے والد مولوی محمد بخش بن مولوی امام الدین بن نور الحق بن شیخ محمد بن ملا احمد عرف ملا جیون (ف ۱۱۳۰ھ) بھی صاحب درس عالم تھے۔ مولوی مذکور نے لکھنؤ میں تحصیل علم کی اور صوفی عبدالرحمٰن لکھنوی (ف ۱۲۴۵ھ) کے مرید و خلیفہ تھے زیارت حرمین شریفین سے مشرف ہوتے تھے۔ ہزاروں آدمی مولوی امیر الدین علی کے مرید تھے[۲]

جب جہاد کی خبر مشہور ہوئی تو سیکڑوں مسلمان شریک ہوتے رام پور اور بریلی بھیت وغیرہ اضلاع روہیل کھنڈ کے لوگ سب سے پہلے پہونچے اور کئی سو ولایتی پٹھان بھی پہونچ گئے غرض کہ جہاد کی شہرت تمام ہندوستان میں پھیل گئی[۳]۔

---

[۱] تاریخ اودھ حصہ پنجم صـ ۲۱۱-۲۱۰
[۲] مولوی امیر الدین علی نام، امیر علی عرف تفصیلی حالات کے لئے دیکھئے "تذکرہ علمائے ہند" صـ ۱۳۴ و صـ ۱۶ و انوار الرحمٰن لتنویر الجنان از نور اللہ بچھرایونی (مطبع منشی کالی پرشاد لکھنؤ ۱۲۸۶ھ) صـ ۲۹ و صـ ۲۵
[۳] " " " صـ ۲۱۲ و صـ ۲۱۳ ۔ و حدیقۂ شہداء صـ ۲ و قیصر التواریخ (جلد دوم) صـ ۱۳۱ ۔

یہ صورت حال دیکھ کر علی نقی وزیر بہت گھبرایا اور اس نے رمضان علی خاں اور میر صفدر علی کو مولوی مذکور کے سمجھانے کے لئے بھیجا جب بات چیت نے طول پکڑا تو توپ خانہ اور کچھ فوج بھیجی گئی اور شاہی فوج نے مولوی امیر علی کو محصور کر دیا پھر وزیر نے شیخ حسن علی نائب راجہ محمود آباد خلف مصاحب علی خاں تعلقہ دار محمود آباد کو فہمائش کے لئے بھیجا، انہوں نے پہلے تو نرمی سے سمجھایا مگر بعد میں سختی اختیار کی مگر مولوی صاحب اور ان کے ساتھیوں کے عزم و ارادہ میں جنبش نہ آئی۔ آخر کار عشرہ محرم آجانے کی وجہ سے یہ قرار پایا کہ اگر ایک ماہ کی مدت میں مسجد نہ بن جائے تو پھر مجاہدین کو اختیار ہے اور یہ مدت ۴ ذی الحجہ ۱۲۷۱ھ تا ۴ محرم ۱۲۷۲ھ قرار پائی مولوی مذکور اس زمانے میں سہالی میں رہے۔ مولوی امیر علی کے ہمراہیوں پر سو من غلہ روزانہ صرف ہوتا تھا۔[1]

جب اس معاملے نے طول کھینچا تو بادشاہ بذات خود تحقیقات کے لئے اس طرف متوجہ ہوا اور اس کے حکم سے بلرام داس مہنت راجہ مان سنگھ اور کپتان بارلو کی ضمانت سے در دولت پر حاضر ہوا، وزیر نے اسے اپنا مہمان بنایا۔ مولوی کی طرف سے بھی چند آدمی طلب کئے گئے، مولوی نے مولوی برہان الحق، مولوی عبد الرزاق اور مولوی تراب علی[2] کو ایک منظوم عرضداشت کے ساتھ روانہ کیا۔ ۲۷ محرم ۱۲۷۲ھ کو یہ لوگ لکھنؤ پہونچے[3]۔

سپاس و حمد بدرگاہ خالق کونین	سلام حضرت باری بسید ثقلین
درود حضرت حق بر رسول عالیجاہ	بر آل اطہر و اصحاب آں رسول اللہ
یہ اشتہار جہادیہ کر دیا ارقام	باطلاع تمامی امم رسول کرام

---

۱ تاریخ اودھ (حصہ پنجم) صہ ۲۱۲ و حدیقۂ شہدا صہ ۲۹-۳۱ ۔ ۲ مولوی تراب علی بن شیخ شجاعت علی ۱۲۱۳ھ میں پیدا ہوئے اپنے زمانے کے نامور عالم تھے۔ باختلاف روایت ۱۲۸۱ھ میں انتقال ہوا۔ ملاحظہ ہو تذکرہ علمائے ہند صہ ۱۳۷-۱۳۸ ۔ ۳ حدیقہ شہدا صہ ۳۴ صہ ۳۶ ۔

اب اس زمانے میں افسوس و آہ و واویلا ہوا ہے از سر نو اہل دین کو یخ دیلا

کہ کافران اودھ نے زرہ ظلم و عناد کیا ہے لشکر اسلام سے کمال فساد

قریب دیرہ مہابیر واجب التعزیر بنا تھی مسجد اسلام ہم چو بدر منیر

بعہد درشن ملعون و کافر گمراہ کیا فساد بیراگیوں نے خاطر خواہ

لگے بنانے بڑھا کر یہ کافر متعہد سواد مسجد قدس میں خانہ تنگور

حصار دیر میں کی محو کر لیا مسجد شمول معبد مقہور کر لیا مسجد

خبر یہ سن کے اٹھے اہل دین بشیون و شین گئے قلیل جماعت سے واں غلام حسین

جہاں گئے حرامی بہ نطفہ شیطان زراہ بغض و عداوت سے لعین بے ایمان

لازم اپنے روانہ کیے بجنگ و جدال تب اہل دین سے برپا ہوا جدال و قتال

محاصرہ میں لعینوں کے آ گئے غازی شجاعت اپنی جہاں کو دکھا گئے غازی

بجنگ کافر ظلم مجاہدین سعید خدا کی راہ میں غازی ہوئے تمام شہید

پس از شہادت آن کشتگان راہ خدا چہار طرف سے آ کر کے لشکر اعدا

بنائے مسجد عالی کو کر دیا مسمار زراہ بغض و عداوت لعین و ناہنجار

رکھا تھا مسجد عالی میں ان کلام مجید کیا لعینوں نے اوراق کبریا کو شہید

جلایا آگ میں قرآن ایزد باری ہر ایک لاش کو دی خوب فضیحت و خواری

اودھ کا ناظم گمراہ تھا جو آغائی بچشم دیکھ گیا مومنوں کی رسوائی

اسی نے قتل کیا ہے سپاہ غازی کو اسی نے گور دکھائی ہر ایک غازی کو

زمکر اعلی علی سب وہیں شہید ہوئے خدا کی راہ میں مردان دین شہید ہوئے

جو کوتوال ہے اس شہر کا منعم بیگ لیا مہنتوں سے اس نے بخوبی بنیا نیگ

شریک قتل رہا وہ بھی او زشت جبین نصیب باد سواد الوجہ فی الدارین

انہیں کے ظلم سے پارہ ہوا کلام مجید انہیں کے مکر سے مومن ہوئے اودھ میں شہید

ہوئے بانی ایں ظلم و جور و فساد لعین مرتد و مکار سے امر پرشاد

امید ہے کہ شہنشاہ قبلۂ عالم
ابوالمظفر و منصور و خسرو اعظم

سپہر رفعت و قدسی صفات والا جاہ
خدیو کشور ہندوستاں فلک درگاہ

محب پنجتن پاک افتخار زمن
خلیفہ سبحانی تاجدار زمن

جناب واجد علی شاہ ظل سبحانی
رئیس امت والا حبیب یزدانی

زبان فیض مبارک سے یوں کریں ارشاد
کہ کافران اودھ پر شتاب ہوئے جہاد

وزیر حضرت خاقان حضور عالم دیں
کریں وہ تخط والا اس امر پر تزئیں

جناب قبلۂ و کعبہ ہیں مجتہد اسلام
ز آل احمد مختار شاہ خیر انام

یقین ہے کہ شریک جہاد ہو چلیں
معین لشکر نیکو نہاد ہو جائیں

لوائے نصرت اسلام ہو گیا استاد
بسمت شہر اودھ از برائے عزم جہاد

باعتقاد صحیح بفضل ربانی
امیدوار عنایات ظل سبحانی

غریب و بیکس و مسکین و بادل مسکیں
محب آل نبی عبدہ امیر الدین

اٹھا ہے خادم شرع رسول والا جاہ
بپاس اشہد ان لا الہ الا اللہ

دریں ولا کہ سہالی میں کیا ہے مقام
بحکم حضرت سلطان دین والاکرام

برائے معذرت عرض حال اپنے داد
کہ اہل دین سے اور کافروں سے ہنگامہ فساد

روانہ کرتے ہے علمائے صادق الایمان
بہ پیش نائب ذی جاہ حضرت سلطان

اہالیان خلافت پناہ قیصر جاہ
کریں گے منصفی و معدلت سے گروہ نگاہ

بپاس دین رسالت پناہ صل علی
کہ فرض عین ہے مقہور کردن اعدا

روانہ ہووے گا شنبے کو لشکر اسلام،
برائے غارت و تاراج شہر لچھمن و رام

مجاہدین کا وفد

نواب احمد علی خاں، مولوی غلام جیلانی مولوی غلام امام شہید[1] اور مولوی فضل حق خیرآبادی کہ

---

[1] مولوی غلام امام شہید بن غلام محمد، امیٹھی میں پیدا ہوئے، قتیل و مصحفی کے (باقی اگلے صفحہ پر)

بار رسالت مقرر ہوئے لیکن تعجب کی بات یہ ہے کہ مہنتوں اور وکلائے مولوی امیر الدین علی کی گفتگو ایک دن بھی نہ ہوئی، مہنت اور اس کے ساتھیوں کی تو قدر بھی ہوئی لیکن مولویان مذکور کو کسی نے پوچھا بھی نہیں مولوی کی عرضداشت بھی بادشاہ کے حضور میں نہیں بھیجی اور نشستند گفتند و برخاستند پر یہ مجلس ختم ہوگئی۔ مولوی امیر علی کے وکیل مولوی برہان الحق[۱]، مولوی عبدالرزاق اور تراب علی بھی حکومت کے ڈر کی وجہ سے پھر لشکر کو نہ گئے[۲]۔

اس پر مستزاد یہ ہوا کہ راجہ نصرت جنگ، راجہ مان سنگھ اور تہور علی خاں رسالدار نے بادشاہ کے کان بھرے اور رزیڈنٹ کو رپورٹ کی کہ ہنومان گڑھی میں مسجد کا ہونا ہرگز ثابت نہیں ہے۔ رزیڈنٹ نے اس مضمون کی رپورٹ گورنر جنرل کو دی[۳]۔

اعلان جہاد

اب ایک مہینہ گذر چکا تھا موعودہ مدت بھی ختم ہو چکی تھی مولوی امیر الدین علی کو ارکان شاہی سے سخت مایوسی ہوئی اور جہاد کا اعلان کر کے اجودھیا کی روانگی کا عزم کیا، اول بانسہ اور دریاباد پہونچے۔ جب علی نقی کو معلوم ہوا تو اس نے توپ خانہ تلنگوں کی پلٹن اور گلابی پلٹن روانہ کی جن کے سربراہ کپتان بارلو اور حسین علی

(گزشتہ سے پیوستہ) شاگرد صدر نظامت آگرہ میں سررشتہ دار رہے، ۲۰ اکتوبر ۱۸۶۹ء کو انتقال ہوا ملاحظہ ہو داستان تاریخ اردو از حامد حسن قادری (آگرہ ۱۹۴۱ء) ص ۲۳۸ و ص ۲۴۹ و ایک نادر روزنامچہ (روزنامچہ مولوی مظہر علی سندیلوی۔) مرتبہ ڈاکٹر نور الحسن ہاشمی (لکھنؤ ۱۹۵۴ء) ص ۳۱

[۲] مولانا فضل حق بن مولانا فضل امام خیرآبادی، نامور عالم (وفات ۱۲۷۸ھ) ملاحظہ ہو تذکرہ علمائے ہند ص ۳۸۲ تا ص ۳۸۴۔

[۳] حدیقہ شہدا ص ۳۶ و تاریخ اودھ حصہ پنجم، ص ۲۱۷

[۱] مولوی برہان الحق بن ملا نور الحق فرنگی محل کے نامور عالم ۱۲۶۸ھ میں فوت ہوئے۔ ملاحظہ ہو آثار الاول من علمائے فرنگی محل از قیام الدین عبدالباری مطبع مجتبائی لکھنؤ ص ۱۰

[۲] حدیقہ شہدا ص ۳۷

[۳] تاریخ اودھ (حصہ پنجم) ص ۲۱۷ و ص ۲۱۸۔

کمیدان تھا اس فوج کو حکم تھا کہ مولوی امیر علی کو آگے نہ بڑھنے دیا جائے۔ رزیڈنسی سے متواتر تاکیدی احکام آرہے تھے کہ اس فتنے کا انسداد کرنا چاہئے رزیڈنٹ نے صاف طور سے لکھا کہ اگر مولوی صاحب کے فساد کو نہ روکا تو سلطنت کی خیر نہیں ۔ مولوی نجم الغنی لکھتے ہیں۔

"علی نقی خاں وزیر بھی خائف تھے۔ اور مہنتوں کے طرفداروں سے متفق تھے اور جیب طمع بھر چکے تھے"[1]

طرفہ تماشا یہ ہوا کہ مولوی امیر علی نے جن علماء مولوی برہان الحق اور مولوی تراب علی وغیرہ کو اپنی طرف سے وکیل کرکے بھیجا تھا، وزیر نے ان کو بھی خرید لیا، اور جب یہ لوگ مولوی امیرالدین علی کے لشکر میں پہونچے تو گول مول باتیں کرنے لگے مولوی نجم الغنی لکھتے ہیں[2]

"مولوی صاحبان .... وزیر سے متفق ہوکر ان کے حکم سے دریا آباد میں مجاہدین کے لشکر میں فہمائش کے لئے آئے اور چاہا کہ ان کو اس ارادے سے روکیں اور عیدگاہ کی مسجد میں بیٹھ کر گول گول باتیں خوف حاکم وقت، جان و آبرو سے بطور وعظ کے بیان کیں جاہل یہ سن کر سب سے پہلے بگڑے کہ واہ مولویو! تم سب اہل دنیا ہو، کل تم نے ہم کو آمادہ جہاد کیا تھا اب حاکم وقت کے سمجھانے سے ہم کو بند کرتے ہو، اب ہمیں فریب نہ دو۔ یہ سن کر عوام سے ڈر کر چپکے سے لوٹ گئے"

علماء کا کردار

اس موقع پر مفتی سعد اللہ مرادآبادی[3] نے جو حکومت اودھ کے ملازم تھے مولوی امیر علی کی جماعت مجاہدین کو سخت نقصان پہونچایا مفتی سعد اللہ

---

[1] تاریخ اودھ (حصہ پنجم) ص۲۱۹ [2] تاریخ اودھ (حصہ پنجم) ص۲۱۹ - ص۲۲۰

[3] مفتی سعد اللہ بن شیخ نظام الدین ۱۲۱۹ھ میں مرادآباد میں پیدا ہوئے۔ حکومت اودھ اور ریاست رامپور میں ملازم رہے نامور عالم اور مصنف تھے ۱۲۹۴ھ میں انتقال ہوا۔ ملاحظہ ہو تذکرہ علمائے ہند ص۲۱۴ - ۲۱۶

مراد آبادی نے مولوی امیر علی کو ایک تسبیح دی اور تالیف قلوب کی بہت سی باتیں کیں[1]۔ لیکن مولوی امیر علی اپنے ارادے سے باز نہ آئے۔ افضل التواریخ میں لکھا ہے کہ حکومت نے مولوی سعد اللہ (مراد آبادی) کو دوسرے منتخب علماء کے ہمراہ بھیجا تھا[2]۔ مفتی سعد اللہ کے علاوہ مولوی ابوالحسن[3] اور مولوی حسین احمد[4] ملیح آبادی نے بھی اسی طرح کا وعظ شروع کیا[5] اور کہا کہ جب تک بادشاہ عہد عزم غزیٰ نہ کرلے رعایا بطور خود منصب جہاد نہیں رکھتی بعض علماء نے فرض کفایہ اور فرض عین کی بحث چھیڑ دی[6] اور اس طرح مجاہدین کو سخت نقصان پہونچایا۔ حکیم نجم الغنی لکھتے ہیں[7]

"قریب ایک ہزار کے آدمی مولوی امیر علی کی ہمراہی سے جدا ہوگئے"

اس سلسلے میں دہلی سے مولوی محبوب علی[8] اور محمد شاہ[9] بھی پہونچے تھے اور انہوں نے جہاد کے خلاف تقریریں کیں[10]۔ مولوی محبوب علی وہی بزرگ ہیں جنہوں نے سید احمد شہید کا

---

[1] حدیقۂ شہداء صـ ۲۴۲ [2] تاریخ اودھ (حصہ پنجم) صـ ۲۱۶ و صـ ۲۲۰ [3] مولوی ابوالحسن بن مولوی عبد الجامع فرنگی محلی ۱۲۸۲ھ/۱۸۶۶ء میں فوت ہوئے۔ ملاحظہ ہو تذکرہ علمائے ہند۔ صـ ۴۲

[4] مولوی حسین احمد بن علی احمد ۱۲۰۱ھ میں پیدا ہوئے اور ۱۲۷۵ھ/۱۸۵۹ء میں انتقال ہوا اپنے زمانہ کے نامور اہل حدیث عالم تھے ——— ملاحظہ ہو تذکرہ علمائے ہند صـ ۱۲۶، ۱۲۷

[5] حدیقۂ شہداء صـ ۲۴۳ [6] تاریخ اودھ (حصہ پنجم) صـ ۲۲۳ [7] تاریخ اودھ (حصہ پنجم) صـ ۲۲۳ [8] مولوی محبوب علی بن مصاحب علی ۱۲۰۵ھ میں دہلی میں پیدا ہوئے اس دور کے مشہور عالم تھے۔ اختلافی مسائل پر دو تین رسالے بھی لکھے ہیں ۱۸۶۴ء میں انتقال ہوا۔ ان بزرگ نے جنگ ۱۸۵۷ء میں بھی جہاد کے خلاف فتویٰ دیا تھا۔ ملاحظہ ہو علم و عمل (وقائع عبد القادر خانی) جلد اول مرتبہ محمد ایوب قادری (کراچی ۱۹۶۰ء) صـ ۲۵۴ و صـ ۲۵۵

[9] مولوی محمد شاہ بھی دہلی کے واعظ تھے۔ مدار الحق کے مصنف ہیں ۱۳۰۵ھ میں انتقال ہوا۔ تذکرہ علمائے ہند۔ صـ ۵۹۰ [10] حدیقۂ شہداء صـ ۵۳ و صـ ۵۴۔

ساتھ چھوڑ دیا تھا اور بہت سے ساتھیوں کو لے کر جہاد سے واپس آگئے تھے اور فتویٰ دیا تھا کہ یہ جہاد نہیں ہے۔ بدایوں سے مولوی فضل رسول[1] بھی اپنے صاحبزادے مولوی عبدالقادر کے ہمراہ لکھنؤ پہونچے مولوی امام الدین بدایونی اپنے فرزند مولوی احسان الکریم بدایونی کو جو اس زمانے میں لکھنؤ میں بسلسلہ تعلیم مقیم تھے لکھتے ہیں[2]

"ایں مطلب حالا پا براہ روانگی مولوی فضل رسول صاحب لکھنؤ می گذارم مع پسر کوچک خود دیگم صفر سفر گزیدا غلب کہ در لکھنؤ رسیدہ باشند دریافت کردہ بر نگارید کہ بچہ امید رفتہ اند"

دوسرے خط میں مزید تشریح کرتے ہوئے کیفیت طلب کرتے ہیں[3]

"از روئداد فیض آباد اگر قباحتے عائد حال شما نباشد تحریر در آرید کہ چگونہ شد و الحال چہ حال کساں بافواہ می گویند کہ اجتماع اہل اسلام می شود و مولوی امیر علی صاحب افسر گروہ مجاہدان شدہ اند۔"

غرض کہ علمائے وقت نے حکومت کے اشارے پر جماعت مجاہدین کی صفوں میں انتشار پیدا کر دیا علماء نے عجیب و غریب طریقے پر فتوے دئے۔ مولوی نجم الغنی لکھتے ہیں[4]

---

[1] مولوی فضل رسول بن مولوی عبدالمجید بدایونی ۱۲۱۳ھ ہجری میں پیدا ہوئے اور ۱۲۸۹ھ ہجری میں انتقال ہوا۔ رد وہابیت میں ان کو خاص شہرت حاصل ہے۔ ملاحظہ ہو تذکرہ علمائے ہند۔ ص ۳۸۰ تا ص ۳۸۲ و ص ۲۲۲ ص ۲۲۳۔

[2] گلزار ہند (رقعات مولوی امام الدین بدایونی) مرتبہ مولوی حکیم احسان الکریم بدایونی (مطبع قیصری بریلی) ص ۳۴ و ص ۳۵۔ [3] گلزار ہند ص ۴۱ و ص ۴۲ [4] تاریخ اودھ (حصہ پنجم) ص ۲۲۲ و ص ۲۲۳۔

"بعض دنیا طلب علمائے اہل سنت نے جیسے مولوی حسین احمد ملیح آبادی مولوی غلام جیلانی وکیل عدالت انگریزی، مولوی محمد یوسف فرنگی محلی اور مولوی فضل حق خیر آبادی اور مولوی سعد اللہ مراد آبادی اور دوسرے علمائے گمنام نے محض بطمع دنیا مولوی امیر علی صاحب کے قتل کا فتویٰ عبارت مختلف سے رنگین کر کے دیا اور دلی کے بعض علماء نے بھی ایسی برہان و حجت کے ساتھ لکھا کہ جب اہل اسلام قلیل ہوں اور کفار کا غلبہ ہو اس وقت خلاف حکم اولی الامر یعنی حاکم وقت کے جن کے اختیار میں ہوں خواہ انگریز ہوں یا مسلمان جہاد حرام ہے پس جو شخص ایسے امر کا مرتکب ہو گا وہ طاغی و باغی ہے۔"

مولوی حکیم نجم الغنی لکھتے ہیں[1]۔

"میں نے اس کے متعلق جو قلمی کاغذات کا مجموعہ دیکھا ہے اس میں دو طرح اہلکاران متعلقہ کی تحریریں، علماء کے فتوے، سب کچھ موجود ہیں ان میں مجتہد صاحب کی کوئی تحریر مولوی امیر علی کے موافق موجود نہیں بلکہ ان کے کلام کے خلاف ہے۔"

علماء نے ایک فتویٰ مرتب کیا جس کی نقل یہ ہے۔ استفتاء[2]۔

سوال:۔ چہ می فرمایند علمائے دین و مفتیان شرع متین کہ مولوی امیر الدین علی بانتقام بے ادبی کلام مجید و انہدام مسجد و کشتہ شدن شہیدان اودھ از دست کفاران اودھ بموجب احکام علماء و احادیث نبوی و احکام آیات کلام مجید کمر ہمت برائے جہاد بستہ راہی ہنومان گڑھی می شوند در مقام دریاباد افواج شاہی سد راہ شدہ مخالف کوچ سازند و

---

[1] تاریخ اودھ (حصہ پنجم)، صفحہ ۲۲۳ ۔ و قیصر التواریخ (جلد دوم)، صفحہ ۱۲۵ [2] تاریخ اودھ (حصہ پنجم)، صفحہ ۲۲۶ و حدیقۂ شہداء، صفحہ ۲۴۴ ۔

مولوی مذکور کہ بجوش حمیت دین و عدۂ جاں نثاری از حضرت باری نمودہ فسخ عزیمت می سازند و بادشاہ باعث فساد حاکم بالا دست مجبور شدہ برائے مصلحت چند ایام منع روانگی می فرمایند دریں حال اگر مولوی امیر الدین علی کوچ سازند و مقابلہ و مجادلہ از مجاہدان افواج سلطان اسلام بوقوع آید پس مرگ مسلمانان طرفین چگونہ خواہد بود حسبۃً للہ بلا رد و رعایت دستخط مزین فرمایند۔"

جواب :۔ مفتی سعد اللہ مراد آبادی لکھتے ہیں[1]

"ہو الموفق دریں حال جماعہ مولوی امیر الدین علی را ہرگز قتل روا نیست بلحد نہی قول تعالیٰ ولا تلقوا بایدیکم الی التہلکۃ" داخل شدن است کذا فی العالمگیریہ و ہر کہ مرتکب منہی عنہ باشد اصلاً ثواب نخواہد شد"

مفتی یوسف فرنگی محلی لکھتے ہیں:۔

" فی الواقع فسخ عزیمت می باید و در شہادت و غدغا است "

حسین احمد ملیح آبادی اور مولوی عبید اللہ اور مولوی ابو الحسن بھی تصدیق و تصویب فرماتے ہیں ایک اور استفتاء بھی علماء کی خدمت میں پیش کیا گیا جو درج ذیل ہے[2]

چہ می فرمایند علمائے دین اندریں مسئلہ کہ اہل اسلام بادعائے ایں کہ ہنوداں مسجد کندیدہ شامل (مکان) و احاطہ بت خانہ کردہ اند اجتماع عزیمت جہاد دارند و بادشاہ والی ملک کہ اہل اسلام است اقرار تدارک در صورت ثبوت و رفع حجت طرف ثانی می فرمایند دریں صورت تعمیل امر سلطانی و فسخ عزیمت می باید یا نہ، بینوا و توجروا۔"

---

[1] تاریخ اودھ (حصہ پنجم)، ص ۲۳۶-۲۳۷ و حدیقۂ شہدا، ص ۱۴۲ [2] قیصر التواریخ (جلد دوم) ص ۱۰۹ و ص ۱۱۰

جواب ملاحظہ ہو۔[1]

"تعمیل امر سلطان و فسخ عزیمت می باید" محمد یوسف و رحمت اللہ "صحیح تحریر نمودہ" خادم احمد۔ "قد اصاب من اجاب" محمد سعد اللہ تراب علی۔

مجتہد لکھنؤ کی پالیسی

علمائے امامیہ کا عجیب معاملہ رہا۔ سلطان العلما سید محمد بن دلدار علی نے جواب میں لکھا۔[2]

"بر حکام اسلام دفع شر کفرہ و لیام از اہل ایمان و اسلام لازم است"

نواب علی نقی خاں نے سلطان العلماء سید محمد اور سید العلماء میرن صاحب کو بلا کر جواب طلب کیا کہ خاندان اجتہاد نے بھی حکومت اودھ کے خلاف فتویٰ دیدیا اس پر ان مجتہدین نے صفائی پیش کی کہ[3]

"آپ جواب کو ملاحظہ فرمایئے کہ لفظ کفرہ سے کون مراد ہے اور لفظ لیام کس جہت سے ایزاد ہے اور لفظ اہل ایمان سے کون مطلوب ہے کیسا یہ جملہ مرغوب ہے بالفعل اس کو معمہ رہنے دیجئے اس کے مآل پر خیال کیجئے۔ اس ایک دستخط سے کئی مطلب نکلیں گے۔"

پھر علمائے امامیہ نے صاف فتویٰ دیدیا۔[4]

"بدون شرکت و معاونت حکام عرف یا حاکم شرع تدارک چنیں امور صورت جواز ندارد"

---

1. قیصر التواریخ (جلد دوم) ص۱۱۰ 2. حدیقۂ شہداء، ص۱۴۰ 3. قیصر التواریخ (جلد دوم) ص۱۰۸ 4. حدیقۂ شہداء ص۱۴۱ 5. قیصر التواریخ، جلد دوم، ص۱۰۹۔

کمال الدین حیدر حسینی لکھتے ہیں۔

"اس عرصہ میں حسب الحکم بادشاہ اور فہمائش حضور عالم (علی نقی وزیر) سے سلطان العلماء نے بھی اس باب میں کچھ تحریر کیا مولوی صاحب (امیر الدین علی) کو پہونچی اسے خلاف نفس الامر سمجھے پھر سلطان العلماء نے کوئی فتوی بہ تصریح حکم سرکار سے دستخط نہ کیا۔" (باقی عبارت نقل نہیں کی)

علماء کے فتووں اور ان کی تقاریر نے مجاہدین کی صفوں میں انتشار پھیلا دیا۔ بہت افغان ولایتی فتوی سنتے ہی جہاد سے منہ موڑ کر اپنے گھروں کو روانہ ہو گئے بہت سے لوگوں کو لالچ دیا گیا، زر نقد اور زاد راہ دے کر ان کو واپس بھیج دیا گیا۔ سراج الدین کمیدان بھی حکومت کی طرف سے فہمائش کے لئے بھیجا گیا، اس کے کہنے سے لوگ بریلی رامپور اور پیلی بھیت کے اپنے اپنے گھروں کو واپس ہو گئے۔ مجاہدین کی جمعیت دن بدن کم ہوتی جاتی تھی اب صرف چھ سو متفرق اور پریشان حال مجاہدین رہ گئے۔[1]

مولوی امیر الدین علی کی روانگی

۲۶ صفر ۱۲۷۲ھ مطابق ۷ نومبر ۱۸۵۵ء بروز چہار شنبہ مولوی امیر علی فجر کی نماز باجماعت ادا کر کے محمد پور کی طرف روانہ ہوئے، اس وقت مولوی مذکور کے ہمراہ تقریباً تین سو آدمی تھے۔ جب یہ لوگ کچھ دور نکل گئے تو کپتان بارلو کو معلوم ہوا اس نے چار کمپنیاں اور دو توپوں سے مجاہدین کا تعاقب کیا اور کمپنیاں گلابی پلٹن کی حاجی مرزا حسین علی کی ماتحتی میں روانہ ہوئیں۔ بارلو نے شیخ حسین علی سے کہا کہ اگر یہ لوگ محمد پور پہونچ گئے تو سمجھ لو کہ شکار ہاتھ سے نکل گیا۔ فوراً پالکی سے اتر کر گھوڑے پر سوار ہوا اور کسی حکمت عملی سے مولوی امیر علی کے ساتھیوں کو مقام زد پر ٹھہرا لو، پھر آن کی آن میں ان کا صفایا ہے۔ مولوی امیر علی شیخ حسین علی پر اعتماد کرتے تھے شیخ حسین علی نہایت تیزی سے گھوڑے پر

---

[1] قیصر التواریخ (جلد دوم) صفحہ ۱۳۴ و صفحہ ۱۳۵ [2] تاریخ اودھ (حصہ پنجم) صفحہ ۲۲۶ و حدیقۂ شہداء صفحہ ۵۶۔

سوار ہوکر مولوی مذکور کے پاس پہونچا اور شجاع گنج کی دوسری جانب مولوی امیر علی اور ان کے ساتھیوں کو ٹھہرا لیا بارو بھی مع توپ خانہ ساتھ ہی پہونچا اور موقع سے توپیں چڑھا دی گئیں، ادھر شیخ حسین علی نے مکر و فریب کا جال پھیلایا ہاتھ باندھ کر اپنی ٹوپی مولوی امیر علی کے قدموں پر رکھ کر کہنے لگا۔

"آپ ایک بار اور کہنا مانیں اور ردولی تشریف فرما ہوکر دو تین دن قیام کریں، اگر خدا نے چاہا تو بے جنگ و جدل مسجد بن جائیگی بندگان خدا پر آنچ نہ آئیگی یہ بکھیڑا بیکار ہے بندہ ذمہ دار ہے خدا کو مانئے مجھ کو جھوٹا نہ جانئے"

مولوی امیر علی نے اس مکار اور فریبی پر اعتماد کیا، اور ردولی کو روانہ ہوئے دوسری طرف بارو نے اونچی ٹیکری دیکھ کر توپیں جما دیں، یہ سب کام ہوگیا تو شیخ حسین علی مع ضیغ پھلسر کو روانہ ہوگیا۔ جب مولوی امیر علی کا لشکر اس ٹیکری کے برابر پہونچا تو بارو نے فیر کرنے کا حکم دیدیا۔ توپیں سر ہوئیں اور تمام عالم دھواں دھار ہوگیا۔ توپ کی آواز سنتے ہی مولوی مذکور کا گھوڑا بھڑکا اور مولوی امیر علی زمین پر گر پڑے اور اس صدمے سے دو ایک دانت بھی ٹوٹے مگر مولوی مذکور فوراً سنبھل گئے اور ساتھیوں سے کہا کر آگے بڑھ کر توپیں چھین لو غازیوں نے تلواریں میان سے نکال کر زبردست حملہ کیا اور توپوں تک پہونچ گئے، گولہ انداز بھاگ نکلے مگر بارو نے یہ تدبیر کی تھی کہ ان توپوں کے پیچھے کچھ دور دو توپیں اور لگا رکھی تھیں اور گھات میں سپاہ بھی بٹھا رکھی تھی ان گولہ اندازوں نے مجاہدین پر توپ سر کی جس سے ان کی صفوں میں ابتری پھیل گئی اور ایک چھرا مولوی کے بازو پر لگا جس سے خون جاری ہوگیا۔ اور ہاتھ بیکار ہوگیا۔ مگر مسلمانوں کو ہمت دلاتے رہے، اسی وقت کمیار کے تعلقدار ٹھاکر سنگھ کے آدمی پیچھے سے مجاہدین کے لشکر پر ٹوٹ پڑے مجاہدین بالکل بے خبر تھے ان بے چاروں پر دو طرف کی مار پڑی گھمسان کا قتل عام ہوا، بہت سے مجاہدین

ؔ حدیقۂ شہدا، ص۵۵

شہید ہوئے کچھ نے راہ فرار اختیار کی جن کو کپتان بارلو کے حکم سے راجا شیر سنگھ کے آدمیوں نے تہ تیغ کیا۔

شہادت مولوی امیر علی اور ان کے چند ساتھی اور رفیق ہٹتے ہوئے نالہ رحیم نگر میں شجاع گنج کے متصل پہونچے کہ یکایک راجہ کمبارا ور کپتان بارلو کے سپاہیوں نے وقت نزول آفتاب اسی نالہ میں ان سب کو شربت قتل پلایا۔ لاش اسی نالے میں ہی اور سر لکھنؤ روانہ کردیا۔ کسی نے تاریخ لکھی ہے۔

گفت از روے ہمت ازلی　　قتل شد مولوی امیر الدین (۱۲۷۲ھ)

کہا جاتا ہے کہ مولوی امیر علی اپنی شہادت سے پہلے یہ مصرعہ پڑھتے تھے۔

سر میداں کفن بر دوش دارم

حساب لگایا تو اس مصرعہ ہی سے تاریخ شہادت نکلتی تھی کسی نے اس کو رباعی کردیا۔

بذکر حق سراپا گوش دارم　　مے حُبّ علی در جوش دارم
شنو تاریخ من قبل از شہادت　　سر میداں کفن بر دوش دارم

مرزا رجب علی بیگ سرور لکھتے ہیں[1]

"اس سے زیادہ ماجرائے جاں کاہ بعد سید الشہدا دنیا میں اور نہیں سنا، ستاون ضرب توپ گرد مہتاب روشن بیچ میں ایک چوبیس خستہ تن کوئی یار نہ مددگار ایک طرف فوج سلطانی ہزار در ہزار پہلے چھرے میں بہت مر گئے باقی توپوں پر سینہ سپر کر گئے اللہ ری جرأت و جوانمردی تلوار کی باڑھ سے توپوں کی باڑھ بند کردی ملک کی روباہ بازی دیکھئے، شیر بہادر ایک گنوار مشہور ہے وہ بزدلا دو ہزار گنوار لے کے کمر پر آیا ادھر سے اس نے گیدڑ بھپکی دکھاکے

---

[1] انشائے سرور ص ۲۶۔

چھرا لگایا مسلمان سب پریشان ہو گئے، خاتمہ بالخیر ہوا
بے جان ہو گئے چار سو سے زیادہ دشمنوں کو مارا پھر یہ قافلہ جنت
کو سیدھا سدھارا"

کپتان بارلو نے مولوی امیر الدین علی کا سر وزیر علی نقی کے پاس بھجوایا جب وہاں سر لیکر پہونچے تو اس نے کہا یہاں کیوں لاتے ہو، چاہتے ہو کہ لکھنؤ میں بھی کوئی ہنگامہ ہو۔ لانے والوں کو حکم ہوا کہ بعد ملاحظہ رزیڈنٹ موقع قتل پر لے جاکر دفن کردو۔ یہ لوگ ڈرے کہ اگر واپس لے جائیں گے اور کسی مجاہد نے دیکھ لیا تو ہماری خیر نہیں، رزیڈنٹ کو دکھا کر نہ معلوم سر کو کہاں پھینکدیا۔ افضل التواریخ میں لکھا ہے کہ سر چھٹ میں لب تالاب دفن کردیا۔

تلنگوں نے مقتولین کے بدن سے لباس بھی اتار لیا، سنا گیا ہے کہ مجاہدین میں دو عورتیں بھی شریک تھیں اور دونوں نے جام شہادت پیا۔ کپتان بارلو کی فوج نے میدان جنگ سے کوچ کر کے محمد پور میں قیام کیا، جو تین کوس کے فاصلے پر تھا دوسرے دن مسلمان زمینداروں نے جمع ہو کر ہر ایک مقتول کی لاش اٹھا کر دفن کردی مولوی صاحب کے پہلو میں ان کے جوان بھتیجے کو دفن کیا۔[1]

تاثرات صہبائی

جب اس حادثے کی خبر دور نزدیک پہونچی تو حکومت اودھ پر سخت اظہار نفرت کیا گیا۔ مولوی امام بخش صہبائی نے ایک مرثیہ لکھا ہے[2] جس کے چند اشعار درج ذیل ہیں

سخت کج باز ند سکان دیار لکھنؤ ۔۔۔ بیند تے گرود خداوند سوار لکھنؤ
تا کجا در خویش می گیری ز آغوش ہوا ۔۔۔ برق بیباکا نہ زن بر خار زار لکھنؤ
تا کجے ہنگامہ آراید بچشم اہل دل ۔۔۔ از میاں بردار اے صرصر غبار لکھنؤ
گر چہ خواہد گشت اے طوفان نوح از موج آب ۔۔۔ گر ز جوشت قطرۂ آید بکار لکھنؤ

---

[1] ملاحظہ ہو تاریخ اودھ (حصہ پنجم) ص ۲۳۳-۲۳۴ [2] تاریخ اودھ (حصہ پنجم) ص ۲۳۴

سید مظلوم را کردند بے دیناں شہید — تف باہل لکھنؤ لعنت بکار لکھنؤ
بر سر نعش شہید بے کسی خونہا ببار — اے سحاب ارچند باشی از نجار لکھنؤ
بر حسین انچہ از یزید آمد بخاک کربلا — بر علی آمد ہم از اہل دیار لکھنؤ
عافیت از بر زن و کویش شود روز بدر — ہم چنیں باشد میسر کار و بار لکھنؤ
در تلاش اینکہ از خاکش چساں برو رود — می طپید نقش قدم در رہگذار لکھنؤ
ہر در و دیوار او از ششن جہت نفریں کند — بر صغار لکھنؤ و بر کبار لکھنؤ
گرمی غم یارب از بحرش بر انگیزد بخار — باز ابر آتش ببارد بر بہار لکھنؤ
داشتی اے آہ مظلوماں چرا عصیاں بسر — منجنیقے شو کہ بکشاید حصار لکھنؤ
تا بکے بینیم بہ بندش گردن احرار را — بگسلد یارب کمند روزگار لکھنؤ
قوت از بازو و آب تیغ بیدادش رود — تا کجا بینیم جفائے بے شمار لکھنؤ
دست ناپاکش بسوز اے چرخ در عین بہار — پائے گل چیناں نیاید تا بخار لکھنؤ
چوں ز قتل سید مسکیں کہ خلدش باد جا — شد لکد کوب مطاعن اعتبار لکھنؤ
از پئے نفریں او ہاتف زرو دے دردل — گفتہ باد افتنہ مقروں با دیار لکھنؤ
انچہ در ادنیٰ شرار کلک صہبائی فگند — تا ابد مثلش نیابی در دیار لکھنؤ

سید کمال الدین حیدر مؤلف قیصر التواریخ رقمطراز ہیں[۱]

"ایک امر عجیب یہ ہے کہ بعد دو مہینے اس معرکے کے جب زمیندار وہاں گئے کہ کھیت کو کاٹتے تھے اس میں ایک شخص کو دیکھا کہ چار زانو اسلحہ حرب لگائے بیٹھا ہے، اور ایک بندوق اسکے ہاتھ میں ہے لیکن گولی سے اس کا کام تمام ہو چکا ہے اسکے دیکھنے کو بہت سے زمیندار اور مسافر جمع ہوئے تماشا گئے قدرت خدا دیکھتے تھے اسکے ہیں دفن کر دیا نواب جعفر علی خاں مرحوم فیض آباد سے آتے تھے راہ میں یہ ہنگامہ دیکھ کر آئے اور اپنی آنکھ سے اسے دیکھا اور اس واقعہ کو مؤلف کتاب سے بیان کیا۔"

۱۴ فروری ۱۸۵۶ء کو جنرل اوٹرم رزیڈنٹ مع کپتان ہیز اور جنرل ویلا افسر فوج گورنر جنرل کا عہدنامہ لیکر واجد علی شاہ بادشاہ اودھ کے پاس پہنچے اور معزولی کا حکم سنا کر عہدنامہ پر دستخط کرنے کو کہا اس عہدنامہ میں سلطنت اودھ

۱؎ قیصر التواریخ (جلد دوم) ص ۱۲۸

سرکار کمپنی کے حوالے کرنے کا ذکر تھا، بادشاہ نے دستخط کرنے سے انکار کرتے ہوئے ہزار منت و سماجت کی مگر ایک پیش نہ گئی، لندن تک کوششیں ہوئیں مگر بیکار، کلکتہ لیجاکر ٹیا برج میں نظر بند کر دیا گیا کسی نے لکھنؤ "شد خراب واویلا" سے اس واقعہ کی تاریخ نکالی ہے۔[۱]

۱۲۷۲ھ

کہا جاتا ہے کہ جس دن مولوی امیر الدین علی کا واقعۂ شہادت ہوا تھا اسی دن پارلیمنٹ لندن میں معزولی کے فرمان پر دستخط ہوئے تھے۔ حادثۂ شہادت سے تین ماہ کے اندر "ان بطش ربک لشدید" کا منظر سامنے آگیا۔ دیوان حافظ سے فال نکالی تو یہ شعر نکلا۔

دیدی کہ خون ناحق پروانہ شمع را	چنداں اماں نداد کہ شب را سحر کند

منشی ولایت علی خاں عزیز صفی پوری اپنے خود نوشت حالات میں لکھتے ہیں کہ[۲]

"مولوی صاحب (امیر الدین علی) نے علی نقی خاں کو جو تحریر نظم بھیجی تھی اسمیں لکھا تھا

میاں سال نہ وہ جاہ و حشم رہا	نہ فوج اس کی رہی شاہ شام رہا

اس کا ظہور یہ ہوا کہ جمادی الآخری کی پہلی یا دوسری کو اوٹرم صاحب مع فوج لکھنؤ میں داخل ہوئے اور ملک لے لیا"

افسوس کہ مسلمانوں کی حکومت میں خالص اسلامی مسئلہ پر مسلمانوں کی اس بیدردی سے خون ریزی ہوئی۔

آسماں را حق بود گر خون ببارد بر زمیں

شاید یہاں یہ ذکر بھی بے محل نہ ہو کہ اس جہاد میں سید احمد شہید کی تحریک کے بعض حضرات نے بھی حصہ لیا تھا اور اس طرح اس واقعے کے بعد مولوی امیر الدین علی کی شہادت کے انتقام کے لئے جنگ آزادی ۱۸۵۷ء کے نامور قائد اور رہنما مولوی احمد اللہ شاہ مدراسی اودھ میں آئے اور انہوں نے اس کا مظاہرہ بھی کیا اور جنگ آزادی ۱۸۵۷ء میں قیادت کے فرائض انجام دئے

---

[۱] تاریخ اودھ (حصہ پنجم) ص ۲۳۵

[۲] سوانح اسلاف از منشی ولایت علی خاں عزیز صفی پوری (طبع لکھنؤ ۱۳۳۶ھ) ص ۱۰۶ و ص ۱۰۷۔

باب دوم

روہیل کھنڈ

روہیل کھنڈ، شمالی ہند (یوپی) کا وہ پرفضا، سرسبز و شاداب اور زرخیز خطۂ زمین ہے جو کوہ ہمالیہ کے دامن میں واقع ہے مغلیہ سلطنت کی کمزوری کے زمانے میں سرحد کے علاقہ "روہ" کے قبائل کے چند جانباز اور دلیر ہمت سرداروں نے اپنے قوت بازو سے علاقہ کیٹھر میں اپنی بساط ریاست بچھائی جن میں داؤد خاں نواب علی محمد خاں، حافظ رحمت خاں اور نواب دوندے خاں خاص طور سے قابل ذکر ہیں۔ اس زمانے میں روہیلوں کی حکومت از سنگ تا گنگ مشہور تھی مگر آج کل روہیل کھنڈ صوبہ یو۔پی کی ایک کمشنری ہے جس میں سات اضلاع بریلی، بدایوں، پیلی بھیت، شاہجہاں پور، رام پور، مرادآباد اور بجنور شامل ہیں۔

۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں اہل کھنڈ سب سے پیش پیش رہے اور انہوں نے بڑی جانبازی، شجاعت اور ضبط و نظم کا ثبوت دیا بلکہ بقول مولوی ذکاءاللہ[1]

> "جن ضلعوں میں بغاوت ہوئی وہ روہیل کھنڈ کی بغاوت کے آگے خفیف تھی":

بریلی

بریلی حافظ رحمت خاں کی حکومت کا صدر مقام رہ چکا تھا وہاں مسلمانوں کے سیکڑوں باعزت اور باحیثیت خاندانوں کے علاوہ خود حافظ رحمت خاں کا

---

[1] تاریخ عروج سلطنت انگلشیہ۔ (بقیہ نوٹ اگلے صفحے پر)

خاندان موجود تھا، تحریک ۱۸۵۷ء کے شروع ہوتے ہی انگریزوں کے خلاف وہاں بڑا جوش وجذبہ تھا اور بڑے خاص انداز سے تیاریاں جاری تھیں، قائدین تحریک حالات کا بالکل اندازہ نہیں ہونے دیتے تھے انقلاب سے پہلے بریلی میں اس تحریک کے دو ممتاز رکن موجود تھے، امام المجاہدین مولوی سرفراز علی اور دوسرے مفتی عنایت احمد کاکوروی امام المجاہدین مولوی سرفراز علی بربیع الاول ۱۲۷۳ھ[1] میں بریلی میں موجود تھے، اور مفتی عنایت احمد کاکوروی اس وقت بریلی میں صدر امین تھے۔ مفتی صاحب نے اپنی صدارت میں بریلی میں دینی لٹریچر کی نشرو اشاعت کے لئے ایک انجمن کی بھی تشکیل کی تھی۔ جس میں بریلی، بدایوں، پیلی بھیت، مرادآباد آنولہ، امروہہ وغیرہ کے عمائد وشرفار کی امدادی رقوم سے لٹریچر تیار کر کے تقسیم کیا جاتا تھا[2]۔ اور زیادہ تر یہ کتابیں مفتی عنایت احمد کاکوروی کی تالیف ہوتی تھیں یہ کتابیں اصلاحی اور تبلیغی تھیں اور حقیقت یہ ہے کہ جنگ آزادی سے پہلے ہندوستان کے مسلمانوں کی سب سے پہلی یہ اصلاحی انجمن تھی۔ اس سلسلے میں ایک فقیر "جھنڈا شاہ" کا ذکر بھی ضروری ہے۔ جھنڈا شاہ کو اسی جرم میں گرفتار کیا گیا تھا کہ وہ بریلی میں لوگوں کو جہاد کی ترغیب دیتے تھے۔ جھنڈا شاہ کی گرفتاری ۲۱ر دسمبر ۱۸۵۶ء کو

(بقیہ نوٹ صفحہ گزشتہ) از شمس العلماء ذکاء اللہ (شمس المطابع دہلی ۱۹۰۴ء) صفحہ ۴۲ (آئندہ اس کا حوالہ ذکاء اللہ سے دیا جائے گا۔)

[1] قلمی بیاض مولوی محمد احسن نانوتوی مملوکہ محمد ایوب قادری۔

[2] ضمان الفردوس مطبوعہ نظامی پریس کانپور ۱۲۷۳ ہجری کے آخر میں ایک اشتہار شامل ہے۔ اس میں اس انجمن کی کیفیت و مقاصد وغیرہ درج ہیں۔ خوش قسمتی سے یہ مطبوعہ نادر رسالہ ہمارے کتب خانہ میں موجود ہے اور یہ اشتہار باب ہشتم میں شامل کر دیا گیا ہے۔

عمل میں آئی تھی[1]۔ غرض بریلی میں تیاریاں خوب تھیں مگر انگریزی حکام مطمئن تھے البتہ جب ملحقہ اضلاع سے انگریزی حکومت کے ختم ہونے کی اطلاعیں آنے لگیں تو بریلی کے انگریزی حکام خاص طور سے خوف زدہ ہوئے، مگر جب ظاہری حالات پر نظر ڈالتے تھے تو کوئی بے اطمینانی کی بات فوج یا پبلک میں معلوم نہ ہوتی تھی۔ تحریک کے خاص خاص آدمی، خان بہادر خاں، جنرل بخت خاں اور محمد شفیع خاں رسالدار وغیرہ اپنا کام بڑے ضبط و نظم سے کر رہے تھے۔ محمد شفیع آٹھویں سواروں کی رجمنٹ میں رسالدار تھے انہوں نے جنگ آزادی ۵۷ء کے لئے بے مثال جد و جہد کی، منشی ذکاء اللہ ان کے متعلق لکھتے ہیں[2]۔

"وہ (کرنل ٹروپ) آٹھویں سواروں کی رجمنٹ میں جانتے تھے کہ دغاباز" بھرے ہوئے ہیں جن میں محمد شفیع جو سب سے بڑا افسر تھا وہ سب سے زیادہ دغاباز تھا۔"

سابق حکمراں روہیل کھنڈ حافظ رحمت خاں کے خاندان میں خاں بہادر خاں نمایاں حیثیت کے مالک تھے، وہ صدر اعلیٰ رہ چکے تھے، اور حکومت کے پنشن یافتہ تھے مسٹر الیگزینڈر کمشنر نے خان بہادر خاں[3] کو اپنا معتمد بنالیا اور اپنے زعم ناقص میں کمشنر یہ سمجھا کہ

---

[1] یہاں اچھے اور نیکوں کا بھی یہ حال ہے کہ کوئی ملا یا مولوی، پنڈت، درویش اور بھائی جی وغیرہ سے خالی نہیں ہے۔ جھنڈا شاہ ساکن بریلی مثل قطب کے برسوں سے مونٹ ہر بیٹ پر بیٹھا ہے گو دسمبر ۱۸۵۸ء میں اس کی رہائی بھی ہوگئی مگر اب تک اپنی جگہ سے نہیں ہلتا۔ اور اس ظلمینٹ کے مشرکوں کو اولاد اور روزی تقسیم کرتا رہتا ہے۔ (عوام کی عقیدت کا مرکز بنا ہوا ہے۔) ملاحظہ ہو تاریخ عجیب پورٹ بلیر و انڈمان)، از مولوی محمد جعفر تھانیسری (لکھنؤ ۱۸۹۲ء)، صفحہ ۱۰۳، ۱۰۴

[2] ذکاء اللہ صفحہ ۸۲۲ [3] نواب خان بہادر خان ابن ذوالفقار خاں ابن حافظ رحمت خاں، کندن لال اشکی کی تحریر کے مطابق ۱۸ اگست ۱۸۳۸ء کو صدر امین مقرر ہوئے ایک مدت تک بریلی میں صدر امین رہے۔ اس وقت پنشن یاب تھے۔ اس کے علاوہ خاندانی وظیفہ علیحدہ پاتے تھے۔ منشی گلزاری لال مولف تواریخ ضلع بریلی نے (باقی نوٹ اگلے صفحہ پر)

خان بہادر خاں میرے دل سے خیر خواہ ہیں، خاں بہادر خاں نے کمشنر کے اعتماد کو آخر وقت تک برقرار رکھا[1]۔

مئی کے دوسرے ہفتہ میں جب دیگر مقامات کی خبریں بریلی پہونچیں اور شہر میں مختلف قسم کی خبریں پھیلنی شروع ہوئیں تو انگریزی حکام کو وحشت ہوئی اگرچہ فوج سے کسی بات [illegible] اظہار نہ ہوا بلکہ جب دوسرے مقامات سے لوگ بریلی پہونچے اور دہلی سے بھی پیغامبر آئے تو انگریزی حکام نے اپنے بیوی بچوں کو احتیاطاً ۲۰ مئی ۱۸۵۷ء کو نینی تال پہونچا دیا[2]۔ ۲۲ مئی کو نماز جمعہ کے بعد مولانا محمد احسن نانوتوی[3] نے بریلی کی مسجد نومحلہ میں مسلمانوں کے سامنے ایک تقریر کی اور اس میں بتایا کہ حکومت سے بغاوت کرنا خلاف

(بقیہ پچھلے صفحہ کا) نواب صاحب کو ۱۸۴۳ء میں "برگزیدہ خاندان" لکھا ہے۔ نواب صاحب، صاحب سیف کے علاوہ صاحب قلم بھی تھے۔ ان کی ایک کتاب مقاصد الصالحین ہے جو اخلاق و تصوف کے مضامین پر مشتمل ہے۔ ابتک یہ کتاب بغیر مصنف کے نام کے شائع ہوتی رہی، نواب خان بہادر خاں کو شعر و سخن سے بھی ذوق تھا۔ معروف تخلص کرتے تھے۔ جرأت کے شاگرد تھے فن خوشنویسی کے بھی ماہر تھے (ملاحظہ ہو منتخب تنقیح الاخبار از کندن لال اشکی (طبع لکھنؤ) ص۱۰۹ و تواریخ ضلع بریلی از منشی گلزاری لال قلمی (نیشنل میوزیم آف پاکستان، کراچی)۔
حیات حافظ رحمت خاں از سید الطاف علی بریلوی (کراچی ۱۹۶۳ء) ص۲۲۳

[1] Fifty seven by Henery George Keen (London 1883) P.182

[2] محاربہ عظیم کنھیا لال۔ (لکھنؤ، ۱۹۱۶ء) ص۲۰۵ [3] مولانا محمد احسن بن حافظ لطف علی نانوتہ میں پیدا ہوئے، تعلیم دہلی میں شاہ عبد الغنی مجددی، مولانا مملوک علی و مولانا احمد علی سہارنپوری وغیرہ سے حاصل کی دہلی کالج میں بھی پڑھے بہت سی کتابوں کے مصنف و مترجم تھے احیاء العلوم کا ترجمہ مذاق العارفین کنز الدقائق کا ترجمہ احسن المسائل قواعد اردو حصہ چہارم، رسالہ عروض وغیرہ مشہور ہیں، سرسید احمد خاں کی فرمائش پر فری گاڈ ہیگنس کی کتاب اپالوجی کا ترجمہ حمایت الاسلام کے نام سے کیا بریلی میں صدیقی پریس قائم کیا جس سے علوم مشرقی کی بہت سی کتابیں شائع ہوئیں ۱۳۱۲ھ/۱۸۹۴ء میں دیوبند میں انتقال ہوا (ملاحظہ ہو "مولانا محمد احسن نانوتوی" از محمد ایوب قادری کراچی ۱۹۶۶ء)

قانون ہے[1]۔ نواب بہادر خاں کمشنر بریلی مسٹر الیگزنڈر کے بظاہر مددگار تھے اور نواب صاحب پر کمشنر بریلی کا پورا اعتماد تھا، اس سلسلہ میں ایک انگریز مورخ رقمطراز ہے۔

"پچھلی صدی کے محافظ (حافظ رحمت خاں) کے پوتے خان بہادر خاں نے کمشنر بریلی کی کوششوں کی پوری پوری تائید کی اور (بریلی) کالج سے منسلک ایک مولوی (محمد احسن) نے مسجد میں تقریر کی اور اس میں بتایا کہ حکومت سے بغاوت کرنا خلاف قانون ہے[2]"

اس تقریر نے بریلی میں ایک آگ لگا دی اور تمام مسلمان مولانا محمد احسن نانوتوی کے خلاف ہو گئے۔ اگر کوتوال شہر شیخ بدرالدین کی فہمائش پر مولانا بریلی نہ چھوڑتے تو انکی جان کو بھی خطرہ ہو گیا تھا[3]۔

اس تقریر کا ردعمل یہ ہوا کہ ۲۵ مئی ۱۸۵۷ء کو بروز عید نو محلہ کی مسجد میں مولوی رحیم اللہ خاں نے انگریزوں کے خلاف سخت تقریر کی، اس موقع پر بخت خاں بھی موجود تھے۔ مسلمانوں میں بہت جوش پیدا ہو گیا تھا۔ مگر کوتوال شہر نے اپنی حکمت عملی سے اس جوش کو ٹھنڈا کر دیا[4]

بریلی کالج کے شعبہ فارسی کے استاد مولوی قطب شاہ نے مطبع بہادری کے نام سے ایک پریس قایم کیا جس میں انقلاب سے متعلق لٹریچر شائع و طبع ہوا۔

---

[1] مولانا محمد احسن صاحب کی اس جامع مسجد کی تقریر اور آنولہ میں قیام کے متعلق حالات راقم نے حکیم معظم علی خاں عرف بکر میاں مرحوم رئیس اعظم آنولہ ضلع بریلی سے سنے بعد کو تحریری شہادتیں بھی مل گئیں حکیم معظم علی خاں (ابن حکیم واحد علی خاں) حکیم سعادت علی خاں مدار المہام ریاست رامپور کے پوتے تھے بڑے وضعدار رئیس تھے ۱۱ مارچ ۱۹۵۳ء کو ان کا انتقال ہوا۔

[2] Fifty seven by Henery George Keen P. 128 Freedom Struggle in U. P. Vol V.p. 170

[3] Freedom Struggle in U.P. Vol. V.p. 171/Do P. 173.

[4] —— Do. ——

۲۲ مئی ۱۸۵۷ء کو مولانا محمد احسن نے بریلی چھوڑ دی۔ مولانا نے بریلی چھوڑتے وقت مولوی فضل الرحمان دیوبندی کے لئے بعض ہدایات و اشارات قلمی بیاض میں لکھے ہیں جو درج ذیل ہیں۔

"اپنچہ عقب من ضرورت بخانہ ام خود جناب ادا سازند بر پرچہ کاغذ بطور یادداشت ارقام می کردہ باشند و تنخواہ احقر نزد خزانچی جمع دارند یا از وگرفتہ نزد خود جمع می کردہ باشند کہ در جمعیت نزد خزانچی احتمال ست و فیہ ما فیہ، و قرضہ شیخ محمد نسیم صاحب ہم بعد وصول تنخواہ ادا باید فرمود و اگر ڈاک سہارنپور جاری باشد از مولوی محمد حسین دریافتہ خطے بنام مولوی احمد علی صاحب نویسند کہ فلاں کس ہنڈوی بنام شیخ ظفر علی فرستادہ بود مگر بسبب شور و غوغا اہل بلوہ نرسید و چوں رسیدن سہارنپور ہم خالی از شائبہ و شک نیست و خود ش مبتلائے مصائب گردیدہ بریلی را گذاشت و سر گرداں شد، لاجرم فرستادن مبالغ موقوف بر وقت دیگر ماند اگر ہرج جناب باشد از و مبلغ ما صہ کہ نزد جناب جمع ہستند بگیدام حیلہ شرعی بعد تبدیل وغیرہ کارروائی کردہ گیرند و نشان مولوی احمد علی این ست کہ در سہارنپور محلہ مخنیاں رسیدہ نزد مولوی احمد علی صاحب برسد۔"

میرٹھ، بجنور، مراد آباد اور بدایوں وغیرہ کے حالات دیکھ کر ۳۰ مئی ۱۸۵۷ء کو الیگزنیڈر کمشنر روہیل کھنڈ نے خان بہادر خاں کو بلا کر کہا کہ۔

"امروز فردا میں یہاں بلوہ ہونے والا ہے چونکہ یہ ملک آپ لوگوں کا موروثی ہے آپ اس کا بندوبست کیجئے"[1]

---

[1] تاریخ سیلمانی از سلیمان خاں سند بحوالہ حیات حافظ رحمت خاں، طبع اول بدایوں ۱۹۳۲ء، ص ۳۲۶

نواب خان بہادر خاں نے کمشنر کی اس پیشکش کو ٹھکرا دیا[1] - آخر وہ وقت آگیا جس کا سب کو انتظار تھا اور جو آغاز کار کے لیئے طے ہوا تھا - بریلی میں ۳۱ مئی ۱۸۵۷ء کو مندرجہ ذیل فوجیں اور افسران موجود تھے[2]۔

(۱) پلٹن ۱۸ زیر کمان میجر پیرسن

(۲) " ۶۸ " کرنل سی ٹروپ

(۳) " ۸ سوار، زیر کمان کپتان میکنزی

مندرجہ ذیل افسران بریلی میں موجود تھے .

(۱) رابرٹ الیگزینڈر - کمشنر

(۲) جے، گتھری، مجسٹریٹ

(۳) ڈی، رابرٹسن، جج -

(۴) جی. ڈی. ریکس، سشن جج .

۳۱ مئی ۱۸۵۷ء کو اتوار کے دن قریب ۱۱ بجے صبح جب کہ تمام انگریز اور عیسائی گرجا میں جمع تھے، چھاؤنی میں توپ کا فیر ہوا جو اس بات کا اعلان تھا کہ فوج نے انگریزی حکومت کی اطاعت و انقیاد سے منہ موڑا اور علم آزادی بلند کر دیا ۶۸ فوج کے سپاہی تمام لائنوں میں دوڑ پڑے . صوبیدار بخت خاں مع تمام افواج انگریز حکومت کے خلاف ہو گئے، تمام لینوں میں شور و غوغا مچ گیا مسلح سپاہی دیوانہ وار چاروں طرف دوڑنے لگے اور جو افسر سامنے آتا اسے گولی کا نشانہ بناتے اتنی تیزی سے فساد برپا ہوا کہ اکثر افسروں کو تو اس کی خبر بھی نہیں ہوئی کہ ان کے بنگلوں میں

---

[1] مسٹر ہنری کین اس ملاقات کے سلسلے میں لکھتا ہے کہ خان بہادر خاں نے جواب دیا کہ حالات نازک ہو گئے ہیں، لہذا آپ اپنی حفاظت کی فکر کیجیے" اور یہ ملاقات ۳ مئی کو ہوئی تھی

[2] گزیٹیر ضلع بریلی ، انگریزی ، الہ آباد ۱۹۱۱ء، ص ۱۷۱

فوج پہونچ چکی ہے اور گولیاں چلنی شروع ہو گئی ہیں۔

فوج کے افسران کے درمیان یہ بات طے ہو چکی تھی کہ فساد کے وقت سب یوروپین آٹھویں رسالے کی لین کے متصل جمع ہو جائیں[2]، چنانچہ سب لوگ اس طرف دوڑے، اور جو افسران اپنی پلٹن کی صرف تنبیہ و فہمائش کی غرض سے گئے وہ متاع حیات کھو بیٹھے۔ الیگزینڈر کمشنر اور گتھری مجسٹریٹ تقریباً تیس آدمیوں کے ہمراہ گھوڑوں پر سوار ہو کر نینی تال روانہ ہو گئے[3]۔ ہندوستانیوں میں انگریزوں کا وفادار شیخ بدرالدین کوتوال (بریلی) تھا، اس نے انگریزوں کی وفاداری اور امداد میں بڑی مستعدی دکھائی باہر کے سپاہیوں کو حتی الوسع شہر میں داخل نہیں ہونے دیا، اور کمشنر کے ہمراہ نینی تال پہونچا اور آخر تک وہیں مقیم رہا جب انگریزوں کی فتح ہو گئی تو دوسرے انگریز افسروں کے ساتھ یہ بھی بریلی آیا اور آنولہ کا تحصیلدار مقرر ہوا[4]۔

انقلابیوں نے تھوڑی سی دیر میں میگزین اور سرکاری خزانہ اپنے قبضہ میں لے لیا کوٹھیوں اور بنگلوں کو انگریزوں کی نشانی سمجھ کر ختم کر دیا۔ سرکاری دفتر کو نذر آتش کیا[5] جیل خانہ توڑ ڈالا۔ میر سیف اللہ تھری نے جیل کا دروازہ کھول دیا[6]۔ دروازے کے اوپر جو مکان تھا لوگوں نے اسے ڈھا دیا... ۳۵ قیدی آزاد ہو گئے[7]۔ بقول شمس العلماء منشی ذکاء اللہ:

---

[1] گزیٹیر ضلع بریلی۔ ص ۱۶۱ [2] جب یہ لوگ بہیڑی پہونچے تو ان کو جلے ہوئے بنگلے ملے۔ بہیڑی کے پیشکار سے خزانہ طلب کیا۔ اس نے روپیہ دینے سے صاف انکار کر دیا ناچار آگے بڑھ گئے۔ تھوڑی دیر کچھا میں ٹھہرے صبح کو ہلدوانی پہونچے۔ (یکم جون ۱۸۵۷ء) کل ۲۸ یوروپین تھے۔ پلٹن ۸ کے چند وفادار سپاہی اور بدرالدین کوتوال ساتھ تھا گزیٹیر ضلع بریلی، ص ۱۶۳ [3] لائل محمڈنس آف انڈیا (میرٹھ ۱۸۶۱ء)، حصہ سوم از سر سید احمد خاں و گزیٹیر بریلی ص ۱۶۳۔ [4] اخبار الصنادید جلد دوم ص ۲۶ [5] و [6] تاریخ روہیلکھنڈ از منشی عبد العزیز خاں عاصی بریلوی (کراچی ۱۹۶۳ء)، ص ۲۱۰-۲۱۱

"فوج میں سب سے زیادہ جہاد کی تبلیغ کرنے والا محمد شفیع تھا
جو عقائد کی رو سے لوگوں کو بھڑکاتا تھا، محمد شفیع کے پاس
سبز جھنڈا تھا"

غرض چند گھنٹوں میں میدان صاف ہوگیا، اور انقلابیوں کی تجاویز کے مطابق تمام کام عمل میں آیا۔ اسی دن نواب خان بہادر خاں، مدار علی (ساکن کانکر ٹولہ) اور بخت خاں کی درخواست اور مشورہ سے ناظم روہیل کھنڈ مقرر ہوئے[1]۔ مسند نشینی کی رسم کوتوالی کے سامنے عمل میں آئی۔ مؤلف تاریخ روہیل کھنڈ لکھتے ہیں[2]۔

"ہوادار پر سوار ہوکر کوتوالی آئے" اجلاس کیا، شرفائے
بریلی نے نذریں دیں"۔

مسند نشین ہونے کے بعد انتظام حکومت درست کیا، فوج بھرتی ہونی شروع ہوئی، توپیں ڈھلوائی گئیں اور جا بجا تھانے اور تحصیلیں قائم ہوئیں[3]۔ خاں بہادر خاں کی حکومت میں درج ذیل عہدیدار مقرر ہوئے[4]

۱	خان بہادر خاں	گورنر روہیل کھنڈ
۲	مدار علی خاں	کمانڈر انچیف
۳	ہوری لال ابن سوبھا رام۔	بخشی فوج
۴	سوبھا رام۔	دیوان کل و عدالت اپیل اعلیٰ
۵	محمد یوسف خاں	رسالدار
۶	حسین	کوتوال
۷	محمد احسن خاں	منصف

---

[1] و [2] تاریخ روہیل کھنڈ۔ ص ۲۱۱ [3] اخبار الصنادید جلد دوم ص ۳۰۳ و گزیٹیر ضلع بریلی۔ ص ۱۷۳

[4] تاریخ روہیل کھنڈ۔ ص ۲۱۴

نواب خان بہادر خاں شہید

(۸) محمد امین خاں	صدر امین
(۹) مظفر حسین ۔	صدر الصدور ۔
(۱۰) مولوی سید احمد بدایونی	مفتی
(۱۱) ملّا منیر	ملّائے قرآنی
(۱۲) حافظ کالے خاں	دُرّے لگانے والا
(۱۳) مولوی حید ر علی	روز نامچہ نگار ۔ (تاریخ غدر ہندی کا مؤلف)

خاں بہادر خاں نے فوجی انتظام کی طرف سب سے زیادہ توجہ دی اور وار کونسل قائم کی جس کے ممبران (۱) کرامت خاں (۲) اکبر علی خاں (۳) غلام حمزہ (۴) پنڈت اوجھر تیغ ناتھ (۵) مظفر حسین خاں (صدر علی) (۶) جعفر علی خاں (۷) جے مل (۸) کلب علی شاہ ۔ انتظامیہ کونسل میں خود (۱) خاں بہادر خاں (۲) سوبھا رام (۳) مدار علی (۴) احمد شاہ خاں ۔ اور (۵) مبارک شاہ خاں تھے[۱]

مواضعات نگریا پٹی اور بھگوتا پور کے میواتیوں کی فوج تیار کی[۲] گیارہ کا جے مل سنگھ خاں بہادر خاں کا بہت مددگار تھا، اس کی کمان میں جنگھارہ ٹھاکروں کی ایک رجمنٹ تیار کرائی[۳]

خاں بہادر خاں کو سخت مالی مشکلات تھیں لہٰذا رعایا پر عشر قائم کیا مفتی عنایت احمد کاکوروی اور مولوی امانت حسین نے فتویٰ دیا اور پنڈت اوجھر تیغ ناتھ نے بھی تائیدی تحریر لکھی۔

خاں بہادر نے سپاہی کے چھ روپئے ماہوار اور سوار کے بیس روپئے ماہوار مقرر کئے تھے[۴]

---

[۱] فریڈم اسٹرگل (جلد پنجم) صہ ۲۸۵ [۲] تاریخ روہیل کھنڈ ۔ صہ ۲۱۴

[۳] گزیٹیر ضلع بریلی صہ ۱۷۴ [۴] فریڈم اسٹرگل (جلد پنجم) صہ ۲۸۶ [۵] تاریخ روہیل کھنڈ صہ ۲۱۴

غرض کہ فوجی اعتبار سے بریلی کی حالت اچھی تھی[1] جس کا ثبوت سرکاری ریکارڈ سے بھی ملتا ہے[2]

نواب خان بہادر خاں نے جنرل بخت خاں کو فوج کے ساتھ دہلی بھیجنا تجویز کیا، اور بادشاہ ابوظفر بہادر شاہ کے حضور میں ایک عرضی پروانہ نظامت کے متعلق بھیجی جو بادشاہ نے منظور کر لی[3]۔ بادشاہ نے بہادر خاں کو "نواب انتظام الدولہ خاں بہادر تنویر جنگ رئیس اعظم روہیل کھنڈ" کا خطاب عطا فرمایا۔ نواب خان بہادر خاں نے اپنی مہر پر "الحکم للہ والملک للہ" کندہ کرایا تھا، اور ایک مہر پر یہ سجع تھا" شدیم خان بہادر بہ ذوالفقار علی[4]"۔ خان بہادر خاں نے اپنا سکہ جاری کیا[5]۔

چونکہ خاں بہادر خاں کے دادا حافظ رحمت خاں روہیل کھنڈ کے حکمراں رہ چکے تھے اور یہ پرانے رئیس تھے لہذا انہوں نے ملحقہ اضلاع میں اپنی حکومت قائم کرنے کا انتظام کیا۔ اب ملحقہ اضلاع کا حال ملاحظہ ہو۔

---

[1] ظہیر دہلوی آنکھوں دیکھا حال لکھتے ہیں۔ "رام پور کے تیس ہزار آدمی بریلی میں ملازم ہیں۔ اور مردمان رام پور کا یہ حال ہے کہ ایک ایک تھان کا دوپٹہ سر سے بندھا ہوا ہے اور اس پر گوٹا لگا ہوا ہے، آدھا دوپٹہ سر سے بندھا ہوا ہے اور آدھا گھوڑے کی رکاب سے نیچے لٹکتا ہوا ہے، اور چار چار طپنچے کمر میں لگے ہوئے ہیں دوہری تلواریں ڈاب میں لٹکی ہوئی گھوڑوں پر سوار ہیں اور شہر میں گھوڑے کداتے پھرتے ہیں۔ پچاس ہزار سوار کا اجتماع بریلی میں موجود ہے۔" داستان غدر (لاہور ۱۹۵۵ء) صفحہ ۱۸۷ و صفحہ ۱۸۸ اور نجم الغنی خاں رامپوری لکھتے ہیں کہ اہل رام پور کے غول جاتے تھے اور نوکر ہوتے تھے۔ اخبار الصنادید جلد دوم صفحہ ۲۴۵ [2] فریڈم اسٹرگل جلد پنجم، صفحہ ۲۹۰۔ ۳۱۱ [3] ۲۱ جون ۱۸۵۷ء کو بادشاہ کی طرف سے سند نظامت موصول ہوئی (گزیٹیر بریلی صفحہ ۱۱۵) [4] حکیم نجم الغنی خاں نے "نواب انتظام الدولہ خان بہادر نزبر جنگ رئیس اعظم روہیل کھنڈ" لکھا ہے، اخبار الصنادید جلد دوم، صفحہ ۲۴۰، [5] حیات حافظ رحمت خاں صفحہ ۳۶۴ [6] فریڈم اسٹرگل، جلد پنجم، صفحہ ۲۹۹

آنولہ ضلع بریلی میں آنولہ ایک قدیم اور مشہور قصبہ ہے۔ چونکہ روہیلوں کے زمانہ میں یہ صدر مقام رہا تھا اس لئے اس کی اہمیت زیادہ تھی۔ روہیلہ سرداروں کی اولاد بھی وہاں رہتی تھی۔ مسلمانوں کی اس قصبہ میں اکثریت تھی سب نے خان بہادر خاں کی حکومت کو خوش آمدید کہا، آنولہ میں خان بہادر خاں نے نواب کلن خاں نبیرہ بخشی سردار خاںؒ کو ناظم بنایا۔ نواب کلن خاں بڑے بہادر اور جری آدمی تھے۔ شکل و صورت اور موزونی جسم میں بھی اپنی مثال آپ تھے، انتظامی قابلیت بھی خوب تھی حکیم عبدالغفورؒ مرحوم مؤلف "سوانحات المتاخرین آنولہ" لکھتے ہیں

"نہایت شکیل وجمیل اور سجیلے جوان تھے۔ اپنے دوست حکیم جان محمدؒ کے مزار پر اکثر فاتحہ خوانی کرنے جاتے تھے بازار کے دن کٹھرکی والی مسجدؒ کی فصیل پر جب بیٹھا کرتے تو بازار آنے والی عورتیں ان کے حسن وجمال کا نظارہ کیا کرتی تھیں والد صاحبؒ ان کی قوت کا حال بیان کرتے تھے کہ جوانی میں ٹھکی سے

ؒ بخشی سردار خاں ولد بیگم خاں کمالزئی، داؤد خاں کے ہمراہ روہ سے ہندوستان آئے بڑی بہادری کے کام کیے داؤد خاں کے بعد نواب علی محمد خاں نے اپنی رفاقت میں رکھا اور جب کٹھیر پر نواب کا قبضہ ہوگیا تو وہ بخشی مقرر ہوئے، بڑے متقی، عابد، زاہد، سخی اور شجاع تھے۔ نماز کے پابند تھے، آنولہ میں چار مسجدیں ان سے یادگار ہیں۔ جامع مسجد آنولہ محلہ کٹرہ اینٹ میں دفن ہیں ۱۴ ربیع الاول ۱۱۸۰ھ کو فوت ہوئے۔ اخبار الصنادید جلد اوّل از حکیم نجم الغنی خاں (لکھنؤ ۱۹۱۸ء) ص۳۲۶۔ ؒ حکیم عبدالغفور بن ملا قادر بخش نہایت ذی علم بزرگ تھے علم طب میں خوب دستگاہ حاصل تھی تصنیف وتالیف کا بھی شوق تھا، رسالہ تنبیہ المتکبرین اور سوانحات المتاخرین آنولہ ان سے یادگار ہیں ۴ اگست ۱۹۶۲ء کو انتقال ہوا اسّی سال سے متجاوز عمر پائی۔ ؒ مؤلف سوانحات المتاخرین کے دادا کے بھائی تھے۔ اور نواب کلن کے دوست تھے۔ ؒ مسجد واقع کٹرہ (بازار دت رام) ؒ مولوی قادر بخش (المتوفی ۱۳۲۰ھ)

مقبرہ نواب علی محمد خاں (آنولہ)
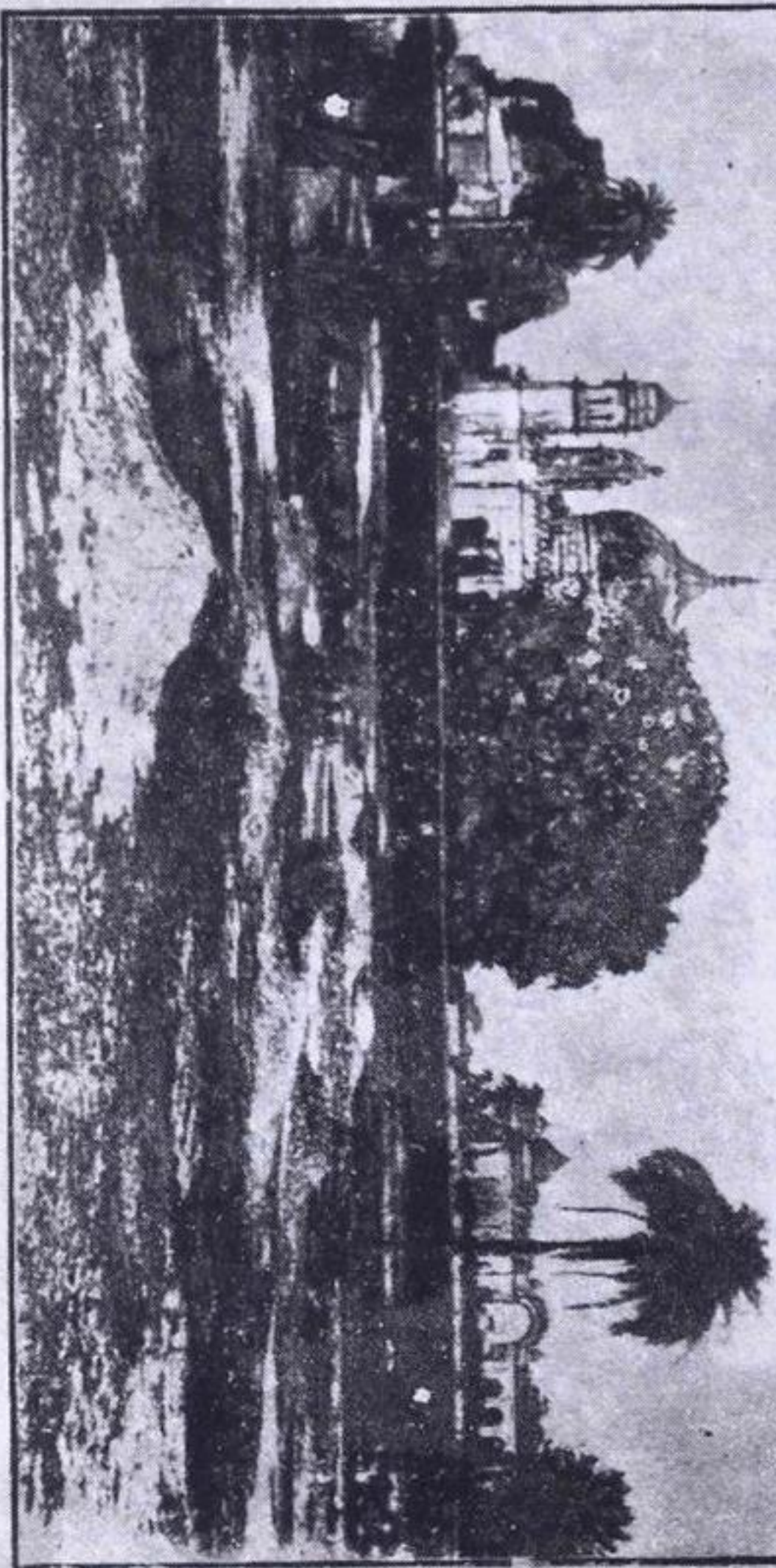
روپیہ ٹیڑھا کر دیتے تھے اور سینہ پر بندوق رکھ کر دونوں ہاتھوں سے دبا کر لپادیا کرتے تھے۔ راقم الحروف نے ان کو بڑھاپے میں دیکھا۔ نمازی تھے کسی قدر نشہ کے عادی تھے۔"[1]

انتظامی امور کے سلسلہ میں حکیم عبدالغفور مرحوم لکھتے ہیں[2]۔

"غدر ۱۸۵۷ء میں جب نواب کلن خاں کو نواب بنایا گیا تو کچھ روز نہایت شان و شوکت سے حکومت کی ملازمین برطانیہ پر بھی قابو تھا، مخالفین کو معقول سزائیں بھی دیتے تھے۔"

نواب کلن خاں کے ساتھیوں میں مولوی محمد اسمٰعیل، غالب علی خاں شیخ خیراللہ اور حکیم سعید اللہ خاص طور سے قابلِ ذکر ہیں۔ مولوی محمد اسمٰعیل صدر شریعت تھے غالب علی خاں بڑے با اثر روہیلہ سردار تھے۔ جب فیروز شاہ شہزادہ قصبہ میں آیا تو غالب علی خاں نے شہزادہ فیروز شاہ کی فوج کی ضیافت کے تمام مصارف اپنے ذمہ لئے شیخ خیراللہ بڑا مرد مجاہد تھا۔ ارلا کے ٹھاکروں نے جب سرکشی کی تو شیخ خیراللہ نے ناک چنے چبوا دیئے۔

حکیم سعید اللہ نے اس تحریک میں بڑا کام کیا، مولوی سرفراز علی اور مولانا کفایت علی مراد آبادی سے ان کے تعلقات تھے حکیم صاحب کے پاس مولانا کافی آنولہ میں جہاد کے فتوے کی اشاعت کے لئے تشریف لائے۔ مولانا کفایت علی کافی کی مشہور کتاب بہارِ خلد، شرح شمائل ترمذی کا مسودہ اوّل اور مولانا سرفراز علی کا ایک مکتوب حکیم صاحب کے ذخیرۂ علمیہ میں محفوظ تھا جو ہمیں ملا۔ لکھرا اور کنپلا (ضلع فرخ آباد) میں بھی حکیم صاحب لڑے۔ حکیم سعید اللہ مرحوم کا تفصیلی حال

---

[1] سوانحات المتاخرین آنولہ از حکیم عبدالغفور قلمی مملوکہ محمد ایوب قادری، ص ۴۲ [2] ایضاً

باب ۱۴م میں درج کیا گیا ہے۔

سید مصطفیٰ علی بریلوی لکھتے ہیں[۱]۔

"آنولہ کے مجاہدین میں حکیم سعید اللہ نے اپنے ہم عصروں میں سب سے زیادہ نام پیدا کیا۔ وہ شہزادہ فیروز شاہ کی معیت میں فرخ آباد کی جنگ آزادی میں شریک جدال و قتال رہے، انہوں نے بریلی کے آخری مقابلہ میں بھی داد شجاعت دی، جب جنگ آزادی ناکام ہوگئی تو روپوش رہے جب عام معافی کا اعلان ہوا تو ظاہر ہوئے اور کافی مدت تک حیات دنیوی کی نیرنگیاں دیکھ کر ۱۹۰۷ء میں راہی عالم بقا ہوئے"

نواب کلن خاں کے متعلق حکیم عبدالغفور مرحوم لکھتے ہیں[۲]

"(بعد غدر) حکیم سعادت علی خاں کی شان و شوکت دیکھ کر نواب کلن خاں حیران تھے۔ اور خوف و ہراس میں راہ نجات تلاش کرتے تھے۔ یہ تحقیق نہیں کہ نواب صاحب اور حکیم صاحب کی ملاقات ہوئی یا نہیں، لیکن یہ معتبر ذرائع سے سنا کہ نواب صاحب کی جان حکیم صاحب نے بچائی، یعنی جب غدر ختم ہو کر برطانیہ کا تسلط ہوا اور باغیوں کو سزائیں دی جانے لگیں تو آنولہ بھی بغاوت کا مجرم تھا، یہاں بھی گرفتاریاں اور سزائیں دی جانے لگیں، لیکن بلا قصور عوام الناس گرفتاریوں سے بری تھے، اکثر باغیوں نے فرار ہو کر اپنی جان بچائی نواب کلن خاں

---

[۱] نواب خان بہادر خاں شہید از مصطفیٰ علی بریلوی (کراچی ۱۹۶۳ء) ص ۲۵ [۲] مکتوب مولوی حکیم عبدالغفور بنام محمد ایوب قادری۔ مورخہ ۲۲ مئی ۱۹۵۳ء نیز دیکھئے سوانحات المتاخرین آنولہ ص ۸۶

دوسبب سے گرفتار نہیں کئے گئے ایک حکیم سعادت علی خاں صاحب کی نظر عنایت سے دوسرے فرار ہو جانے کی وجہ سے، نواب صاحب شکل وصورت اور موزونی صورت میں اپنی مثال آپ تھے سو سال سے عمر تجاوز کر گئی تھی لیکن جسم پر کہیں نہ جھری نہ چہرے پر شکن، دانت بجنسہٖ موجود تھے سیاہ خضاب کر لینے کی وجہ سے اچھے خاصے جوان معلوم ہوتے تھے، بعد دوپہر اپنے دوست عنایت اللہ خاں کے ساتھ آنولہ کی گشت کرتے تھے خوش پوشاک تھے، ادنیٰ اور اعلیٰ سے مساویانہ ملتے تھے، لوگوں میں ذکر ہوتا تھا کہ منشیات یعنی افیون وغیرہ بھی کھاتے ہیں ذریعہ معاش معلوم نہ ہو سکا افواہاً سنا گیا کہ حکیم سعادت علی خاں نے اپنی جیب خاص سے یا ریاست رامپور سے وظیفہ مقرر کرا دیا تھا۔ جس پر گزر اوقات ہوتی تھی۔ آنولہ میں ان کے نسب کا وجود نہیں اور ہو تو مجھے معلوم نہیں۔ سن اور تاریخ وفات صحیح یاد نہیں۔ اندازہ ہے کہ ان کے انتقال کو ابھی پچاس سال نہیں ہوتے ہیں۔

قصبہ کے حریت پسند گروہ کے لئے ایک سخت مشکل کا سامنا تھا۔ صورت یہ تھی کہ اسی قصبہ کے ایک نامور رئیس حکیم سعادت علی خاںؔ ریاست رام پور کے مدار المہام تھے اور سرکار انگریزی کی بڑی خدمات انجام دے رہے تھے، لہٰذا ان کی طرف سے

ؔ حکیم سعادت علی خاں ابن حکیم مردان علی، بڑے ہوشمند اور لائق شخص تھے، پہلے بدایوں میں تحصیلدار رہے۔ جب نواب محمد سعید خاں نے رام پور کا انتظام سنبھالا تو ان کو اپنی ریاست میں لے گئے وہاں حکیم صاحب نے بڑی ترقی کی ۱۸۵۷ء میں انگریزی حکومت کی خدمات انجام دیں (باقی اگلے صفحہ پر)

حریت پسند گروہ کے لئے ہمہ وقت مشکلات پیدا کی جاتی تھیں، قصبہ کا صرف ایک گروہ من حیث المجموع حکیم صاحب کی ہدایت کے مطابق کام کرتا تھا، یہ لوگ چوبرجی کے رہنے والے تھے۔ جولائی ۱۸۵۷ء میں حکیم سعادت علی خاں رامپور کے سپاہیوں کے ساتھ آنولہ آئے[1] اور پھر واپس چلے گئے۔ جب تحریک کا آغاز ہوا تھا تو سعادت علی خاں کے دو چھوٹے بھائی ہدایت علی اور محب علی نے انقلابی تحریک سے متعلق خبریں کمشنر بریلی کو پہونچائیں[2]۔

فیروز شاہ شہزادہ آنولہ میں دو دن میر والے باغ میں مقیم رہا۔ آج کل اس باغ میں رام لیلا کا میلہ لگتا ہے پھر بدایوں ہوتا ہوا مراد آباد چلا گیا۔

ایک معمر بزرگ مولوی اسد علی خاں مرحوم اپنے ایک مکتوب میں لکھتے ہیں[3]

"شہزادہ فیروز شاہ آنولہ میں ایک دن اور ایک رات مقیم رہا
اس کا قیام میر والے باغ میں ہوا، یہ وہ باغ ہے جس میں
آج کل رام لیلا لگتا ہے بڑا وسیع اور گھنا باغ ہے شہزادہ کے

(باقیماندہ نوٹ صفحہ گزشتہ) پانچہزار کا خلعت اور دس ہزار روپیہ کی زمینداری عطا ہوئی۔ ۱۲۰۳ھ میں آنولہ میں انتقال ہوا۔ قصبہ سے جنوب و مشرق کی جانب مقبرہ بنا ہوا ہے۔ اخبار الصنادید جلد دوم ص۹۹ - ۱۰۰ اسوانحات المتاخرین آنولہ ص۷ - ۶ خطبہ صدارت جمعیتہ شبان المسلمین آنولہ ۱۹۴۳ء از حکیم معظم علی خاں (بریلی ۱۹۴۵ء) ص۵ [1] جب شجاع الدولہ نے روہیل کھنڈ پر قبضہ کیا قلعہ کی اس عمارت میں اودھ کے کئی شیعہ خاندان لبسا دیئے گئے تھے [2] اخبار الصنادید جلد دوم ص۵۵۳ [3] مولوی اسد علی خاں ولد غلام نبی خاں ۱۸۵۷ء میں ۱۸ سال کے تھے رامپور وطن تھا تمام عمر آنولہ میں گزاری فارسی کے کلاسیکی ادب پر گہری نظر تھی پشتو سے بھی واقف تھے ۱۹۵۶ء میں انتقال ہوا۔ راقم الحروف نے فارسی کی ابتدائی کتابیں مولوی اسد علی خاں سے پڑھیں [4] مکتوب اسد علی خاں بنام محمد ایوب قادری ۱۵ اپریل ۱۹۵۲ء

ساتھ تقریباً پانچ ہزار آدمی جمع تھے باشندگان آنولہ نے شہزادہ اور اس کے آدمیوں کی بڑی مدد اور خاطر و تواضع کی، آنولہ کے سربراہ کاروں میں غالب علی خاں، نواب کلن خاں، سید وارث علی، مولوی محمد اسمٰعیل، حکیم سعید اللہ نواب حسن، نواب جان محمد اور شیخ خیر اللہ، سب پیش پیش تھے آنولہ کے لوگوں نے کھانا تیار کرایا، عام کھانے کے ساتھ ساتھ شہزادہ اور اس کے خاص آدمیوں کے لئے پلاؤ اور زردے کی دو دیگیں تیار کرائیں، شہزادہ نے اپنے اہتمام سے ساتھیوں کو کھانا تقسیم کیا۔ اور اس میں ہر سپاہی کو پلاؤ اور زردہ بھی بھجوایا، جب شہزادہ سے کہا گیا کہ چاول تو آپکے خاص لوگوں کے لئے تھے، شہزادہ نے جواب دیا کہ میں بھی ایک سپاہی ہوں جو سب سپاہیوں کو کھانا ملے گا وہی میں کھاؤں گا شہزادہ کا یہ لشکر دوسرے دن محلہ کٹرے سے گزرا، کھڑکی والی مسجد کے پاس پانی کا ایک گھرا گڑھا تھا، شہزادہ کا گھوڑا چمک گیا اور اتفاق سے شہزادہ کی انگوٹھی کا فیروزہ اس گڑھے میں گر گیا شہزادہ کو اس کا سخت افسوس ہوا۔ چار گھنٹے اس جگہ قیام رہا، اس گڑھے کی تلاشی ہوئی مگر وہ فیروزہ نہ ملا سخت مایوسی ہوئی عصر کی نماز کھڑکی والی مسجد میں ادا کی اور تمام مسلمانان آنولہ کو مخاطب کر کے ایک زوردار تقریر کی جس میں سارا زور جہاد پر دیا گیا تھا، ایک مدت تک یہ جگہ "شہزادہ کا ننگر" کہلائی۔

پیلی بھیت

پیلی بھیت میں اس وقت مسٹر کارمیکل مجسٹریٹ متعین تھا اس پیلی بھیت کی حیثیت ایک پرگنہ کی تھی اتفاق سے کارمیکل اس

زمانے میں پیلی بھیت میں موجود نہ تھا بلکہ نینی تال میں تھا۔ جیسے ہی اُسے میرٹھ وغیرہ کے حالات معلوم ہوتے تو وہ فوراً پیلی بھیت پہونچا۔ اور پولس اور سوار بھرتی کئے اس وقت مسلمانوں میں سخت جوش تھا۔ گزیٹر پیلی بھیت میں ہے۔

"مسلمانان پیلی بھیت بہت جوش کی حالت میں تھے جس کا
اندازہ ان اشتہارات سے ہوتا ہے جو عید کے دن جامع مسجد
اور عیدگاہ میں چسپاں ہوئے تھے۔"

پیلی بھیت کے مشہور بزرگ محمد شیر میاںؒ کے ماموں نعمت شاہ نقشبندی ایک فقیر اور مجذوب شخص تھے، وہ انقلاب سے کئی سال پہلے اپنے گلے پر انگلی پھیر پھیر کر فرماتے تھے کہ مخلوق پر قتل ہے مخلوق پر تباہی ہے[۱]"

کارمیکل نے حفاظتی انتظامات کئے ہتھیاروں پر پابندی عائد کردی یکم جون کو جب اسے بریلی کے واقعات کا علم ہوا کہ وہاں خان بہادر خاں کی حکومت قائم ہوگئی، اور یوروپین افسر بھاگ گئے تو اس نے اپنے بچوں کو پولیس کی حفاظت میں نینی تال بھیجدیا اور اسی دن خود بھی نینی تال بھاگ گیا۔ دوسرے افسر بھی فرار ہو گئے۔

پیلی بھیت سے بھی انگریزی حکومت کلیتاً ختم ہوگئی۔ اور خان بہادر خاں کی حکومت قائم ہوگئی۔ مگر راجپوتوں نے مکمل طور سے تعاون نہیں کیا مجسٹریٹ کارمیکل کے جانے کے بعد پیلی بھیت کا ناظم فضل حق کو بنایا گیا۔ پھر ابوالحسن ناظم مقرر ہوئے اور منصور خاں نائب ناظم مقرر ہوئے

خان بہادر خاں نے محاصل کی تحصیل کے لئے اپنا عملہ مقرر کیا بیسلپور میں پورنانند کو مقرر کیا جولائی میں اس کی بجائے علی محمد خاں کا تقرر کیا گیا۔ وہ بھی زیادہ کامیاب نہ ہوئے تو ان کی بجائے بریلی سے ایک فوجی جمعیت کے ساتھ مدار علی خاں بھیجے گئے جنہوں نے راجپوتوں کو سیدھا کر دیا۔ جہاں آباد کی تحصیل احمد یار خاں کے سپرد ہوئی بعد کو اس جگہ فخر الدین مقرر ہوتے جو پہلے پیشکار رہ چکے تھے اس کے بعد ظفر یار خاں مقرر ہوئے

۱؎ مقامات الاولیاء مرتبہ شرافت علی لکراوی (بریلی ۱۳۵۶ھ) صہ ۱۲

دو مہینے کے بعد ایوب خاں کا تقرر ہوا جو تحریک کے اخیر تک رہے۔ پہلے جہاں آباد کا تحصیلدار کاشی رام تھا جو بریلی آگیا[1] بیلی بھیت کے عبدالرحمٰن خاں اور بشیر خاں اور شیر پور کے الہ نور خاں محمد یار خاں اور حضرت نور خاں پسران محمد نور خاں سرکار انگریزی کے انتہائی وفادار رہے، اور ان کو انعام و اعزاز بھی ملا[2]

حضرت نور خاں کے صاحبزادگان منگل خاں اور بالا خاں تھے۔

بدایوں بدایوں شمالی ہند کا مشہور قدیم تاریخی شہر اور سالار مسعود غازی کے مفتوحہ مقامات میں سے ہے۔ شمس الدین التتمش یہاں کا گورنر رہا اور اس کے آثار اس وقت بھی بدایوں میں موجود ہیں[3]۔ سلطان علاؤ الدین نے تخت دہلی چھوڑ کر بدایوں میں توطن اختیار کر لیا۔ علم و فضل کے اعتبار سے بڑے بڑے نامور علماء و فضلاء و شعراء و صوفیہ اس سرزمین سے اٹھے[5]۔ غرض بدایوں اسلامی تہذیب و تمدن کا مرکز رہا ہے اور اس شہر میں مسلمانوں کی اکثریت تھی۔

بدایوں کے مفصلات میں ۱۹ مئی ۱۸۵۷ء سے لوٹ مار شروع ہو گئی مگر شہر میں سکون تھا۔ ضلع مجسٹریٹ ولیم ایڈورڈس (William Edwards) گھبرا رہا تھا وہی ذمہ دار انگریز افسر تھا۔ ۲۵ مئی ۱۸۵۷ء کو عید الفطر تھی مجسٹریٹ ضلع کو خبر ملی کہ اہل اسلام نماز عید پڑھ کر بلوہ کریں گے، اس نے اپنی حماقت سے اسکے دفعیہ کی یہ تدبیر کی کہ شہر کے سرآوردہ حضرات کو بلا کر اپنے بنگلہ پر بٹھا لیا، اس نے مختلف نوع

---

[1] فریڈم اسٹرگل (جلد پنجم)، ص ۳۲۶ ہزفیلی، مطبوعہ بریلی ۱۹۱۵ء (انگریزی)، سے ماخوذ ہیں۔

[2] کاپیز آف سرٹیفکٹس، اسد اللہ خاں اینڈ

[3] یہ واقعات زیادہ تر گزیٹیر پیلی بھیت

[4] بدایوں میں جامع مسجد شمسی، عیدگاہ شمسی اور حوض شمسی، التتمش کے عہد کی یادگار ہیں۔

[5] شہاب الدین مہرہ، حضرت شیخ نظام الدین اولیاء، اور ملا عبد القادر بدایونی کے اسماء تاریخ میں شہرت دوام کا درجہ رکھتے ہیں۔

کی گفتگو کی کہ نماز کا وقت گذر گیا[1] مگر مجسٹریٹ کی حماقت سے سخت تنفر اور انتقام کا جذبہ پیدا ہو گیا[2]

۲ر جون ۱۸۵۷ء کو بریلی سے ایک دستہ فوج[3] جو انگریزوں کے خلاف تھا، آیا اس نے انگریزی نظام حکومت کو ختم کر دیا، خزانہ پر قبضہ کر لیا جیل خانہ سے قیدیوں کو آزاد کر دیا، پولیس والے وردیاں پھینک پھینک کر بھاگ گئے[4] مجسٹریٹ ضلع ایڈورڈس ڈپٹی فرار ہو گئے اول شیخو پور پہونچے اور وہاں شیخ شرف الدین نے ان کو پناہ دی، اس کے بعد ضلع مجسٹریٹ شیخ صاحب کے گاؤں گکوڑہ[5] رہے اور پھر ضلع ایٹہ کی طرف چلے گئے بریلی سے آنیوالی فوج نے انگریزوں کو تلاش کیا اور شیخو پور تک گئی مگر شیخ شرف الدین کے یہاں سے یہ لوگ جا چکے تھے[6]

---

[1] ولیم ایڈورڈس اپنے خود نوشت حالات میں لکھتا ہے۔ "میں نے ان کو باتوں میں لگا لیا۔ اور ان کے ساتھ مباحثہ کرنے لگا، اور سب سے بڑھ کر تو یہ کیا کہ ان کو ایک دوسرے سے توڑ لیا۔ کیوں کہ یہ تو مجھ کو معلوم تھا ہی کہ ان میں سے بہتیروں میں باخود باہم بڑی عداوت ہے۔ الغرض میں نے ایسا بندوبست کیا کہ ان کا خیال بانٹ دیا۔ یہانتک کہ جو وقت ہنگامہ بازی کے لئے مقرر تھا ٹل گیا" مصائب غدر ترجمہ مولوی نذیر احمد دہلوی (مطبوعہ نولکشور لکھنؤ ۱۸۹۶ء) ص ۳-۵

[2] ایک شخص نجو خاں جب مراد آباد کے جیل خانہ سے چھوٹ کر آیا تو مجسٹریٹ بہت گھبرایا۔ یہ نجو خاں انقلابیوں کی جماعت میں پیش پیش رہا۔ (مصائب غدر) ص ۲ [3] مصائب غدر ص ۱۲ [4] بدایوں ۱۸۵۷ء میں از مولوی محمد سلیمان بدایونی (کراچی ۱۹۶۰ء) ص ۴۲ [5] مصائب غدر، ص ۱۷-۱۸، [6] شیخ شرف الدین بدایوں کے بڑے زمیندار تھے انہوں نے ایڈورڈس کلکٹر ضلع اور اس کے خاندان نیز اسٹیوارٹ انگریز کو اپنی جان پر کھیل کر مہینوں پناہ دی ان کو ۳ ہزار کا خلعت ۲۵۰۰ روپیہ سالانہ معافی کا گاؤں اور سی، آئی، ای کا خطاب ملا ۱۸۶۳ء میں انتقال ہوا ان کے دو صاحبزادے خان بہادر شیخ انتظام الدین ڈپٹی کلکٹر اور شیخ امیر احمد ہوئے، آخر الذکر کے صاحبزادے ہمارے کرم فرما شیخ وحید احمد مسعود ہیں جو مختلف کتابوں کے مصنف ہیں۔ ان کی حالیہ تالیف (باقی اگلے صفحہ پر)

بدایوں میں انگریزی حکومت ختم ہو جانے کے بعد عجیب افراتفری رہی مگر مولوی فضل رسول بدایونی نے کچھ انتظام برقرار رکھا اور لوگوں کی جان و مال بچانے کی کوشش کی۔ جبیب الاخبار بدایوں مورخہ ۲۵ جون ۱۸۵۷ء مطابق ۳ ذی قعدہ ۱۲۷۳ھ رقمطراز ہے۔[1]

چونکہ مقدس عالم اور صوفی مولوی فضل رسول نے اعلیٰ انتظامات کئے لہٰذا کوئی ناقابل مدافعت خاص واقعہ وقوع پذیر نہ ہوا انہوں نے اپنی جان پر کھیل کر لیٹروں اور غارتگروں کی غارت گری سے لوگوں کو بچانے میں اپنے اثر و رسوخ سے کام لیا اور سرکاری آدمیوں کی حفاظت اور امن کے لئے پوری کوشش کی۔

Because of the excellent arrangements made by the virtwous Divine and Mystic, Maulvi Fazal Rasul, no untoward Occurrence of any importance took place. He, to the risk of his own life, exerted himself to save the people from the ravages of the plunders and the dacoits and to ensure peace and security to the people of Government.

سرکاری ملازم بہاری لال سب ڈپٹی انسپکٹر ساکن بدایوں جو اس زمانے میں وہیں تھا، لکھتا ہے۔[2]

حقیقت میں موضع کھنک کے ٹھاکروں اور شیر علی نے موضع کھیڑا نوادہ کے مسلمان چودھریوں کی

In fact the Thakurs of Mouza Khutak, (Khunak) and Sherali with Musalman-

---

بقیہ نوٹ صفحہ گزشتہ "سید احمد شہید کی صحیح تصویر" (طبع لاہور ۱۹۶۲ء) ہے۔ ملاحظہ ہو لائل محمڈنس آف انڈیا حصہ اول از سرسید احمد خان (میرٹھ ۱۸۶۰ء)، نیز بدایوں ۱۸۵۷ء میں ص ۲۵

[1] فریڈم اسٹرگل حصہ پنجم ص ۲۲۱ [2] فریڈم اسٹرگل جلد پنجم، ص ۳۱۸

Chaudharis of Mauza Khera Nawada wanted to plunder the gentry of the town and thus to satisfy their own craze for such a work. But Maulvi Fazal Rasul's good administration saved Badaun from mishaps	ہمراہی میں چاہا کہ شہر (بدایوں) کے شرفار کو لوٹ لیں اور اس کام کے سلسلے میں اپنے خبط کو اس طرح تسکین بخشیں لیکن مولوی فضل رسول کے اچھے انتظام نے بدایوں کو مصیبت سے بچا لیا، مذکورہ
The said Maulvi is one of those good natured and saintly persons who are rare these days	مولوی ان نیک سیرت اور ولی صفت انسانوں میں سے ہیں جو آج کل نایاب ہیں۔

مولانا فضل رسول بدایونی کے سوانح نگار نے بھی اس واقعہ پر کشف و کرامات کا پردہ ڈالا ہے[1]۔ ورنہ حقیقت ظاہر ہے[2]۔

---

[1] اکمل التاریخ جلد دوم از مولوی یعقوب حسین ضیا قادری (بدایوں ۱۹۱۵ء) ص ۲۱۱ - ۲۱۲

[2] مولانا فضل رسول کے اس کارنامے کے بعد اس تحریک میں ان کا کوئی ذکر نہیں ملتا۔ ان کے حقیقی برادر نسبتی غلام حیدر (ف ۱۲۸۵ھ) بن قاضی امام بخش نے اس زمانے میں سہارنپور کے تحصیلدار کی حیثیت سے وفاداری اور خیر خواہی دکھائی خان بہادری کا خطاب و موضع بھڈولی جاگیر میں ملا۔ ڈپٹی کلکٹر ہوئے (بدایوں ۱۸۵۷ء میں ص ۵۶) فضل رسول کے بھانجے اور داماد مولوی فیض احمد بدایونی اس تحریک میں شریک رہے۔ مولانا مولوی فیض احمد کو تلاش کرنے قسطنطنیہ تک پہونچے وہاں اعزاز و اکرام پایا، اس کے بعد حیدرآباد پہونچے وہاں سترہ روپے یومیہ وظیفہ پایا، موروثی جائداد کا معافی نامہ کمشنر مراد آباد سے مولانا نے حاصل کیا۔ مولانا فضل رسول کو ردِ وہابیت (باقی اگلے صفحہ پر)

۱۷ جون ۱۸۵۷ء کو خان بہادر خاں نے عبد الرحمٰن خاں کو بدایوں کا ناظم مقرر کیا اور شیخ فصاحت اللہ نائب ناظم مقرر ہوئے۔[1] عبد الرحمٰن خاں ناظم نے سابقہ ملازمین کو ان کے عہدوں پر بحال رکھا۔ تفضل حسین، اشرف علی اور منشی محمود حسین پنشنر تحصیلداران کو بدایوں کا ڈپٹی کلکٹر مقرر کیا۔ منشی ذوالفقار الدین کو ڈپٹی مجسٹریٹ، رضی اللہ کو تحصیلدار بسولی، واجد علی کو تحصیلدار گنور اور باد اللہ خاں کو کوتوال شہر مقرر کیا۔[2] اوجھیانی کا تحصیلدار لچھمن سنگھ کو مقرر کیا۔ ولی داد خاں رسالدار اور چودھری تفضل حسین وکرامت اللہ کمیدان مقرر ہوئے۔ جنرل نیاز محمد خاں سپہ سالار اور عظمت اللہ خاں بخشی فوج مقرر ہوئے۔ جولائی میں مالگذاری کی وصولیابی کا کام شروع ہوا۔ خان بہادر خاں نے موضع کھٹولی کے ٹھاکر امراؤ سنگھ کو داتا گنج کا تحصیلدار مقرر کیا۔ مگر تحصیل کے ٹھاکروں نے خاندانی رقابت کی وجہ سے اس کی حکومت تسلیم نہیں کی اور متوازی حکومت قائم کرکے ہرلال سنگھ عرف ہلی سنگھ ٹھاکر ساکن موضع بکسینہ کو اپنا سردار بنالیا۔ اس نے اپنا لقب دھپو دھام اختیار کیا۔[3] اس اہیر نے مہر پر یہ سجع کندہ کرایا تھا

نیچے دھرتی اوپر رام   مہر کچہری، "دھپو دھام"

(بقیہ نوٹ صفحہ پچھلا)، میں خاص شہرت ہے ۱۲۸۹ھ میں انتقال ہوا (ملاحظہ ہو بدایوں ۱۸۵۷ء میں صہ ۵۲ صہ ۳، و اکمل التاریخ جلد دوم صہ ۵۲)، [1] گزیٹیر ضلع بدایوں (الہ آباد ۱۹۰۷ء)، صہ ۱۵۴

[2] ان عہدیداران کے حالات کے لئے دیکھئے "بدایوں ۱۸۵۷ء میں" صہ ۴۰ - ۵۰ نیز فریڈم اسٹرگل (جلد پنجم)، صہ ۳۱۹ [3] مولوی رضی الدین، کنز التاریخ (بدایوں ۱۹۰۷ء) صہ ۳۳۳

[4] جنگھارے ٹھاکروں میں یہ روایت مشہور ہے کہ کسی زمانے میں یہ لوگ اپنے سردار کیسا تھ بدایوں لوٹنے کیلئے آئے تھے۔ ان کے سردار کا نام دھپو دھام تھا، وہ بڑا جواں مرد اور شجاع تھا۔ اس کی بہادری کے سلسلے میں جو گیت گایا جاتا تھا اس میں ایک بیت یہ بھی تھا، اسی کو یہاں نقل کیا گیا ہے۔ گزیٹیر بدایوں صہ ۱۵۵ و بدایوں ۱۸۵۷ء میں صہ ۶۲

ہلی سنگھ نے ٹھاکروں کے ایک بڑے گروہ کے ساتھ بدایوں پر حملہ کیا مگر شہر کی سرحد پر شکست کھاکر بھاگ گیا[۱]۔ دوبارہ اگست کے مہینے میں پھر ان ٹھاکروں نے بدایوں پر حملہ کا قصد کیا، مگر بدایوں میں نواب کی فوج کا بہت اچھا انتظام تھا اور بدایوں توپوں سے لیس تھا، یہ معلوم ہو کر ان کی ہمتیں پست ہو گئیں گنور کے اہیر انگریزوں کے وفادار بنے رہے اور یہی حالت بسولی کے زمینداروں کی تھی۔ اگست ۱۸۵۷ء میں نواب خان بہادر خاں نے نبی خاں کو بسولی کا تحصیلدار مقرر کیا[۲]۔

زمینداران بسولی نے سرکشی کی، بدایوں سے مزید مدد گئی، مگر راستہ کے ٹھاکروں نے فوج کا مقابلہ کیا، جنرل نیاز محمد خاں تازہ دم فوج اور توپ خانہ آمدہ بریلی لے کر فوراً موقع پر پہونچا، اور ٹھاکروں کو شکست فاش دے کر عبرتناک سزائیں دیں اگست ۱۸۵۷ء میں عزیز احمد خاں ساکن رام پور نے پرگنہ سہسوان کا ٹھیکہ نواب خان بہادر خاں سے لے لیا تھا اس نے فوج اور توپخانہ رکھ کر رعب واقتدار قائم کیا[۳]۔

جنرل نیاز محمد خاں کے سپاہیوں نے موضع کھر کھولی کے ٹھاکروں کی شورش اور سرکشی کو بڑی بہادری سے دبایا۔ ادسہت اور سہسوان کی سزادہی کے لئے جنرل صاحب خود گئے، اور ان کے سرغنوں کی تادیب کر کے بقیہ پر تعزیری ٹیکس لگایا[۴]، اس طرح ضلع

---

[۱] مولوی محمد سلیمان بدایونی (ف ۱۹۲۳ء) لکھتے ہیں۔ "انگریز جب واپس آیا تو ہلی سنگھ نے اپنے کو انگریز کا خیر خواہ بن کر پیش کیا۔ ہلی سنگھ سے سوال کیا گیا کہ تم نے تو بادشاہی کا دعویٰ کیا تھا بیساختہ جواب دیا، میں اپنی قوم کا بادشاہ تھا، آپ کے ملک کا نہیں۔ انعام پایا۔ داتا گنج کا تحصیلدار بنایا۔" (بدایوں ۱۸۵۷ء میں) ص ۶۸-۶۹ [۲] کنز التاریخ۔ ص ۳۳۳

[۳] کنز التاریخ ص ۳۳۴ [۴] کنز التاریخ ص ۳۳۵ - ۳۳۵ [۵] نیاز محمد خاں امیٹھی کے باشندے تھے آخر وقت تک خان بہادر خاں کے ساتھ رہے۔ نیپال گئے اگر وہ مکہ معظمہ چلے گئے پھر بمبئی آگئے ۱۸۶۲ء میں گرفتار ہوئے بدایوں میں مقدمہ چلا، پھانسی کی سزا ہوئی اپیل کی، حبس دوام بعبور دریائے شور کی سزا ہوئی وہیں انتقال ہوا۔ فریڈم اسٹرگل (جلد پنجم) ص ۶۱-۶۲۔

بدایوں میں مکمل طور سے نواب خان بہادر خاں کی حکومت قائم ہوگئی ۔

شاہجہانپور

شاہجہاں پور میں میرٹھ کی فوج کے آزاد ہونے کی خبر ۱۵ ؍ مئی کو پہنچی انتظام پر پلٹن ۲۸ مقرر ہوئی شاہجہاں پور کا مجسٹریٹ M. Ricketts چھٹی پر گیا ہوا تھا۔ اور ۱۷ ؍ مئی کو آنے والا تھا۔ مسٹر Bramley اس کا قائم مقام[1] تھا۔ امام المجاہدین مولوی سرفراز علی شاہجہانپور ہی میں اس وقت[2] مقیم تھے انہوں نے جہاد کے لئے وعظ کہنے شروع کئے ۲۸ پلٹن کے سپاہی خاص طور سے مولوی صاحب کے وعظ سے متاثر ہوتے۔ ۲۵ ؍ مئی ۱۸۵۷ء کو عید الفطر کے دن افسران نے خزانہ لٹنے کی خبر سن کر اسپیشل گارڈ اور سنتری مضاعف کرنے کا حکم دیا[3]۔ اس حکم کو سپاہیوں نے بے عزتی اور بے اعتمادی پر محمول کیا۔ اور اس کے بعد وہ اور بھی دل اور ناراض ہوگئے۔ فوج نے ۳۱ ؍ مئی ۱۸۵۷ء کو گرجا گھر میں انگریزوں کو گھیر لیا مجسٹریٹ ضلع M. Ricketts کو ختم کرکے اپنی آتش انتقام کو بجھایا کپتان Sneyd موقع پر پہونچا، اس کے بعد سکھوں کا ایک وفادار دستہ انگریزوں کی مدد کو پہونچ گیا[4]۔ روضہ اور چھاؤنی کے بنگلے لٹ گئے انقلابیوں نے خوب داد شجاعت دی تمام انگریز افسر یا تو فرار ہوگئے یا پھر انہوں نے اپنی متاع حیات کو انقلابیوں کے سپرد کر دیا Jekins جوائنٹ مجسٹریٹ نے راجہ پوایاں کے یہاں پناہ لی[5] ۔ اور صرف امجد علی ایک ایسے سرکاری افسر تھے جو انگریز کے وفادار رہے ۔ انقلابیوں نے خزانہ پر قبضہ کر لیا جیل خانہ کے قیدیوں کو رہا کر دیا، انگریزوں کی حکومت ختم کر دی سارے دفاتر انقلابیوں کے قبضے میں تھے پورا شہر انکا ہم آواز تھا ۔

---

۱ شاہجہانپور گزیٹیر (انگریزی) طبع الہ آباد صفحہ ۱۴۰

۲ تاریخ شاہجہاں پور۔ از صبیح الدین میاں (لکھنؤ ۱۹۳۲ء) صفحہ ۱۲۹

۳ گزیٹیر شاہجہاں پور۔ صفحہ ۱۴۱ ۴ گزیٹیر شاہجہاں پور۔ صفحہ ۱۴۱ ۵ گزیٹیر شاہجہاں پور۔ صفحہ ۱۴۲

جب بریلی کی خبریں شاہجہاں پور پہونچیں کہ بریلی میں خان بہادر خاں کی حکومت قائم ہو چکی ہے تو خوانین شاہجہاں پور اور انقلابیوں نے نواب قادر علی خاں کو ناظم شہر بنایا[1] نواب قادر علی خاں نے ایک اعلان جاری کیا کہ انگریزی حکومت ختم ہو چکی ہے اور نئی حکومت نواب خان بہادر خاں ناظم روہیل کھنڈ کی قائم ہوئی ہے[2] ۔ ۱۶ر جون ۱۸۵۷ء کو نواب غلام قادر خاں بالنسہ (ضلع بستی) سے شاہجہاں پور پہونچے[3] نواب غلام قادر خاں، نواب بہادر خاں بانی شہر شاہجہاں پور کے خاندان سے تھے اور یہی سربراہ خاندان تھے وہ اس زمانے میں اپنے پیر سعادت علی خاں نبیرہ غلام علی بالنسوئی کے یہاں گئے ہوئے تھے، جب واپس ہوئے تو شاہجہاں پور کے حالات اور قادر علی خاں کی نظامت کا حال معلوم ہوا چونکہ نواب غلام قادر خاں شہر کے سربرآوردہ رئیس اور بڑی باوقار شخصیت تھے لہٰذا اہل خاندان، باشندگان شہر اور مجاہدین نے قیادت ان کے سپرد کی ان کے پیرزادگاں، رؤف میاں[4]، ظہور میاں پسر میاں سعادت علی نے بھی بڑی ہمت بڑھائی نواب خان بہادر خاں نے ان کو نظامت شاہجہانپور کی سند دی[5]، نواب قادر علی خاں ان کے حق میں دست بردار ہو گئے اور شریک و مددگار کی حیثیت سے تحریک میں شامل رہے۔ مجاہدین نے خوب زور پکڑا، نواب غلام قادر خاں نے انتظام بہت اچھی طرح کیا، نظام علی خاں، حامد حسن خاں اور خان علی خاں نائب ناظمان مقرر ہوئے فوج کا کمانڈر عبدالرؤف کو مقرر کیا، اور توپ خانہ کا انچارج نواب حشمت خاں کو گیا[6] دو ماہ کے بعد عبدالرؤف خاں مستعفی ہو گئے اور ان کی جگہ واجد علی مقرر کئے گئے۔ آخر میں فوج کی کمان نظام علی خاں کے سپرد ہوئی جو نہایت جری اور بہادر مجاہد اور شہباز نگر کے بانی شہباز خاں، کی اولاد سے تھے[7] حامد حسن خاں کی بجائے

---

[1] گزیٹیر شاہجہاں پور صہ ۱۴۳ ، [2] گزیٹیر شاہجہاں پور صہ ۱۴۳ ، [3] گزیٹیر شاہجہاں پور صہ ۱۴۳ ، [4] تاریخ شاہجہاں پور صہ ۱۲۹ ، [5] گزیٹیر شاہجہاں پور صہ ۱۴۳ و تاریخ شاہجہاں پور صہ ۱۲۹ [6] گزیٹیر شاہجہانپور صہ ۱۴۴ ، [7] تاریخ شاہجہانپور صہ ۱۳ و مرقع شہباز نگر از سید ایوب احمد صبر قلمی مملوکہ محمد ایوب قادری ، صہ ۱۱ ، ۵ ، ۱۲

نجیب خاں مقرر ہوئے جو کہ جلال آباد کے رہنے والے تھے، حامد حسن خاں کو کانٹ کا تحصیلدار مقرر کردیا۔[1] جہاں راجپوتوں نے سخت بغاوت کی تھی راجپوتوں کو بڑی سختی سے دبا دیا گیا۔[2] مولوی مظہر کریم سرشتہ دار عدالت، مفتی مقرر ہوئے۔[3]

شاہجہاں پور کے قصبہ تلہر میں غلام محمد خاں نے علم آزادی بلند کیا تحصیل سے تمام انگریزی نظم و نسق ختم کردیا گیا، نواب خان بہادر خاں نے ان کو وہاں کا تحصیلدار مقرر کردیا، اور فوجی استحکام کی ہدایت کی چھ ماہ کے بعد یہ پرگنہ کفایت اللہ خاں اور ہدایت اللہ خاں کے سپرد ہوا۔ اور آخر وقت تک انہیں سے متعلق رہا۔[4] میرانپور کٹرہ میں فیض محمد خاں اور غلامی خاں نے غلامی کی زنجیریں توڑیں اور ہر ایک نے پیادگان کی ایک رجمنٹ بھرتی کی جلال آباد میں احمد یار خاں تحصیلدار مقرر ہوئے۔[5] غرض ضلع شاہجہانپور میں بھی خاں بہادر خاں کی حکومت قائم ہو گئی۔

روہیل کھنڈ کے اضلاع، بریلی، بدایوں، شاہجہاں پور، اور پیلی بھیت پر تو باقاعدہ نواب بہادر خاں کی حکومت قائم ہوگئی۔ خاص خاص مقامات پر تحصیل اور تھانے قائم ہوئے۔ حسب معمول تحصیلداروں اور تھانیداروں نے کام شروع کردیا انتظام خوب ہونے لگا، مگر روہیل کھنڈ کے باقی اضلاع مراد آباد، بجنور وغیرہ پر اگرچہ باقاعدہ خان بہادر خاں کی حکومت قائم نہ ہوئی مگر ان اضلاع کے مجاہدین انقلابیوں اور تحریک کے سربرآوردہ حضرات سے خان بہادر خاں کے تعلقات بہت اچھے تھے اور ان علاقوں میں جن قدیم روٴسا نے حکومت قائم کی تو نواب خان بہادر خاں نے اپنا استحقاق جتا کر ان کے لئے قطعاً کوئی دقت پیدا نہیں کی۔ مراد آباد میں جب نواب مجو خاں اور اولاد نواب دوندے خاں میں نزاع ہوا تو نواب خان بہادر خاں نے

---

[1] گزیٹیر شاہجہاں پور۔ صہ ۱۴۴ [2] تفصیل کے لئے دیکھئے گزیٹیر شاہجہاں پور صہ ۱۴۰
[3] فریڈم اسٹرگل، جلد پنجم، صہ ۳۰۲ دوسرے عہدیداروں کی تفصیل بھی دیکھئے۔ [4] گزیٹیر شاہجہاں پور صہ ۱۴۵ [5] گزیٹیر شاہجہاں پور صہ ۱۴۵

مصالحت کی پوری پوری کوشش کی، اور کسی حد تک کامیاب بھی ہوئے۔ اب مرادآباد اور بجنور کا حال ملاحظہ ہو۔

مرادآباد: میرٹھ سے فوجوں کے آزاد ہونے کی خبریں سب سے اول ۱۲ مئی ۱۸۵۷ء کو پہونچیں اور اس زمانہ میں، سی۔ بی سانڈرس C. B. Saunders مجسٹریٹ جے جے کمبل J. J. Campbell جوائنٹ مجسٹریٹ اور جے۔ کراکرافٹ ولسن J. Cracraft Wilson جج تھے۔ آخر الذکر چونکہ اس ضلع میں سترہ سال سے متعین تھے اس لئے وہ ضلع اور باشندگان ضلع کے حالات سے بخوبی واقف تھے۔ اور جب صورت حال زیادہ تشویشناک ہوگئی تو عام ضلع کا انتظام انہیں کے سپرد کر دیا گیا[1]۔

مرادآباد میں مجاہدین کا بڑا زور تھا۔ یوں بھی اس ضلع میں مسلمانوں کے اقتدار و تسلط کے نشانات پوری طرح موجود تھے۔ اہل مرادآباد نے سید احمد شہید کی تحریک میں بھی خوب مدد کی تھی[2]۔ خود سید احمد مرادآباد آئے تھے۔ پرانے روسا، روہیلہ سرداروں اور عام مسلمانوں میں خوب جوش تھا۔ مقامی علماء مثلاً مولوی کفایت علی کافی عوام میں جہاد کی ضرورت پر زور دیتے تھے۔ مولانا کفایت علی کافی نے فتویٰ جہاد کی اشاعت میں[3] خوب کام کیا۔ اس سلسلہ میں مولانا آنولہ اور بریلی گئے۔ مولانا برکے

---

[1] گزیٹیر مرادآباد (الٰہ آباد ۱۹۱۱ء)، ص ۱۲۳

[2] مولف انوار العارفین لکھتے ہیں: "مبلغان کثیر در کثیر دادند و فرستادند چنانچہ در سنہ ہفت سن یکہزار و دو صد و چہل و سہ ہجری مسلمانان بلدہ مرادآباد مبلغ سہ ہزار و ہفتاد و ہفت روپیہ و ہشت آنہ بخدمت آنجناب ارسال داشتند و از جواب خط ہنڈوی آنجناب معلوم گردید کہ اول ہنڈوی مسلمانان مرادآباد رسید" انوار العارفین از محمد حسین مرادآبادی (صدیقی پریس بریلی ۱۲۹۰ھ)، ص ۵۲

[3] ولیم میور نے لکھا ہے کہ مرادآباد کی جامع مسجد پر جہاد کے اشتہارات چسپاں تھے (ملاحظہ ہو ریکارڈس آف دی انٹیلی جنس ڈیپارٹمنٹ آف دی گورنمنٹ آف دی نارتھ ویسٹ پراونسیز آف انڈیا ڈیورنگ دی میوٹنی آف ۱۸۵۷ء، جلد اول (ایڈنبرا، ۱۹۰۲ء) ص ۲۵۶

اچھے شاعر تھے کاؔفی تخلص تھا۔ مہدی علی خاں ذکیؔ کے شاگرد تھے۔ نظم پر بڑی قدرت تھی۔

۲۱ مئی ۱۸۵۷ء کو دو سو آدمیوں کی جمعیت رام پور سے مراد آباد پہونچی جس کے قائد بہادر خاں تھے[1] اور یہ گروہ مولوی مَنّو (Mannu) مراد آبادی کی دعوت پر آیا تھا۔ سب سے اوّل مراد آباد میں امیر المجاہدین مولوی منّو ہی تھے[2]۔ جو کہ بڑے جوش اور جذبہ کے آدمی تھے، اور انگریزوں کے سخت مخالف تھے۔ اُنہوں نے علم جہاد بلند کیا[3]۔ غرض جب اس جمعیت کے آنے کی خبر پہونچی تو ولسن ان لوگوں کے مقابلے کو گیا۔ امام الدین کمبوہ امروہوی کوتوال مراد آباد اور اس کے بھائی تاج الدین نے کوشش کی کہ رامپور کی جمعیت اور مولوی مَنّو کے گروہ کو نہ ملنے دیا جاتے تق القور مولوی منّو کو کوتوالی کے سامنے گھیر کر مار دیا۔ اور ادھر اس جمعیت کے قائد بہادر خاں بھی شہید ہو گئے[4]۔ امام الدین کمبوہ کو مولوی منّو کو شہید کرانے کے بدلے میں ضلع بریلی میں ایک ہزار روپیہ سالانہ معافی کا ایک گاؤں ملا[5]۔

---

[1] گزیٹیر مراد آباد۔ ص ۱۶۳ [2] مولوی منّو کا اصل نام وہاج الدین بن محمد جمیل بن وجیہہ الدین تھا۔ اور ان کے چچا مولوی اسماعیل لندنی تھے۔ مولوی عبد القادر رامپوری نے ان حضرات سے ۱۸۱۳ء میں ملاقات کی تھی۔ ملاحظہ ہو علم و عمل (وقائع عبد القادر خانی) جلد اوّل۔ ص ۱۶۱ - ۱۶۲ - و تذکرہ علمائے ہند۔ ص ۲۱۳ - ۲۱۴

[3] گزیٹیر مراد آباد۔ ص ۱۶۳ - ۱۶۴ [4] لائل محمڈنس آف انڈیا طبع میرٹھ)، حصہ دوم۔ [5] امام الدین بن رحیم الدین بن عظیم الدین ساکن مارہرہ۔ ان کے والد مارہرہ کی سکونت ترک کر کے بریلی میں رہنے لگے، پہلے تھانیدار پھر تحصیلدار اور ڈپٹی کلکٹر مقرر ہوتے۔ ۲۰ اکتوبر ۱۸۷۹ء کو انتقال ہوا ملاحظہ ہو لائل محمڈنس آف انڈیا حصہ دوم۔ والمشاہیر از فیض احمد (میرٹھ ۱۹۰۰ء)، ص ۲۰۲

۲۰ مئی کو کھلم کھلا پلٹن ۲۹ نے بغاوت کی اور جیل خانہ سے تمام قیدی آزاد ہو گئے اہل رامپور نے بھی اپنی سرگرمیوں کا مرکز مراد آباد کو بنایا کیونکہ ریاست انگریزوں کی معاون و مددگار تھی، لہٰذا مراد آباد میں مجاہدین کا خوب اجتماع ہوا۔ مجاہدین کے سربراہ ہو میں نواب مجدالدین عرف نواب مجو خاں، عباس خاں و اسد خاں اولاد نواب دوندے خاں، نواب شبیر علی خاں اور مولانا کفایت علی کافی وغیرہ تھے جنہوں نے انگریزی حکومت کو ختم کرنے کا بیڑہ اٹھایا تھا۔

جب انگریز مراد آباد سے بھاگ کر نینی تال اور میرٹھ چلے گئے تو نواب مجدالدین عرف مجو خاں اور عباس خاں نے مراد آباد کا حاکم بننا چاہا بالآخر مجو خاں حاکم مراد آباد ہوئے۔ اسد خاں ہندی توپخانہ کے افسر اعلیٰ مقرر ہوئے۔ مولوی کفایت علی کافی صدر الشریعۃ بنائے گئے۔ انہوں نے مسلمانوں میں جہاد کی خوب روح پھونکی۔ شہر میں ہر جمعہ کو نماز کے بعد انگریز کے خلاف وعظ ہوتا تھا۔ جس کا خاطر خواہ اثر ہوا مولانا کفایت علی کافی نے نشر و اشاعت کے سلسلے میں بڑا کام کیا فتویٰ جہاد کی اشاعت کے لئے مختلف مقامات پر گئے۔

رامپور کے نواب یوسف علی خاں انگریزوں کے وفادار تھے، اور وہ خان بہادر خاں کے اثر و اقتدار سے بہت خوفزدہ تھے ان کو خیال پیدا ہونے لگا کہ کہیں روہیل کھنڈ کی حکومت پھر حافظ الملک حافظ رحمت خاں کے خاندان میں منتقل نہ ہو جائے لہٰذا انہوں نے کمشنر روہیل کھنڈ مسٹر الیگزنڈر سے مراد آباد کا انتظام کرنے کی اجازت حاصل کر لی اور مراد آباد کے انتظام کے لئے اپنے چچا عبد العلی خاں اور مدار المہام حکیم سعادت علی خاں کو بھیجا، ان لوگوں نے مراد آباد میں جاکر سازشیں کیں مجاہدین کی قوت کو کمزور کیا۔ اور نواب رامپور کی حکومت کا اعلان کر دیا۔ سابقہ عہدہ داران کو بحال رکھا۔ امام الدین کمبوہ کوتوال جب بھاگ گیا تو اس کی جگہ ——

---

[۱] گزیٹیر مراد آباد۔ صفحہ ۱۶۴

مولٰی رضا کو قوال اور غلام شبیر کو جیلر مقرر کیا۔ ۲؍جون ۱۸۵۷ء کو یوسف علی خاں نواب رامپور، خود مراد آباد پہونچے نواب مجو خاں کا اثر و اقتدار تھا لہٰذا نواب رامپور نے مجبوراً و مصلحتاً نواب مجو خاں کو ناظم برقرار رکھا۔ حکیم سعادت علی خاں جج مقرر ہوئے نیاز علی خاں ڈپٹی کلکٹر بنے۔ جب خان بہادر خاں کو معلوم ہوا کہ نواب رامپور نے ضلع مراد آباد پر قبضہ کر لیا تو ان کو سخت فکر ہوئی کہ مبادا یہ وفادار حکومت کہیں پورے روہیل کھنڈ کی نظامت کے احکام بھی کمشنر سے حاصل کر لیں، لہٰذا اس کی تدبیر کر لی چاہئے۔ نواب خان بہادر خاں نے صوبیدار بخت خاں سے مشورہ کیا اور طے پایا کہ پلٹن ۲۸ اور سپاہ شاہجہاں پور دہلی بھیجی جائے اور راستہ میں نواب مجو خاں حاکم مراد آباد کی خاطر خواہ مدد اور نواب رام پور کی تادیب کی جائے دوسری طرف ولی داد خاں نواب مالاگڑھ سے خط و کتابت کی گئی کہ وہ اس طرف سے نواب پر حملہ کرے تاکہ نواب رامپور کی خوب گوشمالی ہو جائے۔

۹؍جون کو جنرل بخت خاں کی فوج بیرون شہر مراد آباد گنیش گھاٹ ٹھہری جنرل بخت خاں نے رام پور کے نواب کو تحریک میں شرکت کی دعوت دی اور آخر میں وہ ولی عہد کی شرکت پر راضی ہو گئے۔ رامپور کے نواب بہت خوفزدہ ہوئے اور انہوں نے سامان اور روپیہ سے مدد کی اور مصلحت وقت کے مطابق بہت خوشامد کی۔ اور اس طرح جنرل بخت خاں سے رہائی حاصل کی۔ جنرل بخت خاں کی فوج کی آمد کے زمانہ میں نواب رامپور نے مراد آباد سے اپنا انتظام اٹھا لیا مجاہدین اور انقلابیوں کی سرگرمیاں پھر تیز ہو گئیں نواب مجو خاں نے پھر انتظام حکومت درست کیا اور جنرل بخت خاں کو باربرداری وغیرہ سے مدد دی۔

۱۱؍جون ۱۸۵۷ء کو جنرل بخت خاں کی فوج دہلی روانہ ہو گئی، اب نواب رامپور نے نواب مجو خاں اور عباس خاں میں تفرقہ ڈلوایا۔ عباس خاں نے خود حاکم مراد آباد ہونے کا دعویٰ کیا۔ جب خان بہادر خاں کو یہ حالات معلوم ہوئے تو انہوں نے بریلی سے مصالحت کے لئے آدمی بھیجے اور تمام نشیب و فراز سے آگاہ کیا، موضع

بجنا کے باشندوں نے لوٹ مار شروع کر دی ۔غرض جنرل بخت خاں کی مراد آباد سے روانگی کے بعد ۲۴ جون کو دوبارہ نواب رامپور نے عبدالعلی خاں اور حکیم سعادت علی خاں کو مع فوج مراد آباد بھیجا، ان لوگوں نے نواب مجو خاں سے مصالحت کر لی اور ان کو سنبھل کی نظامت سپرد کر دی نواب مجو خاں سنبھل کے حاکم مقرر ہوتے ہی لکھوری کے باشندوں نے اپنے اطراف میں اور خنگی خاں و مردان خاں نے حسن پورہ ٹھاکر دوارہ کے گرد و نواح میں تحریک آزادی کو خوب قوت دی

مراد آباد کے قصبہ امروہہ میں تحریک آزادی کا خوب زور رہا یہ مسلمانوں کا قدیم قصبہ تھا۔ مسلمانوں کے بہت سے ذی رتبہ اور قدیم خاندان اس قصبہ میں تھے ۔ ۱۷ مئی کو شاہ ولایت کی درگاہ میں عمائد شہر کی مجلس مشورت منعقد ہوئی۔ اور طے پایا کہ انگریزی نظام حکومت کو ختم کر دیا جائے[1]۔ ۱۹ مئی کو گلزار علی امروہوی، مراد آباد سے امروہہ پہونچے تو انہوں نے امروہہ میں اور بھی جوش پھیلا دیا ۔ اور اہل امروہہ نے بادشاہ دہلی ابوظفر شاہ کے حضور میں عرضداشتیں بھیجیں[2] ۔ ان عرضیوں کے جواب میں شاہی شقے موصول ہوئے جن میں ان لوگوں کی ہمت افزائی کی گئی[3]۔

امروہہ میں شبیر علی خاں اور گلزار علی سرگروہ مجاہدین تھے مگر مراد آباد کی طرح یہاں بھی نواب رامپور کا قبضہ ہو گیا تھا۔ نواب رامپور کی طرف سے ظہور حسن ناظم عارضی ، اصغر علی خاں ناظم مستقل، محب علی تحصیلدار، یعقوب الدین تھانیدار اور کریم بخش عباسی کورٹ گشت مقرر ہوئے

---

[1] تاریخ امروہہ جلد اول ۔ از مولوی محمود احمد عباسی دہلی ۱۹۳۰ء صـ۶۲

[2] مولوی محمود احمد عباسی نے تاریخ امروہہ جلد اول میں چھ عرضداشتوں کا ذکر کیا ہے، جنمیں سے چار نقل کی ہیں ۔ ملاحظہ ہو ۔ صـ۶۳ تا ۶۹ [3] تاریخ امروہہ جلد اول صـ۶۹

اور گورنمنٹ کا خاص خیر خواہ ناظر گر سہائے تھا[1]

بجنور ۱۲ مئی ۱۸۵۷ء کو بجنور میں میرٹھ کے واقعات کی خبر پہونچی اور یہاں بھی شورش کے آثار ظاہر ہونے لگے۔ مجسٹریٹ ضلع مسٹر شکسپیر نے بہت سی احتیاطی تدابیر اختیار کیں۔ دو حفاظتی عمل خاص طور سے قابل ذکر ہیں، ایک محمد رحمت خاں ڈپٹی کلکٹر اور دوسرا سید احمد خاں صدر امین[2] کا، اس کے باوجود حالات میں کوئی تبدیلی نہ ہو سکی۔ جب مراد آباد کا جیل خانہ ٹوٹنے کی خبر مشتہر ہوئی اور کچھ قیدی اپنے اپنے گھروں کو آتے تو ضلع کے حالات اور بھی خراب ہو گئے لوگوں کے دلوں میں انگریزی حکومت کی دہشت بالکل نہ رہی۔ اسی اثناء میں سفر مینا کے تین سو سپاہیوں نے رڑکی میں سرکشی کی وہ سیدھے نجیب آباد آئے نواب محمود خاں اور احمد اللہ خاں سے مشورے ہوئے۔ پھر وہ لوگ نگینہ پہنچے ۲۱ مئی ۱۸۵۷ء کو تحصیل پر قبضہ ہو گیا۔ اسی روز بجنور کا جیل خانہ بھی ٹوٹا، رحمت خاں، سید احمد خاں اور تراب علی تحصیلدار گورنمنٹ کے خیر خواہ تھے۔ ان لوگوں نے خزانہ کو لوٹ سے بچایا[3]۔ اور رؤسائے بجنور کو بلایا کہ ضلع کا انتظام کیا جائے مگر اسی اثناء میں بریلی اور مراد آباد سے کچھ انقلابی بجنور پہونچ گئے۔ ۲۰ جون کو کپتان گف میرٹھ سے چند سواروں کے ساتھ خزانہ لینے بجنور آیا اور پچاس ہزار روپیہ بجنور سے لے گیا۔ جب بریلی، بدایوں، پیلی بھیت، مراد آباد اور شاہجہانپور بگڑ چکے تو بجنور کیسے پر امن رہ سکتا تھا۔ آخر ۷ جون کی شب کو کلکٹر

---

[1] انگریزی حکومت نے اپنے خیر خواہوں کو انعامات سے نوازا۔ ۲۴ حضرات کے نام اور تفصیل محمود احمد عباسی نے دی ہے۔ ملاحظہ ہو تاریخ امروہہ جلد اول ص ۸۸-۸۹

[2] سرکشی ضلع بجنور از سید احمد خاں (آگرہ ۱۸۵۸ء) ص ۶ (آئندہ اس کا حوالہ صرف "سرکشی" سے دیا جائے گا)

[3] "مجھ صدر امین (سید احمد خاں) نے اپنے ہاتھ سے ایک لاکھ پچاس ہزار روپیہ کنوئیں میں ڈال دیا"۔ سرکشی ص ۱۱

اور افسران انگریز بجنور سے فرار ہوگئے۔ اور نواب محمود خاں کا عمل دخل ہوگیا[1]
اور ڈھنڈورا پٹا کہ "خلق خدا کی، ملک بادشاہ کا اور حکم نواب محمود خاں کا"[2]
نواب محمود خاں نے ضلع کا انتظام شروع کیا۔ عظمت اللہ خاں کو اپنا نائب
اور احمد اللہ خاں کو ڈپٹی کلکٹر مقرر کیا۔ اور احمد یار خاں عرف کلن خاں سپہ سالار
اور حبیب اللہ خاں بخشی فوج مقرر ہوئے سابقہ حکام کو برقرار رکھا گیا جو ایک
بنیادی غلطی تھی۔

گورنمنٹ انگریزی کے وفادار سید احمد خاں، تراب علی خاں پنڈت
رادھا کرشن نے انتظامات میں روڑے اٹکائے۔ مالگزاری کی وصولی میں
مخل ہوئے[3]۔ جو خزانہ کنوئیں میں پڑا تھا وہ احمد اللہ خاں نے نکلوایا، مولوی
منیر خاں ساکن گنج پورہ نگینہ سے چار سو مجاہد لے کر پہونچے تو تحریک
میں اور بھی قوت پیدا ہوگئی[4]۔ احمد اللہ خاں نے قیام حکومت کی غرض سے

---

[1] کلکٹر ضلع مسٹر شکسپیر نے محمود خاں سے فرمایا کہ "ہم جاتے ہیں، ضلع تمہارے پاس چھوڑتے ہیں، تم بخوبی انتظام رکھو اور ہمارے اہل کاروں سے کام لو اور آرام سے رکھو" اور اس کی تحریری توثیق کے لئے کلکٹر نے ایک خط بھی سید احمد خاں سے لکھوایا اور نواب محمود خاں کو دیا۔ سرکشی صـ ۲۹-۳۰

[2] سرکشی صـ ۳۰ [3] سرکشی صـ ۳۲-۳۳ [4] مولوی منیر خاں کے متعلق سید احمد خاں لکھتے ہیں "منیر خاں نے مجھ سے درباب جہاد گفتگو کی، میں نے اس سے کہا کہ شرع کے بموجب جہاد نہیں ہے۔ اور اس قسم کی گفتگو کے بعد ہم وہاں سے چلے آئے اس کے دوسرے دن منیر خاں مذکور مولوی علیم اللہ رئیس بجنور کے پاس گیا۔ اور درباب مسئلہ جہاد ان سے گفتگو کی۔ بہ تحقیق سنا کہ مولوی علیم اللہ نے اس دلیری سے اس کے ساتھ گفتگو کی اور بہت دلیلوں سے اس کو قائل کیا کہ مذہب کی رو سے جہاد نہیں ہے۔ مگر اس گفتگو پر بہت دنگہ ہوا اور منیر خاں کے ساتھیوں نے مولوی علیم اللہ کے قتل کو تلوار نکالی۔ مگر لوگوں نے بیچ میں پڑکر بچا دیا

(باقی اگلے صفحہ پر)

دورہ کیا۔ ۱۰ر جولائی کو محمود خاں نے ایک عرضی بدست عمدو خاں بہادر شاہ کے حضور میں دہلی روانہ کی۔ بادشاہ نے محمود خاں کو بجنور کا حاکم تسلیم کرلیا اور عمدو خاں فرمان شاہی لے کر ۲۸ر جولائی کو بجنور واپس ہوئے۔ نواب محمود خاں نے عوام میں حکومت کی تبدیلی کا اعلان کرنے کے لئے انگریزی اوزان تبدیل کردئے اور نئے اوزان مہر شاہی سے جاری ہوئے۔

چاند پور کے قدیم رؤسا میں رستم علی و صادق علی نے آزادی کا علم بلند کیا اور ان لوگوں نے بادشاہ دہلی کے حضور میں عرضی روانہ کی اس کے جواب میں اگست ۱۸۵۷ء کو فرمان شاہی موصول ہوا[1]۔

نواب محمود خاں نے ضلع کے انتظام کو بڑی قابلیت سے درست کیا، ہندو مسلمانوں کی تعلقات کی استواری و خوشگواری پر زور دیا۔ مندروں کی حفاظت کے لئے پہرے لگوائے[2]۔ مگر گورنمنٹ کا وفادار گروہ جس کے سرخیل سید احمد خاں صدر امین تھے انگریزوں سے خفیہ خط و کتابت میں مصروف تھا۔ اور ان لوگوں نے خیر خواہی سرکار کے پردے میں ہندو چودھریوں کو نواب محمود خاں کے خلاف بغاوت پر ابھارا۔ یہی وہ فتنہ تھا جو آگے چل کر محمود خاں کی حکومت کے لئے سب سے بڑا خطرہ اور انگریزی حکومت کے دوبارہ قیام کا سبب بنا۔

ضلع بجنور میں ہندو چودھریوں نے اپنی گروہ بندی کی اور احمد اللہ خاں سے

(نوٹ صفحہ گزشتہ) بجا دیا۔ اس کے دوسرے دن منیر خاں مع ساتھیوں کے بجز ان چند آدمیوں کے جنہوں نے ان گفتگوؤں کے بعد ساتھ چھوڑ دیا تھا دہلی چلا گیا اور وہاں جاکر لڑائی میں مارا گیا (سرکشی) ص ۳۸

عہ محمد بہادر شاہ بادشاہ دہلی کا اصلی فرمان سرکشی بجنور ص ۴۲-۴۳ پر درج ہے اس میں نواب محمود خاں کا خطاب "امیر الدولہ ضیاء الملک محمد محمود خاں بہادر مظفر جنگ" تحریر کیا گیا ہے

[1] سرکشی۔ ص ۴۹-۵۰ [2] سرکشی ص ۴۶

۵ راگست ۱۸۵۷ء کو مقابلہ کر کے اس کو شکست دی - اب تو چودھریوں کا حوصلہ بڑھ گیا ۶ راگست ۱۸۵۷ء کو بجنور پر چڑھ دوڑے - نواب محمود خاں سے مقابلہ ہوا۔ چودھری مضبوط پڑے۔ نواب محمود خاں نجیب آباد چلے گئے۔ شیر کوٹ سے احمد اللہ خاں نجیب آباد آگئے۔ چودھریوں نے دفاتر اور کوٹھی عدالت جلادی۔ خزانہ اور اسباب کو لوٹ لیا۔ اور چودھریوں نے اپنا اقتدار قائم کر لیا[۱]۔ اب تو ان کو اور بھی نشہ چڑھ گیا موضع کھاری، موضع سواہیڑی کے مسلمانوں کو لوٹ لیا، اور کئی مسلمانوں کو قتل کر دیا اور جاٹوں نے چھتاور کے معزز مسلمان اصغر علی کو مار ڈالا - اور اس کی ٹانگ میں رسی باندھ کر لاش کو گھسیٹا اور چھتاور کی مسجد شہید کر دی۔ خاص بجنور میں لودھوں کے محلہ میں مسلمانوں اور جاٹوں میں جھگڑا ہوا اور ایک آدمی مارا گیا۔ قاضی محلہ میں بھی ہنگامہ ہوتے ہوتے رہ گیا[۲]۔

انگریزوں کو جب بجنور کے حالات معلوم ہوئے کہ چودھریان بجنور اور نواب میں اختلاف اور لڑائی ہے تو کلکٹر ضلع شکسپیر نے ایک خط اس مضمون کا بھیجا کہ " تا حکم ثانی تم تعلقہ دار اپنے علاقہ کا انتظام اپنے ذمہ سمجھو اور قسط زر سرکاری اپنے پاس امانت رکھو[۳]۔

سید احمد خاں ۱۲ اگست ۱۸۵۷ء کو ہلدور روانہ ہوئے اور ہلدور میں سید احمد خاں، چودھریوں اور روسائے بجنور کے درمیان مشورہ ہوا اور تمام حالات سید احمد خاں کے گروپ نے میرٹھ انگریزی حکام کو لکھ بھیجے۔ انگریزی حکام سے ۱۳ اگست ۱۸۵۷ء

۱؎ سرکشی - ص۵۵ - ۵۶ ۲؎ چودھریوں نے بجنور میں منادی کرائی "خلق خدا کی ملک بادشاہ کا، حکم چودھری نین سنگھ اور چودھری جودھ سنگھ بجنور والوں اور ہلدور کے چودھری صاحبوں کا۔ ڈھم ڈھم ڈھم"، سرکشی ص۵۶

۳؎ سرکشی - ص۵۵

۴؎ " " ۶۱

کو جواب موصول ہوا کہ انتظام ضلع از جانب سرکار انگریزی ہم لوگوں کے آنے تک کریں۱؎ ۔ چنانچہ اس کی تعمیل میں سید احمد خاں اور رحمت خاں نے ضلع کا انتظام اپنے ہاتھ میں لے لیا۲؎ ۔ اور ہر طریقے سے انگریزی نظام حکومت کے قیام کی کوشش کی اور انگریزی حکام سے ہر معاملہ کے متعلق خط و کتابت جاری رکھی اور انگریزی حکام کو ان کی حکومت کے قیام کے مشورے دئے ۔ اور حکام ضلع سے رئیسان ضلع کے نام خطوط منگوائے۳؎ اور ہر طرح انگریزی حکومت کی طرف سے سید احمد خاں ور رحمت خاں نے انتظام درست کیا ۔

۲۱ اگست ۱۸۵۷ء کو رام دیال نے نگینہ پر حملہ کر دیا ۔ مینڈھو خاں نے مقابلہ کیا مگر مینڈھو خاں کو شکست ہوئی ۔ چودھریوں نے مسلمانان نگینہ کو خوب لوٹا مارا اور قتل کیا۴؎ ۔ پچاس ساٹھ مسلمان شہید ہوئے ۔ مسلمان رؤسا کو لوٹا اور عورتوں اور بچوں کی بے عزتی کی ۔ جب یہ خبر نجیب آباد پہونچی تو نواب محمود خاں کو سخت غصہ آیا اور چودھریوں کی تادیب کے لئے جمعیت اکٹھی کی گئی اور مقابلہ کے لئے انتظام ہوا ۔ احمد اللہ خاں نے ۲۲ اگست ۱۸۵۷ء کو نجیب آباد کے باہر جلال آباد کے قریب توپ نکالی ۔ فوج بھیجی اور محمدی جھنڈا کھڑا کیا ۔ اِدھر تو یہ ہو رہا تھا اُدھر جب چودھریوں کو رام دیال پر حملہ کی خبر ملی تو چودھری بدھ سنگھ رئیس ہلدور مع اپنی جمعیت اور چودھری پرتاب سنگھ بھی مع اپنے آدمیوں کے نگینہ روانہ ہو گئے مسلمانان نگینہ ایک دفعہ لٹ پٹ چکے تھے ۔ اس دفعہ مسلمانوں نے نگینہ چھوڑ دیا مگر مسلمانوں کی بڑی مٹی پلید ہوئی ۔

احمد اللہ خاں نے جب جلال آباد میں محمدی جھنڈا کھڑا کیا تھا تو سواہیڑی وغیرہ کے مسلمان اس کے ساتھ شریک ہو گئے اور احمد اللہ خاں نے سواہیڑی کے

۱؎ سرکشی ۔ ص ۶۵ ۔ ۲؎ سرکشی ص ۶۹ ۔ ۳؎ سید احمد خاں نے یہ خطوط سرکشی بجنور میں ص ۷۴
ص ۷۷ پر درج کئے ہیں ۔ ۴؎ یہ سب کچھ انگریز کے ایما پر ہوا تھا ۔ ملاحظہ ہو سرکشی ص ۶۹

جاٹوں وغیرہ کی تادیب و گوشمالی کی، اس سے بجنور میں احمد اللہ خاں کی خوب دھاک بیٹھ گئی۔ چودھریوں نے مورچہ چھوڑ دیا گورنمنٹ انگریزی کے وفادار سید احمد خاں وغیرہ نے تمام خط و کتابت کا ریکارڈ ضائع کر دیا کہ مبادا کہیں انقلابیوں کے ہاتھ لگ جائے اور بجنور سے سید احمد خاں وغیرہ ہلدور چلے گئے بدھ سنگھ چودھری بھی ہلدور پہونچ کر ان لوگوں سے مل گیا۔ چودھری پرتاب سنگھ تاج پور والے نے پانچ ہزار روپیہ کمشنر روہیل کھنڈ الیگزینڈر کو نینی تال بھیجا[1]۔

احمد اللہ خاں بجنور کی بجائے نگینہ شنوئیوں کی تادیب کے لئے پہونچا اور ان کو قرار واقعی سزا دی۔ نگینہ کے مولوی محمد علی کے یہاں گورنمنٹ کے وفادار تحصیلدار بجنور میر تراب علی پوشیدہ تھے، احمد اللہ خاں نے ان کی تلاش کرائی کیونکہ یہ لوگ انگریزوں کو خبریں پہونچاتے تھے۔ مولوی محمد علی خود معززین نگینہ کے ہمراہ احمد اللہ خاں کے پاس گئے اور "سیادت" کا واسطہ دے کر تراب علی کی جان بخشی کرائی۔ ۲۶ اگست ۱۸۵۷ء کو ماڑے خاں، احمد اللہ خاں، شفیع اللہ خاں نہٹور پہونچے وہاں سے ۲۰ اگست ۱۸۵۷ء کو ہلدور پہونچے۔ ہلدور میں رندھیر سنگھ اور بدھ سنگھ بڑی جمعیت لیکر مقابلہ کے لئے آ گئے۔ جھروٹی اور میگراج پور کے درمیان طرفین کا مقابلہ ہوا۔ چودھریوں کو شکست ہوئی۔ اور چودھریوں کی جماعت ہلدور لوٹ آئی اور ناکہ ہلدور پر پھر مقابلہ کیا۔ مگر یہاں بھی نواب کی فوج کامیاب رہی۔ ایک توپ بھی چودھریوں کی چھین لی۔ نواب کی فوج باہر تھی کہ ہلدور میں تیز آگ لگ گئی یہ حالت دیکھ کر احمد اللہ خاں بجنور پہونچے۔ بجنور سے چودھری بھاگ گئے اور سب چودھریوں نے ہلدور میں اجتماع کیا۔ ہلدور کے تمام راستے گھیر لئے۔ ہلدور میں جتنے مسلمان تھے سب کو قتل کر دیا۔ عورتوں تک کو قتل کر ڈالا۔ مسلمانوں کے تمام گھر جلا دیے۔ ہلدور میں کوئی مسلمان باقی نہ رہا۔ مگر چودھری رندھیر سنگھ نے ڈپٹی رحمت خاں اور سید احمد خاں کی پوری حفاظت کی

---

[1] سرکشی۔ ص ۹۹

۲۹ اگست کی شب کو سید احمد خاں اپنی وفادار جماعت کے ہمراہ ہلدور سے چل دیئے اول تو موضع پچنیاں پہونچے وہاں سے موضع پلانہ اور چاند پور ہوتے ہوئے بچھرایوں (ضلع مراد آباد) آئے۔ وہاں سے تمام واقعات افسران انگریزی کو لکھ دیئے۔ اور پھر میرٹھ حکام انگریزی کے پاس سید احمد خاں پہونچ گئے۔ جب سید احمد خاں وغیرہ ہلدور سے چلے گئے تو ۳۰ اگست کو پھر چودھریوں نے دوسری لڑائی کی تیاری شروع کردی اول تو صلح کی کوشش کی گئی مگر بعد کو لڑائی ٹھن گئی۔ ۳۱ اگست کو نہٹور ہوتے ہوئے بجنور کا کوچ کیا۔

جب حالات کی یہ رفتار رہی تو یہ طے کیا گیا کہ احمد اللہ خاں کی بجائے جلال الدین خاں کو مختار کل بنایا جائے۔ کیوں کہ احمد اللہ خاں سے اور چودھریوں سے معاملات برابر بگڑتے رہے۔ سعد اللہ خاں نے جلال الدین خاں کی طرف سے چودھریوں سے صفائی معاملات کی کوشش کی مگر جلال الدین خاں مختار کل مقرر نہ ہو سکے کیونکہ احمد اللہ خاں کی اس تقرر سے سخت توہین ہوتی تھی۔ انتظام ضلع کے لئے کونسل کا تقرر ہوا جس کی نقل درج ذیل ہے۔[1]

روبکار تقرر کونسل

"روبکاری محکمہ بہ اجلاس امیر الدولہ ضیاء الملک ذوی القدر نواب محمد محمود خاں بہادر مظفر جنگ واقع ۱۲ ستمبر ۱۸۵۷ء جو کہ اینجانب نے بسبب بد انتظامی ضلع بجنور کے محمد احمد اللہ خاں بہادر و محمد احمد یار خاں و محمد شفیع اللہ خاں داخوندزادہ عبدالرحمن خاں و سید احمد شاہ کو بہ نظر رفاہ خلائق اور واسطے انتظام مالی و ملکی ضلع بجنور کے اپنی طرف سے مختار کار عام مقرر کیا اور کل انتظام ضلع کا سپرد صاحبان مرقوم بالا کے کیا، تو ضرور ہے

---

[1] سرکشی۔ ص ۱۰۵۔ ۱۱۰

کہ جو معاملات بیچ انتظام ملک خواہ پروانہ جات وچٹھیات و رقعات یا اور کوئی امر متعلقہ نظامت فوجداری اجرا پاوے تو بصلاح و مشورہ صاحبان مرقومہ بالا کے تجویز ہو کر روبرو اینجانب پیش ہوئے اور ایک عرضی بھی سب صاحبان کی طرف سے مشعر باطلاع اتفاق رائے کے گزرنی چاہئے تو اس وقت ہونا حکم منظوری تجویز یا دستخط ایں جانب بہت مناسب ہو گا۔

لہٰذا حکم ہوا کہ جو امر تجویز صاحبان مرقومہ بالا سے اجرا پاوے تو بالاتفاق سب صاحبوں کی تجویز ہو کر مع قطعہ عرضی کے ہمارے روبرو پیش ہو توجب دستخط اور حکم ہمارا ہو گا، درصورت خلاف رائے صاحبوں کے کوئی امر تجویز کیا ہوا قابل پذیرائی کے نہ ہو گا اطلاعاً نقل روبکار ہٰذا کی پاس ان پانچوں صاحبوں کے بھیجی جاوے اصل روبکار شرشتہ میں رہے"۔[1]

اسی زمانہ میں نئی مہریں نواب محمود خاں اور احمد اللہ خاں نے بنوائیں۔ ان مہروں پر الفاظ " واللہ ملک السمٰوات والارض" کا اضافہ کیا اور سنہ عیسوی کی بجائے سنہ ہجری لکھا گیا اور پہلی مہروں میں سے لفظ "بجنور" موقوف کر کے لفظ " تخت حکومت نجیب آباد" لکھا گیا۔[2]

بجنور کے قصبہ سیوہارہ میں ایک درویش شاہ غلام بولن اپنے خانقاہ کو مجاہدین کی سرگرمیوں کا مرکز بنائے ہوئے تھے اور دور دور سے مجاہدین آتے اور طعام وقیام سے مستفید ہوتے۔ اسی جرم میں ان کو حبس دوام بعبور دریائے شور کی سزا ہوئی صاحب انوار العارفین لکھتے ہیں[3]:

" درخانقاہ خود وارد وصادر را طعام می دادند گویا کہ لنگر خانہ

---

[1] سرکشی۔ صفحہ ١١١-١١٢ [2] پر یہ مہریں نقل کی گئی ہیں۔ [3] انوار العارفین۔ صفحہ ٤٦٢۔

وے حضرت سفرۂ عام بود، چہ از دشمن چہ از دوست دریغ
نمی داشتند، چنانچہ در ایام غدر ہندی در لنگر خانہ وے حضرت
دوست و دشمن می آمدند و طعام می خوردند و می رفتند و وے
حضرت با کسے حاجتے و کارے نداشتند و مولد و مسکن و متوطنش
قصبۂ سیوہارہ بود۔"

ایک مخبر جاسوس نے انگریزی حکومت سے چغلی کی کہ حضرت شاہ غلام بولن مجاہدین سے ساز باز رکھتے ہیں اور ان کی خانگاہ میں مجاہدین کو لنگر عام ملتا ہے۔ حکومت نے اس جرم میں کالے پانی کی سزا دی وہاں ۲ ربیع الاول ۱۲۷۶ھ کو واصل بحق ہوئے کسی نے قطعۂ تاریخ کہا ہے[1]

زیں دار فنا چو رخت بربست
شد خلد بریں مقام و مسکن
تاریخ وصال او خرد گفت
ماوائے جہاں غلام بولن

ان کے ایک فرزند محمد عاشق تھے، جو صوفی منش اور صاحب نسبت بزرگ تھے، شاہ غلام بولن قادری سلسلے کے مشہور شیخ تھے اور مرادآباد کے مشہور صاحب نسبت بزرگ شاہ بلاقی کے پڑپوتے تھے، حضرت شاہ غلام بولن بن شاہ کریم اللہ بن شاہ رحمت اللہ بن حضرت شاہ بلاقی ہے[2]

محمد عاشق کے فرزند خواجہ احمد تھے خواجہ احمد مرحوم کی دلائل الخیرات راقم الحروف کے پاس محفوظ ہے۔ جو انہوں نے میرے کسی بزرگ کو مرحمت فرمائی تھی[3]

---

[1] انوار العارفین - ص ۵۴۷ [2] سوانحمری حضرت شاہ بلاقی مرادآبادی از احمد حسین (مطبع سعیدی رامپور ۱۳۳۰ھ) ص ۲۴ و ۲۵ [3] اس کتاب پر تحریر ہے عطیہ جناب میاں سید خواجہ احمد صاحب قادری رامپوری دام مجدہٗ ابن حضرت میاں سید محمد عاشق صاحب قادری

بریلی کی جنگ آزادی کی کہانی
سید محمد رضا لکھنوی کی زبانی

جنگ آزادی ۱۸۵۷ء کے متعلق انگریزوں نے اپنے نقطۂ نظر سے بہت کچھ لکھا ہے، خود ہندوستانیوں نے بھی اسی زمانے میں یا قریب العہد زمانے میں جو کچھ لکھا ہے وہ بھی بڑی حد تک انگریزوں ہی کے نقطۂ نظر سے لکھا ہے، لیکن ان دستاویزوں اور تحریروں سے بھی اصل حالات اور واقعات کا بڑی حد تک اندازہ ہو جاتا ہے۔ رضا لائبریری رامپور میں اسی قسم کی ایک قلمی دستاویز "مفاتیح الریاست" کے نام سے محفوظ ہے، جو نجم الدولہ افتخار الملک سید محمد رضا خاں بہادر حسام جنگ (لکھنوی) کی تالیف ہے یہ کتاب ۱۸۶۱-۱۸۶۰ء میں لکھی گئی ہے۔ مصنف نے اس میں ایک تکملہ "آثار المحشر" کے نام لگایا ہے جو جنگ آزادی ۱۸۵۷ء کے حالات اور واقعات پر مشتمل ہے۔ یہ اضافہ ۱۲۸۱ھ میں کیا گیا ہے۔ آثار المحشر تاریخی نام ہے۔

۱۹۶۳ء میں جب ہمیں رضا لائبریری رامپور میں اس مخطوطہ کے دیکھنے کا اتفاق ہوا تو ہم نے بریلی سے متعلق پورا اقتباس اس کتاب سے نقل کر لیا۔ جو اردو ترجمہ کے ساتھ مع ضروری حواشی یہاں پیش کیا جا رہا ہے۔ مصنف اور اس کے والد اور چچا انگریزی حکومت کے ملازم تھے اور بریلی میں عرصہ دراز سے تعینات تھے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ خان بہادر خاں اور ان کے خاندان سے متعلق جو حوالے یا اشارے دے گئے ہیں وہ بڑی حد تک صحیح ہیں۔ مصنف کا نقطۂ نظر سراسر سرکاری ہے، اور اس نے انقلابیوں، مجاہدین اور قائدین تحریک مثلاً خان بہادر خاں و شہزادہ فیروز شاہ وغیرہ کے کردار کو جس طرح پیش کیا ہے وہ ظاہر ہے۔ اس کے سوا وہ کچھ اور لکھ بھی نہیں سکتا تھا۔ اس کی غلط بیانیوں کی تردید خود اسی کی تحریر سے ہو جاتی ہے

مصنف نے ان قائدین تحریک کو مسکرات کا عادی لکھا ہے اور اس بات پر بہت زور دیا ہے یہ بھی سراسر اتہام تراشی ہے۔

محمد رضا کی فارسی منشیانہ ہے۔ بعض جملے بے ربط ہیں۔ یہ کتاب رجسٹر سائز کے ۲۹۸ صفحات پر مشتمل ہے۔ ہم نے صفحات ۱۳۱ تا ۱۳۷ کا اقتباس یہاں پیش کیا ہے۔

پس منظر[۱] چنانچہ نوشتہ آرم کہ حافظ رحمت خاں ریاست آنجا داشتہ قلعہ بر آراستہ بود از وقتیکہ میانہ نواب وزیر شجاع الدولہ و حافظ الملک موصوف محاربہ شدہ و حافظ کشتہ گردید، در عملداری وزیر و در وقت تقسیم ملک میانہ نواب وزیر سعادت علی خاں و انگریز در قبضہ انگریز از مدت قریب پنجاہ سال تخمیناً بودہ است[۲]

چنانچہ لکھتا ہوں کہ حافظ رحمت خاں وہاں کے رئیس مملکت تھے انہوں نے قلعہ کو درست کیا تھا۔ اور اس وقت سے جبکہ نواب وزیر شجاع الدولہ اور حافظ الملک موصوف کے درمیان لڑائی ہوئی اور حافظ مارے گئے، نواب وزیر کی عملداری میں اور جب نواب وزیر سعادت علی خاں اور انگریز کے درمیان ملک تقسیم ہوا (تو انگریز کا قبضہ ہوگیا) اور (اس ملک کو) انگریز کے قبضہ میں تقریباً پچاس سال کے قریب ہو گئے۔

تسلط انگریز قلعہ آنجا را صاحبان انگریز

انگریزوں نے وہاں (بریلی) کے قلعے کو ڈھا دیا اور ایک مدت تک مولف کی سکونت

---

[۱] یہ عنوانات ہم نے قائم کئے ہیں۔ [۲] روہیل کھنڈ دوآبہ کا علاقہ ۱۸۰۱ء میں انگریزوں کے قبضے میں آیا۔ اور کتاب مفاتیح الریاست کی تالیف ۶۱-۱۸۶۰ء میں ہوئی اس طرح روہیل کھنڈ میں انگریزوں کی حکومت کو تالیف کتاب کے وقت ساٹھ سال ہوئے تھے۔

منہدم نمودند۔ مدتے سکونت
مؤلف ہم در آں قلعہ مع عم خود
اقبال الدولہ واقع، و حکومت اکثر
آں بلاد دہ سال برابر بمؤلف ماندہ
در ہنگام قیام مؤلف مسٹر سٹین
ناظم و صاحب اپیل آنجا بود
بحکم اہالیان صدر جہت اولاد
حافظ الملک بمشورۂ والد و عم مولف
چناں قرار دادہ بودند کہ سراسم ذکور
اولاد حافظ جیو سہ صد روپیہ ماہوار
و سراسم عورات یکصد پنجاہ روپیہ
ماہوار معین کردو چنانچہ ہر یکے
می یافت۔ الاکثرت اولاد حافظ الملک
بسیار گردید۔

اولاد حافظ رحمت خاں

چوں پسران حافظ الملک کہ ہر یکے با
لیاقت تمام بودند جہاں را
پدرود کردند نبائر حافظ جیو
بر رو آمدند۔ درمیان ایشاں
ہم اکثر بالیاقت بر آمدند ازاں
جملہ احوال احمد یار خاں کہ بخانہ رئیس
فرخ آباد در ایام سابق مدار المہام

اس قلعے میں اپنے چچا اقبال الدولہ کے ہمراہ
رہی، اور وہاں کے شہروں کی حکومت دس
سال برابر مؤلف کے پاس رہی اور مؤلف
کے قیام کے زمانے میں مسٹر سٹین وہاں
کے ناظم اور صاحب اپیل تھے۔ انہوں
نے افسران صدر (نظامت) کے حکم اور
مؤلف کے والد اور چچا کے مشورے سے
حافظ الملک کی اولاد کے واسطے طے
کیا کہ حافظ جیو کی ہر مذکر اولاد کے لئے
تین سو روپیہ ماہوار اور ہر عورت کے
لئے ڈیڑھ سو روپیہ ماہوار مقرر ہوئے چنانچہ
(یہ وظیفہ) ہر ایک پاتا تھا۔ لیکن
حافظ الملک کی اولاد کی کثرت بہت زیادہ
ہو گئی تھی۔

جب حافظ الملک کے لڑکے کہ جن میں
ہر ایک تمام لیاقت کا مالک تھا
انتقال کر گئے اور حافظ جیو کے پوتے
ہوئے ان میں بھی اکثر بالیاقت
ہوئے ان میں سے احمد یار
خاں کا حال جو زمانہ سابق میں
رئیس فرخ آباد کے
یہاں مدار المہام رہے
تھے ریاست فرخ آباد کے

شدہ بود، در حال ریاست فرخ آباد گزشت[1]

احوال نواب مجید خاں

نواب مجید خاں کہ در لکھنؤ ہمراہ حکیم مہدی علی خاں روزگار ڈپٹی گری ضلع بریلی گزاشتہ آمدہ لکھنؤ چندے کلکٹر فوجی بر اضلاع سلطان پور و [۱۳۱] من بعد بر عہدۂ متوسطی مامور شدہ و اینجا حسب ارشاد مسٹر سلیمن ببدنامی رشوت در افتادہ معزول گشتہ مراجعت بریلی کردہ بودند و بالفعل بر کیفیت انتزاع ملک از سلطان عالم واجد علی شاہ و روانگی بادشاہ بہ کلکتہ متخبر شدہ از آں کہ دل سوختہ مسٹر سلیمن بودند، متوقع آں کہ شاید در کلکتہ نیز عہدۂ متوسطی بادشاہ بدست افتد نزد واجد

بیان میں گذرا ہے۔

نواب مجید خاں کا حال جو کہ ضلع بریلی کی ڈپٹی گری کی ملازمت چھوڑ کر لکھنؤ آئے اور لکھنؤ میں کچھ دنوں اضلاع سلطان پور کے فوجی کلکٹر اور اس کے بعد متوسطی کے عہدے پر مقرر رہے اور یہاں (لکھنؤ میں) مسٹر سلیمن کے کے ارشاد کے مطابق بدنامی ہوئی اور معزول ہو کر لوٹ گئے۔ اور جب سلطان عالم واجد علی شاہ سے ملک کا نکلنا معلوم ہوا اور جب ان کو بادشاہ کی روانگی کلکتہ کی یقینی خبر مل گئی چونکہ وہ مسٹر سلیمن سے دل گرفتہ تھے اس توقع میں کہ شاید کلکتہ میں بھی بادشاہ کی متوسطی کا عہدہ مل جائے لہذا واجد علی شاہ کے پاس پہونچے اور بادشاہ کی وقعت جوان کے

---

[1] نواب احمد یار خاں بن نواب ذوالفقار خاں، خان بہادر خاں کے بھائی تھے۔ ملاحظہ ہو عہد بنگش کی سیاسی، علمی و ثقافتی تاریخ (از مفتی ولی اللہ مرتبہ محمد ایوب قادری) کراچی ۱۹۶۵ء) ص ۲۱۰۔ و حیات حافظ رحمت خاں۔ از الطاف علی بریلوی۔ (بدایوں ۱۹۳۳ء) ص ۳۳۲ - ۳۳۳

علی شاہ خود را رسانیدند و چون
وقعت بادشاہ چنانچہ متصور شاں
بود در کلکتہ ندیدند، متاسف گردیدہ
و جہت مصارف امدادی نیافتہ
در کلکتہ بیمار افتادہ قضا نمودند، ہم
براں نمط دیگر بعضے از نبائر حافظ جیو
ہم در عہدہ و خدمات ملازمی انگریز
می داشتند .

خیال میں تھی کلکتہ میں نہ دیکھی بہت
افسوس ہوا ۔ مصارف کے واسطے
کوئی امداد نہ ملی کلکتہ میں بیمار
پڑکر قضا کر گئے اسی طرح حافظ
جیو کے بعض پوتے بھی انگریزی
ملازم اور عہدے دار
تھے .

ازاں جملہ نواب خان بہادر خاں

بہادر خاں فرزند نواب ذوالفقار خاں
بن حافظ الملک از مدت چہل سال
ملازم شدہ بالفعل عہدۂ صدر امانت
بدر ماہہ دو صد روپیہ از سرکار انگریز
جہت الشاں مقرر بود ۔ دریں نوکری
بمقدار دو ہزار روپیہ از قسم پشمینہ
و سیمینہ جمع کردہ بودند ۔ بسکہ مرد
مصرف، فضول خرچ و باہمت بودند
بعد صرف زیادہ ازیں مقدار
پس انداز نداشتند، لیکن عادت
بخوردن شراب و بنگ و افیون
وغیرہ مسکرات پیدا ساختہ بسبب کبر
سن و سال کہ عمر شریف شاں از ہشتاد

ان میں سے نواب خان بہادر خاں فرزند
نواب ذوالفقار خاں بن حافظ الملک
چالیس سال سے ملازم رہا اور اس
زمانے میں دو سو روپے ماہوار پر
صدر امین کے عہدے پر سرکار انگریزی
کی طرف سے مقرر تھے ۔ اس نوکری میں انہوں
نے دو تین ہزار روپے نقد اور ہزار دو
ہزار روپے کا پشمینہ و سیمینہ وغیرہ بھی
جمع کر لیا تھا ۔ بہت صرف کرنے والے
فضول خرچ اور باہمت تھے .
اس مقدار سے صرف کرنے کے بعد
پس انداز نہ رکھتے تھے لیکن شراب پینے
بھنگ اور افیوں وغیرہ کے کھانے
کی عادت پیدا ہو گئی تھی زیادہ عمر
ہو جانے کی وجہ سے کہ ان کی عمر بہتر تہتر

ودو سال دیگر متجاوز بود اکثر در غنودگی می گزشت۔ [1]

آغازِ انقلاب

ہرگاہ فساد فوج بہادر آں ضلع درپیش آمد بخت خاں نامی رسالدار ملازم انگریز کہ در تعیناتیاں ضلع بریلی ملازم انگریز بود و درآں ضلع فسادے دریں انقلاب برداشتہ بعضے انگریز را ازجاں گزرانید، دراں وقت صاحب کمشنر آں ضلع مع دیگر صاحبان انگریز از اہل قلم و اہل فوج خواستند کہ قیام اماکن خود ترک کردہ باطراف دیگر روند۔ [۱۳۲]

صاحب کمشنر خان بہادر را طلب داشتہ، از فساد آگاہ کردہ فرمود کہ شما ملازم قدیم ایں سرکار

سال سے زیادہ ہوگئی تھی اکثر اونگھتے رہتے تھے۔

جب اس ضلع میں فوج کا فساد شروع ہوا تو انگریز ملازم بخت خاں رسالدار نے کہ جو انگریز ملازم کی حیثیت سے ضلع بریلی میں تعینات تھا اس ضلع میں انقلاب میں ایک فساد برپا کردیا۔ بعض انگریزوں کو جان سے ختم کردیا اس وقت اس ضلع کے کمشنر صاحب نے دوسرے فوجی اور سول انگریز حکام کے ہمراہ چاہا کہ اپنے ٹھکانوں کا قیام چھوڑ کر کہیں اور چلے جائیں۔

صاحب کمشنر نے خاں بہادر کو بلا کر فساد سے آگاہ کرکے فرمایا کہ تم اس سرکار کے قدیم ملازم اور مشہور و

---

[1] نواب خان بہادر خاں کو منشی گلزاری لال مؤلف تواریخ ضلع بریلی (قلمی) نے برگزیدۂ خاندان لکھا ہے نواب خان بہادر خاں کے اخلاق وکردار کو سمجھنے کے لئے ان کی تالیف "مقاصد الصالحین" کا ذکر ضروری ہے۔ اس کتاب میں مؤلف نے شریعت وطریقت کے آداب و واجبات کا ذکر کیا ہے۔ کاش محمد رضا لکھنوی اس کتاب کو دیکھ لیتا تو انگریزی خوشامدیں اس قسم کی بے سروپا باتیں نہ لکھتا۔

داز رئیسان نامی ونامور ابد بہتر آنکہ
درچنیں اوقات ریاست تمام ایں
ضلع متعلق شما کردہ می دہیم شما آمادہ
آں شوید وتا توانید صورت اصلاح
برآرید واگر نتوانید از ملکی ملکی خبردار
باشید خان بہادر خاں نظر بر عادات
خود کردہ بخیال آوردند کہ انتظام
ایں قدر ملک در مخموری عادی خود ازما
دور از امکان است، قبول نکردند صاحبان
کمشنر مع دیگر سرداران انگریز راکہ جلدی
در روا روی بود مقدمہ ناتمام گزاشتہ
از بریلی برآمدہ رفتند۔

حکومت خان بہادر خاں (بعد روانگی)

آنہا بخت خاں رسالہ دار متوطن بریلی[2]
از خان بہادر خاں ملاقات کردہ ترغیب
دہانید کہ منصب ریاست ایں جا غیر از
شما بر دیگرے سزاوار نیست غرض کہ

معروف رؤسا میں سے ہو بہتر یہ ہے
کہ ایسے وقت میں اس ضلع کی تمام حکومت
تمہارے متعلق کر دی جائے تم اس کیلئے
تیار ہو جاؤ، اور جہاں تک ہو سکے اصلاح
کی صورت نکالو، اور اگر (اصلاح)
نہ کر سکو تو ہر علاقے سے خبردار رہو خاں بہادر نے
اپنی عادتوں پر نظر کر کے خیال کیا کہ اتنے
بڑے ملک کا انتظام اپنے جیسے عادی
نشہ باز سے یعنی) ہمارے امکان سے باہر ہے
قبول نہ کیا۔ کمشنر صاحب دوسرے
انگریز حکام کے ہمراہ کہ جو جلدی میں تھے
معاملہ کو ناتمام چھوڑ کر بریلی سے نکل کر چلتے بنے
ان کے چلے جانے کے بعد بریلی کے
رہنے والے بخت خاں رسالہ دار نے
خان بہادر خاں سے ملاقات کر کے ترغیب
دلائی کہ اس مقام (بریلی) کی ریاست کا
منصب تمہارے علاوہ کسی دوسرے
کے لئے مناسب نہیں ہے، غرض

---

[1] انگریز کے خوشامدی نے کیا توجیہہ کی ہے۔ "بریں عقل و دانش بباید گریست" [2] محمد رضا لکھنوی کی یہ شہادت خاص اہمیت کی حامل ہے کہ اس نے بخت خاں کو متوطن بریلی لکھا ہے، چونکہ اس کے باپ، چچا اور وہ خود ایک عرصہ سے بریلی میں ملازم اور سکونت پذیر رہے ہیں لہٰذا بخت خاں کے سلسلے میں اسکی یہ اطلاع بہت اہم ہے۔

بایمائے بخت خاں و ترغیب بعضے دیگر اقربا، مصلحت برآں قرار یافت کہ خان بہادر خاں مذکور خود را بریاست نمودار کردہ، علاقہ دیوانی خود حوالہ سوبھارام نام قوم کایستھ و منشی گری بہ فیض علی[1] نام تفویض کردہ تحصیلداران عہد انگریزی را طلب نمودہ نقشہ عہد انگریزی بدستور بحال داشتہ حکم احکام حاکمانہ جاری گردانید و نگاہداشت سپاہ شروع نمود در اندک عرصہ قریب چہل ہزار پیادہ و سوار از مردم بریلی و رامپور افاغنہ ملازم و مطیع ایشاں گردید۔

بخت خاں کے مشورے اور بعض دوسرے اقربا کی ترغیب سے اس پر سمجھوتہ ہوا کہ خان بہادر خاں مذکور خود رئیس بن جائیں، اپنی (حکومت) کی دیوانی کی خدمت سوبھارام قوم کایستھ اور منشی گری فیض علی کو سپرد کر دیں انہوں نے عہد انگریزی کے تحصیلداروں کو طلب کر کے انگریزی عہد کا نقشہ بدستور بحال رکھا، اور حاکمانہ حکم احکام جاری کر دئے۔ فوج کی نگرانی شروع ہوئی تھوڑی سی مدت میں بریلی اور رامپور کے افغانوں میں سے تقریباً چالیس ہزار پیدل اور سواران کے ملازم اور مطیع ہو گئے۔

---

[1] منشی فیض علی قاضی ٹولہ کے بزرگ تھے۔ ان کے دو صاحبزادے عبدالحبیب اور عبدالعلیم تھے، ان کی صاحبزادی فضیلت النساء بریلی کے مشہور قومی کارکن قاضی افتخار احمد ابن شمشاد احمد کے دادا، قاضی ارشاد علی (ابن عوض علی ابن محمد حیات) کو منسوب تھیں۔ "جنگ آزادی کے بعد منشی فیض علی کی جائداد اور کل اثاث البیت ضبط کر لیا گیا۔ اور قید کی سزا دی گئی۔ حتیٰ کہ قاضی ٹولہ کا مسکونہ مکان تک مسمار کرا دیا گیا۔ اور دوسری املاک خیر خواہاں سرکار انگریزی کو تقسیم کر دی گئی۔"

مکتوب قاضی افتخار احمد بریلوی۔ بنام محمد ایوب قادری مورخہ ۴ اکتوبر ۱۹٦٦ء (۱۱ جولائی ۱۹٦۲ء کو افتخار بریلوی کا کراچی میں انتقال ہو گیا)

تقررِ عمّال

آں وقت شاہ کبیر خاں را کہ یکے از روسائے رامپور و شوہر خواہر ایشاں بود عہدۂ بخشی گری سپرد و مہدی علی خاں نام ساکن بریلی را صاحب تحصیل ملک کردہ، نیاز محمد خاں نامی را جرنیل فوج و مدار علی خاں را سپہ سالار نمودہ، نظامت پیلی بھیت بہ مولوی فضل حق[1] و غلام قادر خاں نامی را نظامت [۱۳۳] شاہجہاں پور حوالہ ساختہ از سرحد شاہجہاں پور ملحق بعمل ملک اودھ تا تعلقات پرگنہ مراد آباد و سنبھل در قبضہ و تصرف خود آوردند کہ در اوقات عمل انگریز جمع ایں قدر علاقہ بہ تعداد دہ ہشتاد لک روپیہ می رسید و بسبب مقرر داشتن عمال واقف کار سلسلۂ تحصیل زر محصولات ملکی شروع گشتہ، آمدنی

اس وقت رخاں بہادر خاں نے، شاہ کبیر خاں کو کہ جو رامپور کے ایک رئیس اور ان کے بہنوئی تھے بخشیگری کا عہدہ دیا اور مہدی علی خاں ساکن بریلی کو تحصیل ملک کا تحصیلدار کیا نیاز محمد خاں کو جرنیل فوج اور مدار علی خاں کو سپہ سالار فوج بنایا، پیلی بھیت کی نظامت مولوی فضل حق کو اور شاہجہاں پور کی نظامت غلام قادر خاں کے سپرد ہوئی، شاہجہاں پور کی سرحد سے کہ جو ملک اودھ سے ملی ہوئی ہے پرگنہ مراد آباد و سنبھل کے متعلقات تک اپنے قبضے اور تصرف میں لے آتے کہ انگریزی حکومت کے زمانے میں اس علاقے کی آمدنی ستر اسی لاکھ روپے تک پہونچتی تھی۔ واقف کار اہلکاروں کے مقرر کرنے کی وجہ سے محصولات ملکی کی وصول یابی کا سلسلہ ہوگیا اور آمدنی خزانے میں داخل ہونے

---

[1] مولانا فضل حق خیرآبادی مراد نہیں ہیں، بلکہ یہ ایک دوسرے رامپوری بزرگ ہیں۔ بلکہ ان مولوی سید فضل حق رامپوری کے سارے کارنامے مولانا فضل حق خیرآبادی کے نام میں لکھے گئے۔ اور مولانا فضل حق خیرآبادی کو قید و بند کے بڑے شدائد و مصائب بھگتنے پڑے۔ ملاحظہ ہو ماہنامہ تحریک دہلی، جون ۱۹۶۰ء۔ تذکرہ کاملان رامپور۔ ص ۳۲

داخل خزانہ می شد

خلعت از بہادر شاہ ظفر پس عرضداشت

بحضور ظلِ سبحانی در شاہجہان آباد مع نذر و تحائف ارسال کردہ، از آنجا فرمان مع خطاب انتظام الدولہ محافظ الملک خان بہادر خاں بہادر ہزبر جنگ و خلعت دوشالہ و رومال در رسید ایشاں فرمان، باڑی بیرون شہر ایستادہ کردہ، خلعت پوشیدہ

مدت یک سال از ابتدائے هفتم شوال تا آخر رمضان یازدہ و نیم ماہ بحکومت بسر کردند لیکن بسبب کثرت مسکرات کہ در استعمال اوشاں بود و ہموارہ در غفلت می داشت[1] مردم شہر از ایشاں راضی نبودند خصوص مہاجناں کہ آنجا می ماندند و از سخت گیری و تنگ طلبی و خواستن کمال آزردہ شدہ به اطراف از بریلی بر آمدند و ریاست خود ترک کردند[2]۔

لگی۔

پھر حضرت ظل سبحانی (بہادر شاہ ظفر) کے حضور میں عرضداشت نذر و تحائف کے ساتھ دہلی بھیجی گئی وہاں سے فرمان مع خطاب انتظام الدولہ محافظ الملک خان بہادر خاں بہادر ہزبر جنگ، خلعت دوشالہ اور رومال ملا۔ انہوں نے شہر کے باہر آرائش کا حکم دیا اور خلعت پہنا۔

تقریباً ایک سال، ۷ شوال سے آخر رمضان تک ساڑھے گیارہ مہینے حکومت کی۔ لیکن نشے کی کثرت کی وجہ سے کہ جو ان کے استعمال میں رہتا تھا ہمیشہ غفلت میں گزرتی تھی شہر کے لوگ ان سے راضی نہ تھے۔ خاص طور پر مہاجن کہ جو وہاں رہتے تھے وہ سخت گیری، زیادتی اور طلبی کی وجہ سے بہت پریشان تھے بریلی سے ادھر اُدھر چلے گئے اور اپنی ریاست چھوڑ گئے۔

---

[1] یہاں انگریزی خوشامد میں کثرت مسکرات اور غفلت کا ذکر کر رہا ہے اور اوپر حکومت کا جو نقشہ کھینچا ہے اس سے خان بہادر خاں کی ہوشمندی اور جہانبانی کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے۔ سچ ہے "دروغ گو را حافظہ نباشد"

[2] بریلی کے بہت سے مہاجن انگریزوں سے ملے ہوئے تھے اور ان کو روپیہ اور خبریں نینی تال وغیرہ بھیجتے تھے اس لئے انقلابی ان پر شدت کرتے تھے۔

کجا ہوشیاری انگریز و کجا غفلت اہل ہندوستان
کہ تفاوت زمین و آسمان است ازاں کہ
خلق خو پذیراں بود کہ تدارک ہر مقدمہ
از مقدمات فوجداری معاً میگردید ایں جا
آں تدارک و آں تحکم چگونہ ممکن بودے
و ہم چناں از اقربائے ایشاں نیز بعضے
از ایشاں راضی و بعضے ناراضامند
بحدے کہ اولاد نواب محبت خاں مثل
حیدر علی خاں و برادرشاں بسبب آمدن
خط طلب، قیام لکھنو ترک کردہ بہ بریلی
رفتہ بودند امارضامند نہ ماندند بلکہ
مخالفت ازیں ہا واقع شد۔

قائدین تحریک کی آمد

عرض بنام اکبر حبیب
قدر ہم فرستادہ
مبارک سلامت
واقع شد۔ تانتیا راؤ ہم بریلی آمدہ فیما بین
مصلحت داشت، فیروز شاہ ہم بعد فتحیابی
مراد آباد غارت کردہ آدرد ن چند ضرب
وسر انجام از لشکر انگریز در بریلی آمد چند
شریک شد۔ [۱۳۴]

شاہجہانپور

غفلت خان بہادر خاں
باید دید کہ چوں

کہاں انگریز کی ہوشیاری اور کہاں
ہندوستانیوں کی غفلت کہ (دونوں)
میں زمین آسمان کا فرق ہے اور ایک تے
سے مخلوق اس کی عادی تھی کہ فوجداری کے
مقدمات میں سے ہر مقدمے کا فیصلہ فوراً ہو جاتا
تھا۔ یہاں وہ فیصلہ اور وہ حکم کیسے ممکن
تھا۔ اسی طرح ان کے رشتہ داروں میں سے
بعض ان سے راضی تھے اور بعض ناراض
تھے، یہانتک کہ نواب محبت خاں کی اولاد
مثلاً حیدر علی خاں اور ان کے بھائی طلبی
کا خط آنیکی وجہ سے لکھنو کا قیام ترک کر کے بریلی
پہنچ گئے لیکن خوش نہ رہے، بلکہ ان سے مخالفت واقع ہوئی۔
غرض ہر حبیس قدر کو بھی پیغام بھیج کر مبارک
سلامت شروع ہوئی تانتیا راؤ بھی بریلی آیا
دونوں میں کوئی مصلحت تھی مراد آباد
کی فتح یابی کے بعد فیروز شاہ بھی لوٹ مار
کرتا ہوا انگریزوں سے مقابلے
اور چند جھڑپوں کے بعد
بریلی میں آکر ان سب میں شامل
ہوگیا۔

خان بہادر خاں کی غفلت دیکھنی چاہیے کہ
چونکہ ریاست کے کاموں میں سب سے

لہ خان بہادر خاں کی غفلت نہیں تھی محرر ایں سطور کی طرح بہت سے لوگ انگریز کے (باقی اگلے صفحہ پر)

اصل الاصول امر ریاست اخبار اطراف
و واقفیت از امور دور دست است
وخصوص در چنیں ہنگام انقلابیہ کہ نگہداشتن
و برگماشتن جاسوسان مخفیہ تا دہلی و
لکھنؤ و راجواڑہ ہر چہار سمت بلکہ تا کلکتہ
و بمبئی می بایست - ایں جا تا شاہجہانپور
ہم دو منزل است کہ انگریز غالب شدہ
بعد قتل و غارت اہل شاہجہاں پور کہ درویش
احمد اللہ آمدہ بہ جنوبے از آنجا پوایاں
رفت و احمد علی داروغہ جہاں آباد نزد
بیگم صاحب رفت، مالاگڑھ والہ کہ مرد
افیونی شبانہ روز از یقظ و نوم و چرت
خوردن کارش نبود مغلوب گشتہ سمت
دیگر شتافت۔

انگریز فتح یاب شدہ بقتل و تاراج
شاہجہاں پور کوشیدہ - بقول آنکہ۔
مصرع - آئے طریق دولت چالاکی است و چستی

راہی بریلی گردیدہ بر سر
می آمد - ہنوز خان بہادر خان زیں

اصل بات اطراف کی خبریں اور دور کے
معاملات کی واقفیت ہوتی ہے اور
خاص طور سے ایسے انقلابی ہنگامے میں
خفیہ جاسوسوں کا تقرر اور تعیناتی دہلی
لکھنؤ، رجواڑے چاروں طرف بلکہ
کلکتہ اور بمبئی تک ہونی چاہیے تھی یہاں
سے شاہجہاں پور دو منزل ہے وہاں
انگریز غالب آ گئے اہل شاہجہاں پور کے قتل و غارت
کے بعد درویش احمد اللہ آ گئے اور وہ وہاں سے
جنوب کی طرف پوایاں چلے گئے اور جہاں آباد کے
داروغہ احمد علی بیگم صاحب (اودھ) کے پاس چلے گئے
مالاگڑھ والا کہ جو افیونی آدمی تھا کہ جسکو رات دن
جاگتے سوتے جماہی لینے کے سوا کوئی کام
نہ تھا مغلوب ہو کر دوسری طرف چلا گیا۔

انگریز فتح یاب ہو کر شاہجہاں پور کے
قتل اور لوٹنے میں کوشاں ہوئے۔ بقول انکے
مصرع - آئے طریق دولت چالاکی است و چستی
(پھر) بریلی کی راہ کی اور سر پر آ گئے
خان بہادر خاں اس خبر سے غافل تھے یہاں تک کہ

(بقیہ نوٹ صفحہ گزشتہ) ازلی وفادار موجود تھے۔ جنہوں نے اس تحریک کو ناکام بنایا۔
ان میں سب سے زیادہ مخالفت نواب رام پور کی طرف سے تھی۔ اس کی طرف
اشارہ نہیں کیا۔

بر غافل بودے تا آنکہ فیروز شاہ متنجر گشتہ بہ خان بہادر خاں اطلاع نمود ۔ آں وقت خان بہادر خاں دو ہزار سوار ودو سہ ہزار پیادہ ہمراہ دادہ فیروز شاہ را مامور دہراول گردانید کہ معز الیہ درکنار دریائے نکٹیا کہ دو کردہ از بریلی است وصرا طے ہم می دار در سیدہ ، ایں طرف دریا مور چال خود قائم نمودند وآں طرف دریا در عرصہ دو پاس بعد رسیدن ایں ہا پیش روانان لشکر انگریز کہ آنرا لین ڈوری می گویند در رسید۔

سقوطِ بریلی

چوں فیروز شاہ ایں اخبار فرستاد خان بہادر خاں سراسیمہ گشتہ تیاری مردم سپاہ حکم داد در عایا وسپاہ چوں بر حال مطلع گردید کہ انگریز از دو جانب یکے از راہ رامپور دوم از راہ شاہجہاں پور عازم [۱۳۵] بریلی

فیروز شاہ کو بھی یقینی طور سے خبر مل گئی ۔ اور اس نے خان بہادر خاں کو اطلاع دی، اس وقت خان بہادر خاں نے دو ہزار سوار اور دو تین ہزار پیادے ہمراہ کر کے فیروز شاہ کو ہراول مقرر کر دیا کہ وہ دریائے نکٹیا کے کنارے کہ جو بریلی سے دو کوس ہے اور سیدھا راستہ ہے پہونچا۔ دریا کے اس طرف اپنا مورچال قایم کیا۔ اور اس طرف دریا ان کے پہونچنے کے دو گھنٹے بعد انگریز کا لشکر بھی آگے آگے آگیا۔ کہ اس کو لین ڈوری کہتے ہیں ۔

جب فیروز شاہ نے یہ خبر بھیجی خان بہادر خاں سراسیمہ ہوئے سپاہ کے آدمیوں کو تیاری کا حکم دیا۔ رعایا اور فوج کو جب حال معلوم ہوا کہ انگریز دو طرف سے ایک رام پور سے دوسرے شاہجہاں پور سے بریلی آرہے ہیں اور قریب آپہونچے ہیں جس قدر

لہ یہ سفید جھوٹ ہے ' خان بہادر خاں شاہجہاں پور کے حالات و واقعات سے پوری طرح باخبر تھے۔ اور مولوی احمد اللہ شاہ سے نامہ وپیام تھا جیسا کہ سوانح احمدی کی معلوم ہوتا ہے۔

شدہ اینک قریب رسیدند ہر قدر
سواراں کہ ہمراہ خان بہادر بودند بمجرد
سماعت آں رو بفرار از قرار گاہ خود
نہادند ہر کہ برخاست پس ندید و رو
بہ گریز نہاد - ہر چند خان بہادر خاں
طلب اینہا نمود بہ منت و لجاجت و
پس ترغیب دادن و غیرت دادن و
دشنام نمودن کوشید - احدے از
سپاہ خصوص سواراں روپس بسوئے
بریلی نکردہ سر بصحرا بر آمدند و رعایا
نیز بریلی را گزاشتہ ہر یکے راہے
پیلی بھیت بہ تصور آنکہ جنگل از آنجا
قریب است - گردید پیشا پیش سوراں
و عقب شاں خان بہادر خاں و عقب
شاں رعایائے شہر بر آمدند - نوبت
جنگ و محاربہ ایشاں را نرسیدہ
الا فیروز شاہ چوں دید کہ فوج انگریز
بر کنار نکٹیا نمودار شدہ سہ چہار ضرب
توپ را فیر کرد و چوں عقب خود نگاہ
کرد ہمہ سپاہ را کہ ہراول رفتہ بودند
گریزاں یافتہ خود ہم لاچار از مورچال
برخاستہ مراجعت نمودہ در بریلی باز
آمدہ حشرے از گریختگاں برپا یافتہ

سوار خان بہادر خاں کے ہمراہ تھے وہ
یہ سنتے ہی اپنی قیام گاہ سے بھاگنے
کا ارادہ کرنے لگے جو اٹھا اس نے پیچھے
نہ دیکھا، اور بھاگ کھڑا ہوا - ہر چند
خان بہادر خاں نے ان کو چاہا منت
خوشامد کی پھر برا بھلا کہا، غیرت
دلائی، یہانتک کہ گالیاں دیں
فوج میں سے کسی نے خاص طور سے
سواروں میں سے (کسی نے) بریلی کی
طرف منہ نہ کیا، اور جنگل کی طرف
چلے گئے رعایا بھی بریلی کو چھوڑ کر اس
خیال سے پیلی بھیت کا راستہ لیا کہ
جنگل وہاں سے قریب ہے - آگے آگے سوار
اور ان کے پیچھے خان بہادر خاں اور
ان کے پیچھے شہر کی رعایا نکل کھڑی
ہوئی، ان کے لئے لڑائی اور جنگ
کی نوبت ہی نہ پہونچی - لیکن فیروز شاہ
نے جب دیکھا کہ انگریزی فوج نکٹیا
کے کنارے آگئی تین چار توپیں
چلائیں جب اپنے پیچھے دیکھا ساری
سپاہ کہ جو بطور ہراول بھی بھاگ کھڑی
ہوئی خود بھی مجبور ہو کر مورچال کو چھوڑ
کر لوٹ گیا اور بریلی واپس آیا بھاگنے والوں کا

خود هم سمت پیلی بھیت راهی شد
در آنجا این همه وقفه نموده از راه
جنگل بجانب محمدی راه گرفتند [له]
چند ایام رئیس فرخ آباد
در بهرائچ آمده متوقف خان بهادر
خان هم در بهرائچ متوقف و به
امید حمایت و فتح یابی بیگم و برجیس
قدر ساختند۔ خان بهادر خان
البته پنج شش هزار مردم پیش خود
و چهار لک روپیه نقدی داشت و
و رئیس فرخ آباد هم به موضع
بهرائچ آمده متوقف ماند، قلیل
سرمایه هم داشت این همه جمعیت
آماده آن بود که هر گاه مادر برجیس
قدر عازم شود در رکاب او باشند

ایک حشر برپا دیکھا وہ بھی پیلی بھیت کی
طرف چل دیا وہاں یہ سب ٹھہر گئے
اور جنگل کے راستے سے محمدی کی طرف چل پڑے
کچھ دنوں میں فرخ آباد کے
رئیس بہرائچ میں آکر ٹھہر گئے خاں
بہادر خاں بھی بہرائچ میں ٹھہر
گئے۔ اور بیگم و برجیس قدر
کی فتح یابی اور حمایت کی امید میں
مل بیٹھے۔ خان بہادر خان
کے پاس البتہ پانچ چھ ہزار آدمی
اور چار لاکھ روپے نقد
تھے۔ فرخ آباد کے رئیس
بھی بہرائچ آگئے وہاں ٹھہرے انکے پاس
قلیل سرمایہ تھا، اس ساری جماعت
کا یہ ارادہ تھا کہ جب برجیس قدر کی والدہ

له سبحان اللہ! سید محمد رضا نے کیا تصویر کھینچی ہے۔

ہم عصر انگریز نامہ نگار رسل اور عینی شاہد مجلی نے بریلی کی جنگ کی جو کیفیت لکھی ہے اس سے آج بھی مسلم خون میں حرارت پیدا ہو جاتی ہے اور اہل بریلی کا سر فخر سے بلند ہو جاتا ہے۔ سقوط بریلی کے بعد باوجودے کہ شہر خالی تھا۔ مگر شہر میں داخل ہونے کی انگریز میں ہمت نہ تھی ایسی داد شجاعت اہل بریلی نے دی تھی۔ سید محمد رضا لکھنوی نے انگریز کی خوشامد میں صورت حال ہی مسخ کردی ہے۔

بنا براں بطریق قزاقی اوقات بسر می ساختند ۔
المدعا بعد گریختن ہمہ مردم انگریزاں مع سپاہ داخل بریلی گشت دست بقتل خلائق و دار کشی و کندن عمارت کشودہ صدہا مردم بریلی را بردار کشیدند ، تنے چند از رعایائے شہر [۱۳۶] کہ مقابلہ آمدند ہزیمت یافتہ راہی ملکِ فنا گردید محلہ نو محلہ یا دیگر محلہ ہا از بیخ و بن کندہ شدہ تسلط انگریزی بقرار واقعی در بریلی و شاہجہاں پور چنان کہ در فرخ آباد شد آنجا ہم بسر نو واقع گردید و اعتماد بر رعایائے[1] آنجا ہم نماند ۔

چلے تو ہم بھی اس کے ساتھ ہولیں لہذا لٹیروں کی طرح زندگی بسر کر رہے تھے غرض سب کے بھاگنے کے بعد انگریز مع فوج بریلی میں داخل ہوئے مخلوق کا قتل ، پھانسی اور عمارت کے کھودنے اور ڈھانے کا سلسلہ شروع ہوا بریلی کے سیکڑوں آدمی پھانسی پر لٹکا دئے گئے شہر کی رعایا میں سے کچھ آدمی مقابلے پر آئے انہوں نے شکست کھائی اور مارے گئے نو محلہ کا محلہ دوسرے محلوں کے ساتھ جڑ سے اکھاڑ پھینکا گیا[1] اور انگریزی تسلط بریلی اور شاہجہانپور میں اس طرح از سر نو مکمل طور سے ہو گیا جیسا کہ فرخ آباد میں ہوا اور اور وہاں کی رعایا پر اعتماد نہ رہا ۔

---

[1] منشی عبدالعزیز خاں بریلوی لکھتے ہیں " سکھوں نے مسلمانوں پر قیامت ڈھا دی ۔ فوج نے قتل و غارت شروع کیا ، تمام شہر میں پھیل گئے مکانات لوٹے اور بڑی بے دردی سے قتل کرنا شروع کیا ۔ بعض غیرت دار عورتیں مع بچوں کے محمد فاضل پنجابی کے مکان کے پاس والے کنوئیں میں کود پڑیں فوجیوں نے انہیں نکلوایا اور خود قتل کیا ۔ جو لوگ گانوؤں کو بھاگے تھے وہ بھی اکثر لوٹے مارے گئے ۔ کاظم علی خاں رامپوری کے مکان کے پاس چند جگہوں پر فوج کے سپاہی پڑے تھے مرنے والوں کی لاشیں کوچہ و بازار مکانوں کے اندر باہر پڑے تھے ، بھنگی اٹھا اٹھا کر شہر کے باہر پھینکتے تھے ۔ (تاریخ روہیلکھنڈ صفحہ ۲۱۶ ـ ۲۱۷

باب سوم

دوآبہ

سہارنپور سہارنپور ضلع کا صدر مقام تھا، جنگ ۱۸۵۷ء کے آغاز کے وقت وہاں چھ سات یورپین تھے اور اتنے ہی یوروشین تھے۔ مراد آباد کی رجمنٹ ۲۹ کے ستر اسی سپاہی خزانے پر مامور تھے جن کا افسر بھی ہندوستانی تھا، جیل خانہ اور انگریز افسروں کی کوٹھیوں پر پہرے دینے والے سو سپاہی تھے۔ مسوری، دہرہ دون اور لنڈھورا کو سہارنپور سے راستہ جاتا تھا، پاس ہی قصبہ رڑکی تھا۔ وہاں انجینئرنگ کالج، ورکشاپ اور نہر کے شعبہ کا کارخانہ تھا یہ سب کارخانے ہندوستانی سپاہیوں کے ہاتھ میں تھے ضلع سہارنپور کا مجسٹریٹ رابرٹ اسپنکی (Robert Spankie) تھا اس کے جبر و تشدد نے اس علاقے میں آگ لگائی تھانہ بھون اور شاملی دو محاذوں پر مجاہدین نے مقابلہ کیا پہلے ہم تھانہ بھون کے مجاہدین کا ذکر کرتے ہیں

صورت یہ ہوئی کہ قاضی عنایت علی ابن سعادت علی ابن نجابت علی تھانہ بھون کے رئیس تھے ان کا چھوٹا بھائی عبدالرحیم کچھ آدمیوں کے ہمراہ ہاتھیوں کی خریداری کے لئے سہارنپور پہونچا۔ ایک ہندو بنئے نے مخبری کی کہ یہ شخص ہاتھی خرید کر بادشاہ سراج الدین ظفر کی مدد کے لئے دہلی جائے گا۔ مسٹر اسپنکی نے یہ سنتے ہی قاضی عبدالرحیم کو ان کے ہمراہیوں کے ساتھ گرفتار کر لیا اور لوگوں کو دہشت زدہ کرنے کے لئے عبدالرحیم اور ان کے رفقا کو مجمع عام کے سامنے پھانسی دیدی۔ جب یہ خبر تھانہ بھون پہونچی تو

---

[1] تذکرۃ الرشید حصہ اول از مولوی عاشق الٰہی میرٹھی (میرٹھ ۱۹۰۵ء) صفحہ ۷۳،۷۴

قاضی عنایت علی اپنے بھائی عبد الرحیم کی پھانسی کی اطلاع سے ہوش و حواس کھو بیٹھے۔ کیرانہ شاملی اور تھانہ بھون کے علاقے میں آگ لگ گئی۔ دیوبند، گنگوہ، نانوتہ وغیرہ سے لوگ تھانہ بھون پہونچے اور ایک مجلس شوریٰ منعقد ہوئی جس کے خاص خاص حضرات کے نام یہ ہیں، حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ، حافظ محمد ضامنؒ، مولانا محمد مظہر نانوتوی بانی مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور، مولانا محمد منیر نانوتویؒ، مولانا محمد قاسم نانوتویؒ، مولانا رشید احمد گنگوہیؒ، مولانا محمد احسن نانوتوی اور مولانا شیخ محمد تھانویؒ[1]۔ آخر الذکر دونوں حضرات نے جہاد کے خلاف رائے دی۔ آخر فیصلہ جہاد کے حق میں ہوا۔ حضرت حاجی امداد اللہ صاحب امیر جہاد مقرر ہوتے۔ حربی سیکریٹری مولانا محمد منیر نانوتوی اور فصل قضایا کا عہدہ مولانا رشید احمد گنگوہی کو ملا۔ مولوی عاشق الٰہی میرٹھی بڑی احتیاط سے لکھتے ہیں[2]:

"اس بد امنی کی حالت میں ...... عام باشندگان قصبہ کی یہ حالت ہوئی گویا ان کا مربی و منتظم بادشاہ سر سے اٹھ گیا اور شرعی و طبعی ضروریات و مخمصات میں بھی کوئی خبر گیراں نہ رہا، جسکی رائے پر عمل کریں پس یہ لوگ اعلیٰ حضرت حاجی صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اور عرض کیا کہ بلا کسی حاکم کی سرپرستی کے گزران دشوار ہے .... اس لئے آپ چونکہ ہمارے دینی سردار ہیں دنیاوی نظم حکومت کا بھی بار اپنے سر رکھیں اور امیر المومنین بن کر ہمارے باہمی قضئے چکا دیا کریں"

---

[1] مولانا شیخ محمد بن حمد اللہ ۱۲۳۰ھ / ۱۸۱۴ء میں تھانہ بھون میں پیدا ہوئے شاہ محمد اسحاق دہلوی کے نامور تلامذہ میں ہیں حضرت میاں جیو نور محمد جھنجھانوی کے مرید ہوئے کئی کتابوں کے مصنف ہیں جنمیں حاشیہ نسائی دفتر ہفتم مثنوی مولانا روم اور قسطاس فی موازنہ اثر ابن عباس مشہور ہیں ۱۲۹۶ھ / ۱۸۷۹ء میں انتقال ہوا (ملاحظہ ہو مقدمہ تحقیق وحدت الوجود والشہود مرتبہ نثار الحق، پاک اکیڈمی کراچی ۱۹۶۲ء)

[2] تذکرۃ الرشید حصہ دوم ص ۷۴۔

غرض کہ جہاد کی تیاریاں ہوگئیں، سب سے اول باغ شیر علی کی سڑک پر انگریزی فوج کے ایک دستے سے مقابلہ ہوا اور اس میں قاضی عنایت علی کامیاب ہوئے اس کامیابی کے بعد مجاہدین کے حوصلے بہت بڑھ گئے۔ مجاہدوں اور انقلابیوں کی ایک جماعت اپنے سروں کو ہتھیلیوں پر رکھ کر جہاد کے لئے نکل کھڑی ہوئی۔ سہارنپور میں پلٹن ۲۹ نے کھلم کھلا انقلابیوں کا ساتھ دیا۔ مجاہدین نے تھانہ بھون سے شاملی کا رخ کیا شاملی کے میدان میں جنگ ہوئی۔ انگریزی فوج سے مجاہدین کا سخت مقابلہ ہوا۔ مقابلے میں مجاہدین کو غلبہ نصیب ہوا۔ سرکاری سپاہی شاملی گڑھی میں مقیم ہو گئے، مجاہدین کے امیر الجیش حافظ محمد ضامن تھانوی[1] تھے۔ مجاہدین نے گڑھی کے دروازے کو آگ لگادی اور اندر داخل ہوگئے۔ دست بدست جنگ ہونے لگی، مجاہدین کے مقابلے پر حکومت انگریزی کی طرف سے محمد ابراہیم تحصیلدار بڑی بہادری سے مقابلہ کر رہا تھا اس نے اپنے بھائی اکبر خاں اور دوسرے خاندان والوں کو بھی اپنی مدد کے لئے بلالیا تھا۔ سرسید احمد خاں لکھتے ہیں[2]۔

---

[1] حضرت نور محمد جھنجانوی کے مرید، حضرت حاجی امداد اللہ صاحب کے پیر بھائی اور ساتھی تھے دونوں میں بڑی محبت اور تعلق تھا۔ صاحب انوار العارفین لکھتے ہیں: "حضرت صاحب خدمت بودند، چنانچہ اکثر یاران جناب چشم دید خود بیان می فرمایند کہ در ایام معرکہ آرائی کابل بر وقت قیام لاہور در معرکہ کابل بچشم خود دیدہ اند و سکنائے لاہور بیشتر قریب مغرب حضرت را گرد آلود آمدہ می دیدند چوں روز و وقت و تاریخ را مطابقت کردند، معلوم شد کہ روز یکہ حضرت در لاہور تشریف می داشتند دراں روز در پشاور یا دیگر جا ہمہ وقت دیدہ شدہ بودند، در ماہ محرم ۱۲۷۴ھ شربت شہادت کبریٰ چشیدند"۔ حافظ ضامن شہید کے حالات ان کے مرید حکیم ضیاء الدین ساکن رامپور منہاران نے "مونس ہجراں" کے نام سے لکھے ہیں، جس کا ایک قلمی نسخہ مدرسہ صولتیہ مکہ معظمہ کے کتب خانہ میں محفوظ ہے اور اس مخطوطے کی روشنی میں حافظ ضامن شہید سے متعلق ایک مقالہ مولانا نسیم احمد امروہوی نے لکھا ہے جو ماہنامہ تذکرہ دیوبند نومبر ۱۹۶۱ء میں شائع ہوا ہے۔

[2] لائل محمڈنس آف انڈیا، حصہ سوم (آگرہ ۱۹۶۷ء)

"ابتدائے غدر سے اس افسر محمد ابراہیم خاں تحصیلدار شاملی متوطن رام پور (منہاران) نے سرکار کی خیر خواہی اور قیام عملداری کار پر بہت چست کمر باندھی، چوتھے رسالہ کے سرداروں نے جب بغاوت کی اور تحصیل شاملی پر قبضہ کرنا چاہا تو یہ افسر کمال بہادری سے بمقابلہ پیش آیا اور اپنی تحصیل کو باغیوں کے ہاتھوں سے بچایا جہانتک ممکن ہوا انتظام گورنمنٹ میں مدد کی اور جس قدر لٹا ہوا مال گورنمنٹ اور حکام کا بعد میں دستیاب ہوا سب کو برآمد کیا، اور پہونچایا آخر کار جب مفسدہ زیادہ ہو گیا اور انتظام کے لئے زیادہ آدمی درکار ہوتے تو اس افسر نے رامپور (منہاران) سے تمام اپنے خاندان کو شاملی میں بلوالیا اور سب کو کار سرکار میں مصروف کیا۔ پچاس آدمی اس افسر کے خاندان کے مع اکبر خاں اس افسر کے بھائی کے شاملی میں تھے جن میں سے اکثر بمقابلہ باغیان سرکار کی خیر خواہی میں مارے گئے اور خود اس افسر نے بھی خیر خواہی سرکار میں اپنی جان نثار کی، زمانہ غدر میں انتظام ڈاک کا جاتا رہا اور پھر اس کا قائم کرنا اس زمانے میں کچھ آسان امر نہ تھا، اس افسر نے بموجب حکم کمانڈر انچیف بہادر کے کمال سعی و کوشش سے شاملی سے کرنال تک ڈاک قائم کی اور انتہا تک بخوبی جاری رکھی جس سے گورنمنٹ کو نہایت فائدہ انتظام میں ہوا۔

ستمبر ۵۷ء میں دفعتاً مسلمانان ساکنان تھانہ بھون نے جن کا افسر قاضی عنایت علی تھا فساد برپا کیا، اور ایک بڑے گروہ نے تحصیل شاملی پر حملہ کیا اس وقت تحصیل شاملی میں تقریباً دس سوار پنجابی رسالہ کے اور اٹھائیس سپاہی جیل خانہ کے

اور پچاس سے زائد سپاہی متعینہ تھانہ تحصیل کے باقی آدمی اس افسر کے خاندان کے تھے، مع اکبر خاں اس کے بھائی جو رامپور سے گئے تھے وہاں موجود تھے۔ یہ افسر بکمال دلاوری و بہادری بمقابلہ پیش آیا، اور تحصیل شاملی کو مستحکم کر کے اور اس میں محصور ہو کر بخوبی لڑا اور ہر دفعہ مفسدوں کے حملہ کناں کو ہٹا دیا۔ اور بہت سے آدمی ان میں کے مارے گئے۔ آخر کو گولی بارود تحصیل ختم ہو چکی اور نہایت مجبوری کا وقت آیا اور مفسدوں کو قابو ہو گیا اور وہ لوگ تحصیل میں گھس آئے وہاں بھی مقابلہ ہوا اور یہ افسر نہایت بہادری سے معہ اکثر آدمیوں اپنے خاندان کے کام آیا اور اور شرط نمک حلالی کو پورا کر دیا۔ یہ قتل و خوں ریزی شاملی میں ۱۴ ستمبر ۱۸۵۷ء کو واقع ہوئی''

ابراہیم خاں اور اکبر خاں دونوں مارے گئے، اسی درمیان میں حافظ محمد ضامن صاحب کے گولی لگی اور وہ شہید ہو گئے۔ آخر میں مجاہدین کے بھی پاؤں اکھڑ گئے[۱] انگریزوں نے قبضہ کرنے کے بعد تھانہ بھون کی اینٹ سے اینٹ بجا دی۔ مولانا محمد منظہر نانوتوی، مولوی محمد منیر نانوتوی اور مولانا محمد قاسم[۲] روپوش ہو گئے حاجی امداد اللہ[۳]

---

[۱] تفصیل کے لئے دیکھئے جارج کین ص ۲۲-۲۱ [۲] مولانا محمد قاسم ولد شیخ اسد علی نانوتہ کے رہنے والے ۱۲۴۸ھ میں پیدا ہوئے مولانا مملوک علی، مفتی صدر الدین اور مولانا شاہ عبد الغنی مجددی سے تحصیل علم کی مولانا کا سب سے بڑا کارنامہ دار العلوم دیوبند کا قیام ہے۔ آب تقریر دلپذیر اور ہدیۃ الشیعہ ان کی مشہور کتابیں ہیں۔ ۱۲۹۷ھ میں انتقال ہوا۔ (تذکرہ علمائے ہند، ص ۴۶۶-۴۶۷) [۳] حاجی امداد اللہ مہاجر مکی ابن حافظ امین تھانہ بھون کے ساکن اوّل مولوی نصیر الدین دہلوی سے بیعت ہوئے جو سید احمد شہید کے خلیفہ تھے، اور ان سے اخذ فیض کیا پھر حضرت میاں جی نور محمد (باقی اگلے صفحہ پر)

صاحب مکہ معظمہ کو ہجرت کر گئے۔ مولوی رشید احمد گنگوہی[۱] گرفتار ہوئے اور چھ ماہ جیل میں رہے۔ قاضی عنایت علی دامن کوہ کو بھاگ گئے پھر بندیل کھنڈ پہونچے، اور وہاں بھی انقلابیوں کے ساتھ مل کر مقابلے کئے پھر بھوپال پہونچے وہاں ایک مدت رہ کر جودھپور پہونچے وہاں سے ریاست الور کے قصبہ تجارہ کے قریب ایک گاؤں میں گم نامی کی زندگی گزار کر سنہ ۱۹۱۰ء میں داعی اجل کو لبیک کہا[۱]

مولانا محمد یعقوب نانوتوی بہت اختصار سے تمام کیفیت ان الفاظ میں ادا کرتے ہیں[۲]۔

"چند بار مفسدوں سے نوبت مقابلے کی آگئی، اللہ رے مولوی صاحب (محمد قاسم نانوتوی) ایسے ثابت قدم تلوار ہاتھ میں اور بندوقچیوں کا مقابلہ۔ ایک بار گولی چل رہی تھی یکایک سر پکڑ کر بیٹھ گئے، جس نے دیکھا جانا گولی لگ گئی ایک بھائی دوڑے پوچھا کیا ہوا، فرمایا کہ سر میں گولی لگی عمامہ اتار کر دیکھا تو کہیں گولی کا نشان تک نہ ملا اور تعجب

(بقیہ گزشتہ صفحہ) جھنجھانوی سے بیعت و خلافت حاصل کی اپنے زمانہ کے بڑے صاحب نسبت بزرگ تھے۔ بڑے بڑے علماء ان کے حلقہ ارادت میں منسلک تھے۔ انقلاب کے بعد مکہ معظمہ ہجرت کر گئے۔ سنہ ۱۳۱۷ھ میں انتقال فرمایا "تذکرہ علمائے ہند ص ۱۳۲ - ۱۳۴ (امداد المشتاق مرتبہ مولوی اشرف علی تھانوی مطبوعہ اشرف المطابع تھانہ بھون ضلع مظفر نگر سنہ ۱۹۲۹ء)

[۱] مولوی رشید احمد سنہ ۱۲۴۴ھ گنگوہ میں پیدا ہوئے باپ کا نام شیخ ہدایت احمد ولد پیر بخش تھا دہلی میں مفتی صدر الدین مولانا مملوک علی اور شاہ عبد الغنی سے تحصیل علم کی مولانا محمد قاسم نانوتوی کے ہم درس تھے، گنگوہ میں حدیث کا درس جاری رہا ان کی تصانیف میں سے ہدایۃ الشیعہ زبدۃ المناسک اور فتاوائے رشیدیہ مشہور ہیں۔ مولوی رشید احمد نے ہندوستان کو ہمیشہ دار الحرب سمجھا۔ (تذکرہ علمائے ہند، ص ۵۸)   [۲] تفصیل کے لئے (باقی اگلے صفحہ پر)

شاملی کا میدان جہاد اور گنج شہیداں جس میں مجاہدین شاملی مدفون ہیں
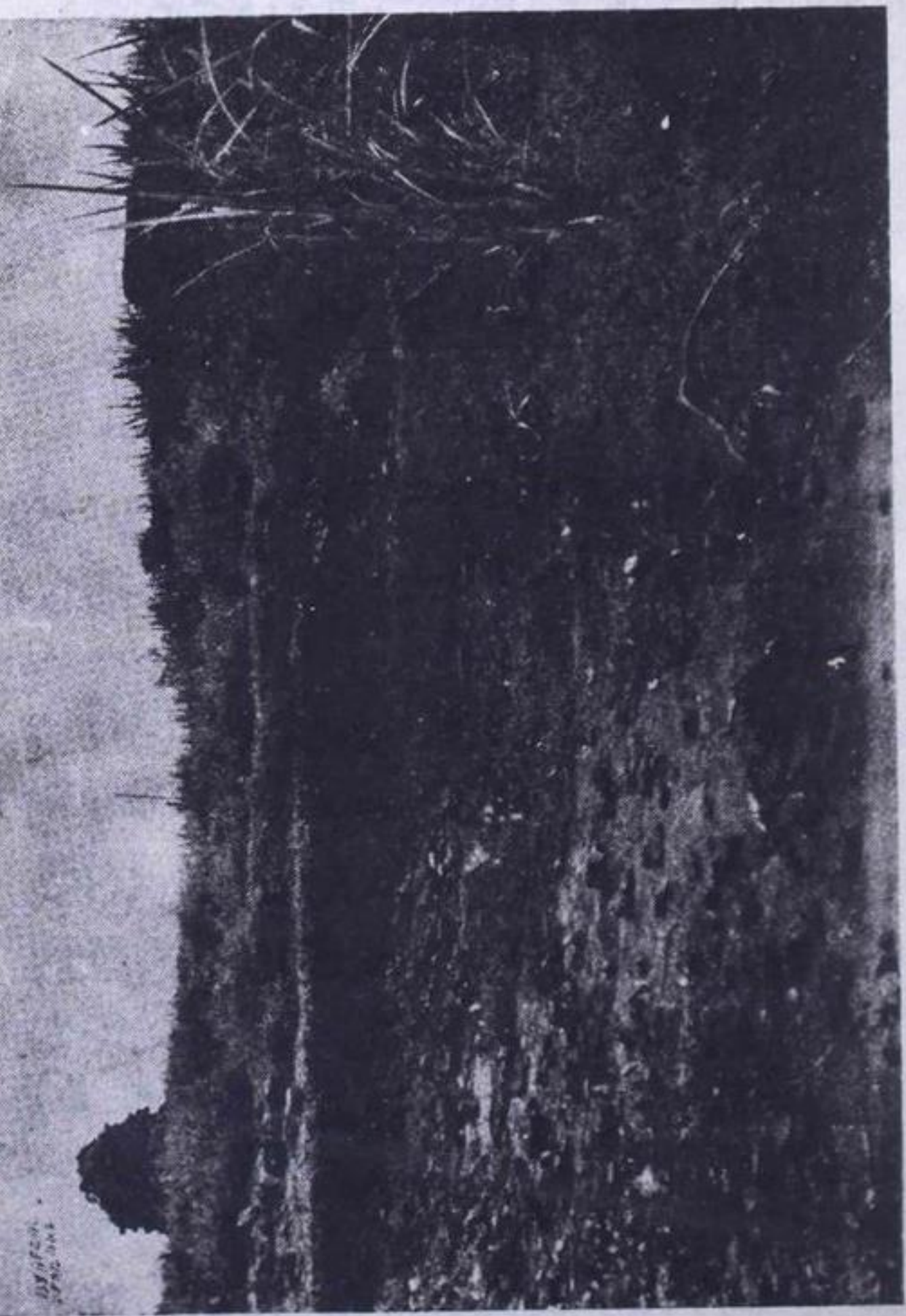
یہ ہے کہ خون سے تمام کپڑے تر ۔ انہیں دنوں ایک نے بندوق ماری جس کے سینھے سے ایک مونچھ اور کچھ ڈاڑھی جل گئی اور کچھ قدرے آنکھ کو نقصان پہونچا۔ خدا جانے گولی کہاں گئی"

مولانا محمد قاسم ادھر ادھر روپوش رہے ۔مولوی عاشق الٰہی میرٹھی لکھتے ہیں

" ان ہی ایام روپوشی میں مولانا قاسم العلوم کو امبلیا ۔ گنتھلہ ۔ لاڈوا ۔ پنجلاسہ اور جمنا پار کئی دفعہ آنے جانے کا اتفاق ہوا "

مظفر نگر ضلع مظفر نگر کے دوسرے محاذ کیرانہ پر امیر جہاد مولوی رحمت اللہ کیرانوی تھے جو مذہب عیسوی کے رد میں شہرت عظیم رکھتے تھے اور مناظر کامل تھے،

(بقیہ نوٹ صفحہ گزشتہ) دیکھئے علمائے ہند کا شاندار ماضی ۔ ص ۵۵۱-۵۵۲ سوانحی مولانا محمد قاسم نانوتوی ، از مولانا محمد یعقوب نانوتوی (مطبوعہ دیو بند)

لے تذکرۃ الرشید حصہ دوم ۔ ص ۲۷۱ ؎ رحمت اللہ ولد حکیم نجیب اللہ ، خلیفہ سوم سیدنا حضرت عثمان غنیؓ کی اولاد میں تھے قصبہ کیرانہ محلہ دربار کلاں میں ۱۲۳۳ھ/۱۸۱۸ء میں پیدا ہوئے ابتدائی تعلیم اپنے بزرگوں سے حاصل کی پھر دہلی میں مولوی محمد حیات ، لکھنؤ میں مولوی سعد اللہ مراد آبادی مولوی احمد علی صاحب ساکن بڈولی اور مولوی عبد الرحمن چشتی سے علوم معقول و منقول حاصل کئے اپریل ۱۸۵۴ء میں آگرہ میں جو مشہور مناظرہ پادری فنڈر سے ہوا تھا اس میں مناظر اول مولوی رحمت اللہ کیرانوی ہی تھے ۔ جنگ آزادی کے بعد مکہ معظمہ ہجرت کر گئے اور وہاں انہوں نے ایک مسلم بنگالی خاتون صولت النساء کی مدد سے مدرسہ صولتیہ قائم کر کے دین وملت کی بڑی خدمت انجام دی ۔ رمضان ۱۳۰۸ھ/۱۸۹۱ء میں مکہ میں انتقال ہوا ۔ عیسائیت کی رد میں مولانا کی کتابیں ازالۃ الاوہام اعجاز عیسوی ، اظہار الحق ، اور ازالۃ الشکوک وغیرہ مشہور ہیں تفصیل کے لئے دیکھئے " ایک مجاہد معمار" مطبوعہ کراچی ۔ و آثار رحمت از امداد صابری (دہلی ۱۹۶۷ء)

مولوی ذکاراللہ نے لکھا ہے کہ[1] "مولوی رحمت اللہ جہاد کی صورت معلوم کرنے کے لئے دہلی آئے اور قلعہ کے پاس مسجد محمد حیات میں اترے اور جب وہاں کچھ جہاد کی صورت نہ دیکھی تو واپس چلے گئے۔"[2]

مظفر نگر میں ضلع مجسٹریٹ بر فورڈ Berford مجاہدین اور انقلابیوں سے ایسا خوف زدہ ہوا کہ اس نے انگریزی نظم و نسق کو خود ضلع سے اٹھالیا، اور بتادیا کہ اب انگریزی عملداری نہیں رہی[3]۔

مظفر نگر میں مولوی امداد علی نے علم جہاد بلند کیا اور کیرانہ میں مولوی رحمت اللہ نے یہ فرض پورا کیا۔ مولانا رحمت اللہ نے انگریزی فوج کا مقابلہ کیا۔ چونکہ کیرانہ اور اس کے نواح میں مسلم گوجروں کی آبادی ہے لہٰذا مولوی رحمت اللہ کیرانوی کے ساتھ گوجروں کی قیادت چودھری عظیم الدین کر رہے تھے۔ اس زمانے میں نماز عصر کے بعد مجاہدین کی تنظیم و تربیت کیلئے کیرانہ کی جامع مسجد کی سیڑھیوں پر نقارہ کی آواز پر لوگوں کو جمع کیا جاتا اور اعلان کیا جاتا[4]۔

"ملک خدا کا، حکم مولوی رحمت اللہ کا"

اس کے بعد جو کچھ کہنا ہوتا تھا وہ عوام کو سنایا جاتا۔ کیرانہ کے محاذ پر بظاہر شکست کا امکان نہ تھا مگر بعض ابنائے وطن کی زمانہ سازی اور مخبروں کی سازش نے حالات کا رخ بدل دیا۔ کیرانہ میں گورا فوج اور توپ خانہ داخل ہوا محلہ دربار کے دروازے کے سامنے توپ خانہ نصب کیا گیا اور گورہ فوج نے محلہ دربار کا محاصرہ کیا۔ ہر گھر کی تلاشی لی گئی، عورتوں، بچوں اور ہر شخص کو فرداً فرداً دربار سے باہر نکالا گیا۔ اس لئے کہ مخبر نے اطلاع دی تھی کہ مولانا دربار میں روپوش ہیں۔

---

[1] ذکاراللہ۔ صہ ۶۷۵ [2] دہلی میں جہاد کا چرچا جنرل بخت خاں کے آنے کے بعد ہوا لہٰذا مولوی رحمت اللہ دہلی جولائی ۱۸۵۷ء سے پہلے گئے ہوں گے۔ [3] ذکاءاللہ۔ صہ ۸۲ [4] مجاہد معمار۔ صہ ۲۹

کیرانہ کے قریب پنجیٹھ مسلمان گوجروں کا ایک گاؤں ہے جہاں مولانا رحمت اللہ اپنی باقیماندہ فوج کے ساتھ پہونچے، خود پنجیٹھ کے لوگ بھی مجاہدین میں شریک تھے اسی دوران گورا فوج کے ایک گھوڑ سوار دستہ نے پنجیٹھ کا رخ کیا[ؒ] - کیرانہ اور قرب و جوار کے تمام حالات کی اطلاع مولانا کو ملتی رہتی تھی۔ پنجیٹھ کے مکھیا کو جب فوج کا آنا معلوم ہوا تو اس نے جماعت کو منتشر کر دیا، اور مولانا رحمت اللہ سے کہا کہ کھرپا لے کر کھیت میں گھاس کاٹنے چلے جائیں - گورا فوج اسی کھیت کی پگڈنڈی سے گذری۔ مولانا رحمت اللہ فرمایا کرتے تھے۔

"میں گھاس کاٹ رہا تھا اور گھوڑوں کی ٹاپوں سے جو کنکریاں
اڑتی تھیں وہ میرے جسم پر لگتی تھیں اور میں ان کو اپنے پاس سے
گزرتا ہوا دیکھ رہا تھا"

گورا فوج نے گاؤں کا محاصرہ کیا۔ مکھیا کو گرفتار کر لیا گیا۔ پورے گاؤں کی تلاشی لی گئی۔ مگر مولانا کا پتہ نہ چلا مجبوراً یہ فوجی دستہ کیرانہ واپس ہوا حالات پر قابو پالیا گیا۔ مولانا رحمت اللہ کے خلاف مقدمہ قائم ہوا - وارنٹ جاری ہوا آپ کو مفرور و باغی قرار دے کر گرفتاری کے لئے ایک ہزار روپیہ کے انعام کا اعلان ہوا - مولانا اپنا نام مصلح الدین بدلکر دہلی پیدل روانہ ہو گئے - یہ بڑی سخت آزمائش کا وقت تھا۔ ایمانی عزم و ہمت اور صبر و استقلال کے ساتھ جے پور اور جودھپور کے مہیب ریگستانی جنگلوں اور خطرناک راستوں کو پاپیادہ طے کرتے ہوئے سورت پہونچے۔ اور وہاں سے مکہ روانہ ہو گئے۔

مولانا رحمت اللہ کے حجاز چلے جانے کے بعد ان کے خاندان کی جائداد ضبط ہو کر نیلام ہوئی - مولانا کی جائداد کیرانہ کے علاوہ پانی پت میں بھی تھی پانی پت کی جائداد ایک مخبر شخص کمال الدین کی مخبری پر نیلام ہوئی جائداد کے نیلام کا فیصلہ ڈپٹی کمشنر کرنال نے ۳۰ جنوری ۱۸۶۲ء کو کیا۔ تفصیل جائداد یہ ہے۔

(۱) سرائے کھجور اس کی قیمت سرکاری طور پر ڈپٹی کمشنر کرنال کے کاغذات میں پانچسو روپیہ

ؒ مجاہد معمار - ص ۳۰

(۲) سرائے چوڑھے . اس کی قیمت سرکاری طور پر ڈپٹی کمشنر کرناں کے کاغذات میں پانچسو روپیہ ہے

(۳) سرائے شیخ فضل الٰہی .

(۴) سرائے قصابان

(۵) سرائے لوہ آباد

(۶) سرائے مالیان

یہ سب سرائیں وسیع قطعات زمین اور مکانات ایک ہزار چار سو بیس روپے میں نیلام ہوئے، جن کی قیمت بلا مبالغہ ہزاروں روپے تھی . اس سکنائی جائداد کے علاوہ مزروعہ علاقے اور زمینیں بھی تھیں جو بحق سرکار ضبط ہوئیں . مذکورہ بالا سرائیں جس قیمت پر نیلام ہوئیں وہ بھی ملاحظہ ہو .

سرائے کھجور بیالیس روپے . سرائے لوہ آباد پندرہ روپے . سرائے چوڑھے چھپن روپے . سرائے قصابان چودہ روپے .

مظفرنگر کے دوسرے قصبات و دیہات میں بھی تحریک کا خاصہ زور رہا . پرگنہ کاندھلہ کے موضع پرساؤلی کے زمیندار خیراتی خاں نے انگریزوں کو ناک چنے چبوا دیئے خیراتی خاں بادشاہ دہلی سے مدد حاصل کرنے کے لئے دہلی بھی گئے تھے . خیراتی خاں نے بڑھانہ کے قلعے پر قبضہ کرلیا[1] اور قرب وجوار کے مواضعات پر ان کا عمل دخل ہوگیا اسی طرح قصبہ جھنجانہ سے انگریزی عمل دخل اٹھ گیا .

شاملی کے محاذ پر انگریزوں کی فتح کے بعد ان کو پنجاب سے تازہ کمک پہونچ گئی اور قرب وجوار میں دوبارہ قبضہ ہونا شروع ہوگیا . اور انگریزی اقتدار بحال ہونے کے بعد مجاہدین اور انقلابیوں سے انگریزوں نے سخت سے سخت انتقام لیا . اور وفاداروں کو انعامات سے نوازا . قاضی عنایت علی رئیس تھانہ بھون کی جائداد ضبط کرلی گئی . اور سرکاری طور پر سفارش کی گئی کہ یہ جائداد ابراہیم خاں تحصیلدار، بختاور سنگھ تحصیلدار تھانہ بھون اور

---

[1] فریڈم اسٹرگل . جلد پنجم . صـ ۱۲۹

بھوانی سہائے تحصیلدار شاملی کے خاندان کو دیجائے۔[۱] اسی طرح پنجاب کیولری کے ایک افسر صندل خاں کے لئے انعام کی سفارش کی گئی[۲]

قصبہ کیرانہ کی چہار دیواری اور آٹھ دروازے ڈھا دیئے گئے مسلمانوں کا کلی طور سے اخراج کیا گیا، اور قصبہ کیرانہ کا انتظام جلال آباد کے منصور علی خاں اور دوسرے وفادار رئیسوں کے سپرد ہوا[۳]۔ غرض قتل و غارتگری اور ضبطی جائداد کا ایسا بازار گرم ہوا کہ جس کے تصور سے بھی رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں تھانہ بھون کی اینٹ سے اینٹ بجادی گئی اور دیوبند میں چوالیس[۴۴] آدمیوں کو پھانسی دی گئی[۴] یہی حال کیرانہ کا ہوا۔

بلند شہر

بلند شہر دوآبہ کا خاص ضلع تھا۔ زیادہ تر آبادی گوجروں کی تھی ان میں مسلمان گوجر بھی تھے۔ یہ جماعت بہت زبردست تھی بڑی بستی ان کا خاص مرکز تھا کلکٹر و مجسٹریٹ ضلع تھا۔ N.1 9 کا ایک دستہ متعین تھا Brand Sapte ۔ ۲۱ مئی کو میرٹھ کے واقعات کی خبر پہونچی مجسٹریٹ نے خزانے کو بلند شہر سے میرٹھ پہونچانا چاہا مگر گوجروں کی جماعت اس کو ایسا کرنے سے مانع ہوئی نہ صرف یہ کہ وہ خزانہ نہ پہونچا سکا بلکہ خود اسے دوسرے افسروں کے ساتھ بلند شہر چھوڑ کر میرٹھ بھاگنا پڑا[۵]۔ انقلابیوں کا پورا اقتدار تھا جیل کے قیدی آزاد کر دیئے گئے انگریزوں کے مکانات اور کچہری کو نذر آتش کر دیا گیا۔ ۲۵ مئی کو

---

[۱] ۔ [۲] فریڈم اسٹرگل جلد پنجم ص ۱۳۶-۱۳۷ [۳] فریڈم اسٹرگل ص ۱۴۷ جلد پنجم

[۴] اس زمانے میں سہارنپور میں غلام حید رولد شیخ امام بخش حمیدی بدایونی تحصیلدار تھے انہوں نے گورنمنٹ کی خدمات انجام دیں جس کے صلے میں گورنمنٹ نے ان کو خان بہادر کا خطاب اور موضع کھنڈولی (ضلع بلند شہر) میں جاگیر عطا کی۔ ڈپٹی کلکٹری کا عہدہ ملا۔ ۱۲۸۵ھ میں ان کا انتقال ہوا۔ غلام حید ر بدایونی، مولانا فضل رسول بدایونی کے برادر نسبتی تھے، (ملاحظہ ہو بدایوں ۱۸۵۷ء میں) ص ۵۶ - [۵] گزیٹیر ضلع بلند شہر - ص ۱۵۴-۱۵۶

Sapte کچھ سواروں کو لے کر واپس آیا۔ وہاں اس کو Sirmin Battalion
سے مدد مل گئی جو دہلی جا رہا تھا Rose اور Lyall کے علاوہ Captain Tywhwith
بھی ہمراہ تھے Sapte نے بڑی مستعدی کا اظہار کیا اور کچھ انقلابیوں کو سزائیں دیں
اس سے گوجر سخت مشتعل ہو گئے۔ انہوں نے سکندرآباد کا رخ کر لیا۔

اس علاقے کے سب سے بڑے با اثر رئیس نواب ولی داد خاں تھے[1]، جو ۱۱ مئی کو اتفاق
سے دہلی میں موجود تھے[2]، قریب دو ہفتے نواب ولی داد خاں صاحب دہلی میں رہے۔
۱۶ مئی ۵۷ء کو دہلی سے دوآبہ کی حکومت کی سند لے کر مالاگڑھ روانہ ہوئے[3]۔ غازی
آباد سے اپنا انتظام کرنا شروع کر دیا[4]۔ مہربان علی خاں و مظفر علی خاں امروہوی
ہمراہ تھے[5] وہاں سے قصبہ دادری میں آکر قیام کیا۔ کئی ہزار گوجر فوج میں بھرتی ہوئے تیسرے

---

[1] نواب ولی داد خاں کے والد کا نام نواب بہادر خاں، دادا کا نام حق داد خاں تھا۔ نواب صاحب کے
باپ بڑے بہادر اور جری تھے، شاہ عالم بادشاہ کے زمانے میں برن کے حاکم تھے انہوں نے
بلندشہر سے ۵ میل اتر پچھم کی سمت کالی ندی کے کنارے قلعہ مالاگڑھ کے نام سے ایک
قلعہ تیار کیا۔ نواب بہادر خاں کا انتقال ۱۸۱۴ء میں ہو گیا۔ سرکار کمپنی ولی داد خاں کو
ریاست کی آمدنی کے علاوہ ایک ہزار روپیہ ماہوار وظیفہ دیتی تھی۔ نواب ولی داد خاں کی
خاندان مغلیہ دہلی سے رشتہ داری تھی۔ (الجمعیۃ مورخہ ۱۷ جنوری ۱۹۵۷ء)

[2] کنز التاریخ از مولوی رضی الدین بدایونی۔ ص ۳۰۵ [3] گزیٹیر ضلع بلندشہر۔ ص ۱۵۶
[4] دہلی سے روانگی کے وقت ایک انگریزی جاسوس موہن لال کشمیری (ف ۱۸۷۷ء) نواب ولی داد خاں کے ساتھ
آیا۔ نواب صاحب نے دہلی سے آکر دو مرتبہ کلکٹر بلندشہر سے ملاقات کی۔ یہ کشمیری دونوں مرتبہ ان کے
ہمراہ رہا۔ اسی نے نواب کی حکمت عملیوں کی اور قلعہ کی خبریں کلکٹر کو پہونچائیں (لائف اینڈ ورک
آف موہن لال کشمیری از ہری رام گپتا۔ لاہور ۱۹۴۳ء) ص ۲۲۶ - [5] مظفر علی خاں امروہہ کے کلال
خاندان میں درویش علی خاں (منصب دار عہد فرخ سیر) کی اولاد سے تھے۔ مشہور علی برادران ان ہی کے وارث
تھے۔ (جنگ آزادی ۱۸۵۷ء از خورشید مصطفیٰ رضوی۔ دہلی ۱۹۵۹ء) ص ۱۶۱

دن نواب صاحب مالاگڑھ میں آگئے۔ سائل پور کا زمیندار سو سواروں کی ایک جماعت لے کر نواب صاحب سے ملا۔ اس زمیندار کے لڑکے کو ضلع کے کلکٹر نے بغیر ثبوت کے پھانسی دے دی تھی، لڑکے کا نام چاند خاں تھا۔ اس لئے وہ حکومت انگلشیہ کے سخت خلاف تھا۔ نواب ولی داد خاں نے مالاگڑھ آنے کے بعد جولائی کی بالکل ابتدائی تاریخوں میں انگریزی حکومت کے خاتمے اور اپنے لئے بادشاہ دہلی کے صوبیدار ہونے کا اعلان کر دیا انکے رفقا میں غلام حیدر خاں مہدی بخش سہارنپوری قاضی وزیر علی بلند شہری، عبداللطیف رئیس خان پور، عظیم خاں (عبداللطیف کا چچا) منیر خاں، (عبداللطیف کا بھتیجا) اسمٰعیل خاں، نواب مصطفٰے خاں شیفتہ رئیس جہانگیر آباد، حاجی یاد اللہ خاں اچھا نوی اور امین بدھان وغیرہ جمع ہو گئے۔[1] نواب ولی داد خاں نے سکندرہ راؤ کے غوث محمد خاں کو علی گڑھ میں اپنا ڈپٹی مقرر کیا۔ عظیم خاں کو خورجہ اور اسمٰعیل خاں کو بلند شہر میں مقرر کیا۔ بلند شہر کے تحصیلدار امداد علی وکیل اور کوتوال مہربان خاں مقرر ہوئے۔[2] ضلع بلند شہر کے اکثر جاٹ اور گوجر انگریزوں کے طرفدار تھے اور وہ لوٹ مار کرتے تھے انگریزوں سے مقابلہ ہوا۔ ولی داد خاں کو دہلی گورنمنٹ سے بھی حتی المقدور فوجی مدد ملی۔ نامہ و پیام کا کام نواب مصطفٰے خاں شیفتہ انجام دیتے تھے۔[3]

دہلی پر تسلط کے بعد انگریزی فوجوں نے بلند شہر پر بھرپور حملے کئے۔ خود قلعہ مالاگڑھ میں انگریزوں کا جاسوس موہن لال بیٹھا ہوا تھا۔ جس نے قلعہ کی مکمل کیفیت میرٹھ بھیجی اس سے قلعہ کے فتح کرنے میں ان کو بہت مدد ملی۔[4]

---

[1] علمائے ہند کا شاندار ماضی۔ جلد چہارم ص ۳۵۲ - نیز دیکھئے میور جلد دوم - ص ۱۰۱، ۱۱۱، ۱۸۰ کے اینڈ میلیس جلد چہارم ص ۱۳۴ و ۱۳۷ - [2] لائف اینڈ ورک آف موہن لال کشمیری ص ۳۲۸ [3] گزیٹیر ضلع بلند شہر ص ۲۳۹ و فریڈم اسٹرگل جلد پنجم ص ۹۸ و غدر کی صبح و شام (اردو ترجمہ) روزنامچہ معین الدین وجیون لال (شائع کردہ خواجہ حسن نظامی دہلی ۱۹۳۶ء) ص ۱۴۵ [4] لائف اینڈ ورک موہن لال کشمیری ص ۳۲۷ - ۳۲۸

جب مالاگڑھ پر انگریزوں کا قبضہ ہو گیا تو نواب ولی داد خاں نے بریلی کا رخ کیا اور انگریزوں نے مالاگڑھ کے قلعے کو کھود ڈالا انگریزوں کی آتش انتقام اسی سے فرو نہ ہوئی بلکہ بلند شہر و نکوڑ خورجہ اور خان پور کے اکثر لوگوں کو گرفتار کر کے دار پر چڑھا دیا۔ بلند شہر میں روزانہ "کالا آم" پر لوگوں کو پھانسی دی جاتی تھی اور لاشیں لٹکی رہنے دی جاتی تھیں [1] روزانہ

نواب ولی داد خاں کے ساتھیوں میں ایمن پدھان ساکن اسا ور ضلع بلند شہر اور حاجی یاد اللہ کا ذکر ضروری ہے یہ حضرات جنگ آزادی ۱۸۵۷ء کے ممتاز مجاہدین میں سے تھے۔

ایمن پدھان نواب ولی داد خاں رئیس مالاگڑھ کی فوج میں افسر تھا کئی ہزار گوجر سوار اس کے ہمراہ تھے اسا ور، سدھار نپور، دادری و نکور اور جمنا کے آس پاس کے تمام گوجر اس کے جھنڈے کے نیچے جمع ہو گئے تھے اور گوجروں نے ہر موقع پر بڑی بہادری دکھائی لیکن جب انگریزوں کا قبضہ ہو گیا تو ایمن پدھان اور تمام گوجر قوم پر انگریزوں کا عتاب نازل ہوا۔ گوجروں کے گاؤں کے گاؤں جلا دیئے گئے اور ضبط کر کے نیلام کر دئے گئے۔ من حیث القوم اتنا بڑا نقصان شاید ہی کسی اور کا ہوا ہو۔

حاجی یاد اللہ خاں موضع اینچانہ کے رہنے والے تھے۔ انگریزی سرکار کی طرف سے قصبہ گلاوٹھی کے تھانیدار تھے وہ بڑے رعب دار آدمی تھے حاجی

---

[1] نواب ولی داد خاں مالاگڑھ سے بریلی پہنچے اور وہاں مقیم رہے پھر انگریزوں کے خلاف لڑتے رہے مئی ۱۸۵۸ء میں جب خان بہادر خاں کے قبضے سے بریلی نکل گئی تو نواب ولی داد خاں بھی کسی طرف چلے گئے کہا جاتا ہے کہ تقریباً دس برس کے بعد ولی داد خاں نے بنجاروں کا بھیس بدل کر قلعہ مالاگڑھ کے ڈھیر کے قریب قیام کیا اور قلعہ کا خزانہ کھود کر لے گئے پھر نہیں معلوم کہ کہاں روپوش ہوئے نواب مالاگڑھ کی نسل سے اب کوئی شخص نہیں رہا البتہ بلند شہر کا "کالا آم" چوراہے میں اب تک کھڑا ہے (الجمعیتہ دہلی مورخہ ۷ جنوری ۱۹۵۸ء)

یاد اللہ اور امین پدھان میں بڑی دوستی تھی جب نواب ولی داد خاں نے اپنی حکومت قائم کی تو امین پدھان کے اشارے سے حاجی یاد اللہ نے قصبہ گلاوٹھی اور اس کا علاقہ نواب ولی داد خاں کے سپرد کر دیا وہ ان کی حکومت کے معین و مددگار ہو گئے اور نواب ولی داد خاں نے گلاوٹھی کے علاقے کا جملہ انتظام حاجی یاد اللہ کے سپرد کر دیا۔ حاجی صاحب نے آخر وقت تک علاقے میں نظم و نسق قائم رکھا اور کئی معرکوں میں پیش پیش رہے قلعہ مالاگڑھ کی شکست کے بعد گرفتار ہوئے سب جائداد ضبط ہوئی اور نیلام کر دی گئی بڑی کوشش اور سفارشوں سے جان بخشی ہوئی[۱]

علی گڑھ دوآبہ کے اضلاع میں علی گڑھ کا ضلع خاص طور سے اہم تھا کیونکہ یہ شہر پشاور سے کلکتہ جانے والی سڑک پر واقع ہے علی گڑھ میں انگریزوں کی نویں رجمنٹ کا اڈہ تھا اور اس کی چار کمپنیاں یہاں رہتی تھیں وہاں آغاز کار ۲۰ مئی ۱۸۵۷ء کو ہوا۔ اس واقعہ کی ابتدا اس طرح ہوئی کہ فوج میں ایک برہمن اپنا کام کر رہا تھا اس نے طے کیا کہ فوج کی دہلی روانگی ایک برات کی شکل میں ہو اور یہ کام اچانک شروع ہو۔ اس طریقہ کار میں اختلاف ہوا اور فوجی افسروں کو مخبر کے ذریعہ اس اسکیم کی خبر ہو گئی۔ برہمن گرفتار ہوا اور اس کو پھانسی دیدی گئی جس نے آگ پر تیل کا کام کیا۔ فوج نے بغاوت کر دی اور دہلی کا رخ کیا[۲]

۲۰ مئی ۱۸۵۷ء کو انقلابیوں نے شہر پر قبضہ کر لیا اور انگریزوں کو نکال دیا خزانے پر قبضہ کر کے جیل سے قیدیوں کو رہا کر دیا۔ انقلابیوں کا شہر پر مکمل قبضہ ہو گیا اور ایک پنچایت کے ذریعہ شہر کے انتظام پر غور کیا گیا۔ مولوی نسیم اللہ اور ان کے رفیق نیاز احمد نے قیادت کے فرائض انجام دیئے اور ولی داد خاں سے تعلقات پیدا کئے[۳]۔ ۳ جون ۱۸۵۷ء کو مولانا عبدالجلیل[۴] نے علی گڑھ میں جہاد کا فتویٰ دیا جس سے مسلمانوں میں

---

[۱] الجمعیۃ دہلی ۲۰ جنوری ۱۹۵۷ء [۲] ۱۸۵۷ء (انگریزی) سریندر ناتھ سین (دہلی ۱۹۵۷ء) ص ۳۳۳ (بقیہ اگلے صفحہ پر)

خوب جوش پھیل گیا۔ میوؤں کی بہادر قوم خاص طور سے میدان میں نکل آئی اور اس نے بڑی بہادری دکھائی بلکہ انگریزوں سے مقابلہ ہوا اور ۲ جولائی کو علی گڑھ انگریزوں سے خالی ہو گیا۔

(بقیہ صفحہ گزشتہ) و سن ستاون' پنڈت سندر لال (علی گڑھ ۱۹۵۶ء) ص ۴۳' میور (جلد دوم) ص ۲۴۳' کے اینڈ میلیسن جلد سوم ص ۱۰۲-۱۰۳ ۲؎ فریڈم اسٹرگل جلد پنجم ص ۶۶۰-۶۶۸ ۳؎ مولانا عبدالجلیل کے والد کا نام مولوی ریاض الدین تھا وہ بڑے عالم تھے۔ یہ لوگ بنی اسرائیل مشہور ہیں اس لئے علی گڑھ (بالائے قلعہ) کا ایک حصہ محلہ "بنی اسرائیل" کے نام سے موسوم ہے۔ مولانا ریاض الدین علی گڑھ کی جامع مسجد میں خطیب و امام تھے۔ انھوں نے مولانا عبدالجلیل کو تکمیل علوم کے لئے دہلی بھیجا۔ انہوں نے وہاں شاہ رفیع الدین اور شاہ محمد اسحاق سے تکمیل علوم کی پھر علی گڑھ آکر مسجد کی امامت و خطابت اور درس و تدریس کا کام سنبھال لیا۔ مولانا عبدالجلیل انگریزوں سے لڑتے ہوئے شہید ہوئے۔ مزار جامع مسجد علی گڑھ میں ہے جب علی گڑھ پر انگریزوں کا قبضہ ہو گیا تو مولانا عبدالجلیل کی اہلیہ اپنے چاروں خورد سال بچوں کو لے کر علی گڑھ سے باہر موضع رسول پور میں پناہ گزین ہو گئیں۔ جب معافی کا عام اعلان ہوا تو علی گڑھ واپس آئیں۔ مکان کھدوا ڈالا گیا جائداد ضبط ہو چکی تھی۔ انہوں نے اپنے چاروں لڑکوں مولانا محمد اسمٰعیل' مولوی محمد اسحاق' مولوی یعقوب اور مولوی محمد یوسف کو بڑی جفاکشی سے پرورش کیا اور دینی تعلیم دلوا کر انہیں عالم بنایا۔ ان میں مولانا محمد اسمٰعیل بہت مشہور ہوئے انگریزوں سے نفرت کا ایک واقعہ خاص طور سے مشہور ہے کلکٹر ضلع کا ایک انگریز سررشتہ دار علی گڑھ کی جامع مسجد دیکھنے گیا جوتے پہنے ہوئے مسجد میں داخل ہو گیا مولوی صاحب نے ایک طالب علم کے ذریعہ اس انگریز کو مسجد سے نکلوا دیا جب کلکٹر کو معلوم ہوا تو کلکٹر بڑا افروختہ ہوا اور اس نے مولانا کی گرفتاری کے لئے سپاہی بھیجے۔ (باقی اگلے صفحہ پر)

یہاں یہ بات خاص طور سے قابل ذکر ہے کہ مسلمانوں کے تمام طبقوں عوام و خواص نے تحریک میں حصہ لیا۔ ۱۶ جولائی ۱۸۵۷ء کے ایک خط میں ولیم میور لکھتا ہے [1]

16th Thursday. Coel is in disorder. The fanatical lower Musalmans Julahas etc. raising the of "Deen-Deen", No traveller safe.

۱۶، جمعرات۔ کول (علی گڑھ) میں بدامنی ہے مذہبی جذبے سے سرشار عام مسلمان، جولاہے وغیرہ دین دین کے نعرے لگا رہے ہیں، کوئی مسافر محفوظ نہیں ہے۔

انقلاب ۱۸۵۷ء میں علیگڑھ میں مندرجہ ذیل حکام مقرر ہوئے [2]

۱۔ امیر بخش تھانیدار جوان (Jooan)
۲۔ امراؤلال تھانیدار سومنا (Somna)
۳۔ حسین خاں میواتی کوتوال کول
۴۔ غوث خاں، نائب کوتوال کول
۵۔ محبوب خاں، مہتمم صیغۂ ڈاک تحصیل کول
۶۔ نواب دولہ، اترولی کے تحصیلدار مقرر ہوئے۔
۷۔ عمر بہادر ابن مظفر علی، سر دفتر مقرر ہوئے۔

بہت سے چپراسی اور مردہے مقرر ہوئے۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) مولانا کے ساتھ ایک جم غفیر جلد پایک وکیل ظفریاب خاں صاحب نے کلکٹر سے کہا کہ اگر مولانا اسمٰعیل کے ساتھ کوئی ناروا سلوک ہوا تو شہر میں غدر مچ جائیگا چنانچہ پھر مولانا سے کوئی بازپرس نہیں کی گئی (جمہور (آزادی نمبر) علی گڑھ ۲۳ ۱۶ اگست ۱۹۵۷ء "۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں علی گڑھ کے مسلمانوں کا" از عبدالشاہد خاں شروانی)

[1] میور جلد دوم ص ۳۱-۳۲ [2] ایضاً ص ۳۴

ولی داد خاں، نواب مالاگڑھ نے علی گڑھ تک اپنا اقتدار قائم کیا انہوں نے غوث محمد خاں کو اپنا نائب بنا کر علی گڑھ بھیجا وہ ۲۸ جولائی ۱۸۵۷ء کو علی گڑھ پہنچے جب مولوی عبدالجلیل چھتاری سے علی گڑھ آگئے تو مسلمانوں میں بہت جوش پھیل گیا۔

۳ اگست ۱۸۵۷ء کو غوث محمد خاں نے ۸۰۰ آدمیوں کو بھرتی کیا۔ ان کا منصوبہ ۵۰۰۰ سپاہیوں کے بھرتی کرنے کا تھا پیدل کی تنخواہ پانچ روپے ماہوار اور سوار کی تنخواہ بیس روپے ماہوار مقرر ہوئی مسلمانوں نے مکمل تعاون کیا اور لگان کی وصولیابی کا کام شروع ہو گیا[1]۔

منالال پر چینی لال خزانچی مقرر ہوئے۔ غوث خاں کے مشیر خاص مولوی نسیم اللہ مقرر ہوئے۔ انھوں نے انتظام میں بہت مدد دی۔ ۲۴ اگست ۱۸۵۷ء کو انگریزی فوج نے علی گڑھ پر حملہ کیا مولوی عبدالجلیل نے خود اس معرکے میں حصہ لیا۔ مجاہدین خوب لڑے[2] اور اس مقابلے میں مولانا عبدالجلیل شہید ہوئے۔ بہت سے انگریز مارے گئے۔ غوث محمد خاں مالاگڑھ چلے گئے۔ حسین خاں پیشکار شہید ہوئے۔ مولوی نسیم اللہ مورچے سے ہٹ گئے اور شہر پر انگریزوں کا قبضہ ہو گیا۔ ۲۹ اگست کو مولوی نسیم اللہ، مولوی عبدالجلیل، نیاز احمد خاں اور محمد یوسف کا سارا مال و اسباب قرق کر کے سرکاری مال خانے میں داخل کر لیا گیا۔

مولوی نسیم اللہ نے مواضعات سے نئی مدد حاصل کر کے علی گڑھ کا رخ کیا۔ مقابلہ ہوا مگر انگریزی فوج بری طرح بھاگی، شہر پر انقلابیوں کا قبضہ ہو گیا اور تمام شہر میں منادی کی گئی۔

"خلق خدا کی، ملک بادشاہ کا اور حکم مولوی نسیم اللہ کا"،

اور دوسرا اعلان یہ ہوا کہ جو کوئی فرنگیوں کے وفادار محمد علی، منشی درگاہ پرشاد ڈپٹی کلکٹر پنڈت آفتاب رائے چوبے گھنشیام داس، سندر لال

---

[1] میور جلد دوم صفحہ ۲۱-۲۳ [2] ذکاء اللہ صفحہ ۸۱۶

صدر امین اور منشی جمیعت رائے کا سر لائے گا وہ ایک ہزار روپیہ انعام پائیگا دس دن تک علی گڑھ پر انقلابیوں کا پرچم لہرایا۔[1] مولوی نسیم اللہ نے شہر کا معقول انتظام کیا۔ ۱۴ / اکتوبر سے انگریزی فوج نے علی گڑھ پر قبضہ کرنے کی کوشش کی۔ سخت مقابلہ ہوا اور ۱۹ / اکتوبر کو انگریزی فوج علی گڑھ پر قابض ہو گئی۔ مولوی نسیم اللہ گرفتار ہوئے۔ اور گولی کا نشانہ بنائے گئے[2]

میوؤں کی شرکت کا اوپر ذکر ہو چکا ہے اس جماعت میں الٰہی بخش ولد کھمانی خاں بڑا جری اور بہادر شخص تھا وہ انقلابیوں کا لیڈر تھا اس نے بڑی بے جگری سے انگریزوں کا مقابلہ کیا جب علی گڑھ پر انگریزوں کا قبضہ ہو گیا تو ٹھاکر کھڑک سنگھ نے جو انگریزوں کا خیر خواہ تھا الٰہی بخش کی حویلی خیر خواہی کے صلہ میں حاصل کر لی۔ انگریزوں نے میوؤں سے بڑا سخت انتقام لیا ذرا سے شبہ اور شکایت پر ان کو پھانسی دے دی جاتی تھیں۔ میوؤں پر یہ پابندی عائد کر دی گئی کہ وہ رات کو شہر (علی گڑھ) میں نہ رہیں[3]

علی گڑھ کے مجاہدین میں مولوی مظفر علی کا نام بھی قابل ذکر ہے جو اپنے وقت کے ایک جید اور متبحر عالم تھے درس و تدریس اور تبلیغ و تذکیر ان کا محبوب مشغلہ تھا جب علی گڑھ میں جنگ آزادی کا آغاز ہوا اس وقت درس و تدریس

---

[1] ۱۸۵۶ء کے مجاہد شعراء از مولوی امداد صابری (دہلی ۱۹۵۹ء) ص ۳۷۵ - ۳۸۱

[2] مولوی نسیم اللہ ابن حکیم علیم اللہ بنی اسرائیل مولانا عبد الجلیل کے بھانجے اور شاگرد تھے مفتی صدر الدین آزردہ سے تکمیل علوم کی علم طب کی تحصیل حکیم امام الدین دہلوی سے کی۔ عربی میں فکر سخن کرتے تھے۔ فارسی اور اردو میں بھی شعر کہتے تھے۔ مرزا غالب سے تعلقات تھے۔ وکالت کا امتحان پاس کرکے عدالت ججی میں وکیل ہو گئے۔ (تاریخ قنوج (قلمی) از نواب صدیق حسن خاں ص ۱۰۲-۱۰۳

۱۸۵۶ء کے مجاہد شعراء ص ۳۷۳ - ۳۸۲ - نادرات غالب از آفاق حسین (کراچی ۱۹۴۹ء) ص ۲ (متن) ص ۹۳ (حواشی)

مولوی نسیم اللہ نسیمؔ قصبہ کول

کے سلسلے میں بھیکم پور میں مقیم تھے نواب عبدالشکور خاں رئیس بھیکم پور ان کے شاگرد تھے وہ بھیکم پور سے اپنے طلبہ کے ہمراہ علی گڑھ آئے اور انگریزوں سے مقابلہ کیا انگریزوں کی فوج میں زیادہ تر سکھ تھے مولانا مظفر علی آخر وقت تک لڑتے رہے آخر میں شہید ہوئے[1]۔ جامع مسجد علی گڑھ کے شمال رویہ حصے میں ان کا مزار ہے[2]۔

علی گڑھ کے نواحی قصبات و دیہات میں بھی تحریک نے خوب زور پکڑا قصبہ اترولی (ضلع علی گڑھ) کا تحصیلدار محمد علی انگریزوں کا وفادار تھا جب مولوی نسیم اللہ اترولی پہنچے تو اس نے مقابلہ کیا اور مارا گیا انگریزوں کے عمل دخل ہونے پر اترولی کے کئی آدمیوں کو پھانسی دی گئی۔ بہت سے لوگ قید ہوئے[3]۔

دلدار علی خاں ولد وزیر علی خاں زمیندار دان پور بھی جنگ آزادی ۱۸۵۷ء میں شہید ہوئے، اسی طرح کمونہ کے رئیس رحم علی خاں ولد مظہر علی خاں ولد دوندے خاں لال خانی بھی انقلاب ۱۸۵۷ء میں شہید ہوئے ان کا گاؤں علی گنج غارت و منہدم کرا دیا گیا[4] علی گڑھ میں چھتاری کے روسا نے انگریزوں کا ساتھ دیا[5] اسی طرح مقامی ہندوؤں نے بھی مخبری کی بھیکم پور کے رئیس داؤد خاں نے بھی انگریزوں کی مدد کی۔ یہ داؤد خاں (ف ۱۸۶۶ء) نواب صدر یار جنگ حبیب الرحمٰن شروانی کے دادا خان زمان خاں کے حقیقی بھائی تھے[6]۔

---

[1] جمہور آزادی نمبر [2] مولوی مظفر علی شاعر بھی تھے ذرہ تخلص کرتے تھے۔ مظفر علی خاں نے شیخ فریدالدین عطار کے پند نامہ کا اردو میں نہایت سلیس منظوم ترجمہ کیا ہے اور اس کا نام انیس المسلمین رکھا ہے، مظفر علی کے ہاتھ کی لکھی ہوئی یہ کتاب ان کے خاندان میں علی گڑھ میں موجود ہے۔ یہ کتاب ۱۲۶۶ھ میں لکھی گئی ہے (جمہور آزادی نمبر) [3] احسن الکتاب وصفات الانساب (قلمی) ص ۴۹

[4] احسن الکتاب وصفات الانساب ص ۲۵ - ۲۶

[5] میوز جلد دوم ص ۲۳

[6] شروانی نامہ از عباس خاں شروانی (علی گڑھ ۱۹۵۳ء) ص ۱۴۲ - ۱۴۳

فرخ آباد روہیلہ پٹھانوں کی ایک شاخ بنگش تھی ان پٹھانوں کا نمایندہ سردار محمد خاں بنگش نہایت بہادر، جری اور شجاع تھا۔ اس نے اپنی بہادری و شجاعت کی بدولت دہلی کی سیاست میں حصہ لینا شروع کر دیا۔ بندیل کھنڈ میں نمایاں کارنامے انجام دیے مالوہ میں داد شجاعت دی مرہٹوں سے خوب مورچے لئے۔ فرخ آباد کا شہر محمد خاں بنگش نے بسایا۔ اصحاب علم وفضل اور ارباب شعر و ادب کی اس شہر میں اچھی خاصی آبادی ہو گئی۔ ۱۷۴۳ء میں محمد خاں بنگش فوت ہوا۔ اس کے انتقال کے بعد اس کا بڑا لڑکا قائم خاں اس کا جانشین ہوا جس کے نام پر قائم گنج آباد ہوا۔ صفدر جنگ کی سیاست نے روہیل کھنڈ (بریلی) اور فرخ آباد کے دونوں گروہوں کو لڑا دیا۔ صورت یہ ہوئی کہ اس نے نواب علی محمد خاں کے انتقال (۱۱۶۲ھ) کے بعد نظامت روہیل کھنڈ کی سند دہلی سے قائم خاں کو دلوا دی اس طرح روہیلوں اور بنگشوں میں بدایوں کے پاس دونری رسول پور کے قریب مقابلہ ہوا۔ قائم خاں مارا گیا۔ اس کے بعد فرخ آباد کا رئیس، احمد خاں بنگش ہوا وہ بھی بہت شجاع اور بہادر تھا۔ اس نے حکومت اودھ سے خوب ٹکّر لی۔ ۱۱۸۵ھ میں احمد خاں کا انتقال ہوا اور اس کا جانشین مظفر جنگ ہوا۔ مظفر جنگ (۱۲۱۱ھ/۱۷۹۶ء) کے زمانے ۷۳-۱۷۷۲ء میں ریاست فرخ آباد، اودھ کے حکمراں، نواب شجاع الدولہ کے ماتحت ہو گئی اور پھر ۱۸۰۲ء میں انگریزی حکومت کے قبضے میں آگئی فرخ آباد کے مندرجہ ذیل چھ نواب ہوئے۔

۱۔ نواب محمد خاں غضنفر جنگ — المتوفی ۱۱۵۶ھ/۱۷۴۳ء

۲۔ نواب قائم خاں قائم جنگ — ″ ۱۱۶۲ھ/۱۷۴۹ء

۳۔ نواب احمد خاں غالب جنگ — ″ ۱۱۸۵ھ/۱۷۷۱ء

نواب دلیر ہمت خاں مظفر جنگ — ″ ۱۲۱۱ھ/۱۷۹۶ء

۵۔ نواب امداد حسین خاں ناصر جنگ　　　　المتوفی ۱۲۲۸ھ ۱۸۱۳ء

۶۔ نواب خادم حسین خاں شوکت جنگ　　　　" ۱۲۳۸ھ ۱۸۲۳ء

ان نوابوں میں محمد خاں بنگش اور احمد خاں بنگش اٹھارہویں صدی عیسوی کی تاریخ میں خاص اہمیت رکھتے ہیں۔

۱۸۵۷ء میں بنگش خاندان میں نواب تفضل حسین خاں سردار خاندان تھے جو اپنے چچا زاد بھائی تجمل حسین خاں[۱] کے بعد سردار مقرر ہوئے تھے ان کا سلسلہ نسب محمد خاں بنگش سے اس طرح ملتا ہے۔

نواب محمد خاں غضنفر جنگ

قائم خاں　　　　احمد خاں

مظفر جنگ

امداد حسین خاں

عنایت حسین نصرت جنگ　　　　خادم حسین شوکت جنگ

تفضل حسین خاں　　سخاوت حسین　　تجمل حسین　　غضنفر حسین

جب انقلاب ۱۸۵۷ء کے بادل منڈلائے تو ضلع فرخ آباد پوری طرح تیار تھا۔ مسلمانوں میں بڑا جوش و خروش تھا۔ ایک انگریز مورخ لکھتا ہے[۲]

مسلمان اگرچہ تعداد کے لحاظ سے ایک معمولی اقلیت تھے مگر شمالی مغربی صوبے میں ممتاز تھے وہ بہت سرکش اور امن و قانون کے دشمن تھے ان میں سے بہت سے اعلیٰ خاندان سے تھے اور اپنے آبا و اجداد کے شاندار ماضی پر فخر کرتے تھے ان کو (بزرگوں) کے کارناموں پر فخر تھا مگر اپنی مالی حالت کے درست کرنیکے موقع سے فائدہ نہیں اٹھاتے تھے۔"

(حاشیہ اگلے صفحہ پر)

فرخ آباد کے کل ضلع کی آبادی دس لاکھ تھی جن میں سے ایک لاکھ جنگجو مسلمان تھے[1]۔ اوپر ذکر ہو چکا ہے کہ مظفر جنگ، نواب اودھ کا مطیع ہو گیا تھا۔ انگریزوں اور آصف الدولہ کے درمیان ۱۷۷۵ء میں ایک معاہدہ ہوا جسکی رو سے انگریزوں کا ایک لشکر فتح گڑھ میں رہنا طے ہوا۔ اسی زمانے میں فتح گڑھ کے بازار اور چھاؤنی کی تعمیر ہوئی[2]
اسطرح فتح گڑھ ایک بڑی فوجی چھاؤنی بن گیا اور وہاں
قائم ہوئی۔ فتح گڑھ فرخ آباد سے چار میل کے فاصلے پر ہے ۱۸۵۷ء میں فتح گڑھ دسویں ہندوستانی پلٹن کا ہیڈ کوارٹر تھا اور ایک ہندوستانی بیٹری بھی فتح گڑھ کی فوج مئی کے مہینے تک وفادار رہی ۳ جون کو بریلی، شاہجہانپور

(حاشیہ گزشتہ صفحہ) نواب تجمل حسین خاں کا خطاب ظفر جنگ تھا انہوں نے پچیس سال کی عمر پائی ۲۸ ذیقعدہ ۱۲۶۲ھ (۱۰ نومبر ۱۸۴۶ء) کو انتقال ہوا (تاریخ فرخ آباد از ولیم اردون (فتح گڑھ ۱۸۸۹ء) ص۱۵۱) مرزا غالب کی بدولت تجمل حسین خاں کو بقائے دوام حاصل ہو گیا ان کے متعلق مرزا غالب لکھتے ہیں۔

دیا ہے خلق کو بھی تا اسے نظر نہ لگے	بنا ہے عیش تجمل حسین خاں کے لئے
زباں پہ بار خدایا یہ کس کا نام آیا	کہ میرے نطق نے بوسے مری زباں کیلئے
نصیر دولت و دیں اور معین ملت و ملک	بنا ہے چرخ بریں جس کے آستاں کیلئے
زمانہ عہد میں اس کے ہے محو آرائش	بنیں گے اور ستارے اب آسماں کیلئے
ورق تمام ہوا اور مدح باقی ہے	سفینہ چاہئے اس بحر بیکراں کے لئے

نواب تجمل حسین خاں کے فرزند نواب محمد اصغر حسین خاں ناطقؔ تھے اور ناطقؔ کے فرزند نواب عظمت حسین خاں موجود ہیں (۱۸۵۷ء کے مجاہد شعراء ص۲۷۱-۲۷۲

[2] اے ہسٹری آف انڈین میوٹنی از ٹی۔ رائس۔ ہومس (لندن ۱۸۹۶ء) ص۱۳۵

[1] ذکاء اللہ ص۱۳۲

[3] تاریخ فرخ آباد از اردون حصہ دوم ص۱۳۶

نیز روہیل کھنڈ کے دیگر اضلاع کی فوج کے آزاد ہونے کی خبریں یہاں پہنچیں کرنل اسمتھ کمانڈر فوج تھا اس نے یہ طے کیا کہ عورتوں اور بچوں کو یہاں سے دوسری جگہ بھیج دینا چاہیے چنانچہ اس نے انکو کانپور روانہ کر دیا بعض لوگوں نے دھرم پور کے رئیس ہر دیو بخش کے یہاں پناہ لی ان میں سے کچھ لوگ دھرم پور سے پھر فتح گڑھ واپس آ گئے [۱]۔

کرنل اسمتھ نے جس روز کشتیوں کو روانہ کیا اسی روز خزانے کو قلعے میں لانے کی کوشش کی کیونکہ وہ قلعہ کو امن کی جگہ سمجھتا تھا اور اس میں رسد وغیرہ جمع کر رہا تھا مگر سپاہی مانع ہوئے کیونکہ اودھ کی فوج سے ان کا نامہ و پیام تھا اگرچہ بظاہر وہ انگریز افسروں کے حکم کی تعمیل کر رہے تھے اور کرنل اسمتھ پر اپنا اعتبار قائم کئے ہوئے تھے یہاں تک کہ ۱۶ جون کو پلٹن ۱۰ کے آدمیوں نے ایک خط کرنل اسمتھ کو دیا کہ سیتاپور کی پلٹن ۴۱ نے خط لکھا ہے کہ ۴۱ رجمنٹ فتح گڑھ سے چند میل کے فاصلے پر آ گئی ہے اور وہ یہ چاہتی ہے کہ دسویں رجمنٹ اپنے افسروں کو مار ڈالے اور خزانے پر قبضہ کر کے پلٹن ۴۱ سے آملے جس افسر نے یہ خط دیا تھا اس نے یہ بھی بتایا کہ رجمنٹ نے یہ جواب دیا کہ پلٹن ۱۰ ایسا ہرگز نہیں کرے گی کرنل اسمتھ مطمئن ہو گیا مگر ۱۸ جون کو پلٹن ۱۰ نے صاف صاف کرنل اسمتھ کو بتا دیا کہ وہ اب کرنل اسمتھ کی اطاعت نہیں کریگی دوسرے روز پلٹن ۴۱ کشتیوں میں بیٹھ کر دریا کے پار اتر آئی اور خونریزی کی تدابیر کرنے لگی۔ تقریباً سو انگریز قلعے میں چلے گئے اور انہوں نے قلعے کی فصیلوں پر توپیں چڑھا دیں۔ انقلابی فوج پلٹن ۱۰ اور ۴۱ نے

---

[۱] تین چار انگریز دھرم پور میں آخر وقت تک ہر دیو بخش کی پناہ میں رہے جن میں مسٹر پروبین Probyn کلکٹر فرخ آباد اور ولیم ایڈورڈ کلکٹر بدایون وغیرہ تھے۔
(مصائب غدر ص۵۵ - ۶۶)

نواب تفضل حسین خاں کو مسند نشین ریاست کیا[1] اور اس تقریب میں بائیس توپوں کی سلامی دی گئی[2] تمام انگریز قلعے میں محصور ہو گئے۔ پلٹن ۴۱ نے انگریزوں پر پے در پے حملے کئے۔ پلٹن کے ساتھ مئو کے پٹھان بھی حملہ کرنے میں معاون و شریک تھے مئو کے خوانین میں احمد یار خاں اور عشرت خاں نمایاں تھے ان کے ہمراہ ڈیڑھ یا دو ہزار مجاہدین آئے[3]۔ عشرت خاں اصل میں دہلی کے رہنے والے تھے احمد یار خاں کے برادر نسبتی تھے بنگش خاندان سے رشتہ داریاں تھیں۔ وہ تحریک کی جان تھے ان کے متعلق کہا گیا ہے[4]

یہ شخص غدر کی روح تھا	This man was the soul of the mutiny.

نواب تفضل حسین خاں پر عشرت خاں اور ان کی بیوی بھگا بیگم کا بڑا اثر تھا[5]۔

قلعہ میں روز بروز آدمی، سامان رسد اور میگزین کم ہو رہا تھا۔ انقلابیوں نے توپیں ایسی جگہ لگائی تھیں جو قلعہ کو صدمہ پہنچاتی تھیں۔ انگریز خوفزدہ تھے قلعے کی فصیلوں میں دراڑیں پڑ گئیں۔ انقلابیوں نے قلعے میں سرنگیں لگانی شروع کیں ایک سرنگ کے اڑنے سے ایک مورچے کا بہت نقصان ہوا۔ انقلابیوں نے دو مرتبہ ارادہ کیا کہ اس جگہ سے جہاں سرنگ اڑ گئی ہے قلعے پر دھاوا کر دیں مگر وہ اس ارادے میں کامیاب نہ ہو سکے۔ مئو کے ایک باشندے ملتان خاں کی قیادت میں انقلابیوں نے بڑا سخت حملہ کیا جب انگریزوں نے

---

[1] میور جلد دوم صفحہ ۲۹ [2] ولیم ایڈورڈ لکھتا ہے "پلٹن والوں نے پہلی حرکت یہ کی کہ نواب (تفضل حسین خان) کے پاس گئے اور پلٹن کا جھنڈا ان کے قدموں پر جھکا دیا اور اپنے تئیں ان کا نوکر ظاہر کیا اور تعظیماً سلامی کی باڑھ فیر کی یہ سلامی ۳۰ یا ۴۰ بندوقوں کی تھی"۔ مصائب غدر صفحہ ۵۵-۶۶ نیز دیکھئے فریڈم اسٹرگل جلد پنجم صفحہ ۴۰-۱۴۱۔ [3] فریڈم اسٹرگل جلد پنجم صفحہ ۹۰، میور نے ان کی تعداد ۵۰۰-۶۰۰ لکھی ہے (جلد دوم صفحہ ۳۱ (باقی اگلے صفحہ پر)

(باقی اگلے صفحہ پر)

دیکھا کہ سامانِ حرب و رسد ختم ہو چکا ہے اور انقلابیوں سے عہدہ برآ ہونا مشکل ہے تو انہوں نے قلعہ خالی کرنے کا پختہ ارادہ کرلیا اور انہوں نے اس مقصد کے لیئے محاصرے سے پہلے ہی قلعے کے محاذی دریا میں تین کشتیاں باندھ رکھی تھیں کہ ضرورت کے وقت کام آئیں چنانچہ رات کے وقت انگریزوں نے قلعہ خالی کردیا اور وہ کشتیوں میں بیٹھ کر کانپور کی طرف روانہ ہو گئے۔ دیہاتیوں نے ان کشتیوں پر حملہ کر دیا[1]

انگریزوں کے جانے کے بعد نواب تفضل حسین خاں نے ضلع کا انتظام سنبھالا تھانے اور تحصیلیں قائم کیں انگریزوں کے جاسوسوں کو تنبیہ کی اور فوج بھرتی کی فتح گڑھ کا انتظام نواب محمد اسمعیل خاں کے سپرد تھا۔ قصبہ متو کے زمیندار احمد یار خاں اور عشرت خاں مع اپنی جماعت کے نواب تفضل حسین خاں کے مددگار تھے نواب نے چیدہ اور تجربہ کار افراد پر مشتمل ایک کورٹ مقرر کیا جس میں احمد علی جیسا قابل شخص تھا اور اس میں فرخ آباد کے سول اور سشن جج بھی تھے[2]

مندرجہ ذیل عہدیدار مقرر ہوئے[3]

محمد علی: تحصیلدار چھپرامتو، نواب تفضل حسین خاں کے مصاحب مقرر ہوئے۔

ھدایت علی، تحصیلدار محمد آباد، نواب تفضل حسین خان کے دیوان مقرر ہوئے۔

غلام علی تھانیدار محمد آباد' فرخ آباد کے کوتوال مقرر ہوئے

غلام علی نے شہر سے انگریزوں کا سامان حرب تلاش کر کے انقلابیوں اور جہادیوں میں تقسیم کیا۔

---

[1] فریڈم اسٹرگل جلد پنجم صـ۵۰،

[2] ایضاً صـ۷۶،

[3] میور جلد دوم صـ۳۰

محمد سید: چھپرا مئو کے تھانیدار کو قنوج کا تحصیلدار بنایا
خورشید علی: تھانیدار قنوج، محمد آباد کا تھانیدار مقرر ہوا۔
تھانیدار کمال گنج اور تھانیدار میرت پور، نواب تفضل حسین خاں کے ماتحت اپنے اپنے عہدوں پر بحال رہے۔
یکم جولائی ۱۸۵۷ء کو نواب احمد یار خاں ساکن مئو کو ناظم سرکار فرخ آباد مقرر کیا گیا اور وہ لگان کی وصولیابی کے لیے محمد آباد گئے، نواب کے زیر کمان چار ہزار آدمی تھے جن میں ۱۵۰۰ سوار تھے۔
شیو پرشاد: قصبہ ایروا کے سابق تحصیلدار کو محمد آباد کا تحصیلدار مقرر کیا گیا موسیٰ علی خاں ساکن شمس آباد کو ایک جماعت کے ساتھ "میراں کی سرائے" بھیجنے کی تیاری ہوئی۔ بشارت علی سررشتہ دار برقرار رہا، علی احمد، چھپرا مئو کا تحصیلدار مقرر ہوا۔ اس کے سوا عام طور سے تمام عملہ نواب کے ماتحت ملازم رہا۔[۱]
فرخ آباد میں قومی حکومت کا قیام ہو گیا تو اودھ کی حکومت نے اڑچن ڈالی انگریزوں سے پہلے فرخ آباد اودھ کا ماتحت تھا لہٰذا برجیس قدر کے مشیروں نے مشورہ دیا کہ نواب فرخ آباد کو اودھ کی حکومت کے ماتحت ہونا چاہیے اور فرخ آباد پر قبضہ کرنے کی غرض سے خان علی خاں کو بھیج دیا گیا۔ ایک پورا کیمپ پانچ ضرب توپ کے ساتھ اس کے ساتھ تھا۔ دس ہاتھی ایک سو تیس اونٹ، دس چھکڑے، ایک خیمہ دو چوبدار اور دس چپراسی بھی تھے۔ جب یہ لوگ سانڈی پہنچے تو وہاں کے تعلقدار ہردیو بخش سے جو انگریزوں کا وفادار اور مددگار تھا۔ کچھ نقد نذر لے کر چلا آیا۔[۲] نواب تفضل حسین خاں کی سرگرمیوں کا تاریخ وار جائزہ ملاحظہ ہو۔
یکم اگست ۱۸۵۷ء۔ نواب فرخ آباد کی کانپور کیطرف روانگی (میور جلد دوم صد ۲۲)
۴ر اگست - نواب کا جلال آباد فوج بھیجنا (میور جلد دوم صد ۱۴)
۱۲ر اگست - نواب کی فوجی سرگرمیاں - گرانڈ ٹرنک روڈ پر رکاوٹ (میور جلد ۲ صد ۱۲-۲۲)

---

[۱] میور جلد دوم صد ۳۰ [۲] قیصر التواریخ جلد دوم صد ۳۰۱-۳۰۲

۱۸ر اگست ۱۸۵۷ء - بادشاہ دہلی کو درخواست بھیجنا (میور جلد ۲ صہ ۱۳۳)
۹ر نومبر فرخ آباد انگریزوں کے لیے زبردست کانٹا (" جلد اوّل صہ ۲۵۵)
۱۳ر نومبر فرخ آباد کی فوج کا کالی ندی عبور کرنا (" " صہ ۲۶۳)
۱۸ر نومبر فتح گڑھ اور راجا مین پوری کی طرف روانگی (" " صہ ۱۰۱)
۲ر دسمبر علیگڑھ کے شرقی حصے پر فرخ آباد کے نواب کا اثر (" جلد ۲ صہ ۲۹۹)
۴ر دسمبر فرخ آباد سے مین پوری وایٹہ رسالہ کی روانگی (" " صہ ۱۰۱)
۷ر دسمبر نواب فرخ آباد کا اٹاوہ پر قبضہ (" جلد اوّل صہ ۲۹۹)
۱۶ر دسمبر فرخ آبادیوں کی سرگرمیاں تیز تر (" جلد دوم صہ ۲۶۶)
۱۹ر دسمبر فرخ آبادیوں کا پٹیالی پر پسپا ہونا (" جلد اوّل صہ ۲۵۷)
(" دوم صہ ۲۳۰)
۲۰ر دسمبر فرخ آباد کی فتح کی تیاریاں (" جلد اول صہ ۴۹)

فرخ آباد میں انقلاب ۱۸۵۷ء کے نامور قائدین کا بھی ورود ہوا۔ ۲۰ر دسمبر ۱۸۵۷ء کو جنرل بخت خاں آئے۔[1] کوچک سلطان اور شاہزادہ فیروز شاہ بھی پہنچے ان دونوں شاہزادوں کا قیام ۲ر جنوری ۱۸۵۸ء تک فرخ آباد میں رہا۔ نواب ولی داد خاں اور راؤ صاحب نے بھی فرخ آباد کا رخ کیا۔

فتح گڑھ کے بعد فرخ آباد میں انقلابیوں کا انگریزی فوج سے مقابلہ ہوا۔ کانپور سے انگریزی فوج آچکی تھی کئی روز تک مقابلہ رہا مگر آخر کار شکست ہوئی۔ نواب تفضل حسین خاں ۱۹ر جنوری ۱۸۵۸ء کو بریلی پہنچے[2] پھر اودھ چلے گئے ان کی گرفتاری کے لیے دس ہزار روپے کا انعام مقرر ہوا۔[3] معافی عام کے اعلان کے بعد نواب تفضل حسین فرخ آباد آئے گرفتار ہوئے ان پر مقدمہ چلا پہلے پھانسی پھر ہندوستان بدری کی سزا تجویز ہوئی انہوں نے مکہ معظمہ کا انتخاب کیا وہاں بھیج دیے گئے۔ سید کمال الدین حیدر ان کے متعلق لکھتا ہے۔[4]

رات کو مع عیال و اسباب ضروری، اس پار دریا کے اترے

---

[1] میور جلد اول صہ ۳۱۱ [2] میور جلد اوّل صہ ۱۵۱ [3] فریڈم اسٹرگل جلد پنجم صہ ۹۲۳-۹۲۵ [4] قیصر التواریخ جلد دوم صہ ۳۲۱

نواب صدیق حسن (قنوجی ثم بھوپالی)

سیدھے بریلی کو گئے ایک گوینڈے نے اس وقت ان کی کوٹھی میں جاکر آگ لگادی لاکھوں روپیہ کا اسباب جل کر خاک سیاہ ہوگیا۔ صبح کو فوج سرکار نے جاکر شہر کا بندوبست کیا رعایا سے پہلے ہر قسم کے ہتھیار لے لئے تھے۔ پھر کئی لاکھ لیکر اس کی جان بخشی کی۔ نواب تفضل حسین خاں بریلی گئے۔ وہاں سے خفا ہوکر بونڈی میں جاکر شریک حال قافلہ مفرور لکھنؤ ہوئے جب سرکار سے امان مطلق ملی یہ بھی آئے۔ نواب کے عیال فرخ آباد گئے اور روبکاری و تحقیقات کی نواب کو حکم ہوا قلمرو سرکار کے ملک سے نکل جائیں، چنانچہ بحفاظت سرکار مقیم مکہ معظمہ ہوئے[1]

نواب صدیق حسن قنوجی ۱۲۸۶ھ میں حج کو گئے وہاں نواب تفضل حسین کو انھوں نے نہایت عسرت و تنگدستی کی حالت میں فقراء کی صف میں کھڑا دیکھا۔ نواب صدیق حسن خاں کو سخت افسوس ہوا اور انہوں نے ایک قیمتی شال نواب تفضل حسین کو دیا[2]

مولانا ابوالکلام آزاد کے والد مولوی خیرالدین (ف ۱۹۰۸ء) نے نواب تفضل حسین خاں کو نہایت پریشان حال دیکھا تھا اور انھوں نے شریف مکہ سے ملاقات کرادی تھی اور شاہجہاں بیگم والیہ بھوپال سے بھی کچھ سالانہ رقم مقرر کرادی تھی[3]۔ ۱۸۸۳ء میں نواب تفضل حسین خاں کا مکہ معظمہ میں انتقال ہوگیا۔

---

[1] ابقاء المنن از نواب صدیق حسن خاں (بھوپال ۱۳۰۵ھ) ص ۹۹

[2] نواب صدیق حسن خاں نے تفضل حسین خاں کی بجائے "تجمل حسین خاں" لکھ دیا ہے، حالانکہ نواب تجمل حسین خاں ۱۸۴۶ء میں فوت ہو چکے تھے اس غلطی کو نواب علی حسن خاں نے دہرایا ہے (مآثر صدیقی جلد دوم ص ۹۰-۹۱) اور نواب صدیق حسن کے بیان پر اکثر لوگوں نے تفضل حسین خاں کی بجائے تجمل حسین خاں لکھ دیا ہے۔

[3] نقش آزاد از غلام رسول مہر (لاہور ۱۹۵۹ء) ص ۳۲۸-۳۲۹

نواب اقبال مند خاں
جنہیں ۱۸۶۲ء کو گورنمنٹ سکول کے پیپل کے
درخت پر سور کی چربی جسم پر ملکر پھانسی دیگئی

نواب غضنفر حسین خاں سعید
جنہیں ۱۲ دسمبر ۱۸۶۲ء کو فرخ آباد کے گھومنی
کے درخت پر پھانسی دیگئی

نواب تفضل حسین خاں کے حقیقی بھائی سخاوت حسین خاں نے بھی جنگ آزادی میں حصہ لیا ان کو ۱۲ ستمبر ۱۸۶۳ء کو فتح گڑھ کے قلعہ کی املی کے درخت پر پھانسی دی گئی۔ میر شکوہ آبادی نے قطعہ تاریخ کہا ہے۔[1]

ریاض خلق سخاوت حسین خاں نواب | نہال باغ کرم زیب مسند شوکت
جوان قابل و فرزند خاص نصرت جنگ | غلام آل نبی سرور قمر طلعت
سخاوت اور مروت میں بے نظیر جہاں | ریاست اور امارت کے واسطے زینت
ہر ایک دل میں جگہ اس کی جا نشے بڑھکر | ہر اک بیان اس کا وظیفہ مدحت
زمانہ اس کی مروت پہ اسطرح شیدا | مشام روح ہو جسطرح عاشق نکہت
وہ بیگناہ ہوا تیغ مرگ سے مقتول | عنایت اس کو کیا حق نے گلشن جنت
منیر نے یہ لکھی اس کے قتل کی تاریخ | ہوا شہید امیر دلیر و با ہمت ۱۲۸۰ھ

اس خاندان کے دوسرے ممتاز رکن نواب غضنفر حسین خاں کو بھی پھانسی دی گئی یہ نواب تجمل حسین خاں کے حقیقی بھائی اور نواب تفضل حسین خاں کے چچا زاد بھائی تھے ان پر بھی مقدمہ چلا اور دار پر چڑھا دئے گئے۔ ۱۲ دسمبر ۱۸۶۳ء کو گھومنی کے درخت پر لٹکا کر پھانسی دی گئی اسی طرح اس خاندان کے ایک رکن نواب اقبال مند خاں کو پھانسی پر چڑھا دیا گیا فرنگی تہذیب کا نمونہ ملاحظہ ہو۔ فاربس مچل کے بیان کے مطابق فرخ آباد کے مسلمان نواب (اقبال مند خاں) کو پھانسی دینے سے پہلے ان کے تمام بدن پر سور کی چربی ملی گئی۔ منیر شکوہ آبادی نے دونوں کی تاریخ لکھی ہے۔[2]

اقبال مند خاں و غضنفر حسین خاں | دونوں در محیط عطا آہ آہ ہائے
دونوں جوان نیک امیران ذی حشم | مقتول تیغ تیز قضا آہ آہ ہائے
تاریخ انکے قتل کی کافی ہے اے منیر | دونوں شہید راہ خدا آہ آہ ہائے ۱۲۷۸ھ

---

[1] نظم منیر از منیر شکوہ آبادی - (مطبع سعیدی کانپور ۱۲۹۰ء) صفحہ ۴۹۱ . [2] نظم منیر شکوہ آبادی صفحہ ۳۰۴

اسی طرح مجاہدین میں ناصر احمد خاں بن قاسم خاں کا نام بھی خاص طور سے قابل ذکر ہے
فرخ آباد کے رئیس تھے۔ قلعہ فتح گڑھ کے سقوط کے بعد فرخ آباد میں نہایت بہادری
سے انگریزی فوج سے مقابلہ کیا آخر میں گرفتار ہوئے پھانسی پائی۔ ناصر احمد خاں
ناصر فارسی کے قادر الکلام شاعر تھے[1]۔

شہر فرخ آباد اور اس کے نواح کے قصبات و دیہات بھی بری طرح برباد
ہوئے نواب علی حسن خاں لکھتے ہیں[2]۔

"اس معرکۂ جنگ میں تمام رعایا شہر (فرخ آباد) کے مکانات
مسمار اور زراعت تباہ ہو گئیں۔ اور ان کا تمام اسباب اور
اثاث البیت سکھوں اور پنجابیوں کی غارت گری کی نذر ہو گیا
دوسرے روز قتل عام کا غلغلہ زور شور سے بلند ہوا اور مارشل لا
کے جاری ہونے کی افواہیں فرخ آباد سے قنوج اور قنوج
سے تمام نواح اور مضافات شہر میں پھیل گئیں اور ہر طرف ایک
بھاگڑ سی مچ گئی"۔

---

[1] ۱۸۵۷ء کے مجاہد شعراء۔ ص ۳۴۶۔۳۴۰

[2] مآثر صدیقی از نواب علی حسن خاں لکھنؤ ۱۹۲۳ء جلد دوم ص ۲۵۔۲۶

باب چہارم

اودھ و کانپور

الحاق کے بعد

۱۳ر فروری ۱۸۵۶ء کو انگریزوں نے اودھ کی حکومت کو ختم کر دیا اور اس کا الحاق اپنی حکومت سے کر لیا۔ واجد علی شاہ کو معزول کرکے کلکتہ بھیجدیا گیا۔ میجر جنرل سر جمیس اوٹرم Sir James Outram اودھ کا چیف کمشنر مقرر ہوا، یہ بڑا محنتی اور تجربہ کار شخص تھا اس نے اودھ کے حالات کا بڑی گہری نظر سے مطالعہ کیا۔ اور نظام حکومت کو بہتر بنانے کی انتھک کوشش کی کام کی زیادتی اور محنت سے اس کی صحت کو نقصان پہونچا۔ اور دو مہینے بعد اس کو رخصت لینی پڑی۔ ایک سویلین افسر مسٹر جیکسن اس کا قائم مقام چیف کمشنر مقرر ہوا۔ جو ناتجربہ کار اور انتظامی امور سے ایک دم نابلد تھا۔ اس کے زمانے میں افسروں نے من مانی کارروائیاں کیں، اودھ کے الحاق کو زیادہ زمانہ نہ گزرا تھا اور رعایا نئی حکومت سے نامانوس تھی کہ جیکسن کے زمانے میں تشویش اور بے اطمینانی اور بھی بڑھ گئی۔ شاہی خاندان کے ساتھ بڑی زیادتیاں ہوئیں جس کے لئے خود واجد علی شاہ نے گورنر جنرل کو لکھا۔ آخرالامر جیکسن کی بجائے سر ہنری لارنس Sir Henry Lawrence چیف کمشنر مقرر ہوا اور ۳۰ مارچ ۱۸۵۷ء کو اپنے عہدہ کا چارج لیا۔

ہنری لارنس

ہنری لارنس ایک تجربہ کار محنتی افسر تھا۔ پنجاب میں اعلیٰ خدمات انجام دے چکا تھا انتظامی امور میں اس کو خاص تجربہ تھا اس نے

تمام حالات کا نہایت دقت نظر سے جائزہ لیا۔ اور رعایا کی بے چینی اور تشویش کے اسباب معلوم کئے، حالات کو درست کرنے کی پوری پوری کوشش کی۔ دربار اودھ کے ارکان کو پینشنیں دیں، موقوف شدہ لوگوں کو ملازمت کا یقین دلایا۔ مکانات کو ضبط کرنے اور مسمار کرنے سے روکا، تعلقہ داروں سے روابط اور تعلقات قائم کئے اگر سرہنری لارنس الحاق اودھ کے فوراً بعد چیف کمشنر مقرر ہو جاتا تو ممکن تھا کہ اودھ کی بے چینی اور تشویش اس درجے کو نہ پہونچتی۔[1]

آغاز اس زمانے میں رعایا میں ایک عام بے اطمینانی اور انتشار تھا، رعایا کو یقین ہو گیا تھا کہ نئی حکومت نے ملک تو لے ہی لیا ہے اور اب وہ مذہب کے بھی درپے ہے۔ چربی والے کارتوس اس بے اطمینانی کی آگ کو اور بھی ہوا دے رہے تھے جب حالات بگڑتے ہیں تو معمولی واقعات بھی آغاز کار کے لئے کافی ہوتے ہیں۔

ہوا یہ کہ ماہ مارچ ۱۸۵۷ء میں رجمنٹ ۴۸ کے ڈاکٹر نے سپاہیوں کی موجودگی میں دوا کی بوتل سے ڈاٹ علیحدہ کی اور گلاس میں انڈیلے بغیر بوتل کو منہ سے لگا کر دوا پی لی اس بات سے پلٹن کے سپاہیوں کو یقین ہو گیا کہ ہمارے مذہب کو خراب کرنے کے لئے یہ سب کچھ ہو رہا ہے، اس واقعہ کا تمام رجمنٹ میں چرچا ہوا، سپاہی مشتعل ہو گئے اور انہوں نے اس ڈاکٹر کے بنگلے کو آگ لگا دی، آخر شش سپاہیوں کو سمجھایا گیا کہ انگریزی حکومت کا ہرگز یہ منشا نہیں ہے کہ لوگوں کے مذہب یا ذات کو خراب کیا جائے، اور یہ بات محض بے بنیاد ہے۔[2]

سر ہنری لارنس نہایت دور اندیش، تجربہ کار اور چالاک افسر تھا، اس نے ایک طرف رعایا کی بے اطمینانی دور کرنے کی کوشش کی اور دوسری طرف آنے والے حالات کا اندازہ لگا کر حفاظتی انتظامات بھی شروع کر دئے۔ لکھنؤ میں اس وقت تین فوجی کیمپ تھے۔ (۱) رزیڈنسی (۲) قلعہ مچھی بھون (۳) منڈیاؤں۔ لارنس نے رزیڈنسی در

---

[1] ذکاء اللہ صفحہ ۷۹۴-۷۹۵ [2] ذکاء اللہ صفحہ ۷۹۶

مچھی بھون کو جتنا مضبوط کرنا تھا کیا۔ قلعہ مچھی بھون میں گولہ بارود کا کافی ذخیرہ جمع کیا اور وہاں یورپین فوج کو متعین کیا، رسد کے ذخیرے بھی جمع کئے گئے اور فصیل پر ہر قسم کی توپیں چڑھا دیں۔ ریزیڈنسی میں خزانہ تھا اس کی حفاظت کے لئے یورپین اور ہندوستانی سپاہیوں کو متعین کیا گیا، وہاں دو سو بیس ہندوستانی اور ایک سو بیس یورپین سپاہی متعین ہوتے۔ چھ توپیں اس طرح نصب کی گئیں کہ اگر دشمن کا ذرا بھی کھٹکا ہو تو وہ اس کا صفایا کر دیں، منڈیاؤں کی چھاؤنی میں بتیسویں رجمنٹ کے تین سو چالیس یورپین سپاہی پچاس یورپین توپچی، چھ توپیں، تین ہندوستانی رجمنٹیں اور ایک ہندوستانی باتری Battery تھی، غرضکہ ریزیڈنسی اور مچھی بھون میں اسقدر حفاظتی انتظامات کئے گئے کہ دشمن سے بروقت مقابلہ کیا جا سکے۔

قیصر التواریخ میں ان انتظامات کی تفصیل اس طرح ہے[1]۔

(۱) مچھی بھون کے نزدیک غریب رعایا کے جتنے مکانات تھے سب کو مسمار کر دیا گیا تھا۔ اور جا بجا توپیں متعین کر دی گئی تھیں، دو بڑی توپیں قلعہ کے نیچے گومتی کے پل پر نصب ہوئیں۔

(۲) حسن باغ کو مسمار کر دیا گیا، جو نواب محسن الدولہ کی ملکیت تھا

(۳) امرائے شہر کو حکم دیا گیا کہ حفاظت کے لئے بقدر ضرورت سپاہی رکھیں۔

(۴) ہر قسم کا غلہ اور سامان جنگ لاکھوں روپیہ کا، قلعہ مچھی بھون میں جمع کیا گیا۔ یہ سامان غار اور کھتے کھود کر رکھا گیا۔ زمین میں نقب اور سرنگیں کھود کر جا بجا بارود کے پیپے رکھوا دئے تھے۔ اس خیال سے کہ دشمن کے غلبہ کے وقت ان میں آگ دے دی جائے گی۔

(۵) غلہ کی خریداری اور ذخیرہ اندوزی کی وجہ سے گرانی بڑھ گئی اور لوگوں کو سخت تکلیف ہو گئی۔

---

[1] قیصر التواریخ جلد دوم صفحہ ۱۹۲ ذکاء اللہ صفحہ ۹۰،

(۶) مچھی بھون کی نہریں پانی بھر دیا گیا۔ لیکن دریا کے قرب اور زمین کی رطوبت کی وجہ سے غلہ اور بارود خراب ہوگیا۔ اور ہزار ہا روپے کا نقصان ہوا

(۷) پینتیس ۳۵ لاکھ روپے پہلے مچھی بھون میں رکھے گئے پھر انہیں رزیڈنسی میں منتقل کیا گیا۔

(۸) رزیڈنسی کے گرد جتنی کوٹھیاں تھیں ان کے گرد دھس بندی کرکے قلعہ کی طرح مستحکم کیا اور توپیں نصب کیں، جتنے مکانات سامنے تھے دور تک مسمار کرادئے اور درخت کٹوا دئے۔

کارتوسوں کی خبر نے اودھ میں بھی وہی صورت حال پیدا کردی جو دوسرے مقامات پر تھی، انگریز کارتوس کے معاملہ کو زور، قوت اور دباؤ سے ختم کرنا چاہتے تھے، جس سے فوج کے شبہات کو اور تقویت پہونچتی تھی۔ ۳۰ اپریل ۱۸۵۷ء کو رجمنٹ ۷ نے کارتوس قبول کرنے سے صاف طور سے انکار کردیا۔ یہ رجمنٹ موسیٰ باغ میں مقیم تھی اس کے بعد افہام و تفہیم کا سلسلہ شروع ہوا کچھ لوگ رضامند سے معلوم ہوئے۔ مگر دوسرے روز انہوں نے بھی صاف صاف انکار کردیا کہ ہم کارتوس نہ کاٹیں گے اور آپس میں مشورے ہونے لگے کہ تمام انگریز افسروں کو ختم کردینا چاہئے اب ان پھولوں پر پھل لگنے کا وقت آگیا جو اس تحریک کی نشر و اشاعت کے لئے مہینوں پہلے اودھ کے علاقے میں مولوی احمد اللہ شاہ کے مشورے سے تقسیم کئے گئے تھے۔ جب فوج کی اس اسکیم کا علم سر ہنری لارنس کو ہوا تو وہ فوراً انگریزی فوج لے کر پہونچا۔ اور رجمنٹ ۷ کے ہتھیار رکھوا لئے دوسرے دن تحریک کے لیڈر گرفتار ہوئے اور سرکشی کی بات پایہ تحقیق کو پہونچ گئی۔ بہرحال رجمنٹ ۷ کو توڑ دینے کا فیصلہ ہوگیا۔ لیکن یہ اعلان کردیا گیا کہ جو کوئی بے جرم ثابت ہوگا اس کو فوج میں دوبارہ بھرتی کرلیا جائے گا۔ [1]

---

[1] ذکاء اللہ۔ ص ۴۹۹-۵۰۰

۱۲ مئی ۱۸۵۷ء کو ہنری لارنس نے فہمائش کے لئے ایک عام دربار کیا، اپنی حکومت کی صفائی پیش کی اور شرارت یہ کی کہ ہندو مسلمانوں کو آپس میں لڑانے کے لئے سابقہ ہندو مسلمان فرمانرواؤں کی ناروا داری اور تعصب کے غلط واقعات بیان کرنے شروع کئے جن کا کوئی اثر نہ ہوا۔ اس کے برخلاف فوج میں عام شورش اور بڑھتی گئی۔

لکھنؤ اور دوسرے مختلف مقامات کے فوجی کیمپوں میں تعلقات قائم ہو گئے اور متفقہ فیصلہ ہوا کہ ۳۰ مئی ۱۸۵۷ء کو رات کے نو بجے انگریزوں کے خلاف اعلان جنگ کیا جائے گا

سر ہنری لارنس کو روزانہ کی عام افواہوں کی طرح آج کی کارروائی سے مطلع کیا گیا۔ رات کو ہنری لارنس کھانے پر بیٹھا نو بجے اس نے اپنے کسی ساتھی سے کہا کہ دیکھو بھئی تمہارے دوست وقت کے پابند نہیں۔ مسٹر لارنس کے منہ سے ابھی یہ الفاظ ادا نہ ہوئے تھے کہ توپوں کے چھوٹنے کی آواز آئی اور بنگلوں میں آگ لگنی شروع ہوئی اصل بات یہ تھی کہ ۳۰ مئی کی اطلاع پاکر گورا فوج اور پنجابیوں کو حکم ملا تھا کہ دفعتہً آلات و اسلحہ کے کوٹھوں پر حملہ بول دیا جائے تاکہ سپاہ بے دست و پا ہو جائے تلنگے بر وقت خبردار ہو گئے اور اس طرح یہ تدبیر ناکام ہو گئی، اس ہنگامے میں اتفاقیہ گولی لگنے سے برگیڈیر Handscomb مارا گیا۔ بنگلوں میں آگ لگنے کے ساتھ ساتھ عام ہنگامے شروع ہو گئے۔

اسی عرصہ میں شہر لکھنؤ میں جہاد کی تحریک زور پکڑ گئی۔ انقلابی و جہادی عیش باغ میں جمع ہونا شروع ہو گئے۔ نشان محمدی (علم جہاد) عیش باغ میں کھڑا کیا گیا۔ اس جلسے میں سب سے زیادہ پرجوش شخصیت آغا مرزا کی تھی کہ "اس دن صبح سے ہر فرقے کے لوگوں کو برانگیختہ کرتا تھا،، اور عیش باغ سے قریب پندرہ سو آدمیوں نے علم جہاد اٹھایا۔ دو دن اور دو رات شہر کی یہی کیفیت رہی، تیسرے دن کوتوال شہر مسٹر کارنیگی

۱؎ قیصر التواریخ جلد دوم ص ۱۹۵ ذکاء اللہ ص ۸۰۳

تحقیقات کے لئے آیا اس نے اکثر لوگوں کو گرفتار کیا۔ آغا مرزا وغیرہ کو پھانسی دی گئی کچھ لوگوں کو معاف بھی کر دیا گیا۔ پھر سپاہ کی فہمائش کے لئے دو اشتہار جاری کئے گئے۔[1]

کوتوال شہر کارنیگی نے ایسے صاحب حیثیت اشخاص کو حراست یا نگرانی میں لے لیا جن کا تعلق حکمراں خاندان سے تھا۔ ان میں سے نواب رکن الدولہ محمد حسن خاں، مرزا جنید شکوہ اور نواب وزیر مرزا خاص طور سے قابل ذکر ہیں۔[2]

لکھنؤ میں ہنگامہ ہوتے ہی دوسرے مقامات، سیتاپور، ملاؤں، محمدی، گونڈہ، بہرائچ، فیض آباد، سلطان پور اور گورکھپور وغیرہ سے بھی سرکشی کی خبریں آنے لگیں۔ غرض کوئی ایسا مقام نہ تھا جہاں نظم و نسق ختم نہ ہوا ہو۔ اگرچہ اضلاع سے حکومت انگریزی بالکل ختم ہو گئی تھی مگر لکھنؤ میں ابتک وہ کسی نہ کسی شکل میں قائم تھی قلعہ مچھی بھون پر ایک پھانسی کھڑی کی گئی اس پھانسی پر روزانہ انقلابیوں کے گروہ کے گروہ سرسری تحقیقات کے بعد لٹکا دئے جاتے تھے۔ بربریت کے اس مظاہرے سے یہ مقصد تھا کہ انقلابی خوف زدہ ہوں۔ کارنیگی اس باب میں بڑا جری تھا۔ اس کے ظلم کی حد نہ تھی۔ عدالتوں میں بدستور کام ہو رہا تھا۔ مگر تجارت چوپٹ ہو گئی تھی۔ سرکاری نوٹوں پر پچیس روپئے سیکڑہ سے پچھتر روپئے سیکڑہ تک بٹا لگ گیا تھا۔ گو مہاجنوں، ساہوکاروں اور دولتمندوں کو سرکار انگریزی کی عملداری برقرار رہنے پر اعتماد نہیں رہا تھا مگر وہ حتی الوسع اس کی سلامتی کے لئے ساعی تھے ہنری لارنس انتظامی امور میں بڑی کوشش کر رہا تھا جس کا اثر اس کی صحت اور دماغی قوت پر بھی پڑ رہا تھا۔ یہانتک کہ لارنس سخت علیل ہو گیا اور ڈاکٹروں نے مشورہ دیا کہ وہ انتظامی امور میں دخل نہ دے۔ چنانچہ اس وجہ سے پانچ ممبروں پر مشتمل ایک کونسل مقرر کی گئی جس کے پریسیڈنٹ مارٹن گبنس

۱؎ قیصر التواریخ جلد دوم۔ صـ ۱۹۸ ۲؎ قیصر التواریخ جلد دوم صـ ۱۹۹

تھے۔ اس کونسل کی عمر تین دن کی ہوئی مگر اس نے ایک ایسا فیصلہ کیا کہ جس کا جنگ آزادی ۱۸۵۷ء پر خاص اثر پڑا۔ ہوا یہ کہ ۳۰ مئی کے واقعہ کے بعد مارٹن گبنس چیف کمشنر نے پر زور طریقے سے یہ تجاویز پیش کیں کہ سپاہیوں سے ہتھیار لے لئے جائیں کیونکہ یہ سپاہی اب لائق اعتبار نہیں رہے، مگر ہنری لارنس اس تجویز سے متفق نہ تھا۔ مگر جب مسٹر گبنس کونسل کا صدر رہا، تو پھر اس نے بلا تردد اپنی تجویز پر عمل کیا اور کونسل کے بقیہ ممبروں کو اپنی رائے سے متفق کر لیا اور یہ ریزولیشن پاس کرالیا[۱] کہ سب سپاہی جو اس صوبہ (اودھ) میں رہتے ہیں وہ اپنے گھر چلے جائیں اور ہتھیار دے جائیں۔ اس رزولیشن کے پاس ہونے کا ہنری لارنس کی صحت پر برا اثر پڑا اور اس نے فوراً کونسل کو موقوف کر دیا اور خود حکومت سنبھال لی اس فیصلہ سے اس کو بڑا اطمینان ہوا[۲]۔ بہت سے سپاہی اپنی خدمات پر بڑی خوشی سے واپس چلے آئے اور آخر وقت تک وفادار رہے۔

اودھ کے اضلاع میں انقلابیوں کی سرگرمیاں بڑی تیزی سے جاری تھیں مگر فیض آباد کا ضلع اس معاملہ میں سب سے آگے تھا۔ مولوی احمد اللہ شاہ وہاں ایک مدت سے موجود تھے ان کی تبلیغ رنگ لائے بغیر نہ رہی جب انقلابیوں کو معلوم ہوا کہ اضلاع میں انگریزوں کی حکومت درہم برہم ہو چکی ہے۔ اور کانپور کلیتاً انقلابیوں کے قبضے میں آگیا ہے تو ۱۱ جون کے بعد لکھنؤ میں بھی چھوٹے چھوٹے ہنگامے ہونے لگے۔ اور انقلابیوں کو اپنی طاقت اور انگریزی حکومت کی کمزوری کا اندازہ ہو گیا۔ اور کانپور کی فتحیابی سے تو ان کی ہمتیں اور بھی بڑھ گئی تھیں۔ چنانچہ تمام چھاؤنیوں سے انقلابی فیض آباد میں آکر جمع ہوئے اور انہوں نے یہ طے کیا کہ بادشاہ دہلی محمد بہادر شاہ ظفر کی ملازمت اختیار کرنی چاہئے اور لکھنؤ ہوتے ہوئے چلیں تاکہ تمام دوسرے رئیسوں اور راجاؤں کو بھی ساتھ لیتے چلیں[۳]۔

معرکہ چنہٹ ۳۰ جون کو کمشنر کو اطلاع ملی کہ باغیوں کا ایک لشکر اس غرض سے جمع ہوا ہے کہ لکھنؤ کا محاصرہ کرے چیف کمشنر نے

۱؎ ذکاء اللہ۔ صفحہ ۸۳۰ ۲؎ ذکاء اللہ۔ صفحہ ۸۲۱ ۳؎ قیصر التواریخ جلد دوم صفحہ ۲۰۳

خیال کیا کہ اس لشکر کو شکست دینی چاہئے۔ اس سے اچھا اثر پڑے گا۔ چنانچہ اس نے مقابلہ کی تیاری کی۔ وہ سات سو سے زیادہ سپاہی انتخاب کر کے لے گیا جن میں نصف کے قریب یورپین تھے۔ سب کے سب گھوڑوں اور ہاتھیوں پر سوار تھے پہر رات رہے رزیڈنسی سے چلے صبح کو کرال ندی پر پہونچے وہاں انقلابیوں کا کوئی نشان نہ پایا۔ مخبر پر خفگی کا اظہار ہوا پھر اس نے ایک باغ کی نشاندہی کی کہ انقلابی اس میں چھپے ہوئے ہیں اور کمر بندی کر رہے ہیں۔ یہ سنتے ہی تین گولے مارے گئے جو انقلابیوں کے سروں سے گذر گئے انہوں نے اس سے اچھا شگون لیا۔ اور مقابلے کے لئے آمادہ ہو گئے، انقلابیوں کی جانب سے گولہ باری شروع ہوئی، انگریزی فوج کو معلوم ہو گیا کہ انقلابیوں نے اب تک موضع چنہٹ کے محاذی گھنے درختوں کی آڑ میں اپنے تئیں چھپائے رکھا تھا۔ ہنری لارنس نے اسمٰعیل گنج اور سڑک کے درمیان پیادوں کی صف بندی کی اور ان کو حکم دیا کہ لیٹ جائیں اور توپوں سے انقلابیوں پر گولہ باری شروع کی، تھوڑی دیر تک دونوں طرف سے ایک دوسرے پر توپ زنی رہی، دشمن نے اپنی توپوں کو روک دیا جس سے ہنری لارنس کو دھوکہ ہوا اور وہ یہ سمجھا کہ اب دشمن میں لڑائی کا حوصلہ نہیں رہا مگر انقلابیوں نے استقلال کے ساتھ ایسی پیش قدمی کی کہ جس کی تعریف انگریز افسروں نے بھی کی ہے اور انہوں نے ۳۲ رجمنٹ پر بڑی آتش باری کی۔ چونکہ ہندوستانی توپخانے کے توپچی انقلابیوں سے ہمدردیاں رکھتے تھے اس لئے توپچیوں نے دو توپوں کو خندق میں اوندھا دیا چند لمحوں میں انقلابیوں نے اسمٰعیل گنج لے لیا۔ گوروں نے پھر اس کے لینے کا قصد کیا مگر وہ بہت تھک گئے تھے۔ اور کرنل کیس کے مہلک زخم لگنے سے دل شکستہ ہو گئے تھے اسلئے کامیاب نہیں ہو سکے اور منتشر ہو کر واپس آ گئے۔

ہنری لارنس نے یہ دیکھ کہ کہیں میں محصور نہ ہو جاؤں، سپاہ کو مراجعت کا حکم دیا، بس یہ مراجعت، ہزیمت و شکست کا دوسرا نام تھی جس میں ۳۲ رجمنٹ کے

لے ذکاء اللہ ص ۴۴۳

ایکسو پندرہ[۱] سپاہی مارے گئے اور انتالیس[۲] مجروح ہوئے۔ انقلابیوں نے توپ خانے سے خوب گولیاں برسائیں ۳۲ رجمنٹ کے سپاہی ایسے مضمحل ہو گئے کہ وہ سڑک پر گھر گئے۔ اور موت ان کے سامنے تھی، غرض لوہے کے پل تک بڑا کھیت پڑا اور انقلابی پل تک پیچھا کرتے چلے آئے، گورے بری طرح بھاگے اور جب رزیڈنسی کے برآمدے میں آئے تو ایک تہلکہ مچ گیا۔ انگریزی سپاہ کا بڑا نقصان ہوا۔ چند توپیں بھی چھوڑ آئے انقلابی بڑی بہادری سے لڑے بس اس وقت سے بیلی گارد یا رزیڈنسی کا محاصرہ شروع ہو گیا۔ اس مہم کے قائد و سالار لشکر مولوی احمد اللہ شاہ تھے جنہوں نے خود میدان جنگ میں بڑی داد شجاعت دی شاہ صاحب کے پاؤں میں گولی[۳] لگی۔

مچھی بھون کا اڑنا

چنہٹ پر شکست کھانے سے ہنری لارنس نے یہ نتیجہ نکالا کہ رزیڈنسی اور مچھی بھون دونوں مقامات سے جنگ جاری رکھنا ممکن نہیں ہے اور نہ ان دونوں مقامات کو محفوظ رکھا جا سکتا ہے انقلابیوں کا شہر پر قبضہ ہو چکا تھا۔ انقلابیوں کے قائد مولوی احمد اللہ شاہ توپوں کو کھینچ کر رزیڈنسی کے پاس کی عمارتوں میں لے آئے اور ان سے آتش فشانی شروع کی انقلابیوں کا اجتماع بڑی تعداد میں بڑھ رہا[۳] تھا۔

یکم جولائی کی صبح کو انقلابیوں نے توپوں اور بندوقوں سے پہلا حملہ کیا۔ اور رزیڈنسی کا محاصرہ شروع کر دیا۔ ہنری لارنس نے مچھی بھون کو دشمنوں سے لڑنے کے لئے جدا مستحکم و استوار رکھنا مناسب نہ سمجھا اور اس قدر سپاہ بھی نہ تھی کہ رزیڈنسی اور مچھی بھون دونوں کی حفاظت ہو سکتی۔ خبر رسانی کا ذریعہ بھی مسدود ہو گیا تھا چنانچہ رات کے وقت خزانہ، مستورات، فوج اور قیدی رزیڈنسی میں چلے آئے، مچھی بھون خالی کر دیا گیا۔ دو سو چالیس بارود کے پیپے، پانچسو چورانوے گولے اور

۱؎ بوستان اودھ از راجہ درگا پرشاد (لکھنؤ ۱۸۸۶ء) صفحہ ۱۸۰ ۲؎ قیصر التواریخ جلد دوم صفحہ ۲۱۳

۳؎ ذکار اللہ۔ صفحہ ۲۶۵۔

گولیاں، توپوں کا میگزین اور ساٹھ لاکھ گولے کے کارتوس اڑا دے گئے جسکی وجہ سے قلعہ اور جو کچھ اسمیں تھا سب غارت و تباہ ہوگیا، سارے شہر میں زلزلہ آگیا سیکڑوں مکانات اور عمارتیں گر گئیں[1]۔ کمال الدین حیدر حسینی لکھتے ہیں[2]

"جب مچھی بھون کی سرنگ میں آگ دی تو سارے شہر میں زلزلہ سا آگیا۔ ہر شخص سوتے میں چونک پڑا، گھروں کے چراغ بجھ گئے۔ خود قلعے کے احاطے میں جتنے قدیم مکانات تھے سوائے مرزا خرم بخت کی کوٹھی کے سب منہدم ہو گئے گودام میں جتنا ذخیرہ تر و خشک جمع کیا تھا سب برباد ہو گیا"۔

خواجہ غلام حیدر صغیر "آئینِ اختری" میں اس واقعے کے متعلق لکھتے ہیں[3]

پہر رات باقی رہی ناگہاں — نہ جھپکی ذرا چشم اہلِ جہاں
فرنگی جو تھے اندرونِ حصار — وہ قلعے سے باہر ہوئے ایکبار
وہاں جتنی توپیں تھیں توڑا انہیں — زن و طفل جو تھے نہ چھوڑا انہیں
حسن باغ کی راہ سے سب گئے — غرض بیلی گارد میں وہ جھٹ گئے
بھرا تھا بہت قلعے میں میگزین — اتارے وہاں گولے دو بلکہ تین
مشبکّ ہوئی چھت وہ گولہ پھٹا — ہوا نبہ تختہ زمیں کا پھٹا
اڑے ساتھ بارود کے گھر تمام — مع تختہ و سقف و دیوار و بام
صدا وہ ہوئی ہر مکاں ہل گیا — زمیں ہل گئی آسماں ہل گیا
بہت پختہ و خام گھر گر گئے — ہزاروں کھلے بیشتر گر گئے
ہوا غل کہ مچھی بھون پھٹ پڑا — ہوا شک کہ چرخ کہن پھٹ پڑا

---

[1] ذکار اللہ۔ صفحہ ۸۲۷ [2] قیصر التواریخ جلد دوم۔ صفحہ ۲۱۰

[3] ملاحظہ ہو شیخ تصدق حسین کا مقالہ ۱۸۵۷ء میں لکھنؤ پر کیا گزری" آج کل جنگ آزادی نمبر، دہلی اگست ۱۹۵۷ء

بر گیڈیر انگلس اپنی سرکاری رپورٹ میں لکھتے ہیں۔

"اگر یہ دانشمندانہ تدبیر و حکمت نہ کی جاتی تو لکھنؤ کی سپاہ حصارنشیں میں سے ایک آدمی زندہ نہ رہتا جو اپنی داستان سناتا مچھی بھون کی کئی جانبوں پر شہر سے حملہ ہو سکتا تھا۔ اور اس میں بھاری توپوں کا میگزین نہ تھا اگر رزیڈنسی میں اس قلعہ کی سپاہ کی کمک نہ آجاتی تو اس کی مصیبتیں اور مشکلات اور نقصانات ایسے ہو جاتے ظن غالب یہ تھا کہ وہ قبضہ میں نہیں رہتے اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اگر اصلی منصوبہ دونوں کے پاس رکھنے کا باقی رہتا تو دونوں میں سے ایک بھی پاس نہیں تھا"[۱]

جب سے انگریزی سپاہ حصارنشین ہوگئی انقلابیوں نے اس پر متواتر آگ برسائی۔ رات دن رزیڈنسی پر گولہ باری کی جاتی رزیڈنسی کے وہ مقامات جو محصور ہونے سے پہلے بہت محفوظ سمجھے جاتے تھے اب ان پر گولیوں کی بوچھار رہتی تھی رزیڈنسی گویا انقلابیوں کی چاند ماری تھی۔

چیف کمشنر ہنری لارنس کام کی زیادتی اور مسلسل محنت و مشقت کی وجہ سے بیمار ہو گیا۔ اور اس کی صحت بہت گر گئی لارنس نے اپنے دفتری کام کے لئے رزیڈنسی کی سب سے اوپری منزل پر ایک کمرہ مخصوص کر لیا تھا، جب وہاں پے درپے گولے آنے لگے تو اس کو مشورہ دیا گیا کہ نیچے کی منزل میں کسی محفوظ مقام پر منتقل ہو جانا چاہئے، چنانچہ اس نے یہ مشورہ قبول کر لیا اور کہدیا کہ ۲ جولائی کی صبح کو دفتر وہاں سے ہٹا لیا جائے گا۔ لارنس حسب معمول صبح کو اٹھا رزیڈنسی کا چکر لگا کر واپس آیا تو تھک چکا تھا، اس نے کہا کہ کچھ دیر آرام کر لوں پھر نئی جگہ منتقل ہو جاؤنگا چنانچہ وہ بستر پر دراز ہو گیا۔ اس کے علاوہ کمرے میں تین آدمی اور تھے، ایک اس کا بھتیجا

---

[۱] ذکاءاللہ - ص ۸۲۷ - ۸۲۸

شہزادہ برجیس قدر

جارج لارنس دوسرا کپتان ولسن، جو ہنری لارنس کو ایک رپورٹ سنا رہا تھا تیسرا ایک ہندوستانی پنکھا قلی، ساڑھے آٹھ بجے کا وقت ہوگا کہ ایک گولہ سیدھا اس کمرے میں آکر گرا۔ گولہ پھٹتے ہی ہر طرف دھواں پھیل گیا۔ ولسن زمین پر گر پڑا اور تھوڑی دیر کے لئے بالکل بے ہوش ہوگیا۔ جب ذرا ہوش میں آیا تو ہر طرف اندھیرا ہی اندھیرا تھا، وہ چلایا کہ سر ہنری آپ کو تکلیف تو نہیں پہونچی دو مرتبہ تو کوئی جواب ہی نہ ملا تیسری مرتبہ ولسن پکارا تو ہنری لارنس نے جواب دیا کہ "میں مارا گیا" دیکھا تو وہ مہلک طور پر زخمی ہو چکا تھا۔ اور جانبر ہونے کی کوئی امید نہ تھی اس کو خواب آور دوائیں دی گئیں، تاکہ نیند آجائے اور تکلیف میں کچھ کمی ہو جائے۔ ۴ر جولائی ۱۸۵۷ء کو سر ہنری لارنس ختم ہوگیا۔[1]

قیام حکومت

انقلابیوں نے رزیڈنسی کے محاصرہ سے چند روز قبل طے کیا کہ کسی حاکم کا مقرر ہونا بڑا ضروری ہے اس کے بغیر فوج اور شہر کا انتظام دشوار ہے۔ راجہ جے لال سنگھ نصرت جنگ اس معاملے میں پیش پیش تھے، اگر اس سے پہلے تھوڑا بہت انتظام شاہ احمد اللہ کی کوشش سے ہو رہا تھا، اعیان ریاست امرائے نامدار نے شاہی خاندان کے ممتاز افراد میں سے حاکم مقرر کرنے کی تجویز پیش کی، بعض شہزادوں کے نام بھی آئے مگر کوئی فیصلہ نہ ہو سکا آخر میں مرزا برجیس قدر کے متعلق مشورہ ہوا، امراء، سرداران ریاست، بیگمات اور فوج، مرزا برجیس قدر پر متفق ہو گئے حضرت محل والدۂ برجیس قدر نے صاف صاف کہدیا کہ "یہ لڑکا تمہارا ہے، جیسا تم سب مناسب حال جانو"[2]

غرض ۱۲ر ذیقعدہ مطابق ۵ جولائی ۱۸۵۷ء بروز یکشنبہ افسران فوج اعیان مملکت اور روسائے نامی کی موجودگی میں مرزا برجیس قدر کا مسند نشین ریاست ہونا طے ہوا۔ اور مندرجہ ذیل امور تحریر کے ذریعہ طے ہوئے۔[3]

---

[1] ذکار اللہ - صہ ۸۳۲ [2] قیصر التواریخ جلد دوم۔ صہ ۲۲۵ [3] قیصر التواریخ جلد دوم صہ ۲۲۵-۲۲۶

(۱) اس سلسلے میں بادشاہ دہلی کو لکھا جائے اور بشرط منظوری بادشاہ دہلی مرزا برجیس قدر رئیس ہوں گے۔ (۲) فوج کی تنخواہ دوچند ہو۔ (۳) پلٹن کا افسر فوج کی رائے سے مقرر ہو۔ (۴) نائب اور دیوان فوج کی رائے سے مقرر و موقوف ہوں۔ (۵) وہ تنخواہ جو سابقہ حکومت کے ذمہ واجب الادا ہے وہ بھی ملنی چاہئے۔

چند دقیقے غروب آفتاب میں باقی تھے کہ رسم تخت نشینی عمل میں آئی سب نے مبارکبادی اور نذر پیش کی جہانگیر بخش صوبیدار توپخانہ فیض آباد نے اسی وقت سلامی کی گیارہ توپیں سر کیں اور شہر میں مرزا برجیس قدر کی مسند نشینی کا غلغلہ بلند ہوا۔ اور شہر میں منادی ہوئی کہ۔

"خلق خدا کی، ملک بادشاہ دلی کا، اور حکم مرزا برجیس قدر کا"

اب کوئی کسی کو شہر میں نہیں لوٹیگا ورنہ سزا پائے گا۔ فوج کی درستی کے انتظام ہوئے، سابقہ ملازمان سرکار، سپاہی، سوار، پیدل اور گولہ انداز بدستور سابق اپنے اپنے عہدوں پر تعینات کئے گئے۔[۲]

حضرت محل نگراں و سرپرست حکومت مقرر ہوئیں، ان کے داروغہ محمد علی خاں عرف ممو خاں دیوان خاص مقرر ہوئے۔ تعلقداروں اور زمینداروں کو حکم جاری ہوا کہ ملک پر قبضہ سابق حکمراں خاندان کا ہو گیا۔ لہٰذا ریذیڈنسی سے فرنگیوں کو ختم کرنا چاہئے جنرل حسام الدولہ کو فوج بھرتی کرنے کا حکم ہوا۔ مجاہدین میں سب سے ممتاز شخصیت مولوی احمد اللہ شاہ کی تھی، اسی طرح راجہ جےلال سنگھ نصرتِ جنگ نے بھی بڑے جوش سے انقلابیوں کا ساتھ دیا۔

صلاح و مشورہ کے بعد نیابت کے عہدے پر محمد ابراہیم علیخاں شرف الدولہ مقرر ہوئے اور ان کو خلعت مرحمت ہوا۔ خلعت دیوانی مدبر الدولہ مہاراجہ بال کرشن کو دیا گیا۔

۱؎ قیصر التواریخ جلد دوم صفحہ ۲۲۵-۲۲۶ ۲؎ قیصر التواریخ جلد دوم صفحہ ۲۲۶

تیسرا خلعت کوتوالی مرزا علی رضا بیگ کو چوتھا میر قادر حسین کو اور پانچواں خلعت جنرل حسام الدولہ کو دیا گیا کچہری خاص کا خلعت امیر حیدر کو ملا۔ اس طرح ہر عہدے پر ایک عہدیدار مقرر ہوا۔ ممو خاں دیوان خاص مقرر ہوئے ان کو "علی محمد خاں بہادر ناصر الدولہ" کا خطاب مرحمت ہوا[۱]۔

اس کے بعد کچہریاں قائم ہوئیں اور ٹکسال بھی جاری ہوئی جسمیں چھوٹی گولی کے روپے ڈھلتے تھے جو نواب سعادت علی خاں کے عہد حکومت تک رائج تھے۔

نظامت خیرآباد راجا ہرپرشاد کو، بیسواڑہ صفدر علی خاں اور راجا ہیرالال کو، چکلہ رسول آباد چودھری منصب علی کو نظامت سلطان پور مہدی حسن خاں کو بانگرمئو راجہ شیوناتھ سنگھ کو، علاقہ سلون مولوی فضل عظیم کو، گونڈہ بہرائچ راجہ دیبی بخش کو، علاقہ سندیلہ چودھری حشمت علی کو ملا۔ یہ سب عمال اپنے اپنے علاقوں میں مصروف انتظام ہوئے[۲]

شاید یہ ذکر بے محل نہ ہو کہ خاندان مجتہدین نے پورے طور سے اس تحریک کی مخالفت کی، ظفر نامہ وقائع غدر کا ہم عصر مورخ لکھتا ہے[۳]

"علمائے کرام ایں عصابہ مثل مولوی سید محمد صاحب سلطان العلمار مجتہد عصر و اولاد عظام شاں و سید محمد نقی صاحب ممتاز العلمار مجتہد ثانی و سید محمد صاحب فخر العلمار مجتہد ثالث و مرزا محمد صاحب فاضل اخباری و مولوی سید احمد علی صاحب و مفتی میر محمد عباس صاحب وغیرہم از علمار اثنا عشری، ہرچند ایں بزرگواراں را مردم مفسدہ پرداز تحریص بر محاربت و تحریص بر امارت نمودند ایشاں بلطائف الحیل در گزرانیدند بلکہ در پردہ بہ پند و مواعظ حسنہ بسیارے را از ارادہ شرکت باز

---

[۱] قیصر التواریخ جلد دوم۔ صد ۲۲۹ [۲] قیصر التواریخ جلد دوم۔ صد ۲۳۶ [۳] ظفر نامہ وقائع غدر مرتبہ ۱۲۷۶ھ قلمی صد ۳۶

بازداشتند و یکے ہم از ایناں بہ دربار مرزا برجیس قدر بہادر حاضر نہ شد"

جب لکھنؤ میں مرزا برجیس قدر کی حکومت قائم ہو گئی تو اودھ کے جملہ تعلقہ داروں اور زمینداروں کو طلبی کے پروانے لکھے گئے کہ وہ شامل تحریک ہو کر نئے انتظام کو مضبوط کریں اور انگریزی حکومت اور اس کے خاتمہ میں انقلابیوں کی مدد کریں۔ چنانچہ اس کا خاطر خواہ اثر ہوا۔ اور اودھ کے تعلقہ داروں کی ایک بڑی تعداد فوج اور مال سے قومی حکومت کی مدد کیلئے لکھنؤ پہونچی۔

جب لکھنؤ کے حالات اور انقلابیوں کی عرضداشت دہلی پہونچی تو بادشاہ بہادر شاہ ظفر نے بطور اظہار خوشنودی سپاہ کے نام ایک فرمان جاری کیا کہ۔

"یہ بہت اچھا ہوا کہ تم نے مرزا برجیس قدر کو مسند وزارت پر بٹھایا۔"

جب فوج کو ذرا اطمینان ہوا اور مرزا برجیس قدر کی مسند نشینی کے تمام مرحلے طے ہو گئے تو شاہی فرمان کے جواب میں لکھنؤ سے ایک سفیر دہلی جانا طے ہوا اور عباس مرزا اس کام کے لئے متعین ہوئے۔ عباس مرزا ۱۴ اگست ۱۸۵۷ء کو لکھنؤ سے روانہ ہوئے اور بریلی ہوتے ہوئے مراد آباد پہونچے۔ وہاں ڈپٹی ولایت حسین خاں نے جو انگریزوں کا خوشامدی اور خیر خواہ تھا سفیر اودھ کو سبق پڑھایا کہ ولسن صاحب سے مل لو شاید آئندہ یہ ملنا کام آئے مگر عباس مرزا نے انکار کر دیا اور کہا کہ میں مالک سے امانت میں خیانت نہ کروں گا۔

۹ ستمبر کو عباس مرزا شاہدرے پہونچے، پھر بڑی دھوم دھام سے دہلی میں داخل ہوئے اور نواب زینت محل کے ذریعے تقرب شاہی کا شرف حاصل کیا

۱؎ قیصر التواریخ جلد دوم۔ صفحہ ۲۳۶ ۲؎ قیصر التواریخ جلد دوم۔ صفحہ ۲۳۹

۳؎ قیصر التواریخ جلد دوم صفحہ ۲۴۱ ولایت حسین نے ۱۸۵۷ء میں انگریزوں کی خدمات انجام دیں اور پھر انعام سے سرفراز ہوا۔ (تاریخ امروہہ جلد اول صفحہ ۷۸-۷۹)

یہ وہ زمانہ تھا کہ دہلی میں حالات بہت خراب تھے انگریز کی فتح کے آثار نمایاں ہو چلے تھے۔

مرزا برجیس قدر کی حکومت کے بعد ہی انقلابیوں کی قوت میں خاصا اضافہ ہو گیا۔ اور انہوں نے پورے طور سے رزیڈنسی کا محاصرہ کر لیا ان مکانوں میں سے جو ایک تمنچے کی گولی کے فاصلے پر تھے بہت سے سپاہیوں نے بیٹھ کر اس طرف ایسی رنیاں بنائیں کہ جو رزیڈنسی کے مقابل تھیں، اور ان میں سے رات دن خوفناک آتش بازی کرتے تھے۔ انقلابیوں کی اس استقامت سے رزیڈنسی میں ہر روز آدمی مرنے لگے، محاصرے کے پہلے ہفتہ میں رزیڈنسی کے مرنے والوں کا اوسط روزانہ پندرہ بیس آدمی تھا۔ تجربے کے بعد رزیڈنسی کے لوگوں نے باہر چلنے پھرنے میں بہت احتیاطی تدابیر اختیار کیں اور آدمیوں کے مارے جانے کا اوسط بہت کم ہو گیا مگر پھر بھی دس سے کم نہ تھا۔ آٹھ ہزار آدمی انگریزی مورچوں پر گولے گولیاں برساتے تھے رزیڈنسی میں کوئی جگہ ایسی نہ تھی جہاں جان کی سلامتی کا اطمینان ہو۔ بیمار" زخمی جو اسپتال میں پڑے ہوئے تھے وہ اسپتال کے عین وسط میں گولیوں کے لگنے سے مرتے تھے۔ انقلابی بیٹریوں کے لگانے سے غافل نہ تھے انہوں نے بیس سے پچیس تک توپیں لگائیں جن میں بعض بڑی دور تک مار کرنے والی تھیں، اور وہ توپیں ایسے مقامات پر لگی ہوئی تھیں جہاں انگریزوں کی توپوں کی زد نہیں پہونچ سکتی تھی۔ انقلابی بڑی ہوشیاری اور پھرتی سے اپنی توپوں کے گرد اور سامنے ایسی اوٹیں اور روکیں ذرا سی دیر میں بنا لیتے تھے جن سے ان کی بڑی مدافعت ہوتی تھی۔ اس کے علاوہ ہر توپ کے پیچھے انہوں نے آٹھ روز میں گہری تنگ خندقیں کھود لی تھیں جن میں سپاہی لیٹ جاتے انگریزوں کے گولے اوپر ہی اوپر گزر جاتے وہ اپنے کو ایسا چھپاتے کہ صرف ان کے ہاتھ اس وقت انگریزوں کو دکھائی دیتے جب وہ توپوں کو بھرتے۔

اضلاع اودھ

اضلاع اودھ میں ایک آگ سی لگی ہوئی تھی اور ضلع سیتاپور میں سب سے زیادہ زور تھا۔ وہاں ایک بڑی فوجی چھاؤنی تھی

۳ جون ۱۸۵۷ء کو رجمنٹ ۴۱ اچانک بگڑ گئی اور اس کے بگڑتے ہی تمام چھاونی میں آزادی کی آگ بھڑک اٹھی۔ فوجیوں نے انگریز افسروں کو ختم کرنا شروع کر دیا اس طرح قصبہ ملاؤں میں بھی سپاہ نے علم آزادی بلند کیا اور وہاں سے انگریز فرار ہوئے[1]۔

سیتاپور کے بعد فیض آباد کا نمبر ہے یہاں کی سپاہ نے اعظم گڑھ اور بنارس کے انقلابیوں کی تحریک پر ۷ جون کو علم جہاد بلند کیا۔ انگریز افسر فرار ہو گئے۔ سابق عامل راجہ مان سنگھ نے انگریز افسروں کو بحفاظت تمام پناہ دی اور ان کے فرار ہونے کا انتظام کیا۔ سول اور فوجی افسروں نے تین ٹولیاں بنائیں جن میں سے دو ٹولیاں بغیر کسی نقصان کے فرار ہو گئیں مگر تیسری ٹولی کو اعظم گڑھ کے انقلابیوں نے ٹھکانے لگا دیا[2]۔

مولوی احمد اللہ شاہ آغاز تحریک کے وقت قید میں تھے انگریزی نظم و نسق اٹھ جانے کے بعد جیل توڑ دی گئی اور قیدی رہا ہو گئے۔ پھر کیا تھا مولوی احمد اللہ شاہ نے فیض آباد میں تبلیغ جہاد کے ذریعے ایک آگ لگا دی اور انہوں نے بھاری جمعیت کے ساتھ لکھنؤ کا رخ کیا۔

۹ جون کو سلطان پور میں ہنگامہ ہوا۔ سید برکات احمد رسالدار کو پہلے سے حالات کا اندازہ تھا۔ اس نے ہر چند غیر آئینی رجمنٹ سواران ۱۵ کے کمانڈر کرنل فشر Fisher سے کہا کہ آپ جہاں کہیں وہاں آپ کو بحفاظت پہونچا دیا جائے مگر کرنل فشر نہ مانا اور مارا گیا۔ انقلابیوں نے حکومت انگریزی کا خاتمہ کر دیا پھر سپاہ لکھنؤ چلی گئی[3]۔

بہرائچ میں کمشنر ونگ فیلڈ تھا اس نے اپریل میں اپنا قیام سکرورا میں بدل لیا

---

[1] ذکاء اللہ۔ ص ۸۰۵ - ۸۰۶ [2] لکھنؤ اینڈ اودھ ان دی میوٹنی از لفٹیننٹ جنرل انس (لندن) ۱۸۹۵ء ص ۸۵ [3] ذکاء اللہ ص ۸۱۳

تھا، کمشنر بڑا ہوشیار تھا۔ اس کو سپاہ پر بالکل اعتماد نہ تھا۔ بلرام پور کا راجہ انگریزوں کا بڑا وفادار تھا۔ اس نے انگریزوں کی مدد کا وعدہ کیا تھا اور ان کو مدد بھی دی۔ سکرورا میں ۹ جون کو آغاز کار ہوا۔ اور انگریز بری طرح بھاگے۔ ۱۰ جون کو گونڈہ میں بغاوت ہوئی۔ اور انگریزوں نے راہ فرار اختیار کی۔ دریا بادمیں انگریزوں نے طے کیا کہ خزانہ لکھنؤ پہونچا دیا جائے۔ چنانچہ ۹ جون کو خزانہ چھکڑوں پر لدکر لکھنؤ کو روانہ ہوا۔ سپاہ کو یہ بہت برا معلوم ہوا اور کچھ سپاہی بہت ہوشیاری سے اس خزانے کو واپس لوٹا لائے اور کپتان ہوس پر گولیاں چلیں مگر وہ بھاگ گیا۔ ایک ہندو زمیندار رام سنگھ نے اس کی مدد کی۔[۱]

اسی طرح دوسرے اضلاع میں بھی ہنگامے ہوئے جہاں پلٹنیں تھیں، اور آغاز وہاں سے ہوا جہاں پلٹنیں نہ تھیں۔ اور انگریزوں کے ٹھہرنے کی کوئی صورت باقی نہ رہی[۲]
ایک ہم عصر وقائع نگار لکھتا ہے[۳]۔

> "ہم دریں زمنہ صیمینہ تمام ملک اودھ پر آشوب وہمہ جا فتنہ برپا شد مردم نظامت متعینہ اضلاع باتفاق دہقانان غارت پیشہ وزمینداران سرکش در ہر ضلع انگریزاں کہ یافتند وکشتند"

واقعاتِ لکھنؤ ان اضلاع کے مختصر سے ذکر کے بعد ہم پھر واقعات لکھنؤ کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ ۲۰ جون تک متواتر توپوں اور بندوقوں سے انقلابیوں نے رزیڈنسی پر حملے کئے اور انقلابیوں نے بہت بہادری کا مظاہرہ کیا اور رزیڈنسی سے صرف دس گز کے فاصلے تک انقلابی پہونچ گئے۔ رزیڈنسی سے بھی سخت مدافعت کی گئی مگر انقلابیوں کی بندوق زنی اور توپ زنی بدستور جاری

---

[۱] ذکاء اللہ۔ صـ۸۰۸ - ۸۰۹ [۲] تفصیل کے لئے دیکھئے ذکاء اللہ۔ صـ۸۰۵ - ۸۰۷

[۳] ظفرنامہ وقائع غدر صـ۲۲

رہی اس لڑائی کو انگریزوں نے فتح گردانا۔ مگر دوسرے دن اسکی کسر نکل گئی۔ ہوا یہ کہ میجر فلکس جو سر ہنری کے بعد چیف کمشنر بنا تھا ایک کوٹھی کی دیکھ بھال کر رہا تھا کہ ایک جہادی نے بندوق کا ایسا نشانہ لگایا کہ اس کا سر یرغرور جسم سے علیحدہ ہو گیا۔[1]

انقلابی شاہ احمد اللہ کی ہدایت کے مطابق مختلف مورچوں پر لڑ رہے تھے۔ انگریز لکھنؤ کی طرف سے سخت فکرمند تھے۔ ہیولاک نے ۱۷ر جولائی کو کانپور پر قبضہ کر لیا اور ۱۹ر جولائی کو ہیولاک نے نانا راؤ کے محل کی اینٹ سے اینٹ بجا کر اپنی فتح کا اعلان عام کیا۔ اس کی تجویز تھی کہ کانپور ہی کو مرکز بنا کر پیش قدمی شروع کی جائے چنانچہ اس نے ۲۱ر جولائی کو دریائے گنگا عبور کیا۔ اور منگل وار پہونچا۔ ۲۹ر جولائی کو وہاں سے چلا، جب تین میل کا فاصلہ طے کر چکا تو معلوم ہوا کہ انقلابیوں نے سامنے جا بجا چوکیاں قائم کر رکھی ہیں اور اناؤ پر انقلابی قابض ہیں۔ اناؤ پر سخت لڑائی ہوئی۔ اناؤ سے وہ بصیرت گنج پہونچا۔ تو وہاں پھر مقابلہ ہوا مجاہدین نے بڑی بہادری کا مظاہرہ کیا۔ اور ہیولاک کے چھکے چھڑا دئے۔ اب اسے یقین ہو گیا کہ آگے قدم قدم پر لڑنا ہوگا وہ زخمیوں اور بیماروں کو ساتھ نہیں لے جا سکتا تھا پیچھے بھی چھوڑنا مشکل تھا کیونکہ اس حالت میں اس کو اپنی فوج کا ایک حصّہ ان کی حفاظت کے لئے چھوڑنا پڑتا اور اتنی فوج اس کے پاس نہ تھی کہ وہ اس کو تقسیم کرتا اور جا بجا اس کو چھوڑتا جاتا نانا راؤ نے ایک اعلیٰ تدبیر یہ کی کہ ہیولاک کے پیچھے اپنا ایک رسالہ بھیجدیا کہ یہ آگے بڑھے تو پیچھے کا سلسلہ منقطع ہو جائے۔ اور اس کے لئے مشکلات پیدا ہو جائیں۔ جب ہیولاک کو یہ صورت حال معلوم ہوئی تو اس نے آگے پیش قدمی مناسب نہ سمجھی۔ اور آگے بڑھنا ملتوی کر کے وہ ۳۰ر جولائی کو اناؤ واپس آگیا۔

۳۱ر جولائی کو لکھنؤ میں یہ ہوا کہ شاہ احمد اللہ صاحب نے ایک عظیم سپاہ کے ساتھ رزیڈنسی پر حملہ کر دیا۔ جب یہ فوج مورچوں پر پہونچی روئی کے گدّے

---

[1] ذکاء اللہ۔ صد ۸۳۶

جا بجا رکھے گئے ان کی آڑ میں حملہ کیا گیا۔ یہانتک کہ سپاہ رزیڈنسی کی دیوار تک پہونچ گئی سپاہی دیوار کھودنے لگے کہ اس راستے سے اندر پہنچ جائیں مگر رزیڈنسی سے گولے برسنے لگے، بڑا سخت مقابلہ ہوا آخرش انقلابیوں کو پیچھے ہٹنا پڑا انقلابیوں کو اس بات کا یقین ہو گیا کہ وثیقہ دار اور بنئے رزیڈنسی میں رسد پہونچاتے ہیں، اس لئے انہوں نے واپسی میں انگریزوں کے مددگاروں کی دوکانیں لوٹیں۔ جب مرزا برجیس قدر کو یہ اطلاع ہوئی سخت افسوس ہوا اور اس سلسلے میں سخت احکام نافذ کئے گئے، کہ لوٹ مار نہیں ہونی چاہئے۔

۴ اگست کو ہیولاک نے دوبارہ پیش قدمی کی اور وہ بصیرت گنج پہونچ گیا۔ مگر اس کی فوج میں ہیضہ پھوٹ پڑا۔ جب اس کو معلوم ہوا کہ لکھنؤ تک انقلابیوں کی تیس ہزار فوج متعین ہے اور پورا علاقہ بیدار ہے تو وہ واپس ہوا اور کانپور پہونچا۔

۲۴ جولائی کو جب بریگیڈیر نیل کانپور پہونچا اور اس کو معلوم ہوا کہ جنرل ہیولاک واپس کانپور آگیا تو اس نے ہیولاک کی واپسی کو سخت فوجی غلطی قرار دیا۔

رزیڈنسی کے محصورین کانپور سے امداد کے متوقع تھے اور رات دن کانپور کی طرف ان کی آنکھیں لگی ہوئی تھیں۔ ۲۹ جولائی کو ایک افسر نے کانپور کی طرف سے توپوں کی آوازیں سن کر کہہ دیا کہ لشکر ہماری مدد کو آپہونچا ہے۔ اور وہ شہر میں لڑ رہا ہے۔ جس کو سن کر سارے محصورین پھولے نہ سماتے تھے۔ مگر بعد کو معلوم ہوا کہ یہ توپیں انقلابیوں نے اپنی کسی قومی تقریب کی خوشی میں چھوڑی ہیں۔ محصورین کی کیفیت کا اندازہ ذیل کے واقعہ سے لگایا جا سکتا ہے

۱؎ ذکاء اللہ۔ صفحہ ۱۳۸

۳۰ر جولائی کو ایک طاؤس فصیل پر تھوڑی دیر بیٹھ کر اڑ گیا۔ جب اس پر بندوق کی شست باندھی گئی تو لوگوں نے کہا کہ اس نیک فال پرندے کو نہیں مارنا چاہئے اس لئے بندوق اس پر نہیں چلائی۔ وہ صحیح سلامت اڑ گیا[1]۔

جولائی گزر گیا اگست گزر گیا مگر کانپور سے کوئی امداد اور کمک لکھنؤ نہ پہونچی اور انقلابیوں نے اب اپنی جنگ کو زمین کے نیچے منتقل کر دیا۔ اور اکثر لڑائیاں تنگ و تاریک چھتوں میں ہوئیں۔ ۲۰ر جولائی کے بعد باقاعدہ رزیڈنسی کے قریب پہونچ کر زمین کے نیچے سے حملے شروع کئے گئے۔ جب انقلابیوں نے سرنگیں لگانی شروع کیں تو محصورین نے ان سرنگوں کے نیچے سرنگیں کھودنی شروع کیں۔ لکھنؤ کے مورچے پر رزیڈنسی کے اندر بڑے بڑے ہنرمند سرنگ لگانے والے یورپین موجود تھے۔ کپتان فلٹن اس فن میں سب سے زیادہ ماہر تھا۔ انقلابیوں کے پاس زمین کے کھودنے والے پاسی ذات کے لوگ تھے۔ مگر ان کو ہدایت دینے والے سائنس سے ناواقف تھے۔ انقلابی صرف سرنگوں کے لگانے میں مصروف نہ تھے وہ نئی بیٹریاں بھی بنا رہے تھے[2]۔ انہوں نے انس Innes کی چوکی پر ۲۴ پینی توپ لگائی جس سے انس کی کوٹھی کو کافی نقصان پہونچا بلکہ چرچ اور رزیڈنسی پر بھی اثر ہوا۔ اسی طرح ۱۰ر اگست کو انقلابیوں نے بریگیڈیر میس کے قریب ایک سرنگ اڑائی جس نے انگریزی پناہ گاہ کی بیس فٹ فصیل کو بالکل تباہ و غارت کر دیا۔ ۱۲ر اگست کو دن میں انقلابیوں نے کانپور کی بیٹری پر جو ہاتس کی کوٹھی سے ایسی شد و مد سے توپ زنی کی کہ اس میں توپیں چلانی ہی ناممکن ہو گئیں۔ ایک سنتری کے سوا تمام سپاہ وہاں سے ہٹا لی گئی یہ سنتری بھی مارا گیا اور انگریزوں کا سخت نقصان ہوا[3]۔

۵ر ستمبر کو انقلابیوں نے اپنا آخری حملہ بڑے زور شور سے کیا۔ پہلے ایک بڑی

۱؎ ذکاء اللہ ص ۸۳۹ ۲؎ ذکاء اللہ ص ۸۴۰-۸۴۱ ۳؎ ذکاء اللہ ص ۸۴۱

سرنگ اُڑائی جو میجر ایپ تھروپ کے مورچے سے چند فٹ کے فاصلہ پر اُڑ کر رہ گئی۔ پھر انقلابی بڑی بڑی سیڑھیاں لے کر آگئے بڑھے[1]، مگر ان کو نقصان اٹھانا پڑا۔ اسی طرح یہ سلسلہ جاری تھا اور محصورین جنرل ہیولاک سے نامہ د پیام کر رہے تھے۔

۱۶ ستمبر کو انگد مخبر پھر بھیجا گیا جو ۲۲ ستمبر کو یہ خط لایا کہ انگریزی فوج گنگا پار اتر آئی ہے تین چار روز میں یہاں آنے والی ہے۔ اس خبر سے محصورین کو بڑی خوشی ہوئی۔ اس ہندو مخبر انگد کو خبر رسانی کے سلسلے میں ہر مرتبہ پانچ ہزار روپے ملتے تھے[2]۔

لکھنؤ کا آخری معرکہ

آؤٹرام جب کانپور پہونچا تو اس نے ہیولاک کے کانپور کی واپسی کے اقدام کی نہ صرف تائید کی بلکہ اس کو سراہا اور اس نے ہیولاک اور اس کی فوج کی بے حد تعریف کی۔ اور حکم دیا کہ ہیولاک بدستور لکھنؤ کی طرف پیش قدمی کرنے والی فوج کا کمانڈر رہے گا۔ اور چیف کمشنر کی حیثیت سے میں اس کے ماتحت جاؤں گا۔ چنانچہ دریا عبور کر کے ۲۱ ستمبر ۱۸۵۷ء کو پھر پیشقدمی ہوئی، منگل وار، اناؤ اور بشیرت گنج میں لڑتے ہوئے ہیولاک اور آؤٹرام ۲۳ ستمبر کو عالم باغ پہونچ گئے جو لکھنؤ سے صرف چار میل کے فاصلے پر تھا۔ اب سوال یہ تھا کہ رزیڈنسی کس راستے سے داخل ہوا جائے۔ کیوں کہ وہاں تک پہونچنے کے لئے چار راستے تھے آخر چوتھا راستہ اختیار کیا گیا[3]۔ جس سے سڑک صاف بچ جاتی تھی۔ وہ اس طرح کہ عالم باغ سے داہنی جانب نہر سے چکر کاٹ کر باہر دلکشا پہنچیں اس کے بعد دریا کے ساتھ ساتھ پل پار کر کے دوسری طرف کو چلیں پھر بائیں کو گھوم کر مغرب کی طرف چلیں اور کالا پل

---

[1] ذکاء اللہ۔ صد ۱۸۸ [2] ذکاء اللہ صد ۵۵ [3] ذکاء اللہ صد ۵۵

پار کر کے بادشاہ باغ پہونچیں۔ اس کے سامنے رزیڈنسی تھی۔[1]

چار باغ پر جنرل حسام الدولہ مع اپنے رفقا رخاص اور افسران کے، جنگی سوار اور پیدل لئے بیٹھے تھے، اسی طرح امین آباد تک دونوں طرف کے کوٹھوں اور مکانوں پر سر راہ فوج اور افسران بیٹھے ہوئے تھے۔[2] دو توپیں ناکہ پل کی طرف لگائی گئیں تھیں۔ ایک پر میر نجف علی داروغہ توپ خانہ اور دوسرے پر مرزا امام علی بیگ صوبہ دار توپ خانہ اسلحہ حرب سے مستعد کھڑے تھے۔ جیسے ہی گورے نمودار ہوئے دونوں توپیں چلیں، گورے زمین پر لیٹ گئے، گولے ان پر سے گزر گئے۔ اور فیر کے بعد گورے مثل عقاب جھپٹ پڑے گولا انداز سب بھاگ گئے۔ گوروں نے توپوں کو کھینچکر نہر میں گرا دیا گورے پھر عیش باغ کی سڑک پر چلے، غلام حسین کی مسجد پر نبی بخش خاں مجاہدین کے ہمراہ تھے سخت مقابلہ ہوا، خوب تلوار چلی شہر میں تلاطم مچ گیا۔[3] بازار اور دوکانیں بند ہوگئیں۔ رعایا نے اپنے گھروں کے دروازے بند کر لئے۔ پھر گورے گھبرا کر عیش باغ سے امین آباد کی سڑک پر آ گئے اور تیلیوں کو مارا۔ انقلابیوں نے دونوں طرف سے گولیاں چلائیں، راستے میں ممو خاں سے مقابلہ ہوا۔ دوسری طرف آوٹرام بھی آگیا۔ گوروں کو اور تقویت ہوگئی۔ راستے میں جگہ جگہ سخت مقابلے ہوئے۔ انہیں مقابلوں میں نیل مارا گیا۔ آخر ش ۲۵ ستمبر ۱۸۵۷ء کو جنرل آوٹرام اور جنرل ہیولاک رزیڈنسی میں داخل ہو گئے۔ محصورین کو بہت خوشی ہوئی۔

اوٹرام رزیڈنسی پہونچ گیا۔ تاہم اس طرح اصل صورت میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی۔ اس لئے کہ نہ وہ لکھنؤ کو فتح کر سکا نہ محصورین کو رزیڈنسی سے نکال کر باہر بھیج سکا۔ بلکہ خود ان کے ساتھ رزیڈنسی میں محصور ہوگیا۔ مگر انقلابیوں کے حوصلوں

۱؎ انس صـ ۲۱۸ ۲؎ قیصر التواریخ صـ ۲۶۸ ۳؎ قیصر التواریخ صـ ۲۶۹

میں کوئی خاص کمی نہ آئی۔

جنرل اوٹرام کے رزیڈنسی میں داخل ہوتے ہی شاہ احمد اللہ نے بڑی تیزی سے تیاری کی، دوسرے لوگ مقابلے سے کتراتے تھے۔ اکثر لوگ کہتے تھے کہ اگر شاہ جی نہ ہوتے تو گوروں نے شہر لے لیا تھا۔ شاہ جی نے ممو خاں کو دھاوا بولنے کی تیاری کرنے کے لئے کہا آخر حملہ کرنے کی تیاری ہوئی طرفین سے خوب مقابلہ ہوا اور اس طرح ان مقابلوں کا سلسلہ برابر جاری رہا۔

ادھر سر کالن کیمبل نے لکھنؤ فتح کرنے کا ارادہ کیا۔ اس کی رائے تھی لکھنؤ سے پہلے روہیل کھنڈ کو تسخیر کر لیا جائے۔ لیکن گورنر جنرل چاہتا تھا کہ لکھنؤ جلد فتح ہو، چنانچہ کیمبل ۹ نومبر کو کانپور سے نکلا اور ۱۲ نومبر کو عالم باغ پہونچ گیا۔ بصیرت گنج و نواب گنج وغیرہ میں تھانے بٹھائے۔ اور تار برقی بھی جا بجا درست کر دئے۔ عالم باغ میں سخت مقابلہ ہوا۔ ممو خاں نے ایک دستہ فوج کا احمد علی خاں کی زیر کمان بھیجا۔ اور دوسرا دستہ احمد اللہ شاہ کی قیادت میں لڑا اسی عرصے میں گورے میدان دلکشا میں آ پہونچے سخت مقابلہ ہوا۔ احمد اللہ شاہ نے بھی بڑی بہادری سے مقابلہ کیا مگر پیش نہ گئی۔ وجہ یہ ہوئی کہ انقلابیوں کے کارتوسوں میں بھوسی بھری گئی تھی اور بجائے گراب کے گرنج بھری گئی [1] اور یہ سب کچھ بعض غدار عمائد و سرداران حکومت کے اشاروں پر ہوا تھا۔ کہ وہ انگریزوں کے سامنے خود کو ان کا بہی خواہ ثابت کر سکیں ظاہر ہے ایسی صورت میں کس طرح انقلابیوں کو کامیابی ہو سکتی تھی۔ آخر کیمبل لڑتا بھڑتا ۱۷ نومبر کو رزیڈنسی میں داخل ہو گیا۔

جب ہیولاک لکھنؤ آیا تو تھوڑی فوج کانپور چھوڑ آیا تھا۔ اسے اندیشہ تھا کہ اگر کانپور پر انقلابیوں نے حملہ کر دیا تو یہ مرکز ہاتھ سے نکل جائے گا، جس پر

---

[1] قیصر التواریخ جلد دوم صـ ۲۸۲

نہ صرف لکھنؤ بلکہ روہیل کھنڈ، آگرہ اور وسط ہند کی فتح وحفاظت موقوف تھی آخراس نے لکھنؤ کی مکمل تسخیر کاارادہ کیا اور مراجعت کافیصلہ کرلیا۔ اور سواریوں کا مناسب انتظام کیا۔ محصورین کو رزیڈنسی سے نکالا۔ اوٹرام اور ہیولاک کو عالم باغ میں بٹھایا۔ عورتوں، بچوں اور زخمیوں کو لے کر وہ کانپور روانہ ہوگیا۔

اب لکھنؤ کے انقلابیوں کو پھر موقع مل گیا تھا کہ وہ اس صورت حال سے فائدہ اُٹھائیں۔ اسی زمانے میں تانتیا ٹوپے نے کانپور پر حملہ کر دیا اور سر کالن کیمبل کا خیال صحیح نکلا، اگر کالن کیمبل لکھنؤ سے واپس نہ لوٹتا تو کانپور یقیناً انگریزوں کے ہاتھ سے نکل جاتا۔

۱۸۵۸ء میں عالم باغ میں انگریزوں اور انقلابیوں میں خوب معرکے اور مقابلے ہوتے رہے کہ فروری میں مطمئن ہو کر سر کالن کیمبل نے لکھنؤ پر پیش قدمی کی۔ کیوں کہ اب انگریزوں کی پوزیشن بہت بہتر تھی دہلی پر مکمل طور سے قبضہ ہوچکا تھا۔ اس کے علاوہ اکثر مقامات مسخر ہوچکے تھے۔ زیادہ سے زیادہ فوج فارغ ہو چکی تھی۔ بایں ہمہ لکھنؤ میں بڑی سخت لڑائیاں ہو رہی تھیں۔ شاہ احمد اللہ وہاں موجود تھے۔

جنرل بخت خاں دہلی سے نکل کر لکھنؤ پہونچ گیا تھا۔ شہزادہ فیروز شاہ، مولوی فضل حق اور نانا راؤ بھی لکھنؤ آگئے تھے۔ لکھنؤ کے ایک ایک مقام پر انگریزی فوج آہستہ آہستہ قابض ہوتی رہی۔

۲۶ رجب کو پھر طرفین سے لڑائی شروع ہوئی دوپہر کو گوروں نے ناکہ چار باغ سے چاہا کہ امین آباد چلے آئیں۔ ہر طرف سے انقلابیوں کے دستے جمع ہوگئے، اس لئے نہ پہنچ سکے۔ لیکن ۲۷ رجب کو گورے امام باڑہ اور اصطبل سے ہوکر سیدھے قیصر باغ کے دروازے پر آگئے۔ گوروں کے آتے ہی گولہ انداز بری طرح بھاگے۔ اور توپیں بھری کی بھری

چھوڑ گئے [1]

جب ممو خاں کو معلوم ہوا تو سخت افسوس ہوا. صبح کے وقت شرف الدولہ حضرت محل کے حضور میں حاضر ہوئے اور مشورہ دیا کہ یہاں سے جناب عالیہ نکل جائیں.

اسی دوران میں گوروں نے بارہ دری کے صحن میں نشان فتح گاڑ دیا۔ جناب عالیہ سراسیمہ پریشان حال اور پیادہ پا مع دیگر صاحبات محل اور خدام و خادمات گھسیاری منڈی کی پھاٹک سے باہر نکلیں اور ٹیلہ شاہ پیر جلیل سے برجیس قدر کو لے کر پل مولوی گنج پر آئیں، جواہر علی خاں نے فینس کہار پہلے سے بھیج دیئے تھے اس میں سوار ہوئیں اور محلسرائے حسین آباد پہونچیں۔

اس سے قبل جنرل اوٹرام نے حضرت محل کو پیغام بھیجا تھا کہ وہ ہماری مدافعت کریں اور انقلابیوں کو بھی نکال باہر کرنے دیں۔ ہم ان کے اعزاز و اکرام کو برقرار رکھیں گے. اور وظیفہ بھی بدستور رہیگا۔ مگر انہوں نے انگریزوں کی پیشکش کو قبول نہیں کیا [2]۔

مولوی احمد اللہ شاہ اپنی سعی پوری کوشش کر رہے تھے۔ کہ فرنگیوں کو شکست دیں [3]۔ مگر رئیسوں کی ہمت شکنی اور سازش کی وجہ سے انقلابی فوج کے بھی قدم نہ جمتے تھے. بروز شنبہ ۲۹ رجب ۱۲۷۴ھ مطابق ۱۶ مارچ ۱۸۵۸ء بوقت شام جناب عالیہ مع برجیس قدر پاپوسی کی حالت میں فینس میں سوار ہوئیں، جو نقد و جواہرات ساتھ لیا جا سکتا تھا لیا، کچھ پیادے اور سواروں کے ساتھ حضرت محل باڑی خیر آباد پہونچیں، وہاں بڑا استقبال ہوا۔

اب مشورت ہوئی کہ خان بہادر خاں کے پاس بریلی چلنا چاہیئے یا

---

[1] قیصر التواریخ جلد دوم۔ صہ ۳۳۲ [2] قیصر التواریخ جلد دوم۔ صہ ۳۳۴

[3] قیصر التواریخ جلد دوم صہ ۳۳۶

ممالک محروسہ میں رہنا چاہیئے۔ خیال ہوا کہ ابھی ٹھہرنا چاہیئے۔ چنانچہ بوندی پہونچ کر پھر فوج کو اکٹھا کیا۔ ملازمین قدیم و جدید، بیگمات، امراء اور رعایا وغیرہ سب آپہونچے۔ تھوڑا سا استقلال نصیب ہوا۔ بلکہ مالگذاری بھی وصول ہونے لگی۔ تھانے اور تحصیل بٹھادیئے گئے۔[1]

انگریزوں نے حضرت محل کے نکلتے ہی شہر میں عام انتظام شروع کیا لوگوں کی روبکاری اور داروگیر شروع ہوئی قصاص لیا گیا۔ ان مصروفیات کی وجہ سے وہ نواح کے ہنگاموں کی طرف پوری توجہ نہ دے سکے۔ معافی کا اشتہار عام ملکہ معظمہ وکٹوریہ کی طرف سے شائع کیا گیا اس کے بعد سر کالن کیمبل فوج لے کر بوندی پہونچا۔ اس کے ساتھ زمیندار بھی تھے۔[2] حضرت محل کی فوج نے مقابلہ کیا۔ مگر تاب مقاومت نہ لا سکی اور راہِ فرار اختیار کی۔

حضرت محل کی فوج حدود نیپال میں متفرق ہوگئی۔ حضرت محل نے تلسی پور کی گڑھی میں دو تین روز قیام کیا وہاں سے نئے کوٹ پہونچیں۔ جو کہ کوہِ بٹول پر ہے۔ وہاں نواب آصف الدولہ نے بارہ دری بنوائی تھی۔ جب حضرت محل ستارے سے آگے بڑھیں تو نیپال کے وزیر جنگ بہادر کا پیغام ملا کہ آپ یا تو انگریزوں سے صلح کیجئے یا یہاں کا رہنا اختیار کیجئے۔ ہم انگریزوں کے مقابلے میں آپ کی کسی طرح مدد نہ کریں گے۔ ممو خاں نے اس کا جواب دیا کہ نہ ہمیں صلح منظور ہے اور نہ تمہارے ملک میں قیام منظور ہے اور نہ کسی طرف جائیں گے یہیں ہم انگریزوں سے لڑیں گے۔ اور کچھ تمہارے بھروسہ پر انگریزوں سے بگاڑ

---

[1] قیصر التواریخ جلد دوم۔ ص۳۳۶ - ۳۳۷ [2] زمینداروں کی تفصیل کے لیئے دیکھئے قیصر التواریخ جلد دوم۔ ص۳۳۸ - ۳۳۹

نہیں کیا ہے۔

اس کے بعد صرف حضرت محل مع برجیس قدر کچھ آدمیوں کو لے کر نیپال کے حدود میں چلی گئیں[1]

کسی نے تاریخ کہی[2] ہے۔

مرزا رمضان علی ناکام — شد جانب کوہ چوں سبک ناز

تاریخ روانگی چو جستم — نیپال شتافت آمد آواز

حضرت محل کے لکھنؤ کے چھوڑنے کے بعد مولوی احمد اللہ شاہ نے شہر میں کئی معرکے سر کئے۔ مگر انگریزوں کی طاقت کے سامنے اور حضرت محل کے شہر چھوڑنے کے بعد احمد اللہ شاہ کی فوج کے بھی قدم اُکھڑ گئے۔

دوسری شعبان کو زبردستی شاہ صاحب کو ان کے مرید لکھنؤ سے نکال کر لے گئے۔ اور شاہ صاحب کسمنڈی پہونچے۔ پھر وہاں سے باڑی میں مقیم ہوئے اور مقابلہ کیا۔ اس کے بعد شاہجہانپور (روہیل کھنڈ) چلے گئے۔ کیونکہ وہاں ابھی تک انقلابیوں کے قدم جمے

---

[1] حضرت محل نے نیپال میں سکونت اختیار کر لی اور ۲۱ برس قیام کرنے کے بعد اپریل ۱۸۷۹ء میں وفات پائی۔ اور وہیں سپرد لحد ہوئیں۔ ان کے انتقال کے بعد حکومت برطانیہ نے مرزا برجیس قدر کا بھی قصور معاف کر دیا۔ چنانچہ وہ نیپال سے کلکتے پہونچے۔ کہا جاتا ہے کہ ان کو کسی نے زہر دے دیا۔ اور ۱۵ اگست ۱۸۹۳ء کو ان کا چراغ زندگی بھی گل ہو گیا۔ (آج کل دہلی) اگست ۱۹۵۷ء و تاریخ اودھ۔ جلد پنجم۔ از نجم الغنی خاں (لکھنؤ ۱۹۱۹ء) صفحہ ۲۸۶

[2] تاریخ اودھ جلد پنجم۔ صفحہ ۲۸۵۔ ۲۸۶

ہوئے تھے۔

سر کالن کیمبل بوندی سے فتح یاب ہو کر اور علاقے کو مسخر کر کے لکھنؤ واپس آیا۔ رعائے شہر کو اپنی بربادی اور غارت گری کا خیال ہوا۔ لوگ شہر کو چھوڑ کر بھاگنے لگے۔ ہر محلے اور ہر کوچے میں قیامت بپا تھی، پردہ نشین عورتیں پیدل نکل کھڑی ہوئیں۔ انگریزی فوج نے شہر کو تین طرف سے گھیر لیا۔ اور ہر طرف سے گولہ باری ہو رہی تھی۔ افسران فوج چاہتے تھے کہ کسی کو جیتا نہ چھوڑیں۔ دل کھول کے قتل عام کیا۔ گوروں کے سامنے جو آیا، یا جسے گھر میں پایا، مار ڈالا۔ غیرت مند خواتین اور بن بیاہی لڑکیاں گوروں کی صورت دیکھتے ہی کنوؤں میں گر گر کر مر گئیں۔

۳ شعبان بروز شنبہ شہر لکھنؤ پر انگریزوں کا مکمل قبضہ ہو گیا۔ اور سرکار کمپنی انگریز بہادر کی منادی ہو گئی۔ پندرہ دن تک شہر لٹا۔ سوائے نال دروازے کے جہاں مہاجن رہتے تھے کوئی جگہ، سکھ، نیپالی اور گوروں کی لوٹ مار سے محفوظ نہ تھی[۱]۔

انقلابیوں کی ایک بڑی جماعت نیپال کی طرف چلی گئی۔ ممو خاں گرفتار کر کے انڈمان بھیج دئے گئے[۲]۔ شرف الدولہ ابراہیم خاں قتل ہوئے[۳]۔

اور نہ معلوم کتنے ایسے تھے کہ جن کا پتہ نہ چلا، زمین کھا گئی یا آسمان اڑا لے گیا۔

لکھنؤ کی فتح کے بعد لکھنؤ کی سخت بربادی ہوئی جس کا بیان دو عینی شاہدوں کی زبانی آگے ہوگا۔ مگر جو سرکار برطانیہ کے وفادار اور مخبر تھے وہ اعزاز و اکرام سے

---

[۱] قیصر التواریخ جلد دوم۔ ص ۴۴۱۔ ۴۴۲ [۲] انڈمان سے راجہ برکس کی مدد کے لئے ۱۲ جنوری ۱۸۶۶ء کو پچاس قیدی گئے جن میں ممو خاں بھی تھے۔ سراوک میں ممو خاں کا انتقال ہوا۔ تاریخ عجیب۔ ص ۱۳۴۔ ۴۴۔ [۳] قیصر التواریخ جلد دوم ص ۳۵۵

سرفراز ہوئے ایک معاصر وقائع نگار لکھتا ہے[1]

"میر واجد علی صاحب بحسن جزائے پنہاں داشتن آرصاحب
و دختران جکیسن صاحب زر خطیر انعام یافت و باعزاز تمام
منصب ممبری وجاگیرداری ممتاز معاصر و اقران خود گردید
نواب منورالدولہ بہادر بخیر اندیشی و دولت خواہی سرکار مورد
اکرام واحترام شد"

آگے چل کر لکھتا ہے[2]۔

"مادھو سنگھ پسر رانا بینی مادھو و راجہ مان سنگھ بہادر و راجہ
رگھبیر دیال بہادر وغیرہا تعقداران بمقام فیض آباد حاضر
باش سرکار گردیدند و مورد جاہ و وقار"

پھر رقمطراز ہے[3]۔

"راجہ مان سنگھ بہادر و راجہ رستم ساہو بہادر و راجہ دگبجے
سنگھ بہادر وغیرہ بجلدوی حسن خیر خواہی و مددہی بہ ازدیاد
جاگیر و مناصب ممتاز اقران گردیدند"

اسی طرح اور بھی عمائد داکابر انعام سے سرفراز ہوئے۔ سلطان العلماء کو سرکار سے
آٹھ سو روپے ماہوار کی پنشن دائمی نسلاً بعد نسلٍ مقرر ہوئی[4]۔

اسی طرح داروغہ واجد علی کو ایک لاکھ روپیہ انعام ملا[5]۔

۲۲ اکتوبر ۱۸۵۸ء کو کمانڈر انچیف اور گورنر جنرل وارد لکھنؤ ہوئے۔ اور ۲۴ اکتوبر کو

---

[1] ظفرنامہ وقائع غدر۔ ص۱۱۱ [2] ظفرنامہ وقائع غدر۔ ص۱۱۱ [3] ظفرنامہ وقائع غدر۔ ص۱۱۳ [4] قیصر التواریخ۔ جلد دوم۔ ص۳۵۱
[5] ۱۸۵۷ء کے غدار شعراء۔ از امداد صابری دہلی ۱۹۶۰ء ص۳۶

عظیم اللہ خاں

دربار خاص منعقد ہوا۔ شاہی خاندان کے جملہ ارکان شریک دربار ہوئے اور وہ اعزاز و اکرام سے سرفراز ہوئے[1]۔ حد یہ ہے کہ گورنر جنرل کی تعریف میں ایک قصیدہ واجد علیشاہ نے بھی ٹیا برج میں مرتب کیا[2]۔

کانپور جنگ آزادی ۱۸۵۷ء میں کانپور ایک اہم مرکز رہا ہے اور یہاں کے انقلابیوں نے جنگ آزادی میں بڑا کام کیا ہے۔ یوں تو ہر مجاہد اور انقلابی کی کوششیں اور کارنامے ہر طرح قابل ستائش ہیں مگر ان میں عظیم اللہ خاں کا کردار سب سے ممتاز رہا ہے وہ عزم و حوصلہ اور تہور و دلاوری کا مجسمہ تھا، جو معمولی حیثیت سے ایک اعلیٰ حیثیت اور دوامی شہرت کا مالک بنا۔ انگریزی زبان میں خوب مہارت رکھتا تھا۔ ۱۸۵۴ء میں نانا راؤ کا

---

[1] قیصر التواریخ جلد دوم صفحہ ۳۶۳ - ۳۶۴ [2] قیصر التواریخ جلد دوم صفحہ ۳۷۵ - ۳۷۸ [3] افسوس کہ عظیم اللہ خاں کے خاندانی حالات بالکل پردۂ تاریکی میں ہیں۔ ۱۸۳۷-۳۸ء کے خوفناک قحط میں وہ اپنی ماں کے ساتھ کانپور پہونچا۔ پہلے انگریزوں کی خانگی ملازمتیں کیں، پھر اس کو تعلیم حاصل کرنے کا موقع ملا انگریزی اور فرانسیسی زبانوں میں خوب مہارت حاصل کرلی۔ اور کانپور کے ایک اسکول میں ٹیچر ہوگیا۔ نانا نے اس کو اپنا مشیر بنالیا۔ اور انگلینڈ بھیجا۔ انگلینڈ کی سوسائٹی میں اس نے اپنی شخصیت کا لوہا منوالیا۔ واپسی میں وہ ترکی اور روس (کریمیا) بھی گیا تھا۔ اس نے قیصر سے بھی تعلقات قائم کرنے چاہے تھے۔ (ملاحظہ ہو لطف اللہ سید، دی مین بی ہائنڈ دی وار آف انڈیپنڈنس (کراچی ۱۹۵۷ء) صفحہ ۲۹ - ۳۳؛ ساورہ ساورکر، وی۔ڈی، دی انڈین وار آف انڈپنڈنس، (لندن ۱۹۰۹ء) صفحہ ۳۲ ٹریولین، سر، بی، او کانپور، (لندن ۱۹۰۷ء) صفحہ ۵۸ - ۵۹ - ذکاءاللہ صفحہ ۱۴۵۔ عظیم اللہ خاں کا اکتوبر ۱۸۵۹ء میں بھٹول) میں انتقال ہوا۔ (سین صفحہ ۲۶۵)

وکیل بن کر لندن گیا۔ عظیم اللہ ایسی شخصیت کا مالک تھا کہ وزیر نیپال یا مہاراجہ پنجاب معلوم ہوتا تھا۔ عظیم اللہ خاں نے انگریزوں کی سوسائٹی کو خوب اچھی طرح دیکھا بھالا اسکے یہ مشاہدات جنگ آزادی میں بڑے کارآمد ثابت ہوئے۔

نانا راؤ آخری پنشن خوار پیشوا، باجی راؤ[1] کا لے پالک اور جانشین تھا۔ جو بٹھور میں مقیم تھا۔ بٹھور کانپور سے بارہ میل کے فاصلہ پر ہے۔ نانا راؤ کا اصل نام سیرک دھوند و پنتھ Seereek Dhando Punth تھا۔ گورنمنٹ انگریزی نے اسی وجہ سے نانا راؤ پیشوا کو جانشین قبول نہ کیا کہ اس کو پیشوا کی پنشن دینی پڑتی چنانچہ عظیم اللہ خاں کو لندن بھیجا گیا۔ وہاں اس کو اس سلسلے میں کوئی کامیابی نہ ہو سکی۔ نانا راؤ انگریزوں سے رسم و راہ رکھتا تھا ان کے، ادب، تاریخ، مذہب اور معاشرت کو پسندیدگی کی نظر سے دیکھتا تھا۔ انگریزی زبان کے اکثر رسالے خریدتا تھا اور ایک آدمی ان کا ترجمہ کرکے اس کو سناتا تھا[2]۔

تانتیا ٹوپے کے باپ کا نام کیشو راؤ راجہ گورسرائے تھا، وہ بڑا دلیر اور جیوٹ کا آدمی تھا، بٹھور کے پیشوا کا رشتہ دار تھا اور یہ ریاست گورسرائے[3] اس پیشوا ہی سے ملی تھی۔ پوری تحریک میں اس کا کردار نہایت اعلیٰ رہا۔

---

[1] ٹریویلین۔ ص۵۹ [2] ۱۸۱۸ء میں مرہٹوں کی دوسری لڑائی کے بعد پیشوا باجی راؤ نے آٹھ لاکھ پنشن لے کر خود کو انگریزوں کے حوالے کر دیا تھا۔ اور وہ بٹھور میں رہنے لگا تھا۔ اس کے تعلقات انگریزی حکومت سے بہت اچھے رہے بسا اوقات اس نے انگریزوں کو مالی اور فوجی مدد بھی دی۔ ۲۸ جنوری ۱۸۵۱ء کو پیشوا کا انتقال ہوا، نانا راؤ لے پالک کو اس نے اپنا جانشین مقرر کیا (ذکاء اللہ ص۱۴۱-۱۴۳) [3] ٹریویلین ص۹۵

[4] سرگزشت ایام غدر از منشی عنایت حسین خاں (مطبع الناظر پریس لکھنو) ص۶

کانپور ایک فوجی اڈہ تھا۔ وہاں کا افسر کمان میجر جنرل ویلر Wheeler تھا۔ اس کو میرٹھ کے آغاز کار کے بعد اندازہ ہوگیا تھا کہ کانپور کے حالات کسی وقت بھی بگڑ سکتے ہیں۔ اور دہلی کی سرگرمیوں کے بعد تو اس کو یقین ہوگیا۔ لہٰذا اس نے انتظامات شروع کر دئے۔ ویلر نے میگزین کو چھوڑ کر بارکوں میں ایک جگہ تجویز کی، ضروری انتظامات کئے، وہاں دمدمے بنائے اور توپیں لگائیں، اس نے واقعات کا اندازہ لگا کر ہنری لارنس کو مدد کے لئے لکھنؤ لکھا، اگرچہ لکھنؤ کے حالات بھی چنداں ٹھیک نہ تھے مگر لارنس نے فوج کا ایک دستہ کانپور بھیجدیا[1] ویلر نے نانا راؤ سے بھی مدد مانگی۔ نانا راؤ نے دوسو آدمی اور توپیں مہیا کیں، کہ جنہیں نواب گنج میں متعین کیا گیا۔ تاکہ خزانے اور میگزین کی حفاظت ہو سکے۔ یہ ۲۲ مئی کا واقعہ ہے۔

سپاہ کی حالت قابل اطمینان نہ تھی ان میں جوش وخروش پھیلا ہوا تھا عید کا دن بھی گزر گیا مگر ویلر انتظامات میں لگا رہا۔ یکم جون کو ویلر نے طے کیا کہ لکھنؤ کے سپاہی واپس کر دئے جائیں۔ کیوں کہ ان کی ضرورت کانپور کے مقابلے میں لکھنؤ میں زیادہ ہے، فوج کے اس دستے کی واپسی سے دیسی فوجیوں میں مسرت کی لہر دوڑ گئی۔ اب فوجیوں کے نمائندوں اور نانا کے درمیان بات چیت شروع ہوئی[2]۔ جس میں سب سے بڑھ کر حصّہ صوبیدار ٹیکا سنگھ اور شمس الدین خاں نے لیا۔

۲ جون کے ایک واقعہ نے دیسی سپاہیوں کو برانگیختہ کر دیا۔ ہوا یہ کہ ایک دیسی سپاہی پہرہ دے رہا تھا اس پر کاکس نامی انگریز کلرک نے گولی چلادی اور اس سے کوئی باز پرس نہ ہوئی عذر یہ کہ وہ شراب کے نشہ میں تھا۔ سپاہیوں نے کہدیا کہ ہو سکتا ہے کہ کل ہماری بندوقیں بھی اسی طرح اتفاقیہ سر ہونے

---

[1] ذکاءاللہ صـ۵۰۴ [2] ذکاءاللہ صـ۵۰۵ [3] ذکاءاللہ صـ۵۰۶

ہونے لگیں۔

۴ جون کو کانپور میں آغاز کار ہوا۔ کاکس کے واقعے نے سپاہیوں کو مشتعل کر دیا تھا۔ انہوں نے خزانے پر قبضہ کیا، جیل خانہ سے قیدیوں کو رہا کرایا اور میگزین کے جملہ سامان پر قبضہ کر لیا۔ اسی اثنا میں ویلر ایک لاکھ روپیہ اور انگریزوں کو لے کر اس جگہ جا بیٹھا جس جگہ کو اس نے مستحکم کیا تھا۔ فوجیوں نے دہلی جانے کا ارادہ کیا اور کلیان پور میں مشورت ہوئی کہ نانا کو اب کھلم کھلا میدان میں آ جانا چاہیے۔ نانا نے فوجیوں کی رائے سے موافقت کی جب دہلی جانے کا سوال ہوا تو عظیم اللہ خاں نے رائے دی کہ بجائے دہلی جانے کے کانپور میں حکومت قائم کرنی چاہیے۔ اور پھر انگریزوں کو نکال کر اقتدار بڑھانا چاہیے۔ یہ بات نانا کی سمجھ میں آگئی۔ اور اس نے کانپور کی حکومت کو اپنے ہاتھ میں لے لیا[1]۔

برہمن سپاہیوں نے نانا راؤ کو پیشوا بنانے کی تقریب منعقد کی اس کو سلامی دی۔ سواروں کا جنرل صوبیدار ٹیکا سنگھ اور ۵۳ ویں پلٹن کا کرنل جوجن سنگھ اور ۵۶ ویں رجمنٹ کا کرنل گنگادین مقرر ہوا۔ سب اعلیٰ عہدوں پر ہندو مقرر ہوئے۔

۶ جون سے باقاعدہ جنگ شروع ہو گئی۔ اور محصورین کو سخت پریشانی ہوئی۔ دونوں طرف سے توپوں کی لڑائی ہوتی رہی جس سے فریقین کو خاصا نقصان پہونچا۔ انگریزوں کی طرف سے ۳۲ نمبر کی پلٹن کے کپتان (Moore) مور نے بڑی بہادری اور جرأت دکھائی۔ تین ہفتے کے اندر محصورین کی بڑی حالت ہو گئی۔ مرنے کی وجہ سے ان کے آدمیوں کی تعداد بھی کم ہو گئی۔ کھانے کو رسد نہ رہی۔ گولہ بارود بھی کم ہو گیا۔ اور کہیں باہر سے کمک آنے کی امید بھی

---

[1] سین ص ۱۳۳

نہ تھی۔ محصورین کو جب ہر طرف سے مایوسی ہوئی تو ان کو نانا کی طرف سے پیغام ملا کہ اگر فرنگی ہتھیار ڈالدیں تو ان کو بعافیت الہ آباد بھیجا جاسکتا ہے ۲۶ رجون کو رہائی کے تمام شرائط طے ہوئے اور ۲۷ رجون کو کشتیاں تیار ہوگئیں، رسد وغیرہ ضروریات کی تمام چیزیں ان میں رکھدی گئیں۔ یورپین مرد عورت اور بچے دریائے گنگا کے گھاٹ پر پہونچ گئے اور سب کشتیوں پر سوار ہوئے۔ کشتیاں چلنے لگیں کہ عین اس وقت کشتیوں پر آتشباری شروع ہوگئی۔ یہ بات معاہدے کے خلاف تھی، تانتیا ٹوپے کو اس کا الزام دیا جاتا ہے۔ بعض لوگ نانا کو ملزم ٹھہراتے ہیں مگر یہ حقیقت ہے کہ جب نانا کو معلوم ہوا تو اس نے فوراً آدمی بھیجا کہ عورتیں اور بچے ہرگز نہ مارے جائیں۔ اور اس کے حکم کی تعمیل میں اسی آدمی دریا سے واپس آئے باقی تمام آدمی مارے گئے۔ چاہے وہ گولیوں سے مارے گئے یا دریا میں ڈوب کر مرگئے یہ بڑا المناک واقعہ تھا۔ سپاہ بڑی مشتعل اور برافروختہ تھی۔ اس کے ہاتھ سے ایسے میں جو ہوجاتا کم تھا۔

نانا نے حکومت کا تو فوراً ہی اشتہار دے دیا تھا مگر اب باقاعدہ اعلان ہوا۔ اور بٹھور میں رسم مسند نشینی عمل میں آئی۔ شاندار جلوس کے ذریعے اعلان ہوا[۲] کہ نانا صاحب کی حکومت قائم ہوگئی۔ تمام انتظامات عظیم اللہ خاں،

---

[۱] ان کشتیوں میں انگریزوں کے بعض وفادار ہندوستانی بھی تھے۔ جن میں خان بہادر منشی محمد عنایت حسین خاں ساکن الہ آباد خاص طور سے قابل ذکر ہیں۔ جو انقلاب ۱۸۵۷ء کے زمانے میں جالون میں تحصیلدار تھے۔ انہوں نے اس زمانے میں انگریزوں کی نمایاں خدمات انجام دیں۔ بعد کو ڈپٹی کلکٹر اور نائب وزیر ریاست بھوپال ہوئے۔ ملاحظہ ہو ان کی خود نوشت "سرگزشت ایام غدر" (مطبوعہ الناظر پریس لکھنؤ)

[۲] قیصر التواریخ جلد دوم ص۲۰۳۔ و خورشید مصطفے رضوی ص۲۵۲۔ و ذکاء اللہ ص۵۲۹

بولاس سنگھ، ٹیکا سنگھ، شاہ علی، جوالا سنگھ اور رحیم خاں وغیرہ نے سنبھال لئے۔ ایک ہم عصر وقائع نگار لکھتا ہے[1]۔

"عمال عدالت فوجداری و کلکٹری را از اعلیٰ تا ادنیٰ بدستور بر خدمات شاں منصوب داشتہ احکام داروگیر وانتظام تحصیل اجرا ساخت و عملہ دیوانی را موقوف بر وقت دبر آئندہ امیدوار گردانید"

مسلمانوں میں عظیم اللہ خاں کی شخصیت سب سے ممتاز تھی اسی طرح شمس الدین خاں، شاہ علی، رحیم خاں، قابل ذکر تھے۔ مگر خاص کانپور میں ننھے نواب نے قیادت کے فرائض سنبھالے۔ ذکاء اللہ لکھتے ہیں[2]۔

"ایک بڑے عمدہ نواب ننھے صاحب[3] مسلمانوں کا بڑا لائق سردار بنا۔ اس نے محاصرے میں کارہائے نمایاں کئے تھے ابتدائے غدر میں نانا نے اسے مقید کیا تھا اور اس کا سارا گھر بار لوٹ لیا تھا۔ لیکن پھر دونوں میں آپس میں اتفاق و اتحاد ہو گیا۔ اور نواب کو سپہ آرا نانا نے مقرر کیا۔ نواب ایک کونٹ کورٹ میں ایک توپ خانہ پر حکمرانی کرتا تھا اور اپنی گاڑی میں سوار ہو کر آتا تھا اور کرسی پر بڑا زرق برق لباس پہن کر بیٹھتا اور تلوار ہاتھ میں لیتا، دوربین ہاتھ میں رکھتا۔ جیسا نواب کے توپ خانے سے حصار

---

[1] ظفرنامہ وقائع غدر۔ صد ۹۱-۹۲   [2] ذکاء اللہ۔ صد ۵۲۹-۵۳۰

[3] نواب محمد علی خان نام اور عرف ننھے نواب تھا۔ (قیصر التواریخ جلد دوم صد ۲۰۹ - اور دیکھئے اٹھارہ سو ستاون۔ اخبار اور دستاویزیں۔ مرتبہ عتیق صدیقی (دہلی سنہ ۱۹۶۰ء) صد ۱۵۸

میں نقصان ہوا ایسا کسی اور توپ خانے سے نہیں ہوا اس
کے پاس ایسے کاریگر ہوشیار آدمی تھے کہ وہ رال کے گولے
بنا کر چھوڑنے جانتے تھے۔ جن سے کبھی ان چھوڑنے والوں
کی جانوں کا بھی نقصان ہو جاتا تھا۔ اس رال کے گولے ہی
سے بارکوں میں آگ لگی تھی جس کے سبب سے نانا ایسا
خوش ہوا کہ نواب کو پانچ ہزار روپے تحفتہً بھیجے۔ یہ بات
مشہور ہو گئی تھی کہ کانپور کا گورنر نواب ہو گیا۔ مسلمان نواب
کی بڑی تعظیم و تکریم کرتے تھے۔ چاروں طرف سے مسلمان
اس کے پاس جمع ہو گئے تھے۔[1]

مسلمانوں میں ایک دوسری شخصیت مولانا سلامت اللہ کشفی کی تھی جنہوں
نے جہاد کے فتوے پر دستخط کئے۔[2] انگریزی وقائع نگاروں کے یہاں بھی انکی اس
سرگرمی کا حوالہ ملتا ہے۔ مولانا سلامت اللہ ایک نامور عالم[3] تھے سقوط کانپور
کے بعد وہ ریاست کدورہ میں چلے گئے تھے۔ وہاں اور دوسرے سربرآوردہ حضرات
بھی پناہ گزیں ہوئے تھے۔ جن میں مولوی عبدالحق ولد شاہ غلام رسول کانپوری کا نام خاص
طور سے قابل ذکر[4] ہے۔ کانپور میں مردوں کے دوش بدوش عورتوں نے بھی حصہ لیا جن میں عزیزنؔ
کا نام جنگ آزادی میں ہمیشہ زندہ رہے گا۔[5]

---

[1] خورشید مصطفےٰ رضوی۔ ص ۲۵۰ [2] سندر لال۔ ص ۹۰ [3] مولانا
سلامت اللہ کشفی بن شیخ برکت اللہ بدایونی، بدایوں میں پیدا ہوئے۔ مولوی ابوالمعانی بدایونی
مولوی ولی اللہ جونپوری، مولوی مجدالدین عرف مولوی مدن شاہجہاں پوری، شاہ رفیع الدین
دہلوی اور شاہ عبدالعزیز دہلوی سے تحصیل علم کی، شاہ آل رسول عرف اچھے میاں مارہروی کے
مرید و خلیفہ تھے۔ ایک ناخوشگوار واقعے کی وجہ سے بدایوں کی سکونت ترک کر کے کانپور چلے
گئے اور وہیں ساری عمر گزار دی انہوں نے ۱۲۶۷ھ ۵۱-۱۸۵۰ء میں کانپور میں مسجد تعمیر کرائی (باقی اگلے صفحہ پر)

جب جنرل ہیولاک کو کانپور کی حقیقت حال معلوم ہوئی تو اس نے کانپور کا رخ کیا۔ وہ ۷ر جولائی کو الٰہ آباد سے چلا اور ۱۲ر جولائی کو جنرل ہیولاک کی سپاہ رینالڈ کی سپاہ سے جا ملی فتح پور سے چار میل کے فاصلے پر لشکر کا قیام ہوا۔ جب نانا کو خبر لگی تو اس نے اپنے بھائی بالا راؤ کو فوج دے کر فتح پور بھیجا۔ ۱۲ر جولائی کو انگریزی فوج خورد نوش میں مصروف اور تھکی ہاری تھی۔ اس کو اس کا قطعاً احساس نہ تھا کہ انقلابیوں کی کوئی فوج اس طرح حملہ کر دیگی، کہ اچانک ایک گولہ جنرل ہیولاک کے پاؤں کے قریب آگر پڑا۔ فوراً لڑائی کی تیاری ہوگئی گھمسان کا رن پڑا انگریزی سازوسامان بھی بہتر تھا۔ اور سپاہ بھی منظم تھی، بالا صاحب جوالا پرشاد، ٹیکا سنگھ اور شمس الدین خاں کے ساتھ مولوی لیاقت علی الٰہ آبادی بھی تھے۔ انقلابی بڑی ہمت سے لڑے مگر انگریزی توپ خانہ بہت اعلیٰ تھا، انجام کار انقلابی سپاہ کو پسپا ہونا پڑا۔ اور فتح پور پر انگریزوں کا قبضہ ہوگیا جنگ میں کامیابی کے بعد شہر فوج کے حوالے ہوا جس نے لوٹ مار اور قتل و غارت گری میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی۔

بقیہ نوٹ صفحہ گزشتہ؛ بہت سے علماء نے ان سے فیض پایا۔ تحفۃ الاحباب، معرکۃ الآراء برق خاطف وغیرہ ان کی مشہور تصانیف ہیں، شعر و شاعری کا بھی شوق تھا۔ ان کا فارسی دیوان "دیوان کشفی" کے نام سے طبع ہو چکا ہے۔ ۱۳ر رجب ۱۲۸۱ھ / ۵۰-۱۸۵۱ء میں ان کا انتقال ہوا اور وہ اپنی مسجد کے سامنے دفن ہوئے (ملاحظہ ہو تذکرہ علمائے ہند) ص ۲۱۹-۲۲۳)

[۳] ایک نادر روزنامچہ (روزنامچہ مولوی مظہر علی سندیلوی) مرتبہ ڈاکٹر نور الحسن ہاشمی۔ (لکھنؤ ۱۹۵۴ء) ص ۲۰۶۔

[۴] ایک نادر روزنامچہ بحوالہ صدر ص ۲۰۶ [۵] ذکاء اللہ ص ۵۳۴
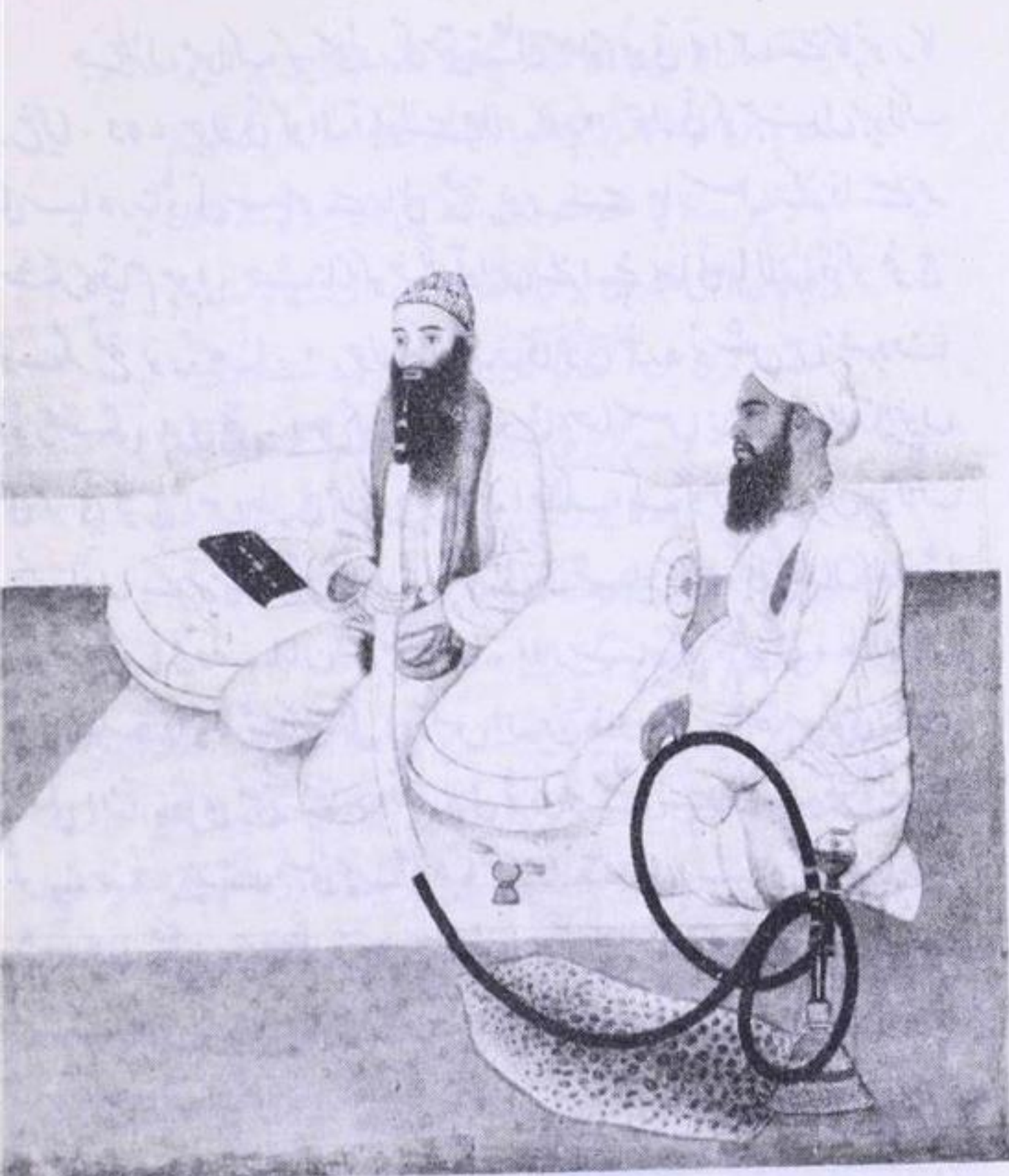
مولانا کشفیؒ کے ایک شاگرد و مرید مولانا سلامت اللہ کشفیؒ

فتح پورے آگے بڑھ کر ایک لڑائی ۱۵ر جولائی کو اونگ نامی ایک گاؤں میں ہوئی۔ انقلابی انگریزی فوج کے مقابلے میں نہ ٹھہر سکے۔ یہاں تک کہ سارے خیمے، ڈیرے، توپیں اور سامان تک چھوڑ کر بھاگ گئے اور انگریزوں کا بھی کافی نقصان ہوا۔ ان کا ایک بہادر افسر میجر رے ناڈ بری طرح زخمی ہوا۔ اونگ گاؤں سے چند میل پر پانڈو ندی تھی انقلابی چاہتے تھے کہ اس ندی کے پل کو غارت کر دیں تاکہ انگریزی سپاہ اس کو پار نہ کر سکے، مگر وہ اپنے اس ارادے میں کامیاب نہ ہو سکے۔ کیونکہ دو گھنٹے سفر کرنے کے بعد انگریزی لشکر نے انقلابیوں کو جالیا۔ اور سخت مقابلہ ہوا۔ انقلابیوں کو شکست ہوئی۔ انگریزی فوج ندی کے پار اتر آئی جب نانا کو یہ خبر ہوئی تو سخت متفکر ہوا۔ انگریز قیدی خفیہ خط وکتابت کیا کرتے تھے اس روز بھی دو خط پکڑے گئے۔ اس سے نانا سخت برافروختہ ہوا اور اس نے قیدیوں کو قتل کرا دیا۔

۱۶ر جولائی کو نانا اور اس کے ساتھیوں نے پانچ ہزار پیدل اور سوار سپاہ اور توپ خانہ لے کر کانپور کے جنوب میں قیام کیا اور بڑی دانائی سے اپنے مورچے جمائے۔ طرفین سے لشکر آرائی ہوئی اور خوب مقابلے ہوئے۔ انقلابیوں نے بڑی جرأت اور بہادری کا ثبوت دیا۔ لیکن آخرکار شکست ہوئی۔

۱۷ر جولائی کو انگریزی فوج کانپور میں داخل ہوگئی۔ مگر اس کو قیدیوں کے قتل کی خبر سے بڑا افسوس ہوا۔ اس کے جواب میں دس ہزار آدمی موت کے گھاٹ اتارے گئے فوج کو قتل و غارت کے سوا کوئی کام نہ تھا۔

بی بی گڑھ کے قیدیوں کے سلسلے میں بھی بہت سی افواہیں پھیلائی گئی ہیں مگر حقیقت یہ ہے کہ قیدی عورتیں ہیولاک کو خبریں پہونچاتی تھیں چنانچہ یہ روداد

ہورٹسٹ انگلیسی کی زبانی سُنئے۔

"نانا راؤ نے اس مکان سے باہر جانے کی سخت ممانعت کر دی تھی چند انگریز عورتیں پھر بھی احاطے سے باہر چلی گئیں۔ اور باہر کے لوگوں سے نامہ وپیام کرنے لگیں۔ خطوط پتھروں میں باندھ کر پھینکے جاتے تھے۔ اسی طرح باہر کے خطوط اندر آتے تھے۔"

چنانچہ جن عورتوں پر جاسوسی کا الزام ثابت ہو گیا ان کو قتل کی سزا تجویز ہوئی۔ لیکن عوام عورتوں کی اس حرکت پر سخت برافروختہ ہو گئے۔ اور ان کو یقین ہو گیا کہ ان عورتوں کے خطوط ہی نے انگریزی فوجوں کی کانپور کی طرف پیش قدمی کرنے میں رہنمائی کی تھی۔ لہٰذا ان لوگوں نے غصّے میں آکر تمام عورتوں کو قتل کر دیا[۱]۔

نانا نے عورتوں کے ساتھ بہت اچھا سلوک کیا تھا ان کو کھانے پینے کی کوئی دقت نہیں ہونے دی۔ ان کو عزت اور احترام کے ساتھ رکھا گیا۔ انگریزوں کے مقرر کردہ تحقیقاتی کمیشن نے ان امور کی تصدیق کی ہے[۲]۔

نانا اودھ کی طرف چلا گیا۔ اور سیدھا لکھنؤ پہونچا۔ انگریزی سپاہ بٹھور پہونچی۔ اور اس نے نانا کے محل کو بالکل مسمار کر دیا۔ اس کے بعد الٰہ آباد سے نیل آگیا۔ ہیولاک لکھنؤ روانہ ہو گیا۔ مگر پھر وہ راستے سے واپس آگیا۔ آوٹرم

---

[۱] ایام غدر از مسز ہورٹسٹ انگلیسی۔ (مترجمہ ظفر حسن عاصی) دہلی ۱۹۲۳ء صفحہ ۱۸۱

[۲] " " " " " " " " " " "

[۳] سندر لال صفحہ ۱۰۰۱

کے آنے پر ہیولاک اودھ چلا گیا۔ تانتیا ٹوپے نانا کی صلاح اور اس کے مشورے سے گوالیار کی طرف چلا گیا تھا۔ تانتیا نے گوالیار سے فوج لی اور اس کا ایک حصہ کالپی چھوڑا اور باقی فوج کے ساتھ دریائے جمنا کو عبور کر کے اس نے کانپور کا رخ کیا۔ اس وقت صورت حال یہ تھی کہ کانپور میں ونڈھم Windham تھا اور آؤٹرم اور ہیولاک لکھنؤ میں محصور بیٹھے تھے۔ کالن کیمبل، ونڈھم کو کانپور چھوڑ کر خود لکھنؤ چلا گیا تھا۔ مگر کالن کیمبل، آؤٹرم اور ہیولاک کو رزیڈنسی سے نکال کر عالم باغ میں ٹھہرا آیا۔ اور خود عورتوں، بچوں اور بیماروں کو لے کر کانپور واپس ہوا، اس کو اندیشہ تھا کہ مبادا ونڈھم پر حملہ ہو جائے اور اس کا یہ اندیشہ صحیح نکلا۔ ونڈھم زیادہ فوج کا مقابلہ نہ کر سکتا تھا۔

تانتیا ٹوپے کو کالن کیمبل کی نقل و حرکت کی پوری اطلاع تھی وہ ۹ نومبر کو کالپی پہونچا، وہاں انتظامات مکمل کئے، اور ۱۰ نومبر کو جمنا کو عبور کیا گیارہ روز کے جدال و قتال کے بعد کانپور سے مراجعت پر مجبور ہو گیا۔ اور کانپور پر پھر کوئی اندیشہ نہ رہا۔

کالن کیمبل کے ساتھیوں میں صاحب خان ٹوانہ کی شخصیت بھی قابل ذکر ہے[1] انہوں نے پنجاب سے ایک رسالہ بھرتی کیا اور انگریزوں کو جہلم، انبالہ و امرتسر میں بھی مدد دی اور پھر دہلی پہونچے اس کے بعد کانپور کے اس معرکے میں شریک رہے۔ اور وہ کالپی کی تسخیر کے موقع پر موجود تھے۔ جنرل رابرٹ نیپیر نے ملک صاحب کی کانپور اور کالپی وغیرہ کی خدمات کو اپنے ایک مکتوب مورخہ ۷ مئی ۱۸۵۹ء میں

---

[1] ملک صاحب خان (احمد یار خاں ف ۱۹۲۹ء) کے فرزند تھے۔ انہوں نے سکھوں کے مقابلے میں انگریزوں کو پنجاب کے فتح کرنے میں پوری پوری مدد دی۔ پھر جنگ آزادی میں انگریزوں کو ہر طرح کی مدد دی۔ ایک رسالہ بھرتی کر کے جہلم، انبالہ، امرتسر دہلی، کانپور، کالپی اور وسط ہند کی لڑائیوں میں حصہ لیا۔ ایک خاص (باقی اگلے صفحہ پر)

مندرجہ ذیل الفاظ میں سراہا ہے[۱]۔

"میں شخصاً ملک (صاحب خاں) موصوف کا ممنون ہوں کہ انہوں نے اپنے آدمی، اپنے بھائی جمعدار جہاں خاں (برادر نسبتی) کی سالاری میں میری حفاظت کے لیے مقرر کر دیے۔ یہ آدمی وسط ہند کی پوری مہم میں میرے ساتھ رہے۔ رانود اور نہرگ پور کی لڑائیوں میں بھی میرے ساتھ تھے۔ تمام مواقع پر انہوں نے بڑا کام کیا۔ ہر لڑائی میں وہ سب سے آگے آگے رہتے تھے ..... جس حد تک میرے مشاہدے کا تعلق ہے میں ملک صاحب خاں کے عمل و روش کی جتنی بھی تعریف کروں وہ عین حق بجانب ہو گی"

انگریزوں نے کانپور فتح کرنے کے بعد وہاں کی آبادی سے سخت سے سخت انتقام لیا۔ قتل و غارت گری کا سخت ہنگامہ برپا کیا۔ اور ظلم و بربریت کی حد کر دی۔ انگریزوں کا وفادار مصنف پنڈت کنہیا لال لکھتا ہے[۲]۔

(بقیہ نوٹ صفحہ گزشتہ) رسالہ "ٹوانہ ہارس" کے نام سے تیار کیا گیا، جو بعد میں "ٹوانہ لانسرز" میں تبدیل ہو گیا۔ ان خدمات کے صلے میں صاحب خاں ٹوانہ کو اعزاز و منصب ملا "بہادر" کا خطاب اور "ستارۂ ہند" کا اعزاز ملا۔ نیپیر نے اپنی خاص تلوار اور قیمتی سنہری گھڑی بطور یادگار دی۔ ۱۸۷۹ء میں صاحب خاں کا انتقال ہوا، ملک صاحب کے بیٹے جنرل سر عمر حیات خاں ٹوانہ (ف ۱۹۴۴ء) اور پوتے سر خضر حیات خاں ٹوانہ ہیں۔ (دیکھئے "جنرل سر عمر حیات خاں ٹوانہ" از غلام رسول مہر (لاہور ۱۹۳۴ء) ص ۱۵۷-۱۷۷۔ ۳ " " " " " ص ۱۷۷

۱ جنرل سر عمر حیات خاں ص ۱۷۷ ۲ محاربہ عظیم ص ۱۴۲-۱۴۳

"نیل صاحب نے بھی ایسی سزائے سخت مفسدین کو دی کہ تا بہ ابد زمانے میں یادگار رہے گی۔ کسی کو پھانسی دی اور کسی کو اوّل بید لگائے، اور پھر پھانسی دی، اور کسی سے جو قوم کا بہت بزرگ مشہور تھا اور مفسدی میں سب سے زیادہ تر مستعد تھا، اس سے مکان قتل گاہ صاف کروایا اور انواع انواع کا رہائے زبون و نا زیبا اس سے لے کر بعد ازاں اس کو بجفائے گلو قتل کیا۔

شمس العلما منشی ذکاء اللہ کا بیان ملاحظہ ہو

"انگلش سپاہی کبھی متحمل نہیں ہوتا جب اس میں خون و شراب بیچ ہوتی ہے تو جو اس کو رستہ میں ملتا ہے اس کے لئے وہ خوفناک ہوتا ہے جب وہ عیسائی دشمن سے بھی حق لڑائی لڑتا ہے تو ایسے اوقات اور موسم ہوتے ہیں جس میں اس کی عقل اور کوشش کی قوتوں پر اس کی قوتِ بہیمی غالب ہوتی ہے۔ گھر اور مذہب کے لئے بہادر معززانہ مقابلہ کرنے میں سپاہیوں کے جذبات ایسے جوش میں آتے ہیں کہ وہ نہ عورت پر نہ بچے پر رحم کرتے ہیں اور کسی ارتکاب گناہ سے باز نہیں رہتے۔ جیساکہ ہیولاک کی پلٹنوں میں کانپور کی طرف سفر کرنے میں

ا؎ ذکاء اللہ - صفحہ ۵۳۸

لڑنے والے سپاہیوں کو اشتعال طبع کے پیمانے نے سنگدل بنا دیا ہے۔ ایسا کہیں اور نہیں بنایا ہے۔"
اس کی تفصیل شمس العلماء ذکاء اللہ اس طرح بیان کرتے ہیں[1]

"میں (نیل) نے یہ ارادہ مصمم کرلیا ہے کہ ہر بے گناہ کے خون کے دھبے کو وہ لچّے بدمعاش صاف کریں جن کو پھانسی کا حکم دیا گیا ہے۔ وہ ایک پہرے کے اندر اس مکان میں آئیں اور ان دھبوں کے ایک حصّے کو صاف کریں اگر صاف کرنے میں عذر کریں تو بید لگائے جائیں۔ اور اس کے بعد ان کو فوراً پھانسی دی جائے۔ اوّل مجرم چھٹی رجمنٹ کا ایک صوبیدار اونچی جات کا برہمن بڑا موٹا تازہ وحشی پکڑا آیا اس کے ہاتھ میں بھنگی کی جھاڑو بھنگی نے دی، اور اس کو حکم ہوا کہ مکان میں وہ جھاڑو دے۔ اس نے نصف مربع فیٹ صاف کیا تھا کہ اس نے اس کام پر کچھ اعتراض کیا لیکن جب وہ تازیانے کے نیچے آیا تو پھر اس نے حکم مانا اور سب مکان اس نے صاف کیا تو پھر اس کو پھانسی دی گئی اس کی لاش سڑک کے اندر دفن کی گئی کچھ دنوں بعد سول کورٹ کا ایک مسلمان ملازم جو بڑا بدمعاش تھا پکڑا گیا۔ اس نے کچھ اس کام میں اعتراض کیا تو اس کو بیت لگائے گئے اور خون کے دھبے اس کی زبان سے چٹوائے

---

[1] ذکاء اللہ۔ ص ۵۴۳ ان مظالم کی مزید تفصیل کے لیے دیکھئے سندر لال ص ۱۴۳، ص ۱۴۵

صاف کرائے گئے اور پھانسی دی گئی اگرچہ یہ عجیب قانون تھا مگر موقع و وقت کے لئے نہایت موزوں تھا۔ جب تک سارا کمرہ صاف نہیں ہو جائیگا میں اپنا حکم نہیں بدلونگا۔

سرکار انگریزی کے ایک اور وفادار مورخ سید کمال الدین حیدر معروف بہ سید محمد میر زائر کا بیان بھی ملاحظہ ہو۔

"جسے چاہا بے تحقیق رو بکاری بے تکلف پھانسی دے دیا۔ . . . . . کئی ہزار کی نوبت پھانسی کی پہونچی اکثر اپنے تئیں بے قصور جان کر رہ گئے نہ بھاگے ہزاروں گرفتار ہو کر پھانسی دے گئے۔ ازاں جملہ اعظم علی خاں کو لوگ باتفاق کہتے ہیں، بے قصور تھے شریک باغیوں کے نہ ہوئے تھے اور اپنے کو بے قصور سمجھ کر بھاگے نہ تھے پہلے آشتی جو کچھ لیا تھا لیا نقد و جنس سے بعد اس کے پھانسی دی ہرچند داد و بیداد اپنی بے حرمتی کی کی، نہ سنی"[1]

جھانسی

جھانسی کی رانی[2] کو ساٹھ ہزار روپے سالانہ پنشن ملتی تھی اگرچہ اس کی ریاست کو انگریز ضبط کر چکے تھے۔ میرٹھ اور دہلی کے واقعات سے جھانسی کی آبادی بھی متاثر ہوئی انگریز حفاظت کی غرض سے قلعے میں جا بیٹھے، اور انہوں نے قلعے کو ہر طرح سے مضبوط بنا لیا۔ ۶ر جون کو جھانسی کی فوج اور پیادوں نے انگریزوں کی اطاعت سے انحراف کا اعلان کر دیا فوج اور سپاہیوں کی قیادت رانی جھانسی نے سنبھال لی۔ انگریزوں نے

---

[1] قیصر التواریخ جلد دوم صفحہ ۲۵۰ [2] جھانسی کی رانی کے ابتدائی حالات (باقی اگلے صفحہ پر)

پہلے پیام وسلام کے ذریعے کوشش کی کہ ان کو قلعے سے نکلنے کی اجازت مل جائے، مگر ان کو کامیابی نہ ہوئی۔ جب محصورین کی رسد ختم ہوگئی تو انقلابی سردار کالے خاں رسالدار اور محمد حسین خاں تحصیلدار کی رہنمائی میں قلعہ پر حملہ کیا گیا انگریزوں نے مقابلہ ناممکن دیکھ کر دوبارہ صلح کی کوشش کی ایک ممتاز شیدی حکیم صالح محمد نے گفتگو میں حصہ لیا[ل] ۔آخر کار شرائط طے ہوگئیں اور قلعہ کی حوالگی کا فیصلہ ہوا قلعہ کا دروازہ کھلا، انگریز ایک باغ میں لائے گئے، مشتعل فوج نے ان تمام محصورین کو ختم کردیا۔ چونکہ رانی قیادت سنبھال چکی تھی۔ لہٰذ فوج نے ایک لاکھ روپئے کا مطالبہ کیا تاکہ وہ فوج دہلی روانہ ہو۔ رانی نے اوّل لیت ولعل کیا

(بقیہ نوٹ صفحہ گزشتہ) کے لئے دیکھئے خورشید مصطفیٰ رضوی ۔ ص۳۸۹ و ۱۸۵۷ء کے مجاہد ص۲۱ - ۲۲ ۔ ۳ جھانسی کی ریاست پیشوا کے ماتحت تھی جب پیشوا نے بندیل کھنڈ میں اپنا مقبوضہ علاقہ کمپنی کے حوالے کیا تو وہاں رام چندر حاکم تھا۔ جس کو یہ ریاست پیشوا کی طرف سے نسلاً بعد نسلٍ ملی تھی ۔کمپنی نے بھی رام چندر سے معاہدہ کرلیا۔ رام چندر نے سرکار کمپنی کی خیر خواہی کی، اس لئے اس کو راجا کا خطاب ملا۔ جب رام چندر لاولد مرا تو ریاست کے کئی دعویدار کھڑے ہوگئے ۔آخر راجا کا چچا رگھوناتھ مستحق قرار پایا۔ رگھوناتھ جذام کے مرض میں مبتلا تھا ۔اتفاق سے وہ بھی لاولد فوت ہوا۔ اور اس کا بھائی گنگادھر راؤ مسند نشین ریاست ہوا۔ ۱۸۵۳ء میں گنگادھر بھی لاولد فوت ہوا۔ اور لارڈ ڈلہوزی نے ریاست ضبط کرلی، اس کی رانی غل مچاتی رہی (ملاحظہ ہو ذکاءاللہ ص۱۳۷ - ۱۳۸) ۔ ۴ اس تحریک آزادی میں مسلمان پیش پیش تھے۔ پنڈت کنھیالال لکھتا ہے "سپاہیوں نے بروز مفسدہ ایک جھنڈا دین کا متصل میگزین کے نصب کرکے سب اہل دین کو صلائے عام شامل ہونے کی دی تھی (محاربہ عظیم ص۲۴۹ - ۲۵۰) ، ذکاءاللہ لکھتے ہیں "۶ جون کی دوپہر کو رانی مع جلوس کے محل سے باہر سوار ہوکر چھاؤنی کی طرف گئی ۔شہر میں ایک ملا نے اس کیلئے دعائیں پڑھیں پیدل اور سواروں نے بغاوت اختیار کی" ص۸۹"

مگر جب اس نے دیکھا کہیں ایسا نہ ہو کہ میرے حریف سداشیوراؤ سے یہ لوگ مل جائیں، لہذا اس نے ان کا یہ مطالبہ پورا کردیا۔ سپاہ نے رانی کی حکومت کا اعلان کردیا، چنانچہ رانی نے ۹ رجون ۱۸۵۷ء کو حکومت سنبھال لی[1]۔ فوج تحریک آزادی میں حصہ لینے کے لئے دہلی روانہ ہوگئی، رانی نے اپنی حکومت کو مستحکم کیا اور بہت اچھا انتظام کیا۔ وہ تمام معاملات و مقدمات کا فیصلہ خود کرتی تھی رعایا خوش حال اور مطمئن تھی۔ سداشیوراؤ نے ایک قلعے پر قبضہ کر کے اپنی حکومت کا اعلان کردیا۔ یہ راجا کا ایک رشتہ دار تھا۔ رانی فوج لے کر مقابلے پر گئی اور اس نے سداشیوراؤ کو گرفتار کر کے جھانسی میں نظر بند کردیا اس کے بعد ارچھا Urchha کے بندھیلہ راجا نے جھانسی پر حملہ کیا۔ بندھیلہ کے دو مقصد تھے اول یہ کہ جھانسی کو اپنی حکومت میں شامل کرے اور دوسرا انگریزوں کی نظر میں سرخرو ہو۔ کہ اس نے باغی حکومت کو ختم کیا مگر بہادر رانی نے بندھیلہ کو بھی شکست فاش دی۔

وسط ہند کی لڑائیوں میں Hugh Rose انگریزی فوج کا سپہ سالار تھا، وہ ساگر سے جھانسی کی طرف بڑھا۔ جھانسی کی رانی کا ارادہ مصالحت کا ہوا لیکن شہریوں کی رائے ہوئی کہ جم کر لڑنا چاہیے اور عزت کی موت مرنا چاہیے۔ چنانچہ اس مشورے کے بعد رانی نے قرب وجوار کا تمام علاقہ تباہ کردیا تاکہ انگریزی فوج کو ضرورت کی کوئی چیز نہ مل سکے جھانسی کے تمام راستوں پر چوکیاں بٹھادیں اور قلعہ کو مستحکم کرلیا۔

۲۱ رمارچ ۱۸۵۸ء کو ہیو روز جھانسی پہونچا[2]۔ اور اس نے شہر کا محاصرہ کرلیا فریقین کے درمیان توپوں کی لڑائی ہوئی۔ اسی اثناء میں تانتیا ٹوپے چرکھاری

---

[1] میلیسن، ڈبلیو، دی ریولٹ ان سینٹرل انڈیا۔ دشملہ ۱۹۰۸ء، ص ۲۵۹

[2] ″ ″ ″ ″ ″ ص ۲۸۶

کو ختم کر کے بائیس ہزار فوج اور اٹھائیس توپوں کے ساتھ آموجود ہوا۔ ہیوروز کے لیے شہر کو فتح کرنے کی کوئی صورت نہ نکل سکی۔ اس صورتِ حال سے ہیوروز سخت آزمائش میں پڑ گیا۔ اس نے بڑی تدبیر سے کام لیا۔ اس نے حکم دیا کہ توپچی شہر اور قلعے پر گولہ باری کا سلسلہ زور سے جاری رکھیں اور خود فوج کے منتخب دستے لے کر تانتیا ٹوپے کے مقابلے کو چلا گیا جھانسی سے ایک میل کے فاصلے پر لڑائی ہوئی، تانتیا کی فوج منتشر ہوگئی تانتیا یہ حالت دیکھکر جنگل میں گھس گیا اور اس نے اپنے اور انگریزی فوج کے درمیانی جنگل میں آگ لگادی اس طرح وہ بچ نکلا۔

ہیوروز کو اب فکر ہوئی[1] کہ کسی طرح جھانسی کو فتح کرنا چاہیئے۔ جھانسی کی رانی کو کہیں سے کمک پہونچنے کی اُمید نہ تھی۔ ۳ اپریل کو ۳ بجے دن انگریزی فوج جھانسی میں داخل ہوگئی۔ رانی اور اس کی فوج بڑی بہادری، جانبازی اور مردانگی سے لڑی[2] اور قدم قدم پر جنگ ہوئی۔ داخلے کے بعد محل کے ایک ایک کمرے کے لیے خوں ریز کشمکش کرنی پڑی۔ بالآخر جھانسی پر انگریز قابض ہو گئے۔

رانی ۴ اپریل کو جھانسی سے نکل کر کالپی پہونچی۔ انگریزوں نے تعاقب کیا انگریزی فوج کا افسر بری طرح زخمی ہوا۔ اور ان کو ناکام واپس ہونا پڑا۔ کالپی پہونچتے ہی رانی، نانا کے بھتیجے راؤ سے ملی اور فوج کو جمع کیا تاکہ انگریزوں سے مقابلہ کیا جا سکے۔ اسی درمیان میں تانتیا ٹوپے بھی کالپی پہونچ گیا۔ ہیوروز جھانسی کے انتظامات مکمل کر کے ۲۵ اپریل ۱۸۵۸ء کو کالپی کی طرف بڑھا راستے میں ایک مقام پر رانی اور تانتیا ٹوپے کی فوج سے ۵ مئی کو مقابلہ ہوا۔ اس موقع پر ملک صاحب خان کا رسالہ بھی کالپی آگیا۔ لڑائی میں ہیوروز کامیاب ہوا[3]۔ اور اس نے کالپی کی راہ

---

[1] میلین، ڈبلیو، دی ریوولٹ ان سنٹرل انڈیا شملہ ۱۹۰۸ء، ص ۳۸۷ [2] جنرل سر عمر حیات خاں ٹوانہ ص ۱۷۰ - ۱۷۱ [3] میلیسن ص ۳۹۰

لی۔ وہاں بھی رانی نے انگریزی فوج کا نہایت استقلال سے مقابلہ کیا انگریز وہاں بھی کامیاب ہوئے۔ رانی، تانتیا راؤ اور نواب باندہ، علی بہادر خاں گوالیار پہونچ گئے۔ سندھیا نے غداری کی، اس نے انقلابیوں سے مقابلہ کیا، مگر سندھیا کو شکست ہوئی اور وہ بھاگ کر آگرہ آگیا۔ گوالیار پر انقلابیوں کا مکمل قبضہ ہوگیا۔

ہیوروز کا خیال تھا کہ کالپی کے بعد کوئی خاص معرکہ نہ ہوگا، مگر گوالیار کے حالات و واقعات کو دیکھ کر اسے سخت محنت اور تندہی سے کام کرنا پڑا۔ اور اس نے گوالیار کا رخ کیا۔ وہاں دو لڑائیاں ہوئیں جن میں ایک لڑائی مُرار Morar اور دوسری لڑائی کوٹہ کی سرائے ——— میں ہوئی۔ اور کوٹہ کی سرائے میں رانی بہادرانہ موت مری۔ یہ واقعہ ۱۷ جون کا ہے۔

گوالیار کی شکست کے بعد تانتیا ٹوپے راؤ صاحب اور نواب باندہ علی بہادر خاں[۱] جے پور کی طرف نکل گئے۔ اب ہیوروز نے رابرٹ نیپیر Robert Napier کو ان کے تعاقب کے لئے مقرر کیا۔ پہلی جنگ جوڑا علی پور میں ہوئی[۲]۔ پھر تانتیا تقریباً دس مہینے، مالوہ گجرات، راجپوتانہ اور وسط ہند کے جنگلوں اور بیابانوں میں چکر لگاتا رہا۔ کبھی راؤ صاحب اور نواب باندہ اس سے مل جاتے اور کبھی الگ ہو جاتے۔ بعض مواقع پر فیروز شاہ بھی ملا[۳]۔

آخر تانتیا کو اس کے ایک عزیز اور جگری دوست مان سنگھ نے جو گوالیار

---

[۱] نواب باندہ کے لئے دیکھئے۔ ۱۸۵۷ء کے مجاہد۔ صـ ۱۶۹ - ۱۷۳

[۲] میلیسن - ڈبلیو - دی کارڈولٹ ان سینٹرل انڈیا (شملہ ۱۹۰۸ء)، صـ ۲۵۹

[۳] 〃 〃 〃 〃 〃 〃 صـ ۳۹۷

کا ایک جاگیردار تھا۔ ۷ اپریل ۱۸۵۹ء کو دھوکے سے گرفتار کرا دیا۔ گرفتاری کے بعد اسے سیپری لے گئے وہاں فوجی عدالت میں مقدمہ چلایا گیا اور سیپری میں ۱۸ اپریل ۱۸۵۹ء کو پھانسی دیدی۔[1]

لکھنؤ کی جنگ آزادی کی کہانی مرزا نصیرالدین برلاس کی زبانی

"مرزا نصیرالدین بن مرزا عبدالہادی کے دادا مولوی عبدالقادر برلاس (ف ۱۸۴۹ء) مشہور شخصیت ہیں ان کا روزنامچہ وقائع عبدالقادر خانی، علمی دنیا کے لئے ایک نادر تحفہ ہے یہ روزنامچہ دو جلدوں میں آل پاکستان ایجوکیشنل کانفرنس (کراچی) کی طرف سے شائع ہو چکا ہے۔ راقم الحروف نے ترتیب و تحشیہ کے فرائض انجام دئے ہیں۔ مرزا نصیرالدین نے بھی اپنے دادا کی پیروی میں اپنے خاندان کے حالات مع خود نوشت سوانح "نگینۂ انگشتری سلیمانی" کے نام سے فارسی زبان میں لکھے ہیں نام تاریخی ہے جس سے ۱۳۱۷ھ کے اعداد برآمد ہوتے ہیں اس کتاب کا ہم نے اردو ترجمہ "وقائع نصیر خانی" کے نام سے کیا ہے۔ جو وقائع عبدالقادر خانی کی جلد دوم میں شامل ہے یہ فارسی مخطوطہ ہمیں ہمارے مخلص بزرگ شیخ وحید احمد مسعود رئیس شیخوپور بدایوں کی عنایت سے ملا۔

مرزا نصیرالدین برلاس ۱۲۵۲ھ ۱۸۳۶ء میں پیدا ہوئے مروجہ تعلیم کی

---

[1] بیلین۔ ڈبلیو، دی ریوولٹ ان سینٹرل انڈیا (شملہ ۱۹۰۸ء) ص ۳۹۷

تحصیل کے بعد ۱۸۵۵ء میں وکالت کا امتحان پاس کیا، سرکاری ملازم رہے ۱۹۰۹ء میں ان کا انتقال ہوا۔ انہوں نے اپنے خود نوشت حالات میں جنگ آزادی ۱۸۵۷ء کے ان واقعات کو بھی بیان کیا ہے جو خود ان پر گزرے ہیں۔ اس اعتبار سے یہ آپ بیتی نہایت دلچسپ اور مستند ہے۔ ان کی ڈائری سے لکھنؤ کے واقعات عنوان بالا کے تحت ہم پیش کر رہے ہیں ان واقعات میں وہ خود بھی ایک کردار رہے ہیں۔ انہوں نے جنگ آزادی کو ہر جگہ "غدر" لکھا ہے:

جنگ آزادی ۱۸۵۷ء کا آغاز مرزا نصیر الدین کا دہلی کے غدر کی کیفیت لکھنا اور اس تحریر کا پکڑا جانا۔

"۱۱ مئی ۱۸۵۷ء مطابق ۱۶ رمضان ۱۲۷۳ھ بروز دوشنبہ غدر ہوگیا۔ اس کا قصہ احباب کی فرمائش سے علیحدہ لکھدیا ہے۔ جون ۱۸۵۷ء کو بدھ کے دن میں نے ایک خط واقعاتِ کے متعلق اپنے والد کے نام لکھا اور اپنی نانی کے ملازم خاص خدابخش کے ہاتھ والد کے پاس بھیجا وہ فقیرانہ لباس میں اجمیری دروازے سے میرٹھ کے لئے روانہ ہوا۔ مگر گرفتار ہوگیا۔ ابوبکر مرزا کرنیل فوج کے روبرو پیش ہوا۔ میرے حالات کی پوچھ گچھ کر کے میرا خط اس سے لے لیا گیا اور اس کو قتل کر دیا گیا۔

مرزا ابوبکر کا محلہ تراہہ بیرم خاں مسکن نصیر الدین پر حملہ کرنا۔

مرزا ابوبکر کرنیل[1] فوج نے محلہ تراہہ بیرم خاں پر جہاں میں مقیم تھا حملہ کر دیا۔ اور جس مکان میں رات کو میں سوتا تھا اس کا محاصرہ کر لیا شور و غوغا سن کر میں ہاتھ میں تلوار لئے ہوئے اٹھا کہ دیکھوں کیا ماجرا ہے جیسے ہی

---

[1] مرزا ابوبکر کرنیل فوج تھا۔ جب انگریزوں نے دہلی پر قبضہ کیا تو ہڈسن نے شہزادہ ابوبکر کو گولی سے ہلاک کر دیا۔

میں حویلی سے نکلا میں نے ہتھیار بند بھیڑ کے ساتھ شاہزادے کو اپنے سامنے پایا۔ اس نے مجھ سے درشت کلامی کی، میں اس سے لپٹ گیا۔ تلواریں میرے سر پر کھنچ گئیں اور دو مرتبہ مجھ پر تفنگچہ کے فیر ہوئے۔ اس کے گولے میری گردن کے قریب سے گزر گئے اس کا قصہ طویل ہے جس کو میں نے علیحدہ لکھا ہے۔ جب شاہزادہ میری تلوار سے کسی قدر زخمی ہو گیا کیونکہ میں نے اس پر تلوار چلائی تھی، دوسرے لوگوں کو میں نے اپنے سے دور دیکھا مجھے موقع مل گیا تلوار گھماتا ہوا اس مجمع سے میں مثل بجلی کے نکل گیا۔ اس محلہ کی پیچیدہ گلیوں سے گذر کر امیر علی کبوتر باز کے بالاخانے پر پہونچا، چھتوں چھتوں سے بازار کی چھتوں پر پہونچا۔ چھتوں چھتوں ہوتا ہوا ایک زینہ سے جو سڑک کے کنارے تھا، نیچے اتر آیا۔ اور حویلی اعظم خاں کی دیواروں کے سایہ میں ہوتا ہوا جو خیلی قبر کے قریب واقع ہے اپنی نانی کے گھر پہونچ گیا اور کچھ مدت تک چھپا رہا۔

نیمچ کے کمپو کا پہونچنا اور مرزا نصیر الدین کا فرار

یہانتک کہ نیمچ کے کمپو کا جنرل ہیرا سنگھ داخل ہوا اور اس نے بادشاہ دہلی کو یہ خبر سنائی کہ میں آگرہ کو فتح کر کے آیا ہوں اور اب کلکتہ تک انگریز کا نشان باقی نہیں ہے۔ اس خوش خبری کے سنتے ہی بادشاہ نے حکم دیدیا کہ شہر کے جملہ دروازے کھول دئے جائیں جو انگریز کے خوف سے اب تک بند تھے، احتیاط سے آمد و رفت ہوتی تھی۔ خلق کثیر، باہر کے مسافر اور تجارت پیشہ جو غارت گری کے خوف سے دروازوں کے بند ہونے کی وجہ سے شہر میں تھے ان سب کو باہر جانے کی اجازت ہو گئی۔ اس خبر کے سنتے ہی ہزاروں آدمی دہلی سے روانہ ہوئے۔ میں بھی اسی مجمع میں دونالی بندوق کندھے پر رکھ کر دہلی دروازہ سے باہر چلا اپنا منہ چھپا لیا کیوں کہ شاہی مجرم تھا۔ اسی لئے گرفتاری کا ڈر تھا۔ پہلے عرب سرائے اور پھر او کھلہ جہاں دودھ فروش مسلمان گھوسی رہتے ہیں پہونچا۔ پھر بدرپور

زید آباد سلیم گڑھ پہونچا۔ دریائے جمنا عبور کر کے موضع تلیت پہونچا وہاں سے سکندر آباد ضلع بلند شہر پہونچا۔ اپنی غربت اور فقر و فاقہ کی کیفیت میں نے سانحۂ غدر میں لکھی ہے۔

سکندر آباد میں قیام کچھ دنوں درویشانہ سکندر آباد میں ٹھہرا اسی زمانے میں انگریزوں کے دہلی فتح کرنے کی خبر مشہور ہوئی منشی اصغر علی تحصیلدار سکندرآباد کو جو گڑھ مکتیشر کے ساکن اور میرے والد کے دوست تھے میں نے دیکھا، میں خوش ہوا۔ ساٹھ روپے میں نے ان سے قرض لئے اور خرچ میں لایا اور جنوری ۱۸۵۸ء سے فروری ۱۸۵۹ء تک سکندر آباد میں رہا۔ میرے بڑے بھائی مرزا نظام الدین اور میرے چچا مرزا محمد حسن سے جو میری تلاش کے لئے دہلی جا رہے تھے یہاں ملاقات ہو گئی اور وہ لوگ راجہ گرسہائے[1] ناظم مراد آباد کے پروانے سے سکندر آباد تک آئے تھے۔ بھائی کی بھائی سے ملاقات ہوئی دونوں ایک دوسرے کی مصیبت پر مثل ابر باراں روئے۔

مرزا نصیر الدین کا لکھنؤ پہونچنا میرے بھائی (مرزا نظام الدین) کی صلاح ہوئی کہ اودھ چلنا چاہئے کیوں کہ اودھ کے حکام کے احکام خصوصاً خداوند نعمت جنرل پیرو صاحب کا حکم ان کے پاس پہونچا تھا کہ بہت جلد عالم باغ پہونچیں، کیوں کہ لکھنؤ عنقریب فتح ہونے والا ہے۔

---

[1] گرسہائے قوم جاٹ ساکن مراد آباد نے جنگ آزادی ۱۸۵۷ء میں انگریزوں کی بڑی گراں قدر خدمات انجام دیں وہ نواب رام پور کی ماتحتی میں جنوبی مراد آباد کا نائب ناظم تھا۔ اس کی وفاداری کے صلہ میں راجا کا خطاب ملا۔ اور گیارہ گاؤں معافی میں ملے، جن کی آمدنی دس ہزار روپیہ سالانہ کی تھی (گزیٹیر مراد آباد، ص۱۶۵، الٰہ آباد ۱۹۱۱ء)

جنگ آزادی ۱۸۵۷ء میں لکھنؤ کی کیفیت

میں اور بھائی بڑی مشقت اور پریشانی سے عالم باغ پہونچے۔ وہاں پہونچنے تک عالم باغ ختم ہوگیا۔ میں نے دیکھا کہ عالم باغ کے تمام درخت اور سڑک کے درخت کاٹ کر عالم باغ کے تمام دروازوں پر پشتے قائم کر دئے گئے ہیں، عالم باغ کے میدان میں آدمیوں، ہاتھیوں اور گھوڑوں کی سیکڑوں لاشیں نظر آئیں آتش پیکار گرم تھی۔ انگریز زمین کے نیچے صحرائی جانوروں یا حشرات الارض کی طرح رہتے تھے۔ زمین کے نیچے ایسے گھر بنا رکھے تھے کہ جن میں فرش بھی ہے اور گھر کی تمام ضروریات بھی، مثلاً میز، کرسی، شمع وغیرہ، گولہ لکھنؤ کی طرف سے آتا تھا گولہ گرنے کا اثر ان زیر زمین حجروں پر معلوم ہوتا تھا ہم بہت ڈرے، کرنیل پیرو صاحب نے فرمایا کہ اندیشہ نہ کیجئے، مجھ سے اور بھائی صاحب سے صاحب بہادر نے فرمایا کہ یہ میدان خاک ہے اور تم اہل قلم منشی ہو، لکھنؤ فتح ہونے تک بنسی بنتھرا میں نزیندر کے پاس رہو کہ وہ خیر خواہ سرکار ہے۔ ۸؍اپریل ۱۸۵۸ء کو لکھنؤ پر سخت حملہ ہونے والا ہے اور یقین ہے کہ اس روز فتح ہو جائے گی۔ اس روز لکھنؤ آنا، چنانچہ ہم دونوں بھائی اور مرزا محمد حسن مع ملازم محمد خاں کے موضع بنسی بنتھرا پہونچے۔ نزیندر کو اطلاع مل چکی تھی۔ بہت آرام پایا اور دو تین وقت سے کھانا نہیں کھایا تھا اس لئے سیر ہو کر کھایا۔ ۸، ۹ اور ۱۰؍اپریل تک ہم وہاں رہے۔

فتح لکھنؤ کے بعد انگریزوں کے انسانیت سوز مظالم

انہیں تاریخوں میں قاصد نے خبر دی، رات میں لکھنؤ کے تین جانب یعنی کیمپ عالم باغ، کیمپ موتی باغ اور کیمپ کوٹھی دلکشا کی طرف سے ایک بجے رات کو سرکار انگریزی کی طرف سے لکھنؤ پر بہت سخت حملہ ہوا۔ اور دشمن کے فرار ہونے کے لئے گوشائیں گنج کی طرف کا راستہ چھوڑ دیا۔ سرکاری فوج بندوقیں اور توپیں داغتی ہوئی شہر میں داخل ہوئی اس وقت رات میں شہر میں ایک قیامت برپا تھی رعایا

شہر میں جو مسلح تھے ان کا جدھر منہ اٹھا بھاگتے تھے۔ شور وغوغا، فوج کے نعرے اور بندوق و توپ کی آوازیں سنائی دیتی تھیں اس سخت معرکے میں بیگم لکھنؤ یعنی والدہ برجیس قدر گوشائیں گنج کے راستے سے مرشدی پور کی طرف جنگ کرتی ہوئی مع اپنے لڑکے کے بھاگ گئی۔ اور اس کے بعد شہر کی پریشان رعایا بھی مع زن و بچہ جان کے خوف سے بھاگ اٹھی۔ کہتے ہیں کہ فوجوں کی لاشوں کے علاوہ چھبیس ہزار مرد و زن اور بچوں کی لاشیں پائی گئیں۔

چوں کہ اہل شہر ہتھیار بند تھے اس لئے بہت سی لاشیں مکانوں، محلّوں اور چھتوں پر ملیں بہت سی پردہ نشیں عورتوں نے جن کے سینے سے بچے چمٹے ہوئے تھے شہر کے یا مکانات کے کنوؤں میں گر کر خود کو ہلاک کر لیا۔

لکھنؤ میں پھانسیوں کا منظر

جب میں (مرزا نصیر الدین) اور بھائی نظام الدین لکھنؤ پہونچے تو لکھنؤ کی فتح کو تین دن ہوئے تھے چونکہ میں یہ تمام واقعات بیالیس سال کے بعد لکھ رہا ہوں لہٰذا واقعہ کی تاریخ میں دو ایک دن کا فرق ہو تو کوئی تعجب نہیں ہے۔ ہم ۱۱ یا ۱۲ اپریل ۱۸۵۸ء کو لکھنؤ پہونچے، آقا کے سامنے حاضر ہوئے، اس وقت کرنل پیرو صاحب اسپیشل کمشنر اور مارشل لا آفیسر تھے۔ اور جنرل آوٹرم صاحب کے ماتحت تھے حضرت گنج میں جس کوٹھی میں آوٹرم صاحب مقیم تھے اس کے سامنے بڑی بڑی لکڑیاں دروازوں کی شکل میں کھڑی کر دی گئی تھیں۔ اور ہر دروازے میں پھانسی کے لئے رسیاں ٹکا دی گئی تھیں۔ اور احاطۂ مذکور میں چند لاشیں درختوں میں لٹک رہی تھیں۔

ایک برباد شدہ حویلی کا ذکر

پیرو صاحب نے میرے بھائی کو دو سو روپے دیئے اور فرمایا کہ عنقریب تمہیں کام پر بھیجا جائیگا ان روپیوں سے اپنی ضروریات اور سامان سفر کا خرید لو۔ دو تلواریں اور ایک بندوق دونالی مجھے مرحمت فرمائی۔ اور بھائی سے کہا کہ اپنی ضرورت کے لحاظ سے ہتھیاروں

کے ذخیرے میں سے جس قدر بندوقیں اور تلواریں چاہئیں لے لو، اور گولہ بارود کی جس قدر ضرورت ہو وہ بھی لے لو۔ میں اور بھائی قریب ۲۵ تلواریں اور اتنی ہی بندوقیں اور دوسرا عمدہ سامان اپنی قیام گاہ پر جو چاہ کنکر یعنی روشن الدولہ کی حویلی کے پاس تھی وہاں ہم گئے۔ کتابیں اور کاغذات کا ذخیرہ ڈھیر کی صورت میں پڑا ہوا دیکھا اور مکان کی صفائی کی صورت میں لاشیں چھت سے کوٹھریوں سے اور کنویں سے جو احاطہ میں واقع تھا نکلیں۔ کنویں سے عورتوں کی لاشیں مع بچوں کے برآمد ہوئیں تیغ اور تلواریں نکلیں۔ لاشیں کوتوال کی معرفت اٹھوا دی گئیں مکان مذکور نہایت عمدہ، فرحت افزا اور نفیس تھا۔ اس کے بعد کرنیل صاحب کے حسب الحکم حضرت گنج میں قیام تجویز ہوا تاکہ صاحب بہادر سے صلاح و مشورہ میں دیر نہ ہو۔

مرزا نظام الدین (برادر مرزا نصیر الدین) کا انگریزوں کی طرف سے اضلاع اودھ کا انتظام

بھائی مرزا نظام الدین کے لئے تین اضلاع، پرتاب گڑھ، سلون اور رائے بریلی کے انتظام کا حکم صادر ہوا کیونکہ وہ پہلے مرشد پور اور سلون میں رہ چکے تھے۔ میرے متعلق حکم ہوا کہ لکھنؤ میں رہوں بعد کو بھیجا جاؤں گا۔ چنانچہ بھائی صاحب مع اپنے چچا مرزا عبد الحئی جو بامید روزگار وہاں پہونچے تھے اور چودہ دوسرے باشندگان اودھ یعنی شیخ عبد القادر جائسی، عبد الخالق مع پسر، شیخ مبارک علی ملیح آبادی عبد الستار مع ہمشیر زادہ ماتا دین جمعدار اور چند دوسرے حضرات کے ساتھ جن سے غدر سے پہلے سے خاص تعلقات تھے، لکھنؤ سے روانہ ہوئے۔ ان میں پندرہ سوار دس پیادے تھے۔ پہلے مقام تلوئی پہونچے جہاں کا زمیندار راجہ کے نام سے مشہور تھا اور سرکار کا خیر خواہ تھا نظام الدین نے تھانے بٹھانے تحصیلدار مقرر کرنے، تحصیل مالگذاری

اور بینی مادھو، انند گوری اور غلام مرتضیٰ ناظم جو بیگم اودھ کی طرف سے کیمپ بسواڑہ میں ناظم تھے کے حملے کا انتظام وغیرہ واقعات جن کا ذکر میں نے دوسری جگہ کیا ہے اس جگہ چھوڑتا ہوں اور اپنا ذکر لکھتا ہوں۔

مرزا نصیر الدین کا تحصیلدار ہو کر دریاباد جانا

القصہ بماہ مئی ۱۸۵۸ء مجھے حکم ہوا کہ دریاباد پہونچوں اور چودھری سرفراز احمد کی رائے سے جو راجا علی بخش خاں کے بھتیجے اور اور بیجہ کے زمیندار ہیں تحصیلداری کا کام انجام دوں، اپنی اور اپنے عملے کی تنخواہ چودھری سرفراز احمد خاں سے لے لوں۔ تمام اخراجات کا حساب صحیح اور مفصل لکھا جائے۔ فوراً روانگی کا حکم ہوا۔ ملازم نہ ملنے کی وجہ سے تذبذب تھا۔ کیونکہ لکھنؤ ویران تھا۔

جیدر گڑھ ۱۸۵۷ء میں

میں شیخ غلام محمد کے ساتھ جس کو بھائی راستوں کی واقفیت کی وجہ سے لائے تھے اور اس علاقے کی زبان اور محاورہ دانی کی وجہ سے میرے پاس چھوڑ گئے تھے دو تلواریں لے کر گشائیں گنج کے راستے سے جیدر گڑھ کی طرف چل پڑا قریب قریب ایک پہر دن باقی ہوگا کہ شام کے وقت بارجی گنج جہاں سرکاری تھانہ تھا اور انتظام درست ہو چکا تھا، پہونچے رات وہاں گزاری اور راستے کے خطرے کی وجہ سے دن بھر گزارا۔ سرکار کے دشمن گروہ کے گروہ سوار و پیادہ دور سے نظر آتے تھے۔ وہ لوگ دیہات کو آگ لگاتے تھے دور سے آگ کے شعلے نظر آرہے تھے۔ رات کو سفر کرنے کا ارادہ کیا۔ چنانچہ رات کے اندھیرے میں روانہ ہوئے۔ چند ایسے خطرناک مقامات سے گزرے جہاں مرنے اور قتل ہونے کا موقع آگیا۔ آدھی رات تک چلے نہایت مضمحل ہو گئے۔ راستے میں کوئی مسافر نہیں ملا پیروں پر ورم آگیا۔ ساتھی (غلام محمد) نے کہا کہ نہیں معلوم ہم کہاں پہونچ گئے، قیاس یہی ہے کہ جیدر گڑھ

کے قریب آگئے ہیں مگر رات کے اندھیرے کی وجہ سے یقین سے نہیں کہا جاسکتا کہ حیدرگڑھ کہاں ہے؟ آخر یہ مشورہ ہوا کہ چوں کہ چاروں طرف سے کتوں کی آواز آرہی ہے، حیدرگڑھ بڑا مقام ہے لہٰذا جدھر سے کتوں کے بھونکنے کی آوازیں زیادہ آئیں اسی طرف حیدرگڑھ ہے۔ چنانچہ اسی قیاس پر اس طرف چل پڑے جدھر کتے زیادہ بھونک رہے تھے۔ یہاں تک کہ ایک کنویں پر پہونچے، رات کا اخیر وقت تھا، کچھ عورتیں پانی بھر رہی تھیں وہاں ایک بوڑھا بھی بیٹھا ہوا تھا اور کھانس رہا تھا۔ پہلے ہم نے کنویں کے پاس ان عورتوں سے پانی مانگا اور سیر ہوکر پیا، پھر اس بوڑھے سے پوچھا کہ یہ کون گاؤں ہے۔ اس نے بتایا کہ حیدرگڑھ ہے۔ وہاں سے سبیحہ تین کوس ہے۔ لہٰذا اطمینان ہوا کہ جلدی وہاں پہونچ جائیں گے۔

چودھری علی بخش زمیندار کا انگریزوں کے حلیف اپنے بھتیجے چودھری سرفراز احمد پر حملہ کرنا

بندوق اور توپوں کی آوازیں راستے میں بھی سنی گئی تھیں اور اب اور زیادہ معلوم ہوئیں۔ بوڑھے سے پوچھا کہ بندوقوں اور توپوں کی یہ آوازیں کہاں سے آرہی ہیں؟ اس نے بتایا کہ چودھری سرفراز نے ان انگریزوں سے جو لکھنؤ میں آئے ہیں سانٹھ باز کرلی ہے۔ لہٰذا اس کے چچا علی بخش نے اس پر حملہ کردیا سبیحہ کو غارت کردیا۔ اور آگ لگادی ہے۔ بہت سے لوگ قتل ہوئے ہیں، یہ آوازیں سبیحہ سے بھی آرہی ہیں۔

مرزا نصیرالدین کا اپنے بھائی مرزا نظام الدین کے پاس تلوئی پہنچنا

اس وقت غلام محمد کی یہ صلاح ہوئی کہ مجھے تلوئی کا راستہ جہاں آپ کے بھائی ہیں معلوم ہے، اب بہت تھک گئے ہیں شام تک حیدرگڑھ کی سرائے میں ٹھہریں اور جب رات ہو جائے تو تلوئی کا راستہ پکڑیں اور وہاں بھائی کا جو مشورہ ہو اس پر عمل کریں

سبیجہ کا حال دگرگوں ہے۔ معلوم نہیں سرفراز احمد زندہ ہے یا مر گیا۔ یا قتل ہوا۔ چنانچہ اس کی رائے پر عمل کیا، اور حیرانی اور پریشانی کی حالت میں تلوئی پہونچے۔

تلوئی میں انقلابیوں سے مقابلہ

کچھ دیر تلوئی ٹھہرے، قلعۂ تلوئی کو غلام مرتضیٰ اور بینی مادھو نے تین طرف سے گھیر لیا تھا جنگ و قتال شروع ہو گیا تھا۔ میرے بھائی غیر معروف راستے سے میرے اور دس سواروں کے ہمراہ اس ارادے سے چلے کہ لکھنؤ سے نئی کمک لے آئیں تھوڑی رات رہ گئی تھی راستے میں اننت گوری کی فوج سے جس نے گنگا گنج کی ندی پر آمد و رفت کا راستہ بند کر رکھا تھا مقابلہ ہوا۔ خدا تعالیٰ کا فضل شامل حال اور زندگی باقی تھی کہ ہم سب سوار ان کے درمیان سے رات کی تاریکی میں ایسے نکل گئے کہ جیسے کوئی ہمارے سامنے آیا ہی نہیں۔ اور لکھنؤ پہونچ گئے۔ میں بھائی سے رخصت ہوا۔ اور صاحب (پیرو صاحب) سے وعدہ لیا کہ انتظام اور اطمینان کے وقت اور تمام صوبہ فتح ہونے کے بعد حاضر ہوں گے تو نوکری ملے گی۔

مرزا نصیر الدین کا آگرہ پہونچنا اور حاکم عدالت دیوانی صدر سے ملنا

میں سکندر آباد روانہ ہوا کیوں کہ دہلی کی فتح کے بعد میری بیوی اور خاندان کے تمام مرد اور عورتیں وہاں آ گئی تھیں۔ ستمبر ۱۸۵۸ء میں وہاں پہونچا وہاں سے آگرہ گیا۔ اور حاکم عدالت دیوانی صدر آگرہ جو میرے والد کے آقا اور سرپرست تھے کی خدمت میں حاضر ہوا۔ میں نے فتح ہندوستان کی جو تاریخ سکندر آباد میں تصنیف کی تھی آقا کے سامنے پڑھی اس کا مطلع یہ ہے۔

ملکۂ بادشہ ہند و فرنگ — ہو مبارک تجھے تاج و دیہیم
زور شمشیر وہ غالب ہوا تیرا — اک جھلک سے سر دشمن ہو دو نیم

صاحب نے ہم لوگوں کا حال پوچھا ۔ میں نے شہزادے سے جنگ کی کیفیت اور دہلی سے باہر آنے کی روداد بیان کی اور نوکری کا خواستگار ہوا ۔

مرزا نصیر الدین کا پیشکار مقرر ہونا

صاحب بہادر نے میری مصیبتوں سے متاثر ہو کر میری نوکری کے لئے ایک سفارشی خط بالارک صاحب کلکٹر مین پوری کے نام لکھدیا ۔ اس میں تمام وہ حالات اور سرگزشت تحریر کر دی جو میں نے عرض کی تھی ۔ بالارک صاحب نے میرا حال نواب سیف اللہ خاں بہادر ڈپٹی کلکٹر سے دریافت کیا جو نہایت خیر خواہ سرکار اور نواب نجیب الدولہ کے خاندان کے آدمی تھے ۔ نواب صاحب نے میرے والد اور بھائی کی خیر خواہی اور میرا حال صاحب کے روبرو بیان کر دیا چنانچہ پچیس روپے ماہوار پر درجہ سوم کی پیشکاری مرحمت فرمائی یہ نومبر ۱۸۵۸ء کا واقعہ ہے ۔ روزانہ انگریزی فوج کی فتوحات کی خبریں ملتی تھیں ۔

شہزادہ فیروز شاہ اور سیف اللہ خاں ڈپٹی کلکٹر آگرہ، میں مقابلہ

اسی سال ۱۸۵۸ء میں فیروز شاہ پسر مرزا دارا بخت بن بہادر شاہ[1]، مراد آباد بریلی سے مع پچیس ہزار باغی فوج کے بھاگا ۔ اور اس نے قلعہ خام چندن پور پر جو ضلع اٹاوہ میں واقع ہے اور وہاں کا زمیندار راجا کہلاتا ہے، حملہ کر دیا ۔ دن اور رات توپوں کی آواز آتی رہی ۔ میں اس وقت نواب سیف اللہ خاں بہادر[2] ڈپٹی کلکٹر آگرہ کے لشکر کے ساتھ شکوہ آباد میں تھا، نواب صاحب کرمیوں اور اہیروں کی فوج کی فراہمی میں مصروف تھے جو ضلع مین پوری کی بہادر قومیں ہیں ۔

---

[1] شہزادہ فیروز شاہ کا یہ نسب نامہ درست نہیں ہے ۔ شہزادہ فیروز شاہ مرزا ناظم کا بیٹا تھا ۔ جو شاہ عالم ثانی کے پوتے تھے [2] نواب محمد سیف اللہ خاں (باقی اگلے صفحہ پر)

راتوں رات جنگی توپ خانہ کو شکوہ آباد سے نکال لائے اور دشمن کے سر پر گولے برسائے۔ فیروز شاہ بھاگ گیا اور سنا ہے کہ سرکاری فوج کی مدد پہونچنے تک راجہ چندن پور قلعہ کے اندر سے فیروز شاہ کے ساتھ جنگ کرتا رہا۔

(بقیہ نوٹ صفحہ گزشتہ) بہادر ریاست بھرت پور میں ڈپٹی ایجنٹ اور اضلاع مین پوری و مراد آباد میں ڈپٹی کلکٹر درجہ اول رہے وہ نواب سلطان خاں جنکا خطاب اعتقاد الدولہ تھا۔ اور وہ نواب نجیب الدولہ کے حقیقی بھائی نھنے کے بیٹے ہیں نواب محمد سیف اللہ خاں ۱۸۵۷ء میں بمقام اگرہ انگریزی سرکار کی خیر خواہی میں گورنمنٹ کی طرف سے فوج قرولی کے کمانڈر مقرر ہوئے انہوں نے انقلابی فوج سے جنگ کی سرکار کی فتح اور ممالک ہند پر کامل تسلط کے بعد نواب صاحب کو خطاب نواب مع خان بہادر، ایک ہزار روپیہ کا قیمتی خلعت فاخرہ، شمشیر با قبضہ طلائی، بندوق، تفنگچہ شش نال، دستار زریں، پٹکہ زرکار اور تحصیل بہیڑی (ضلع بریلی) پرگنہ چھاچھٹ میں پانچ سو روپیہ سالانہ منافع کی جائداد حین حیات عطا ہوئی۔ اور حکم ہوا کہ نواب کی وفات کے بعد جاگیر مذکور چہارم جمعبندی پر ان کے ورثا کو منتقل کردی جائے۔ چنانچہ ۱۸۶۳ء میں مراد آباد میں نواب صاحب کا انتقال ہوا پھر یہ جائداد ان کے چاروں بیٹوں: نواب محمد کفایت اللہ خاں، نواب محمد اسد اللہ خاں، نواب محمد امداد اللہ خاں اور نواب محمد شجاع اللہ خاں کے نام منتقل ہوگئی۔

نواب صاحب کی سکونت ۱۸۶۳ء سے مراد آباد میں ہوئی انہوں نے نواب رفیع علی خاں کے مکانات خرید لئے تھے۔ جو بغاوت کی وجہ سے سرکار نے ضبط کر لئے تھے۔ (ملاحظہ ہو وقائع نصیر خانی (مشمولہ علم و عمل) جلد دوم کراچی ۱۹۶۱ء) ص ۱۰۰۲

لکھنؤ کی بربادی کا بیان

ایک ہم عصر وقائع نگار کے قلم سے

جنگ آزادی ۱۸۵۷ء سے متعلق بعض ہم عصر روزنامچے شائع ہو چکے ہیں۔ انگریزوں نے اس موضوع پر بہت کچھ لکھا ہے۔ اور ان کا اپنا زاویہ نظر ہے۔ ہندوستانیوں نے بھی اس موضوع پر لکھا ہے، لیکن اس میں بھی انگریزوں کی مدح سرائی کی گئی ہے اور ہندوستانیوں کو الزام دیا ہے لیکن حقیقت پھر بھی ظاہر ہو ہی جاتی ہے۔ اسی قسم کا ایک روزنامچہ "ظفر نامہ وقائع غدر" ہے جو ابھی تک زیور طبع سے آراستہ نہیں ہوا ہے۔ اس کا خطی نسخہ انڈیا آفس میں محفوظ ہے جس کی مائکروفلم پاکستان ہسٹاریکل سوسائٹی میں محفوظ ہے۔ یہ نہایت اہم دستاویز ہے مصنف نے اگرچہ اپنے نام کا اظہار نہیں کیا ہے لیکن وہ بہت اہم شخصیت ہے واجد علی شاہ کے زمانے میں محکمہ ریذیڈنسی میں محافظ دفتر تھا۔ اور اودھ کے بعد چیف کمشنر کے دفتر میں نائب میر منشی ہوا مذہباً شیعی ہے۔ جنگ آزادی ۱۸۵۷ء کے زمانے میں انگریزوں کا وفادار رہا۔ اور نامہ و پیام کے فرائض بھی انجام دیئے۔ جس کے اسی ظفر نامہ وقائع غدر سے اس فصل کو یہاں نقل کیا جاتا ہے جس میں لکھنؤ کی تباہی پر اپنے مختصر مگر جامع تاثرات کا اظہار کیا ہے۔

همدراں روزے کہ باغیان غدّار از شہر می گریختند تمام خاص و عام شہر، مرد و زن، پیر و جواں مع بچگاں گریزاں و سرگرداں افتاں و خیزاں، عریاں و گریاں پاپیادہ پا برہنہ تہہ و بالا بیرون شہر شتافتند۔

حوالی کاکوری و ملیح آباد و نواح بجنور و کانکرآباد وغیرہا از ہجوم خلائق پریشاں پر از مور و ملخ می نمود پسران از پدر و دختران از مادر و بساں زنان از شوہر، و اکثر آقا از نوکر متفرق و منتشر گردیدند۔ بسیارے مردند و بسے از یک دیگر مفقود گشتند، بیشتر زنان و دختران را اشرار فوج سرکار بیغما بردند۔

اما درماندگان شہر کسے کہ نہ دوستدار باغیان غدار بودند نہ دشمن سرکار و محض باعتماد رعیت باشند و وثوق تمام بر حمایت سرکار انگریز بجانہاے خود گوشہ گیر ماندند ناحق از دست گوراہا کشتہ شدند،

جس روز کہ باغیان غدار شہر سے بھاگ رہے تھے اس روز شہر کے تمام خاص عام، مرد و عورت، بوڑھے اور جوان بچوں کے ہمراہ گریزاں و سرگرداں افتاں و خیزاں، عریاں و گریاں پیدل ننگے سر پریشاں حال شہر کے باہر بھاگ گئے۔

کاکوری و ملیح آباد کا قرب و جوار اور بجنور و کانکرآباد وغیرہ کا نواحی علاقہ پریشاں حال مخلوق کی کثرت سے مور و ملخ کی طرح بھر گیا تھا بیٹے باپ سے بیٹیاں ماں سے، بہت سی عورتیں شوہروں سے اور اکثر آقا نوکروں سے الگ ہو گئے تھے اور بچھڑ گئے تھے۔ بہت سے مر گئے اور بہت سے ایک دوسرے سے بچھڑ گئے۔ بہت سی عورتوں اور لڑکیوں کو سرکاری فوج کے شریر سپاہی لوٹ میں لے گئے۔

لیکن شہر کے عاجز لوگ کہ جو نہ باغیان غدار کے دوست تھے اور نہ سرکار کے دشمن وہ محض اس اعتماد پر کہ پر امن رعیت ہیں اور سرکار انگریزی کی حمایت پر پورا وثوق رکھتے ہیں اپنے گھروں میں گوشہ گیر رہے وہ گوروں کے ہاتھ سے ناحق مارے گئے۔ اہل فرنگ

خون ناحق اہل فرنگ کہ بر گردنِ
فوج باغی می بود گر بر سر بے
گناہان رعایا رفت کہ عوض یکاں
یکاں از انگریزاں صد ہا صد از رعایائے
بے گناہ گردن زدند اما خون ایں
بے گناہاں را کہ نہ بر کسے دیتے
ہست نہ از کسے قصاصے ۔ از جوشش
آں ایمن نباید شد ۔ چہ مردم
فوج باغی کہ از طینت بہیمی و سرشتے
سبعی با سرکار بجو کردند اما اولیائے
سرکار را چہ شد کہ با ہمہ عقل و
شعور رعایا را کشتند اگر آنہا
را غضب و غصہ باعث برآں
بود لیکن خشم ایشاں بر رعایا بچہ
ماند اگر رعایا بغلبہ و تسلط
باغیاں تن با طاعت در نمی دادند
چوں در سرکار ہم جائے پناہ
نبود پس کجا می رفتند آخر ہمہ
کشتہ می شدند و من بعد آبادی
ملک چگونہ صورتے می پذیرفت
و نیز آنہا کہ اینہا را بعلت اطاعت
سرکاری کشتند وائے پریشاں
کہ اہالی سرکار ہم ایناں را بعلت

کا خون ناحق کہ جو باغی فوج کی گردن
پر تھا وہ بے گناہ رعیت کے سر پڑا ۔
کہ ایک ایک انگریز کے عوض رعایا
کے سو سو بے گناہ آدمیوں کی گردن
ماری گئی ۔ لیکن ان بے گناہوں کے
خون سے کہ جو نہ کسی کے خون کا بدلہ
ہے اور نہ کسی کا قصاص ہے اس کی
زیادتی سے امن نہ ہوگا ۔ باغی فوج
کے لوگوں نے اپنی سفاکانہ طبیعت
اور درندانہ سرشت کی وجہ سے
سرکار کے ساتھ ایسا کیا ۔ لیکن
سرکاری حکام کو کیا ہو گیا کہ اس قدر
عقل و شعور کے باوجود رعایا کا خون
کیا ۔ اگر ان کا غضب و غصہ اس کی
وجہ تھا تو ان کا غصہ رعایا پر کیوں
ہوا ۔ اگر رعایا باغیوں کے غلبہ و تسلط
کے بعد ان کی اطاعت نہ کرتی تو
سرکار میں بھی جائے پناہ نہ تھی لیکن کہاں
جاتی ، آخر سب ماری جاتی اس کے
بعد ملک کی آبادی کس طرح ہوتی اور
یہ بھی کہ ان کو (باغی) سرکار کی اطاعت
کی وجہ سے مارتے تھے ۔ اور ان کی
پریشانی پر افسوس کہ سرکاری لوگ

اطاعت باغیاں کشتند اوّل ایشاں جز بخدائے منتقم فریاد و استغاثہ پیش کہ می برند۔ کہ اوست احکم الحاکمین دوم فرق چیست میان باغیان اشرار و میان اہالی سرکار وقتیکہ کردہ باشند ایشاں انچہ کہ آناں کردہ بودند۔

بھی باغیوں کی اطاعت کی وجہ سے ان کا خون کرتے ہیں، پہلی بات یہ کہ وہ خدائے منتقم کے سوا اپنی فریاد و استغاثہ کس کے سامنے لے جائیں وہی احکم الحاکمین ہے دوسرے باغیان اشرار اور حکام سرکار کے درمیان کیا فرق ہے وہ بھی وہی کرتے ہیں جو کچھ کہ انہوں نے کیا تھا۔

ظفر نامہ وقائع غدر ص۱۰۵-۱۰۹)

بابِ پنجم

روہیل کھنڈ کے آخری معرکے اور انگریزوں کا دوبارہ اقتدار

نواب رامپور کی انگریز دوستی اور شہزادہ فیروز شاہ کی جد وجہد

سقوط دہلی کے بعد تحریک کے نامور اکابر لکھنؤ اور دوسرے مقامات پر پہونچے، لکھنؤ اور کانپور انگریزوں کے دوبارہ تسلط کے بعد تحریک کے ممتاز حضرات نیپال کی طرف چلے گئے راستوں میں انگریزوں سے معرکے بھی ہوئے مگر اب انگریزوں کے مقابلے میں ٹھہرنا آسان نہ تھا۔ اگرچہ لکھنؤ اور کانپور انقلابیوں کے ہاتھ سے نکل چکے تھے مگر روہیل کھنڈ میں خان بہادر خاں اور مولوی احمد اللہ شاہ مورچہ قائم کئے ہوئے تھے

کانپور اور لکھنؤ کے بعد انگریزوں نے اضلاع روہیل کھنڈ اور وسط ہند پر اپنی ساری توجہ مبذول کر دی پہلے سہارنپور اور بجنور پر قبضہ کیا۔ جس کا ذکر تیسرے باب میں ہو چکا ہے۔ بجنور کے بعد انھوں نے مراد آباد کا رخ کیا۔ مراد آباد پر انگریزوں کے حلیف اور وفادار نواب یوسف علی خاں والی رامپور نے انگریزوں کی طرف سے دوبارہ قبضہ کر لیا تھا۔ نواب رامپور شروع ہی سے تحریک آزادی کو دبانے کی پوری پوری کوشش کرتے رہے۔ ان حالات کو دیکھ کر ہی نواب خان بہادر خاں نے نواب ولی داد خاں (مالاگڑھ) سے خط وکتابت کی تھی کہ وہ کچھ فوج دہلی سے فراہم کر کے نواب رام پور پر حملہ کریں۔ اور اس طرف سے نواب خان بہادر خاں

قدم بڑھائیں۔ اس طرح انگریزوں کی اس خیرخواہ ریاست کو ختم کر دیا جائے[1]۔ مگر اس وقت دہلی سے مدد کی کوئی توقع نہ تھی۔ اس طرح خان بہادر خاں کی یہ بہترین تدبیر عملی جامہ نہ پہن سکی۔ اور نواب رامپور برابر تحریک آزادی کے کچلنے میں کامیاب ہوتے رہے۔ جب چندوسی، سہسوان، بلاری، بسولی، سنبھل وغیرہ میں حالات نے تیزی پکڑی تو موسیٰ رضا کی ماتحتی میں ان مقامات پر ریاست رامپور کی فوج روانہ ہوئی۔ حکیم سعادت علی خاں ساتھ تھے۔ چندوسی، سہسوان، بلاری، بسولی اور سنبھل میں فوج نے انقلابیوں اور مجاہدین کے خلاف متحدہ محاذ قائم کرکے ان کی قوت کو پوری طرح کچل دیا، اور ان کو سخت اور عبرت ناک سزائیں دیں۔ اگر ریاست رامپور انگریزوں کی معین و مددگار نہ ہوتی تو روہیل کھنڈ سے ہمیشہ کے لئے انگریزوں کا خاتمہ ہو جاتا۔ ریاست نے انگریزوں کی بڑی مدد کی۔ انگریزوں کو نینی تال رسد، ضروری سامان اور روپیہ پہونچایا۔ اور یہ سارا کام شیخ علی بخش[2] خانساماں نے انجام دیا۔ جو بعد کو گورنمنٹ کے انعام سے سرفراز ہوئے۔

---

[1] اخبار الصنادید جلد دوم۔ ص ۷۵

[2] شیخ علی بخش ولد محبوب بخش ۱۲۲۹ھ/۱۸۱۳ء میں پیدا ہوئے۔ پندرہ سولہ سال کی عمر ہوئی تو باپ کا انتقال ہو گیا۔ نواب معین الدین نے پرورش کی اور اولاد کی طرح پالا۔ پہلے نجیب آباد کے رؤسا کے یہاں ملازم رہے ۱۲۵۹ھ میں نواب محمد سعید خاں والی رامپور نے ولی عہد یوسف علی خاں کی سرکار کا خانساماں مقرر کر دیا۔ ولی عہد یوسف علی خاں کے مسند نشین ہونے کے بعد انہوں نے بہت ترقی کی جنگ آزادی کے زمانے میں علی بخش نے انگریزوں کی بڑی خدمات انجام دیں اور انعام واکرام سے سرفراز ہوتے ۱۲۸۲ھ میں علی بخش کا انتقال ہوا۔ ان کے پانچ لڑکے اکبر علی، اصغر علی، محمود علی، مبارک علی اور عبد العلی تھے آخر الذکر کے نامور فرزند مولانا محمد علی اور شوکت علی تھے۔ دادا نے (باقی اگلے صفحہ پر)

ریاست کے دوسرے خاص اہلکار حکیم سعادت علی خاں تھے جو فوج کے جرنیل اور ریاست کے مدار المہام تھے۔ انہوں نے ہر معرکے پر مجاہدین سے سخت مقابلہ کیا۔ انگریزوں اور ریاست رام پور کے غلبے اور تسلط کی پوری پوری کوشش کی ۲ اگست ۱۸۵۷ء کو مراد آباد میں واقعہ کدو خانی ظہور پزیر ہوا۔ ہوا یہ کہ رام پوری فوج کا ایک ملازم کدو خرید رہا تھا۔ مراد آباد کے رہنے والے ایک شخص عثمان خاں سے تکرار ہوگئی، جھگڑا بڑھا عثمان خاں زخمی ہوا اس کے نتیجے میں اس کے عزیزوں نے رام پور کے فوجی کو مار ڈالا، ریاست رام پور کے فوجی جرنیل حکیم سعادت علی خاں نے فساد کو رفع دفع کرنے کی پوری کوشش کی اور عثمان خاں کے علاج کا حکم دیا ہنوز زدہ کوتوالی نہ پہونچا تھا کہ راستے میں رام پوری فوج نے حملہ کر کے اسے قتل کر دیا، اب تو اہل مراد آباد (مجاہدین) اور رام پوری (فوج) کی کھلم کھلا چل گئی بہت سے رامپوری مارے گئے۔ اس ذلت پر رام پوری فوج نے مراد آبادیوں پر سخت تشدد شروع کیا، آخر میں دھونکل سنگھ کٹھگھر والے کے درمیان میں پڑنے سے یہ معاملہ رفع دفع ہوا۔

نواب رام پور کا مراد آباد میں دخل تھا۔ عبد العلی خاں انتظام سنبھالے ہوتے تھے، کہ شہزادہ فیروز شاہ، ۷ رمضان ۱۲۷۴ھ مطابق ۲۲ اپریل ۱۸۵۸ء کو براہ سنبھل مراد آباد میں داخل ہوا۔ عید گاہ کے قریب جنگل میں قیام کیا مجاہدین کی ہمتیں بلند ہوگئیں۔ تدبیریں سوچی جانے لگیں۔ اور منصوبے تیار ہونے لگے۔ ریاست رام پور کے حکام کی طرف سے علام ناصر خاں، موسیٰ رضا،

(بقیہ نوٹ پچھلے صفحے کا)، انگریزی حکومت کی جڑیں مضبوط کیں اور پوتوں نے اس غیر ملکی حکومت کو بیخ و بن سے اکھاڑ پھینکنے کی کوشش کی اور اس طرح پوتوں نے دادا کا کفارہ ادا کر دیا۔ ملاحظہ ہو تذکرہ کاملان رامپور۔ ص ۴۶۶ - ۴۹۴ - ۵۳۸

[1] اخبار الصنادید۔ جلد دوم۔ ص ۵۹

اور مولوی شاہ علی شہزادے کے پاس پہنچ گئے غلام ناصر خاں راستے ہی میں رہ گئے شہزادے نے ان لوگوں سے کہدیا کہ راستہ بھول کر آگیا ہوں، روزہ دار ہوں افطار کے بعد چلا جاؤں گا۔ اسی دوران میں شہزادے کی فوج سے مقابلہ ہوا۔ شہزادے کی فوج جنگ کے اصول و قواعد سے واقف اور ماہر تھی۔ نواب رامپور کی فوج نے شہزادے کی فوج سے شکست کھائی۔ سب سے پہلے غالب علی رسالدار بھاگا۔ فوج کے سربراہ موتنی رضا اور غلام ناصر بری طرح زخمی ہوئے راستے میں مولوی شاہ علی نے شیوخ قصابان کے چودھری سے مدد چاہی اس نے دین سے روگردانی اور فرنگی کی مدد کا طعنہ دیا، شاہ علی خفیف ہوتے شاہزادے کی فوج مرادآباد میں پھیل گئی۔ انگریز کے ہمدردوں سے باز پرس کی گئی۔ مجاہدین میں بڑی قوت پیدا ہوگئی۔ سولہ ہزار اشخاص نے تقسیم شرعی محضر نامے پر شرکت جہاد کے لئے دستخط کئے[1]۔

نواب رامپور نے ۲۴ اپریل ۱۸۵۸ء کو دوبارہ شہزادے کے مقابلے کے لئے فوج روانہ کی مگر جھیڑے کے پل تک پہونچتے پہونچتے فوج میں نصف آدمی رہ گئے حکیم نجم الغنی رامپوری نے دیکھنے والوں کی زبانی یہ روایت قلمبند کی ہے[2]۔ کہ "سپاہی بندوق کا کندہ درخت کے تنے میں زور سے مارتے وہ ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتا پھر بندوق پھینک کر رام پور کی طرف لوٹ جاتے" غرض طلوع صبح کاذب سے پہلے رام پور کی فوج نے رام گنگا کے اس طرف کنارہ کر لیا۔ شہزادہ فیروز شاہ نہایت باخبر تھا۔ اس کا انتظام خبر رسانی نہایت درست تھا۔ اس نے فوج کو درست کیا۔ اس کو مطلق خوف و ہراس نہ تھا۔ پانچ ہزار قواعد داں فوج اس کے ہمراہ اور تمام شہر مرادآباد مدد کو تیار تھا۔ اس نے تین مورچے قائم کئے ایک شاہ بلاقی کے مزار کے پاس دوسرا قلعے پر اور تیسرا ان دونوں

---

[1] اخبار الصنادید جلد دوم۔ ص۴۳۸ - [2] اخبار الصنادید جلد دوم ص

کے درمیان ۔ ریاست کی فوج نے بھی تینوں مورچوں پر مدافعت کی تیاری کی قلعہ کے مقابل کاظم علی خاں ، مزار کے پاس حکیم سعادت علی خاں اور درمیانی مورچے پر عبدالعلی خاں متعین تھے۔

۲۴ اپریل ۱۸۵۸ء کو کاظم علی خاں کے فوجی دستے نے حملہ کیا۔ فیروز شاہ کی فوج نے ترکی بہ ترکی جواب دیا۔ ہنگامۂ جدال وقتال گرم ہوا۔ حکیم سعادت علی خاں کے مورچے کے پاؤں اکھڑ گئے۔ حکیم سعادت علی خاں، حسین بخش اور یعقوب خاں نے شہزادے پر دوسری طرف سے حملہ کر دیا[1]۔ اول ابتری پیدا ہوئی پھر فوج جلد سنبھل گئی۔ شاہزادے کی فوج نے مصنوعی طور پر راہ فرار اختیار کی، رامپوری فوج نے اس کو علامتِ فتح سمجھ کر تعاقب کیا کچھ دور جانے کے بعد فیروز شاہ کی فوج نے پلٹ کر حملہ کر دیا۔ نوابی فوج کو شکست فاش ہوئی۔ بڑے افسر کام آئے۔ آخر میں شہزادے نے ایک پر اثر تقریر کی، جہاد کی ضرورت اور انگریزوں کے کرتوت پر روشنی ڈالی۔ مگر نوابی فوج پر کچھ اثر نہ ہوا۔ نواب کی فوج نے مجتمع ہو کر پھر حملہ کیا۔ قریب بارہ بجے فیروز شاہ نے میدان چھوڑ دیا کیونکہ اسے اطلاع ملی کہ جنرل جونس تازہ دم فوج لے کر آپہونچا ہے۔ حکیم سعادت علی خاں، حسین بخش رسالدار وغیرہ مراد آباد میں فاتحانہ داخل ہوئے جنرل جونس گورہ فوج کی بھاری جمعیت کے ساتھ نجیب آباد سے مراد آباد پہونچا اور ۲۵ اپریل کو مراد آباد پر پورے طور سے انگریزی عمل دخل ہو گیا۔

معرکہ ککرالہ شہزادہ فیروز شاہ مراد آباد سے آنولہ آیا۔ میر والے باغ میں ٹھہرا شہر کے لوگوں نے بڑی فراخ دلی سے اس کی دعوت کی۔ اس نے محلہ کٹرہ پختہ (دھڑکی والی مسجد کے پاس) جہاد کی اہمیت پر تقریر کی، اور وہ دوسرے روز بدایوں چلا گیا۔ اس نے ککرالہ میں انگریزی فوج سے مقابلہ کیا۔ وہاں ڈاکٹر وزیر

---

[1] ڈیٹیلی مونیلس آف حکیم سعادت علی خاں بہادر رئیس آنولہ (نینی تال ۱۹۱۱ء) ص۵

خاں اور مولوی فیض احمد بدایونی اپنی جماعت مجاہدین کے ہمراہ آ گئے ۔ شروع اپریل
۱۸۵۸ء میں محسن علی خاں جو نواب فرخ آباد کا خاص معاون تھا، شاہجہاں پور
سے ہوتا ہوا بدایوں آ گیا تھا ۔ مولوی فیض احمد بدایونی نے فتویٰ جہاد کی نشر و
اشاعت کی، نتیجہ خاطر خواہ نکلا، تین سو تازہ دم سپاہی بریلی سے آ گئے حکیم
سعید اللہ اور ان کے کچھ ساتھی آنولہ سے آکر شریک ہوئے، انگریزی فوج نے
۲۹ اپریل ۱۸۵۸ء کو جنرل پینی کی سرکردگی میں آدھی رات کو ککرالہ کی طرف کوچ کیا
اس کے ساتھ موضع چاندیرائی کا ایک ہندو جاسوس اور موضع رٹھول کا ایشری
پرشاد[1] تھا۔ نصف مسافت طے کر کے دم لیا، تاکہ پیدل فوج بھی آکر مل جائے
جب پیدل فوج آ گئی تو اس کو حکم دیا کہ ٹھہر ٹھہر کر چلے جلدی کی ضرورت نہیں اور
اپنا کوچ توپ خانے اور سواروں کے ساتھ جاری رکھے یہانتک کہ ککرالہ ایک
میل رہ گیا ۔ صبح صادق کا وقت تھا کہ مجاہدین کا ایک گروہ آتا نظر پڑا، جنہوں نے
چار توپیں گراب کی سرکیں انگریزوں نے جواب میں توپوں کے فیر کئے مجاہدین
نے موقع پاکر انگریزوں کو تلواروں پر رکھ لیا، اور کلہ بکلہ لڑنا شروع کیا انگریزی
فوج مجاہدین کی شمشیر زنی کی تاب نہ لاکر پسپا ہونا شروع ہو گئی اور درختوں
کی آڑ لے کر توپیں چلانے لگی ۔ اس سے مجاہدین کا اتلاف جان زیادہ ہوا۔ اس
دوران میں ایک خاص بات یہ ہوئی کہ مجاہدین کے کسی گولہ انداز نے ایک ایسا گولہ مارا کہ
جنرل پینی کا سر غائب ہو گیا اور بڑی تلاش سے اس کی لاش ملی[2] ۔ توپیں طرفین
سے چل رہی تھیں ۔ توپوں کی آواز سن کر سورج نکلنے پر کرنل جونس مع پیادہ فوج
موقع پر آ گیا ۔ اس فوج کے آ جانے سے ککرالہ کے مجاہدین انگریزی افواج کے بیچ
میں پھنس گئے ۔ شاہزادہ فیروز شاہ نے کچھ سامان اور آدمی لے کر ککرالہ سے پچھم
اور موضع گھوائی سے پورب کی طرف ایک جھاڑی دار ٹیلے کی آڑ لے کر مورچہ لگایا مگر

---

[1] بدایوں ۱۸۵۷ء میں ۔ ص ۹۶ ، [2] بدایوں ۱۸۵۷ء میں ۔ ص ۹۸ ،

وہ بھی ناکافی ہوا۔ مجاہدین بدایوں کی طرف چلے گئے توپ خانے نے دور تک تعاقب کیا۔ ککرالہ کے بعد فیروز شاہ، مولوی فیض احمد بدایونی اور ڈاکٹر وزیر خاں وغیرہ بریلی چلے گئے۔

۲۹ اپریل ۱۸۵۸ء کو جب ککرالہ میں معرکۂ کارزار گرم تھا تو میجر گارڈن نے فوج کے ایک دستے سے مجاہدین بسولی کو شکست دی۔ اب بدایوں دونوں طرف سے انگریزی فوج کی زد میں آگیا۔ نواب خان بہادر خاں کی بدایوں میں مقیم فوج دفتر کو نذرِ آتش کر کے بریلی کو روانہ ہوگئی۔ اور تقریباً تمام وہ لوگ جو انگریزوں کے خلاف تھے بدایوں چھوڑ کر چلے گئے۔ ضلع بدایوں پر انگریز کا قبضہ ہوگیا اور دوبارہ نظم ونسق قائم ہونے لگا۔ شیخ شرف الدین رئیس شیخوپور جنہوں نے ایڈورڈ کلکٹر کو پناہ دی تھی تحصیلدار بنائے گئے اور کارمیکل کلکٹر مقرر ہوا۔[1]

انگریزوں نے بدایوں پر قبضہ کرنے کے بعد سخت مظالم کئے۔ بریگیڈیر کگ نے ادسہرت کے تین گاؤں کو آگ لگوادی۔ وہاں سے آگے بڑھ کر ککرالہ میں آگ لگوائی جس سے بہت سے آدمی، عموماً عورتیں اور بچے جل گئے۔ ایشری پرشاد مخبر نے پانچ سو آدمی گرفتار کرائے۔ جن میں روزانہ سو آدمیوں کو موت کے گھاٹ اتارا جاتا تھا۔ صورت یہ ہوتی کہ ان کی پیٹھ پر چونے کے سفید نشان لگا کر دو گھنٹے تک ایک قطار میں کھڑا رکھا جاتا پھر ایک طرف سے کان پر گولی ماری جاتی اس طرح سے مارنے کے بعد جو باقی رہ جاتے ان کو پھر قطار میں کھڑا کر کے گولی مارتے یہاں تک کہ سب ختم ہو جاتے ککرالہ کو چار مرتبہ برباد کیا گیا۔[2]

شہر بدایوں میں بھی اندھا دھند گرفتاریاں ہوئیں بعض لوگ گولیوں کا نشانہ بنائے گئے، کچھ آدمیوں کو حبس دوام بعبور دریائے شور کی سزا دی گئی۔

---

[1] بدایوں ۱۸۵۷ء میں۔ ص ۸۹-۹۰ [2] ایضاً ص ۸۹-۱۰۰

انگریزوں کے خیرخواہ اور جاسوس انعام واکرام سے نوازے گئے۔ ان لوگوں میں ہتیم سنگھ و پنجاب سنگھ (موضع اوساواں) پرتاب برہمن (موضع میاؤ) اندر سنگھ (موضع سلیم پور) بختاور سنگھ (موضع بیلا ڈانڈی) ہمت سنگھ موضع گدھول، جگن ناتھ کورمی (نگلہ شرقی) ہیرا سنگھ (گرگانوں) اجیت سنگھ (نظام آباد) شیخ شرف الدین (شیخو پور) وزیر سنگھ تھانیدار (گنور) پھولال پٹیکار (گنور) شیخ ارشد علی (گنور) منشی نعیم الدین[۱]، شیخ ہزبر علی حمیدی[۲]، شیخ افتخار الدین حمیدی، اور شیخ امین الدین حمیدی[۳] ساکنان بدایوں خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

بدایوں کے مشہور قصبہ سہسوان کے دو حضرات میر محمد حسین خاں و میر فدا حسین خاں پسران میر محمد حسن کا مختصر سا ذکر بھی ضروری ہے اگرچہ ان لوگوں نے جنگ آزادی کے دوران اودھ میں بڑے کارنامے انجام دیئے۔ گورکھ پور پر قابض ہوکر انگریزوں سے لڑے سقوط اودھ کے بعد نیپال چلے گئے شیخ خیر الدین ڈپٹی کلکٹر وفادار سرکار انگریزی نے جب میر محمد حسین کو حاضری کے سلسلے میں خط لکھا تو انہوں نے مفصل جواب لکھا اقتباس ملاحظہ ہو[۴]۔

"خط آپ کا جواب میں ہمارے خط کے آیا وہ تمام و کمال مملو ہے نخوت و غرور سے اور تہدید و تخویف کے سوا کچھ مندرج نہیں ..... ہمارا ملجا و ماویٰ نہ جنگل ہے اور

---

[۱] تفصیل کے لئے دیکھئے "بدایوں ۱۸۵۷ء میں" ۔ ص ۹۱ ۔ ۱۰۴ [۲] تاریخ بنو حمید از منشی انشاء اللہ (بدایوں ۱۹۱۵ء) ص ۲۷ [۳] عمدۃ التحقیق فی ذکر آل سیدنا صدیق از حافظ حمید الدین دانشمندی ۔ (بدایوں ۱۳۳۲ھ) ص ۲۹

[۴] ملاحظہ ہو سین ۔ ص ۳۶۴ ۔ ۳۶۵

نہ فوج باغی پر کچھ بھروسہ ہے، صرف خدائے قادر اور
توانا پر نظر ہے وہ حافظ ہے ہر حال میں، اگر وہ حافظ
ہے تو کسی دشمن سے کچھ نہیں ہو سکتا ہے۔ اگر حفاظت
اس کی نہیں ہے تو کوئی قوت اور زور کام
نہیں آتا۔"

آخر میں معاملات طے ہو گئے تو دونوں بھائی سہسوان واپس آگئے
۱۶ ربیع الثانی ۱۲۸۰ھ ہجری میں حج کو گئے اور لاولد فوت ہوئے، میر فدا حسین
کے ایک صاحبزادے سید مظفر ہیں جو کراچی چلے آئے[1] تھے۔

بدایوں پر انگریزوں کا قبضہ ہونے کے بعد سہسوان میں بھی مظالم
ہوئے گرفتاریاں ہوئیں، آگ لگائی گئی، مکانات ڈھائے گئے۔ ایک بزرگ
سید نیاز احمد ولد آل احمد نے بھی جنگ آزادی ۱۸۵۷ء میں حصہ لیا تھا اُن
کو گولی کا نشانہ بنایا گیا۔ کسی نے تاریخ کہی ہے[2]

یافت شہادت چوں سبطِ پیمبر	نیاز احمد کہ بود از آلِ احمد
چو روح پاک او در جنت آسود	دخولِ خلد تاریخش برآمد

بریلی کا آخری مورچہ نواب خان بہادر خاں کو اس بات کا اچھی طرح
اندازہ تھا کہ نینی تال میں مقیم انگریز موقع ملتے ہی
ٹوٹ پڑیں گے، اور اگر ذرا بھی غفلت برتی گئی تو نقصان عظیم ہوگا۔ لہذا
نواب خان بہادر خاں نے پہلی فرصت میں ایک مختصر لشکر بنڈے میر خاں
کی سرکردگی میں روانہ کیا۔ اس لشکر نے بہیڑی تک کوچ کیا کہ ۱۱ اکتوبر ۱۸۵۷ء
کو علی خاں میواتی کے تحت تازہ دم کمک اور روانہ کی گئی۔ یہ کمک کاٹھ گودام

---

[1] بدایوں ۱۸۵۷ء میں۔ ص۶۶-۸۷ [2] تفصیل کے لئے دیکھئے حیوۃ العلماء از محمد
عبدالباقی سہسوانی (لکھنو ۱۹۳۲ء)، ص۵۲-۵۳

تک پہونچ گئی یہ جگہ خاص دامنِ کوہ میں واقع ہے حیدر خاں اور مولوی فضل حق رام پوری کے زیر کمان مزید فوج کاٹھ گودام بھیجی گئی۔ اب پہاڑوں پر چڑھنے کا سلسلہ تھا۔ مجاہدین نے رات کی اندھیری میں نینی تال کے پر پیچ اور خوفناک راستے طے کرنا شروع کئے۔ بدقسمتی کی یہ بات ہوئی کہ غدار جاسوسوں نے نواب کی فوج کی نقل و حرکت کی اطلاع انگریزوں کو نینی تال پہونچادی، انہوں نے بروقت اقدام کیا اور انگریزی فوج نے پہاڑی ڈھیوں کی مدد سے کمیں گاہ سے نکل کر اچانک حملہ کردیا۔ انگریزوں نے یہ حملہ اس انداز سے کیا کہ مجاہدین ایک طرح سے محصور ہو گئے، خان بہادر خاں کی فوج کو کثیر جانی نقصان ہوا اس کے باوجود مجاہدین آگے بڑھتے گئے اور لال ڈانگی کے مقام پر پہونچ گئے۔ مجاہدین کے سرگروہ فضل حق، کالے خاں اور محمود خاں بڑے استقلال سے مورچے پر ڈٹے رہے۔ خان بہادر خاں کی فوج کا اس قدر رعب تھا کہ فروری ۱۸۵۸ء تک انگریزوں نے اپنے بال بچوں کو الموڑہ بھیج دیا، کیونکہ نینی تال ان کو غیر محفوظ مقام معلوم ہوا۔ اگر غداری نہ ہوتی تو یقیناً نینی تال فتح ہوجاتا۔ نواب رام پور ہر طرح سے نینی تال میں مقیم انگریزوں کی مدد کر رہے تھے۔ شیخ علی بخش سامان و رسد پہونچاتے تھے۔ اور شیخ وجیہہ الزماں ریاست رام پور کی طرف سے نامہ و پیام کے فرائض انجام دیتے تھے۔ خاں بہادر خاں نے جاسوسوں کی تادیب ضروری سمجھی اور ان کی گرفتاری کو خاص طور سے مدنظر رکھا۔

نواب خان بہادر خاں اپنی پوری پوری کوشش کر رہے تھے اور بریلی میں انقلابیوں کا بڑا زور تھا۔ رام پور کے فوجی اور عوام علی الاعلان کہتے کہ ہم بریلی جاکر نواب خان بہادر خاں کی نوکری کریں گے۔ بریلی ایک فوجی کیمپ معلوم ہوتا تھا۔ بقول ظہیر دہلوی

"بریلی میں مفرورین کا اجتماع ہے، اور سب سردار مثل

نانا راؤ، فیروز شاہ وغیرہم جمع ہیں۔ رام پور کے تیس ہزار آدمی بریلی میں ملازم ہیں اور مردانِ رام پور کا یہ حال ہے کہ ایک ایک تھان دوپٹہ کا سر سے بندھا اور آدھا گھوڑے کی رکاب سے لٹکا ہوا ہے اور چار چار تمنچے کمر میں لگے ہوئے ہیں، دوہری تلواروں میں ڈاب لگی ہوئی ہے۔ گھوڑوں پر سوار ہیں اور شہر میں گھوڑے کُداتے پھرتے ہیں۔ پچاس ہزار کا اجتماع بریلی میں ہے[1]"۔

ولی داد خاں نواب مالاگڑھ، اسمٰعیل خاں نواب فتح گڑھ اور تفضل حسین خاں نواب فرخ آباد وغیرہ بھی آ گئے تھے۔ نواب خاں بہادر خاں نے اس بڑھاپے اور کبر سنی میں بڑی محنت کی مگر آپس کے نفاق، ریاست رامپور کی مخالفت روپے کی کمی اور جاسوسوں کی غداری نے ان کی تدابیر کو ناکام بنا دیا۔ بہت سے لوگ انگریز سے جا ملے۔

گیارہ کا ٹھاکر جے مل خان بہادر خاں کی حکومت کا کارگزار تھا مگر درپردہ انگریزوں سے ملا ہوا تھا۔ اس کے گھر میں کئی انگریز اور عیسائی پوشیدہ تھے بریلی شہر کے ایک نامور شیخ طریقت اور خانقاہ نیازیہ کے مسند نشین، شاہ نظام الدین[2] بریلوی انگریزوں کے مددگار تھے۔ ان کے مرید مولوی محمد فائق نظامی نیازی لکھتے ہیں[3]۔

"شاہزادہ جمہور[4] سے انگریزوں نے مدد مانگی شہزادے

---

[1] داستان غدر از ظہیر دہلوی۔ (لاہور ۱۹۵۵ء) صہ ۱۸۷-۱۸۸
[2] شاہ نظام الدین، شاہ نیاز احمد بریلوی کے بڑے بیٹے تھے۔ یکم رمضان ۱۳۲۲ھ کو فوت ہوئے۔ [3] کرامات نظامیہ از مولوی محمد فائق نظامی نیازی۔ (مطبوعہ ۱۳۳۴ھ/۱۹۱۶ء) صہ ۲۶۹-۲۷۰ [4] غالباً یہ شہزادے فغانستان کے تھے۔

نے کہا کہ اگر ہمارے پیر اجازت دیں تو ہم مدد دے سکتے ہیں. چنانچہ شہزادۂ موصوف نے ایک خط حضرت کو لکھا. "آپ کس جانب ہیں" اور وہ خط بذریعہ آدمی انگریزوں نے بریلی بھیجا - حضرت نے جواب دیا کہ ہم جس طرف خدا ہے اس طرف ہیں بظاہر تم کو انگریزوں کی مدد کرنا چاہیئے، پس شہزادۂ جمہور نے اپنے بھائی بند شہزادہ ولی احمد اور شہزادہ سلطان جان مع ایک ہزار آدمیوں کے انگریزوں کو دیا - اور دس ہزار روپیہ دیا. انگریزوں نے ان سب کو نوکر رکھ کر بطور پلٹن مرتب کر کے دہلی لائے. چنانچہ فتح دہلی تا فرخ آباد بنام اس پلٹن کے لکھی گئی. بعدازاں یہ پلٹن مستعفی ہو کر اپنے وطن کو واپس کی - وقت مراجعت ناظر شمس الدین صاحب یہیں رہے، شہزادہ سلطان جان کو انگریزوں نے مقام کوٹہ کا ڈپٹی کیا - چنانچہ اب تک وہ ڈپٹی رہے اب انتقال کیا ہے سنا گیا ہے - اور باقی شہزادہ جمہور اور شاہزادہ ولی احمد پہلے مر چکے تھے - جب یہ لوگ جانے لگے تو اپنے ہتھیار حضرت کو دے گئے. کہ آپ کو جس قدر ہتھیاروں کی اجازت ملے آپ رکھیں باقی سرکار میں داخل کر دیجئے - چنانچہ حضرت نے ایک سو ہتھیار مال خانے میں داخل کئے - صاحب مجسٹریٹ نے دریافت کیا کہ اس قدر ہتھیار آپ نے کیسے رکھے تو حضرت نے جواب دیا کہ آپ کی فوج کے ہیں وقت واپسی مجھ کو دے گئے ہیں کہ جس قدر آپ رکھیں، رکھیں، باقی سرکار میں داخل کر دیجئے، یہ وہ ہتھیار ہیں، میرے نہیں ہیں - صاحب مجسٹریٹ کو جب یہ

معلوم ہوا کہ یہ سب پلٹن ان کی مرید ہے اور ان کے ہی حکم سے لڑی ہے تو خاموش ہو رہے۔ اس مضمون کو آنریبل جان انگلس صاحب حاکم کونسل ہند خوب جانتے ہیں اور بریگیڈیر گک صاحب بھی جانتے تھے۔ جب یہاں (بریلی) بھاگڑ پڑی تو حضرت (شاہ نظام الدین)، شاہ آباد ضلع رامپور تشریف لے گئے۔ بعد امن و امان حکام نے حضرت کو بلوایا تو حضرت نے امن راہ کا عذر کیا تو بریلی سے واسطے حفاظت کے دو گارد جنگی بھیجے گئے تاکہ حضرت کو بحفاظت مکان پر پہونچائیں۔ حضرت کی دستی رسید جا کر صاحب کلکٹر بہادر کو دی گئی۔ پھر حکام نے معاوضہ خیر خواہی تجویز کیا۔ .... جب تک وہ حکام رہے حضرت کی بہت عزت کرتے رہے۔ چنانچہ جان انگلس صاحب جب تک ہندوستان میں رہے برابر حضرت کو خط بھیجتے رہے۔"

اپریل کا مہینہ بڑا سخت تھا۔ مراد آباد، بجنور، بدایوں پر انگریز قابض ہو چکے تھے سہارنپور میں بھی ان کا عمل دخل شروع تھا۔ صرف بریلی کا علاقہ رہ گیا تھا۔

جب سر جان کولن کی سرکردگی میں انگریزی فوج بریلی کی جانب بڑھی تو دوسرے مقامات سے بھاگے ہوئے انگریز بھی آ گئے سخت حملہ کیا گیا۔ ادھر عوام میں نہایت پریشانی اور اضطراب پھیلا ہوا تھا مگر خان بہادر خاں ہمت باندھے ہوئے تھے۔ شہر سے پانچ میل باہر نکٹیا ندی کے کنارے نواب خاں بہادر خاں نے اپنا مورچہ قائم کیا پہلی صف توپوں کی تھی۔ دو صفیں فوجوں کی اور خود امدادی سپاہ کے

ساتھ میں تھے۔ صبح صادق سے جنگ شروع ہوئی۔ میدان جنگ دریا کے دونوں جانب تھا۔ بنڈے میر خاں، ولی داد خاں، اور شہزادہ فیروز شاہ وغیرہ نے حق مردانگی ادا کیا۔ کشتوں کے پشتے لگ گئے مجاہدین شہادت کے نشے میں سرشار تھے۔ گور اپلٹن ۹۳ کا میجر لکھتا ہے۔

"خان بہادر کی فوج میں غازیوں کی ایک جماعت بھی تھی یہ سب مسلمان شہادت کے نشے میں چور تھے، ان کی ڈاڑھیاں سفید تھیں انگلی میں چاندی کی انگوٹھی پہنے ہوئے تھے، جس کے نگینے پر "اللہ" کندہ تھا۔ ہر غازی کی کمر میں سبز رنگ کا پٹکا بندھا ہوا تھا۔ وہ روئی کی صدری پہنے ہوئے تھے اور سر پر سفید پگڑیاں باندھے ہوئے تھے جس پر سرخی کے چھینٹے پڑے ہوئے تھے۔ ان کے ہاتھ میں تلوار تھی اور پشت پر ڈھال۔ دین کا نعرہ لگا کر ہمارے سامنے آتے، اور حملہ آور ہونے سے پہلے ان کا سردار جو ایک بیس سال کا بے ریش و بروت نوجوان تھا، جس کی آنکھوں سے خون ٹپک رہا تھا، صف سے آگے بڑھ کر ہم سے یوں مخاطب ہوا۔ کیا تم کافروں میں کوئی شخص حوصلہ مند ہے جو میرا مقابلہ کر سکے، گر ہے تو سامنے آئے۔ اس کی آواز پر ہماری صفوں میں سناٹا چھا گیا، کوئی نوجوان آگے نہیں بڑھا ایک منٹ کے بعد پھر چیلنج دیا اور کہا کہ میں تنہا پانچ آدمیوں سے مقابلہ کر سکتا ہوں۔ لیکن پھر بھی کوئی حرکت نہ ہوئی، آخر جھنجھلا کر اس نے تلوار میان سے باہر نکال لی اور ہماری صفوں پر حملہ ہوا، اس نے اس شدت سے حملہ کیا کہ چشم زدن

میں اٹھارہ سپاہیوں کو زخمی کر کے ڈال دیا اس کی بے نظیر شجاعت سے کمانڈنگ آفیسر اس قدر متاثر ہوا کہ اس نے حکم دیا کہ اس نوجوان کو زندہ گرفتار کر لیا جائے۔ لیکن اس نے کہا کہ تم شبیر کو زندہ گرفتار نہیں کر سکتے۔ چنانچہ زخمی ہونے کے باوجود جبکہ اس کے جسم کے ہر عضو سے خون کے فوارے نکل رہے تھے اس نے دوبارہ بہت شدت کے ساتھ حملہ کیا۔ جب کمانڈنگ افسر نے یہ دیکھا کہ اگر اس کو قتل نہ کیا تو شاید ساری کمپنی (سو آدمی) کا صفایا کر دے گا تب مجبوراً اس نے حکم دیا کہ سنگینوں سے اسکا خاتمہ کر دو یہ حکم سن کر سپاہیوں نے اس کو نرغے میں لے کر اپنی سنگینیں بیک وقت اس کے سینے میں پیوست کر دیں۔ لیکن جب تک اس کی روح جسم میں باقی رہی وہ برابر اپنی تلوار کے جوہر دکھاتا رہا۔ اس کا ہاتھ اس وقت ساکن ہوا جب اس کی روح پرواز کر گئی۔[1]

خود انگریزی فوج کا کمانڈر سر کولن بھی ایک غازی کے ہاتھوں واصل جہنم ہوتے ہوتے رہ گیا۔ مچل لکھتا ہے۔

"سر کولن غازیوں کے ہاتھوں سے مارے جانے سے یوں بچ گئے کہ وہ گھوڑے پر سوار ایک کمپنی سے دوسری کمپنی میں دیکھنے کو جاتے تھے ایک غازی کو انہوں نے دیکھا کہ

---

[1] ایمیتی سنسز آف دی گریٹ میوٹنی د مچل، صہ ۲۵۵-۲۵۸ شرح ضرب کلیم (یوسف سلیم چشتی) صہ ۴۵۴-۴۵۵

وہ بظاہر مردے کی شکل ان کے گھوڑے کی ٹانگوں کے
نیچے پڑا ہوا تھا۔ کہ دفعتاً وہ اپنے پاؤں پر کود کر تلوار سے
سر کولن کو مارنا چاہتا تھا کہ ایک سکھ نے اپنی تلوار سے
اس کی گردن اڑا دی[1]"

جب فیصلہ کن جنگ زوروں پر تھی تب گرمی اور لُو کی انتہائی شدت تھی، عام فوجی موت کی گرم بازاری، پیاس کی شدت، غداروں کی سرگرمیوں اور انگریزی فوج کی کثرت کی وجہ سے تلملا رہے تھے، کہ نواب خان بہادر خاں کی فوج کے ایک نئے بھرتی شدہ دستے نے انگریزی سے تاب مقاومت نہ لاکر راہ فرار اختیار کی اور اس طرح غیر متوقع طور پر بھگدڑ مچ گئی۔ ان کو روکنے کی سخت کوشش کی گئی مگر ناکام رہے۔ ان ناتجربہ کاروں نے بہادروں کو بھی ڈرپوک بنا کر بنا بنایا کھیل بگاڑ دیا۔ اور نواب کی فوجوں کو شکست ہو گئی۔

۶ مئی کی رات اہل بریلی کے لئے قیامت کی رات تھی سارا شہر جاگ رہا تھا۔ انتہائی افراتفری پھیلی ہوئی تھی۔ جان و مال اور عزت و آبرو کوئی چیز محفوظ نہ تھی۔ خان بہادر خاں نے سخت پریشانی کے عالم میں گوریلا جنگ جاری رکھنے کا پروگرام بنایا۔ اور پیلی بھیت ہوتے ہوئے ترائی کے جنگلات کی طرف نکل گئے۔ انگریزی فوج فتحیاب ہونے کے باوجود شہر میں داخل نہ ہوئی۔ کیونکہ انگریزی فوج کو کوچہ بکوچہ خون ریز جنگ کا خطرہ تھا۔ جب فوج شہر میں داخل ہوئی تو محلے کے محلے خالی پڑے تھے انگریزوں نے شہر پر قبضہ کر لیا۔ مجاہدین اور انقلابیوں کو پھانسی پر چڑھا دیا گیا۔ جائدادیں ضبط ہوئیں۔ مکانات و محلات

---

[1] ریمینی سینسز آف دی گریٹ میوٹنی ۱۸۵۷-۱۸۵۸ از ڈبلو ایف، فجل
الندن سنہ ۱۹۱۰ء، ص ۲۵۵

ڈھادے گئے۔

خان بہادر خاں پیلی بھیت چلے گئے۔ اس کے بعد نیپال کے علاقے میں پہونچے وہاں بھی انہوں نے اپنی جد و جہد جاری رکھی۔ حیلے سے جنگ بہادر نے ان کو دسمبر ۱۸۵۹ء میں گرفتار کرلیا۔ ان کے ہمراہ مموخاں اور دیگر ۱۶۹ مجاہدین اور انقلابی بھی گرفتار ہوئے[1]۔ نواب خان بہادر خاں اور مموخاں گونڈہ کے راستے لکھنؤ لائے گئے، دونوں کو لکھنؤ جیل میں رکھا گیا۔ مموخاں پر لکھنؤ میں مقدمہ چلا، اور خان بہادر خاں مقدمہ کی غرض سے بریلی بھیج دیئے گئے۔ اور وہ یکم جنوری ۱۸۶۰ء کو بریلی میں وارد ہوئے[2]۔ ان کے مقدمے کے لئے مندرجہ ذیل حضرات پر ایک کمیشن مقرر ہوا۔

(۱) ڈبلو رابرٹ، آفیشیٹنگ کمشنر۔

(۲) شکسپیر، جج مراد آباد۔

(۳) ولینٹرٹ، جج بریلی۔

یکم فروری ۱۸۶۰ء کو بریلی کے قلعہ میں اس کمیشن کے روبرو مقدمہ شروع ہوا۔ خان بہادر خاں نے اپنے مقدمہ کی پیروی کے لئے مولوی قائم علی[3] وکیل عدالت صدر امین کا نام تجویز کیا۔ مگر انہوں نے وکالت نہیں[4] کی۔ خان بہادر خاں نے خود ہی اپنے مقدمے میں جرح کی۔ گورنمنٹ کی طرف سے تیرہ گواہ (۱) کنھیالال مترجم، (۲) کپل منی پنڈت (۳) جے لال (کیارہ) (۴) چیت سنگھ (۵) شیخ عنایت علی (سابق ملازم خان بہادر خاں) (۶) مٹرھی لال (۷) چھیدو لال پنڈت (۸) حبوا (۹) سبوا (۱۰) گمانی (۱۱) چیند (۱۲) برج لال مختار اور (۱۳) پرمیشر داس، پیش ہوئے۔ خان بہادر خاں نے خود گواہوں

---

[1] اسٹرگل جلد پنجم۔ ص۵۹۵ [2] اسٹرگل فریڈم جلد پنجم ص۵۹۵ [3] مولوی قائم علی بدایوں کے مشہور حمیدی خاندان کے فرد تھے۔ بریلی میں وکالت کرتے تھے [4] اسٹرگل ص۵۹۵

سے جرح کی[1]۔

۲ فروری ۱۸۶۰ء کو پھر اجلاس ہوا۔ خان بہادر خاں نے اپنی طرف سے (۱) حیدر علی ولد ولایت علی (محلہ بھوڑوں)، (۲) کرامت علی (محلہ بھوڑوں) (۳) عظیم اللہ خاں ولد نظام الدین خاں (۴) شکور علی ولد امام علی، چار گواہوں کے نام پیش کئے مگر کسی نے گواہی نہیں دی[2]۔

مقدمے کی روداد، گواہوں کے بیانات اور فیصلے کے دیکھنے سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ سارے گواہ سکھائے پڑھائے تھے۔ خان بہادر خاں کو پھانسی دینا طے شدہ امر تھا، صرف ضابطے کی خانہ پری کے لئے یہ کارروائی عمل میں آئی۔ بالآخر پھانسی کا حکم سنا دیا گیا اور ۲۴ مارچ ۱۸۶۰ء کو صبح سات بج کر ۱ منٹ پر نواب خان بہادر خاں کو بریلی جیل (پرانی) میں پھانسی دیدی گئی اور پرانی جیل ہی میں دفن کر دئے گئے[3]۔

پھانسی سے پہلے خان بہادر خاں نے تقریر کی جس میں انہوں نے کہا۔

"یہ بالکل صحیح ہے کہ میں نے یوروپینوں کو مروایا میں اسی مقصد کے لئے پیدا ہوا تھا۔ اور مجھے اس کام کے کرنے پر فخر ہے۔"

نواب خان بہادر خاں سے جب ان کی آخری خواہش دریافت کی گئی تو انہوں نے دو آدمیوں سے ملاقات کی خواہش ظاہر کی مگر جب ان دونوں کو ملاقات کے لئے بلایا گیا تو ان دونوں نے ملنے سے انکار کر دیا۔

---

[1] گواہوں کے بیانات اور خان بہادر خاں کی جرح کے لئے دیکھئے اسٹرگل فریڈم حصہ پنجم صفحہ ۵۱۰-۵۹۰۔ نیز ملاحظہ ہو قومی زبان کراچی اگست ۱۹۷۱ء والعلم کراچی اکتوبر ۱۹۷۱ء

[2] اسٹرگل فریڈم جلد پنجم۔ صفحہ ۶۱۰۔ [3] ملاحظہ ہو حیات حافظ رحمت خاں صفحہ ۲۳

نواب خان بہادر خاں شاعر اور مصنف بھی تھے۔ مصروف تخلص تھا۔ ان کی ایک کتاب مقاصد الصالحین کے نام سے ہے جو کانپور اور لاہور کے اکثر مطابع میں ان کے نام کی صراحت کے بغیر طبع ہوتی رہی ہے۔

گورنمنٹ کے وفاداروں میں (۱) ٹھاکر لاکھن سنگھ (بدھیلی) (۲) ٹھاکر رگھوناتھ سنگھ (بدھیلی) (۳) ٹھاکر ظالم سنگھ (راجپورہ) (۴) بیج ناتھ مصرا (۵) لچھمی نرائن خزانچی (۶) چودھری نوبت رام (۷) گنگا پرشاد تحصیلدار (۸) ٹھاکر بختاور سنگھ تحصیلدار (۹) شیخ بدرالدین کوتوال (۱۰) شیخ تاج الدین (۱۱) شیخ امام الدین قابل ذکر ہیں۔[1]

مولوی احمد اللہ شاہ کی شہادت

جس وقت روہیل کھنڈ کے اکثر مقامات پر انگریزوں کا قبضہ ہوا اس وقت مولوی احمد اللہ شاہ، شاہجہاں پور میں مقیم رہے۔ انہوں نے بڑے بڑے سرداروں کو مختلف مقامات پر پھیلا دیا۔ ۲۸ ر اپریل ۱۸۵۸ء کو بچپوریہ کے مقام پر انگریزوں سے مقابلہ ہوا۔ کمانڈر فوج نواب نظام علی خاں ساکن شہباز نگر تھے۔ نظام علی خاں نے انگریزی فوج کے چھکے چھڑا دئے آخر میں جام شہادت نوش کیا۔ انگریز کامیاب ہوئے۔[2] شہر کی حفاظتی فوج مولوی احمد اللہ شاہ کے سپرد تھی جب انگریز شاہجہاں پور کی طرف بڑھے تو شاہ صاحب نے شہر خالی کر دیا۔ انگریزی فوج پرانی جیل میں دو حصوں بندی کر کے

---

[1] شیخ تاج الدین اور امام الدین کمبوہان بریلی سے تھے آخر الذکر نے امروہہ میں سکونت اختیار کر لی تھی۔ ملاحظہ ہو۔ المشاہیر۔ ص ۱۰۱ و ۲۰۲ [2] انگریز کامیاب کیوں نہ ہوتے ان کے خیر خواہ اور جاسوس ان کی خدمات انجام دے رہے تھے حکیم امجد علی امروہوی تحصیلدار شاہجہاں پور بھی ان ہی لوگوں میں تھے۔ (ملاحظہ ہو سرٹیفکٹس وغیرہ آف حکیم محمد امجد علی خاں۔ (لکھنؤ ۱۸۹۲ء)، ص ۱۹، ۲۱ نیز دیکھئے المشاہیر از فیض احمد (میرٹھ ۱۸۹۶ء) ص ۲۴۳

مورچہ زن ہو گئے شاہ صاحب نے تین روز کے بعد واپس آکر پھر حملہ کر دیا۔ یہ حملہ ۳ مئی ۱۸۵۸ء سے ۹ مئی ۱۸۵۸ء تک جاری رہا۔ محصورین کی حالت نہایت نازک ہو رہی تھی۔ اس زمانے میں روہیل کھنڈ کا صدر مقام بریلی ختم ہو چکا تھا اور انگریز اس پر قابض ہو گئے تھے۔ جنرل جونس ایک فوج لے کر آ موجود ہوا۔ انگریزی فوج شاہ صاحب کے مضبوط مورچے پر حملہ نہ کر سکی اور بے ترتیب لڑائیاں ہوتی رہیں کہ اس عرصے میں شاہ صاحب کی مدد کو فیروز شاہ اور حضرت محل کی فوجیں آگئیں۔ ۱۵ مئی ۱۸۵۸ء تک شاہ صاحب نے سخت حملے کئے مگر جنرل جونس ثابت قدم رہا، ۱۸ مئی ۱۸۵۸ء کو سر کالن کیمبل بریلی سے فوج لے کر پہونچ گیا۔ شاہ صاحب موقع کی نزاکت دیکھ کر ہمراہیوں کے ساتھ قصبہ محمدی چلے گئے اور قصبہ محمدی اور صدری سڑک پر شاہ صاحب کا قبضہ ہو گیا۔ انہوں نے چاروں طرف سے دھس بندی کی۔ ایک مہینہ نہ گزرا تھا کہ سر کالن کیمبل نے قصبہ محمدی پر حملہ کر دیا۔ سخت مقابلہ ہوا مگر انگریزی فوج کی طاقت اور فیروز شاہ کے اختلاف کی وجہ سے شاہ صاحب کو ناکامی ہوئی محمدی کو چھوڑنا پڑا۔ کچھ لوگ نیپال کی طرف نکل گئے۔ ۵ رجون ۱۸۵۸ء کو شاہ صاحب پھر نمودار ہوئے۔ جگن ناتھ سنگھ راجہ پوایاں کے بھائی بلدیو سنگھ کے کہنے میں شاہ صاحب آ گئے دو آدمیوں کے ہمراہ ہاتھی پر سوار ہو کر راجہ کی گڑھی پر بات چیت کے لئے گئے راجہ نے پھاٹک بند کر لیا، ہاتھی نے دو تین ٹکریں ماریں راجہ کے ملازمین نے اوپر سے باڑھ ماردی ایک گولی شاہ صاحب کے لگی اور فوراً جاں بحق ہو گئے۔ شاہ صاحب کے دونوں ساتھی بھی شہید ہوئے

یہ واقعہ ۱۵ رجون ۱۸۵۸ء مطابق ۲ر ذی قعدہ ۱۲۷۴ھ ہجری بروز شنبہ بوقت دوپہر وقوع پذیر ہوا۔ مولانا فتح محمد تائب لکھتے ہیں۔[1]

---

[1] تواریخ احمدی از فتح محمد تائب (مطبع نور احمدی لکھنؤ ۱۲۸۰ھ) ص ۹۱

فقط ساتھ اس شیر کے دور ہے | وہ صادق تھے، اللہ کے نور ہے
زہے ان کی قسمت زہے انکے بخت | فدا اس غریبی پہ سو تاج و تخت
پڑے تھے شہ ملکِ عرفاں کے گرد | مصاحب ہوں جس طور سلطاں کے گرد
عیاں ان میں یوں لاشۂ شاہ تھا | دو پیکر کے آغوش میں ماہ تھا

راجہ جگناتھ سنگھ پچاس ہزار روپے کے انعام کا مستحق ٹھہرا کیوں کہ مولوی احمد اللہ شاہ کے سر کے لئے پچاس ہزار روپے کا انعام مقرر تھا۔ سر، کلکٹر شاہجہاں پور کے پاس لایا گیا۔ پوایاں کے تحصیلدار مولا بخش نے مندرجہ ذیل عرضی کے ساتھ کلکٹر شاہجہاں پور کے پاس شاہ صاحب کا سر بھیجا[۲]۔

"غریب پرور سلامت۔ بجواب حکم حضور پرنور، مورخہ ۱۵ جون ۱۸۵۸ء سر مولوی و کرچ و کلاہ مولوی، معرفت راجہ جگن تھ سنگھ ارسال حضور کیا۔ ملاحظہ میں حضور والا کے گزرے گا۔ اور اصل پروانہ مشعر خوشنودی مزاج بندگان حضور بطور سند کے کمترین نے اپنے پاس رکھا۔ اطلاعاً عرض کیا۔ مورخہ ۱۶ جون ۱۸۵۸ء عرضی

محمد مولا بخش تحصیلدار پوایاں

احمد بیگ اور تلارام نے مولوی احمد اللہ شاہ کی نعش کی شناخت کی۔

مرزا احمد بیگ ولد قادر بخش ساکن گوپامؤ (عمر اٹھائیس سال پیشہ نوکری) ظاہر کرتا ہے[۳] کہ۔

---

[۱] مآثر دلاوری - از ابرار حسین گوپاموی (گوپامئو ۱۹۶۱ء)، ص ۲۱۵

[۲] " " " " " " ص ۲۲۷

" میں نوکر راجہ پوایاں کا ہوں، میں خوب واقف ہوں
کہ یہ لاش جو پوایاں سے ہم لاتے ہیں احمد اللہ شاہ
باغی کی ہے، اس میں کسی طرح کا شک نہیں زندہ بھی
ایک مرتبہ میں نے بڑے گاؤں میں دیکھا تھا اور وقت
شناخت کے حلیہ بھی لاش کا بموجب سابق، مطابق پایا
کہ سانولا رنگ بڑی بڑی آنکھیں اور بال تمام سر پر
تا دوش، اور داہنے ہاتھ کی ایک انگلی کٹی ہے اور میں
اچھی طرح پہچانتا ہوں کہ یہ لاش احمد اللہ شاہ کی ہے
کچھ فرق نہیں ہے۔ العبـــــــد

احمد بیگ

اسی قسم کا بیان تلارام ولد خورم سنگھ قوم ٹھاکر، عمر ۲۵ سال کا ہے۔
سر کو نمائش عام اور لوگوں کو مرعوب کرنے کی غرض سے کوتوالی
پر ٹنکایا گیا شاعر نے سچ کہا ہے۔

سر کشتہ بر نیزہ می زد نفس — کہ معراج مرداں ہمیں ست و بس

اس تشہیر عام کے بعد لاش کے ساتھ سر کو بھی جلا کر خاک کر دیا گیا اور اس جگہ پر
گدھوں کا ہل چلوا دیا اور تمام تھانوں میں اس کا سرکاری طور سے
اعلان کرایا گیا۔

چنانچہ مجسٹریٹ شاہجہانپور کی طرف سے ۱۰ جون ۱۸۵۸ء کو ایک حکم مشتہر ہوا[1]

"جو کہ احمد اللہ شاہ "غنیم باغیان" بمقام پوایاں بمقابلہ
جمعیت راجہ جگناتھ رئیس پوایان کے مارا گیا ۔ ۔ ۔ ۔ اور
سر اس کا بمقام کوتوالی ٹنکایا گیا لہذا
حکم ہوا کہ

---

[1] تاثر دلاوری - صفحہ ۲۲۵ - ۲۲۶

اور جملہ تھانیداروں کو اطلاع دے کر لکھا جائے کہ وہ اپنے
علاقے میں اس بات کو مشہور کر دیں اور نیز افسران چوکیات
تھانے جات کو بھی اطلاع دے دیں۔ مورخہ ۱۸ رجون
دستخط بخطِ انگریزی

سپرنٹنڈنٹ ضلع کی طرف سے بنتھرا کے تھانیدار کو لکھا گیا [1]

"بحکم صاحب سپرنٹنڈنٹ بہادر
شجاعت نشان تھانیدار بنتھرا۔ خوش رہو۔
...... احمد اللہ شاہ سرغنہ .... مارا گیا۔
نعش اس کی پھونک دی گئی۔ اور بل گدھوں کا۔ جائے سوختنی
نامبردہ کے چلوایا گیا۔ اور سر اس کا بمقام کوتوالی ٹانگا
گیا۔ لہذا تم کو لکھا جاتا ہے کہ تم اس بات کو مشہور
کردو۔ ۱۸ رجون ۱۸۵۸ء۔ بقلم للتا پرشاد محرر۔

یہ خبر تلہر، پوایاں، کٹوریا، پورن پور اور کٹرہ بھی بھیجی گئی۔ اس مردِ مجاہد
کی نعش کے جلانے کے سلسلے میں ۱۱/ خرچ ہوئے اس رقم کو سرکاری خزانے سے وصول
کیا گیا۔ ناظر عدالت فوجداری کی درخواست ملاحظہ ہو [2]۔

"غریب پرور سلامت
مرادی ۱۱/ کی لکڑی سوختنی نعش احمد اللہ خاں و بختگی (؟)
وغیرہ میں جو خرچ ہوئے ہیں امیدوار ہوں کہ مرادی مذکورہ
بالا سرکار سے عطا ہو ویں۔ واجب تھا عرض کیا۔ فقط

عرضے
فدوی ہیرالال ناظر فوجداری مورخہ ۲۰ جون ۱۸۵۸ء

---

[1] ماثر دلاوری۔ صہ ۲۲۴ - ۲۲۶ [2] ماثر دلاوری۔ صہ ۲۲۱

حکم ہوا کہ
۱۱۰ر حسب ضابطہ با جرائے پروانہ رسمی خزانچی دیا جائے
۲۰ر جون ۱۸۵۸ء دستخط بخط انگریزی

فتح محمد تابش نے لکھا ہے۔

پس مرگ پھر بے نشاں کر دیا	جواب دہان بتاں کر دیا
تنِ پاک عنقا سے ہمسر ہوا	پھر اس سے کہیں نام بڑھ کر ہوا

کوئی رادی قبر و مدفن نہیں	کسی پہ یہ احوال روشن نہیں

مولوی احمد اللہ شاہ کی شہادت کے بعد ان کا لشکر منتشر ہو گیا کچھ نے نیپال کی راہ لی اور وہاں تباہ و برباد ہوئے۔

شاہ احمد اللہ صاحب کی شہادت پر روہیل کھنڈ کی جنگ آزادی ہی نہیں بلکہ درحقیقت ہندوستان کی جنگ آزادی ۱۸۵۷ء ختم ہو گئی یہ وہ بہادر جانباز مجاہد تھا جس نے جنگ آزادی کی تحریک کا آغاز کیا، اس کی تبلیغ کی اور اس کو پروان چڑھایا۔ اور آخر میں اپنی جان دے کر اپنے عزائم و مقاصد کی بلندی پر مہر تصدیق ثبت کر دی۔ جب روہیل کھنڈ کے تمام علاقے پر انگریزوں کا قبضہ ہو گیا تو انہوں نے ظلم و ستم کی انتہا کر دی۔ قتل، پھانسی، حبس دوام بعبور دریائے شور عام بات تھی بید دں کی سزا، قید حوالات تو گویا سزا میں داخل نہ تھا۔ جائدادیں ضبط ہو گئیں مجاہدین کے گاؤں اور زمینداریاں خیر خواہوں کو ملیں۔ مسلمانوں پہ ایک عام تباہی آئی پھانسی کے لئے مسلمان کا جوان، صحت مند اور خوبصورت ہونا کافی تھا۔ اگر ایسا مسلمان ملتا تھا تو فوراً اس کو پھانسی کی سزا دی جاتی تھی۔ کہ اس نے انقلاب میں ضرور حصہ لیا ہو گا۔

لے تواریخ احمدی۔ ص۹۰

باب ششم

سقوط دہلی (۱)

دہلی میں جنگ آزادی کے آغاز کی کہانی
مولوی رضی الدین بدایونی کی زبانی

مولوی رضی الدین بدایونی ۱۲ ذی الحجہ ۱۲۶۳ھ کو پیدا ہوئے علوم مروجہ کی تحصیل دہلی اور بدایوں میں کی شاہجہاں پور میں وکالت کی۔ بدایوں کے نامور رئیس تھے۔ آنریری مجسٹریٹ رہے خان بہادر کا خطاب ملا۔ کنز التاریخ (تاریخ بدایوں)، تذکرۃ الواصلین (تذکرہ اولیائے بدایوں) اور انساب شیوخ فرشوری بدایوں کے مصنف ہیں۔ ۱۹۲۵ء میں ان کا انتقال ہوا۔

کنز التاریخ کے ایک طویل حاشیے میں انہوں نے جنگ آزادی ۱۸۵۷ء کے چشم دید حالات تحریر کئے تھے یہ کتاب ۱۹۰۷ء میں نظامی پریس بدایوں سے شائع ہوئی تھی۔ آج کل نایاب ہے۔ ہم اس طویل حاشئے کو یہاں عنوان بالا کے تحت پیش کر رہے ہیں۔ بعض ضروری حواشی ہم نے اضافہ کردئے ہیں۔ جنگ آزادی کی یہ ایک دل چسپ داستان ہے۔

"اس وقت یعنی ۱۸۸۶ء میں مؤلف کتاب ہذا کی عمر دس سال کی تھی۔ میرے جدِ امجد مولوی اساس الدین[1] مرحوم خلف حافظ ابو المؤید[2] خاں مغفور بقید حیات تھے۔ اور ان کے مکانات زنانہ و مردانہ و دیوان خانہ و دوکانات واقع دہلی، کٹرہ آدینہ بیگ خاں[3] اور املاک معافی واقع مواضعات سبھی پور و تاتار پور جوار دہلی میں واقع تھیں اور میرے عم بزرگوار مولوی محمد عزیز الدین[4] صاحب مرحوم اس زمانے میں وکالت ججی دہلی میں کرتے تھے۔ جناب دادا صاحب مرحوم و مغفور مع قبائل کے وہاں مقیم تھے۔ صرف والد ماجد صاحب راقم الحروف کے، وطن میں اور رامپور میں رہتے تھے۔ کیونکہ وہ بوجہ سلسلۂ پیشہ طبابت بمعیت جناب حکیم محمد سعادت علی خاں بہادر مرحوم سابق وزیر ریاست رامپور کے ان اضلاع روہیل کھنڈ میں مقیم تھے باقی سب اہل وعیال خاندان دہلی میں تھے۔

راقم مع اپنے برادران خورد مولوی ابو المظفر[5] و محمد رشید الدین[6] سلمہما اور ہمشیرہ

---

[1] اساس الدین ۱۲۰۵ھ میں پیدا ہوئے ۲۵ رذی قعدہ ۱۲۹۹ ہجری کو انتقال ہوا۔ (ملاحظہ ہو انساب شیوخ فرشوری بدایوں) ص ۸۸-۹۰۔ [2] حافظ ابو المؤید خاں ۱۱۶۹ھ میں پیدا ہوئے ۱۱ ربیع الثانی ۱۲۵۵ھ کو انتقال ہوا۔ (انساب شیوخ فرشوری بدایوں) ص ۸۵-۸۸ [3] آدینہ بیگ خاں آرائیں قبیلے کا فرد تھا۔ اس کے باپ کا نام چنو تھا۔ اس نے مغل گھرانے میں پرورش پائی تھی وہ بڑی فراست کا مالک تھا۔ اس نے مغل حکومت کے بگڑے ہوئے سیاسی حالات سے فائدہ اٹھایا اور پنجاب کی گورنری حاصل کرلی، ۱۰ محرم ۱۱۷۲ھ کو آدینہ بیگ خاں فوت ہوا۔ عہد بنگش ص ۱۶۵۔۱۶۶

[4] مولوی عزیز الدین بن اساس الدین، ۱۷ صفر ۱۲۴۲ھ کو پیدا ہوئے علوم مروجہ کی تحصیل کی علم طب بھی حاصل کیا۔ مرزا غالبؔ کے شاگرد تھے۔ خوشنویسی میر پنجہ کش سے سیکھی۔ دہلی میں وکالت کرتے تھے جنگ آزادی کے بعد ۱۸۵۹ء سے شاہجہاں پور میں وکالت شروع کردی آخر میں منصف مقرر ہوگئے ۲۶ جمادی الآخر ۱۳۱۱ھ ہجری کو انتقال ہوا۔ (انساب شیوخ فرشوری بدایوں) ص ۱۰۳-۱۰۵ [5] [6] ملاحظہ ہو، انساب شیوخ فرشوری۔ ص ۹۹-۱۰۰

اور والدہ اور جدۂ ماجدہ مرحومہ اور چچی کے اپنے جدِ امجد و چچا کے پاس دہلی
میں تھا اور وہاں ابتدائی تعلیم پاتا تھا۔

تاریخ ۱۶ رمضان المبارک ۱۲۷۳ھ مطابق ۱۱ مئی ۱۸۵۷ء یوم
دوشنبہ کو میرے عم مکرم صبح کو سوار ہو کر کچہری تشریف لے گئے چونکہ مہینہ
جیٹھ کا تھا کچہری عدالت دیوانی صبح سے ہوتی تھی میں ایک مکان کے بالاخانہ
پر تھا جو قاسم جان[1] کی گلی کے کنارے پر شرق جانب لب سڑک مقابل کوچہ
آدینہ بیگ خاں کے چھوٹے مرزا صاحب کا مشہور تھا۔ اور اس وجہ سے
کہ دیوان خانہ جناب دادا صاحب میں ایک بیگم صاحبہ جو چھوٹی بیگم کر کے
مشہور تھیں اور وہ کسی معزز یورپین کی بیوی تھیں ان کے لڑکے عیسائی کسی
عہدۂ جلیلہ پر مامور تھے، اور ان کو دو سو روپیہ ماہوار کی پنشن یا کسی بینک
سے جیب خرچ ملتا تھا اور وہ نہایت بوڑھی بیگم تھیں۔ بہت روزوں سے
رہتی تھیں جب کہ دادا صاحب اپنے وطن قدیمی بدایوں میں تشریف لائے
تھے ان کو کرایہ پر دے دیا تھا۔ اس لئے چچا صاحب نے وہ بالاخانہ تشت
کو لے لیا تھا، اور میرے استاد محمد حسین صاحب جو نگینہ ضلع بجنور کے رہنے
والے تھے وہاں طالب علمی کے طریقے پر گئے تھے۔ مقیم تھے۔ اور مجھ کو پڑھایا

---

[1] چھٹی صدی عیسوی میں خاندان علوی کے ایک بزرگ باب ارسلان
(ترکستان) میں نقش بندی سلسلے کے مشہور شیخ تھے۔ ان کی اولاد میں
خواجہ عبدالرحمٰن بڑے صاحب حیثیت شخص ہوتے ہیں۔ جن کے تین
بیٹے قاسم جان، عالم جان، عارف جان تھے۔ اوّل الذکر کے
نام پر دہلی میں گلی قاسم جان ہے۔ قاسم جان کے بیٹے شرف الدولہ
فیض اللہ بیگ خاں تھے۔ (خطوط غالب حصہ اوّل مرتبہ غلام رسول مہر
لاہور ۱۹۵۱ء) ص۲

کرتے تھے۔

اتفاقاً اس تاریخ پر میں مع اپنے چھوٹے بھائیوں کے ان سے سبق پڑھتا تھا اور نواب ولی داد خانصاحب جاگیردار مالاگڑھ ضلع بلند شہر جو رئیس دہلی تھے وہ جدامجد کے پاس تشریف لائے تھے اور چھوٹے مرزا صاحب بھی موجود تھے۔ بازار کی طرف کھڑکی میں نواب ولی داد خاں جھانکتے تھے۔ قریب نو یا دس بجے کے مجھ کو میرے استاد نے چھٹی دی میں اپنے بھائیوں کے ہاتھ پکڑے ہوتے کہ وہ چھوٹے تھے قاسم جان کی گلی کے پھاٹک سے ثناء اللہ جی عرف سنو جی کی مسجد کے قریب تھا اور رودگروں کی گلی میں جانا چاہتا تھا کہ اپنے زنانہ مکان کو جاؤں جہاں میری والدہ و دادی وغیرہ تھیں کہ کیا دیکھتا ہوں کہ جانب مشرق قاضی کے حوض کی جانب سے دو یا تین سوار گھوڑے سرپٹ بھگاتے ہوئے جانب غرب لال کنوئیں کی طرف کو جاتے ہیں اور وہ خیال نہیں کرتے کہ بازار میں کوئی دب جائے گا۔ مجھ کو خوب یاد ہے کہ نواب ولی داد خاں نے اس وقت کھڑکی بالاخانے سے سر باہر نکال کر کے باآواز بلند مجھ سے کہا کہ "لڑکے بچ" میں ہٹ کر اپنے بھائیوں کے ہاتھ پکڑے ہوئے ایک دیوار سے لگ گیا اور وہ سوار میرے قریب سے نکل گئے۔ اور دفعتاً دکانیں بازار کی بند ہونا شروع ہو گئیں۔ اور لوگ یہ کہتے تھے کہ روم و روس کی فوج قاضی حوض تک آ گئی میں بھاگ کر اندر زنان خانے کے پہونچا اور اپنی جدہ ماجدہ سے بھی کہا کہ بازار بند ہو گیا اور روم و روس کی فوج آ گئی وہ مجھ پر بہت خفا ہوئیں اور فرمانے لگیں کہ ہمارے خاندان میں کوئی بھی جھوٹ نہیں بولا کرتا ہے تو کیا ابھی اس عمر میں جھوٹ بولنا سیکھتا ہے۔ میں نے قسم سے کہا کہ سوار جاتے ہوتے میں نے بھی دیکھے انہوں نے باور نہ کر کے میرے ایک ہلکا سا طپانچہ مارا کہ اب جھوٹی قسم بھی کھاتا ہے۔

الغرض اسی عرصے میں میرے جدّ بزرگوار بھی تشویش کی حالت میں تشریف لائے اور انہوں نے فرمایا کہ عزیز یعنی میرے چچا کو بتایا کہ وہ باہر شہر کے کچہری

میں ہیں اور شہر میں غدر ہو گیا ۔ سنا ہے کہ میرٹھ کی فوج کے کچھ سپاہی باغی ہو کر یہاں آ گئے ہیں اور قتل و غارت گری ہوتی ہے ۔ راستے آمد و رفت شہر کے آنے جانے کے بند ہیں ۔

اسی عرصے میں بحکم صاحب مجسٹریٹ بہادر ضلع ڈھنڈھورا پٹا یعنی منادی ہوئی کہ سب لوگ دکانیں کھولیں ، چند باغی میرٹھ سے آئے ہیں ان کا انتظام ہو جائے گا ۔ اس کے دس یا پندرہ منٹ بعد میرے چچا پالکی میں تشریف لائے تو انہوں نے بیان فرمایا کہ کچہری میں جب خبر بلوائیوں کی ہوئی تو مفتی صدر الدین صاحب آزردہ[1] تخلص جو اس وقت بعہدۂ صدر الصدوری ممتاز تھے فوراً اپنا اجلاس برخاست کر کے چلے گئے ۔ وکلاء نے مسٹر لباس صاحب بہادر جج سے اس خبر کو کہا ۔ وہ انفصال مقدمات میں مصروف تھے انہوں نے بھی اجلاس برخاست کیا اور سب وکلا و عمال روانہ ہوئے ۔

وہ بیان کرتے تھے کہ جب شہر پناہ کے کشمیری دروازے پر آئے تو وہاں کواڑ بند تھے اور تلنگے فوج سرکاری کے پہرے پر تھے وہ کواڑ نہیں کھولتے تھے ۔ کہتے تھے کہ باغی گھس آئیں گے ، ان سے بہت منت سماجت کی کہ ہم کچہری کے ملازم و وکلا ہیں ، ہم کو جانے دو ۔ لیکن وہ کب سنتے تھے ۔ اتفاقاً مسٹر لباس صاحب جج بہادر اپنی بگھی بھگاتے ہوئے پریشان حالت میں ادھر سے گزرے اور انہوں نے کواڑ کھلوا کر اندر شہر کے کرا دیا ۔ پھر صاحب بہادر اپنی اور ایک میم کی جان بچا کر علی پور[2] کی راہ چلے گئے ۔ بعنایت الٰہی صحیح و سلامت بچ گئے ۔ اگر وہ شہر میں آتے تو ضرور مارے جاتے ۔ یہاں تک کہ میرے چچا صاحب نے قصہ اپنے شہر میں آنے کا کہا ۔

---

[1] مفتی صدر الدین آزردہ دہلی کے نامور عالم تھے ۔ ۱۲۸۵ھ میں انتقال ہوا ۔

[2] علی پور دہلی سے تیرہ[۱۳] میل جمنا کے سیدھے کنارے پر واقع ہے ۔ (واقعات دار الحکومت دہلی ۔) جلد اوّل صفحہ ۶۰۹ ۔

اب شہر میں لوٹ مار کا بازار گرم ہوگیا۔ اور بازار بالکل بند ہوا بلوائی اور ان کے ساتھ شہر کے چند اوباش اکٹھے ہو گئے اور انگریزوں کی تلاش جابجا شروع ہوئی، اور شہر کی لالٹینیں جو کھمبوں میں لگی تھیں وہ توڑنا شروع کردیں اور لکڑیاں اکھاڑ دیں کہ یہ بھی انگریزوں کی بنائی ہیں[1]

پھر اسی روز قریب سہ پہر کے کیا دیکھتا ہوں کہ ایک ہاتھی پر مرزا ابوبکر شاہزادہ کم عمر کو باغیوں نے سوار کرا کے اور ایک منادی نواز آگے آگے یہ منادی کرتا ہوا کہ ملک بادشاہ کا حکم بادشاہ کا، کہ اب سرکار کمپنی کی عملداری گئی۔ کوئی دوکاندار دوکان بند نہ کرے اور دوکانیں کھولے ورنہ سزا ہوگی خدا کی شان کا نمونہ نظر آیا۔ ایک دن میں دو ڈھنڈورے، چند گھنٹوں کے اندر دو حکمرانوں کے نام سے ہم نے پٹتے ہوئے دیکھے کیا انقلاب ایک دم میں آگیا۔

اب یہ سنا کہ صاحب کمشنر بہادر[2] مارے گئے باوجودیکہ ان کی اردلی میں چند سوار نواب جھجر کے ان کی سواری کے وقت اکثر ہوتے تھے اس وقت بھی تھے

---

[1] شہر دہلی میں انگریزی حکومت قائم ہونے کے بعد جب پہلے پہل عام سڑکوں اور راستوں میں روشنی کی غرض سے حکومت نے لالٹینیں نصب کیں تو مسلمانوں نے اس اقدام کو سخت ناپسند کیا بلکہ علماء نے اس کے خلاف باقاعدہ فتوے جاری کئے اس طرح دراصل انگریزوں اور ان کے اقتدار کے خلاف مظاہرہ مقصود تھا۔ [2] دہلی کا آخری ایجنٹ کمشنر سائمن فریزر تھا۔ اس سے پہلے دہلی پر انگریزی قبضہ (۱۸۰۳ء) کے بعد مندرجہ ذیل رزیڈنٹ اور ایجنٹ کمشنر مقرر ہوئے تھے۔

(۱) ڈیوڈ آکٹرلونی (۲) سیٹن (۳) چارلس مٹکاف (۴) ڈیوڈ آکٹرلونی (دوبارہ) (۵) چارلس مٹکاف (دوبارہ) (۶) ایڈورڈ کولبرک (معطل ہوا) (۷) ولیم فریزر (قائم مقام) (۸) فرانسس ہاکنس (قائم مقام) (۹) مارٹن (۱۰) ولیم فریزر (۱۱) سر ٹامس مٹکاف۔

ملاحظہ ہو وقائع عبدالقادر خانی جلد دوم صفحہ ۳۵۔

لیکن ان نمک حراموں نے کچھ نہ کیا۔ دو باغی سوار صاحب بہادر کی بگھی کے پیچھے گھوڑا دوڑا کر بارادۂ قتل متعاقب ہوئے صاحب بہادر نے ایک سوار اردلی کی بندوق لے کر فیر کی ایک سوار گولی کھا کر گر گیا، دوسری بندوق صاحب کو بھری ہوئی ان کے سوار اردلی نے نہیں دی انہوں نے اپنی بگھی بھگائی قلعہ کے نزدیک آ کر اتر کر قلعہ کے اندر گئے اور پوربیہ سپاہیوں نے جو گارد فوج کا تعینات رہتا تھا ان سے کہا کہ دروازہ بند کرو۔ باغی آتا ہے اس نے دروازہ بند نہیں کیا صاحب بہادر قلعدار انگریز کے پاس جو قلعے کے دروازے پر رہتا تھا اوپر چڑھ کر چلے گئے سنا ہے کہ وہ سوار قلعے کے دروازے پر آ کر اترا اور شاید اور بھی اس کے ساتھی اس کے اوپر چڑھ گئے اور صاحب بہادر اور قلعدار کے بال بچوں کو ان بے رحموں نے قتل کیا۔[۲]

---

[۱] مسٹر ڈگلس دیمیائرس آف حکیم احسن اللہ خاں پاکستان ہسٹاریکل سوسائٹی کراچی ۱۹۵۸ء ص (آئندہ حوالہ حکیم احسن اللہ سے دیا جائے گا۔)

[۲] ظہیر دہلوی نے لکھا ہے کہ جب ریذیڈنٹ کا قتل ہو گیا تو دیوان خاص میں اس کی تجہیز و تکفین کا انتظام ہوا۔ مسلمان پنجابی بزاز مین سکھ لٹھے کے تھان اور طاقے سیاہ بانات کے لایا اور سکھا خیاط کفن سینے کے لئے آیا۔ حکیم احسن اللہ خاں بتاتے جاتے ہیں اور وہ بیونتتا جاتا ہے۔ ظہیر دہلوی کو حیرت ہوئی کہ یہ کیا معاملہ ہے۔ اور کس کا کفن تیار ہو رہا ہے۔ ایسا کون شخص مارا گیا جس کی تجہیز و تکفین کی اتنی تیاری ہو رہی ہے۔ میرے برابر میر فتح علی اور ایک جانب مرزا احمد بیگ داروغہ آبدار خانہ بیٹھے ہوئے تھے ان سے چپکے چپکے دریافت کرنے لگا وہ کچھ احوال تھوڑا سا بیان کرنے پائے تھے کہ حکیم احسن اللہ خاں کے کان میں کچھ بھنک پہونچی، انہوں نے بآواز بلند کہا کہ کیوں نہیں کہتے کہ صاحب رزیڈنٹ مارے گئے اور بادشاہ کا حکم ہے کہ میرے سب ملازم جائیں اور صاحب کی تجہیز و تکفین کریں اور قلعدار صاحب کی باجی بیوں کو دفن کریں۔ اور حضور کو ان کے مارے جانے کا نہایت قلق ہے (داستان غدر ص ۹۸-۹۹)

اب جا بجا قتل شروع ہوگیا۔ لوگوں نے اپنے اپنے دروازے بند کرلئے اور اپنی حفاظت کے لئے گھروں میں بیٹھے۔ پھر قریب شام کے ایک بہت بڑی آواز مہیب ہوئی اور سیاہ گرد آسمان پر چھاگئی لوگ حیران تھے کہ یہ کیا آفت آئی معلوم ہوا کہ میگزین سرکاری اڑگیا۔ ایک جوانمرد انگریز اس میگزین کے اندر محبوس ہوگیا تھا، اس نے دیکھا کہ میری جانبری کی کوئی صورت نہیں ہے تب اس نے میگزین میں آگ دیدی اور اپنے کو ہلاک کیا اور جو باغی اس کے نزدیک تھے وہ اور بہت سے تماشائی اور اشخاص راہ گیر بھی اڑ گئے بلکہ گرد نواح کے مکانات کو اس میگزین کے اڑنے سے صدمہ پہونچا۔ الغرض وہ دن اور رات جس مصیبت سے گذری کچھ بیان نہیں ہوسکتا ہے۔ اب گویا بالکل عملداری سرکار کمپنی بہادر کی شہر سے اٹھ گئی۔[1]

دوسرا دن ہوا باغیوں کو انگریزوں کی تلاش درپیش ہوئی، شہر میں جو ملازم یا خیر طلب سرکار تھے یا جن لوگوں کے نام مخبروں نے لئے کہ اس کے گھر میں کوئی یورپین مرد یا عورت یا بچہ یا عیسائی ہے اس کے گھر پر دوڑ آئے اور خانہ تلاشی اور لوٹ مار شروع ہوگئی۔[2]

ہمارے دادا اور چچا پر بھی ایک آفت دوسرے روز آئی۔ اور وہ یہ تھی کہ چھوٹی بیگم جس کا ذکر ہم اوپر کرچکے ہیں ہمارے دیوانخانے میں عرصۂ دراز سے کرایہ پر رہتی تھی اس کے قتل اور لوٹ کے لئے باغی آئے۔ اور دادا صاحب اور چچا صاحب سے کہا کہ تم نے انگریزوں کو چھپایا ہے اور تمہارے اس دیوانخانے میں جو انگریزن ہے اس کو بتاؤ ان سے کہا کہ وہ تو مسلمان ہے۔ اور اپنے لڑکے سے علیحدہ رہتے ہوئے مدت ہوئی۔ وہ اپنی جان کے خوف سے کل کے دن سے بیچاری

---

[1] میگزین اڑنے کی تفصیل کے لئے دیکھئے۔ ذکاء اللہ۔ ص ۴۱۹-۴۲۱

[2] ملاحظہ ہو۔ ذکاء اللہ۔ ص ۶۶۳-۶۶۵

کہیں چلی گئی ہے۔ اور اس کے نوکر چاکر بھی بھاگ گئے۔ اسباب اور لڑکا اور دو ملازم ہیں۔ اور ہمارے پاس کوئی نہیں ہے۔ وہ حرامزادے کب مانتے تھے۔ پھر سب محلے والے اور دیگر محلوں کے عمائد لوگ دادا صاحب کے کہنے سے جمع ہوگئے اور ان مفسدوں میں بعض اہل شہر بھی ایسے تھے جو ہماری خاندانی حالت اور ہمارے دادا صاحب مرحوم سے واقف تھے بعض ان کے ملازم رہے تھے تب سب مجمع نے بالاتفاق شہادت دی کہ وہ بیگم مسلمان ہے اس کے اسباب کو نہ لوٹو۔ اور ان مالکان مکان سے کچھ باز پرس نہ کرو۔ بارے خدا خدا کرکے ہمارے بزرگوں اور عزت دار عورات کی جان و مال کو ان ظالموں کے ہاتھ سے نجات ملی۔

اب جا بجا سے فوجیں جو باغی ہوگئی تھیں دہلی میں آنی شروع ہوگئیں قریب پچاس ہزار سپاہ پیدل و سوار شہر دہلی کے اندر و باہر جمع ہوگئی اور انگریز لوگ کچھ دروازوں کالی پہاڑی پر جو شہر کی جانب غرب و گوشۂ شمال میں ہے اور کشمیری دروازے اور لاہوری دروازے سے بہت فاصلہ نہیں ہے اپنا لشکر فراہم کرکے مقابلے کو مورچہ قائم کرکے مستعد جنگ ہوئے۔

ہر روز صبح سے فوج مقابلہ کو شہر سے جایا کرتی تھی۔ اور پہاڑی پر سے فوج انگریزی اتر کر مقابلہ ہوا کرتا تھا، اور دونوں جانب سے آدمی قتل ہوتے تھے۔ انگریزی فوج نے چند مورچے پہاڑی توپوں کے قایم کئے تھے اور شہر کی فصیل پر کشمیری دروازہ ولاہوری دروازہ وغیرہ پر اور شمن برج پر فوج باغی نے توپوں کو لگایا تھا۔ تمام رات ہر دو جانب سے گولہ باری ہوتی تھی شہر کے اندر کے مکانات جو پہاڑی کے قریب واقع تھے وہ سب شکست ہوتے تھے۔

بازاروں اور گلیوں میں جب بم کے گولے پھٹ کر اور ٹکڑے ہوکر گرتے

معتمد الملک احترام الدولہ حکیم احسان اللہ خان صاحب مرحوم
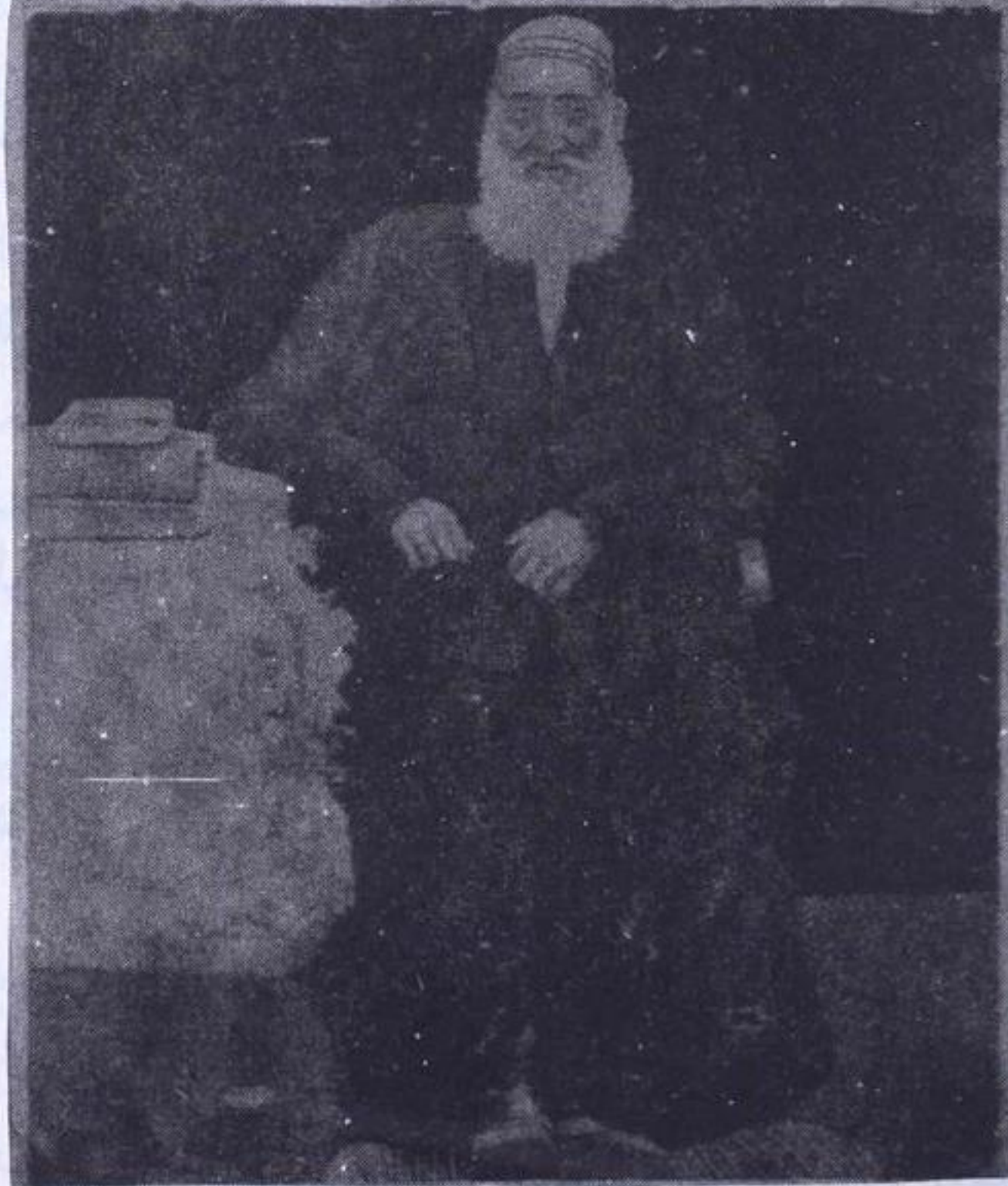
تھے تو اکثر اشخاص زخمی ہوتے تھے۔ چنانچہ ایک روز قریب نماز مغرب کے اس بالاخانے پر جس کا میں اوپر ذکر کر چکا ہوں ایک گولہ بم کا آکر پھٹا میں بھاگ کر مع اپنے چچا صاحب کے اندر چلا گیا اور میرے استاد مولوی محمد حسین صاحب بدحواسی میں چارپائی کے نیچے جو صحن میں پڑی تھی چھپے، اس حرکت پر ان کی سب لوگ ہنستے رہے کہ چارپائی ان کو کیا پناہ دے سکتی تھی۔ اگر گولہ یا کوئی ٹکڑا آگرتا۔ بارے خیر گذری کہ وہ بچ گئے اور ایک ٹکڑا گولے کا ہمارے ایک دوسرے مکان میں ایک تیلی رعایا رہتا تھا اس کی گائے کے پاؤں میں لگا فوراً پاؤں ٹوٹ گیا۔

چار مہینے تک یہ حال تھا کہ شہر کے اندر کوئی فرد بشر اطمینان سے نہیں رہتا تھا۔ ہر وقت ملک الموت کا سامنا تھا۔ مکان میں روئی کے لحاف، گدڑیاں پانی تر کر کے رکھی رہتی تھیں جس وقت گولے قلعہ شکن آکر گرتے فوراً ان پر پارچہ ہائے تر ڈالدئے جاتے تھے تاکہ وہ سرد ہو کر اسی جگہ رہ جائیں الغرض چار مہینے کوئی دن اہالیان شہر پر بہت سختی سے گذرے۔

۱۱ مئی ۱۸۵۷ء کے دس یا پندرہ روز بعد ایک اور واقعہ پیش آیا حکیم محمد احسن اللہ خاں وزیر ابوظفر بادشاہ پر تلنگوں کو شبہ اس امر کا ہوا کہ یہ انگریزوں سے ملے ہوتے ہیں[1]۔ دفعتاً فوج باغیوں کی ان کے مکان پر چڑھ آئی حکیم صاحب اس سے پہلے قلعہ کو جا چکے تھے۔ ان کی محلسرا جو دہلی میں ایک ایک اعلیٰ درجہ کا مکان تھا اور عمدہ اسباب فرش و فروش سے آراستہ

---

[1] یہ حقیقت تھی کہ حکیم احسن اللہ خاں انگریزوں سے ملے ہوئے تھے۔ ملاحظہ ہو۔ احسن اللہ خاں۔ ص ۳ نصرت نامہ گورنمنٹ۔ ص ۲۴۳ و محاصرہ دہلی کے خطوط، اردو ایڈیشن ص ۲۲ و قیصر التواریخ جلد دوم ص ۴۵۵

اس میں تلنگوں نے مداخلت کی، ہمارے دوست خاں صاحب حکیم ظہیر الدین صاحب نے جو راقم کے ہم عمر ہیں بہ معیت خدام کے مستورات کو مکان زنانخانہ سے بالاخانے کی راہ سے ہمسایوں کے مکان میں اتار دیا اور خود بھی چلے گئے حکیم غلام نجف خاں صاحب[1] پدر حکیم ظہیر الدین صاحب وزیر موصوف کے بہنوئی تھے۔ یہ صاحب باہر دیوانخانے میں حکیم صاحب کے رہتے تھے اور ہمارے خاندان کے ایک معمر شیخ صاحب بھی وہیں مقیم تھے۔ جب بلوائی اندر مکانات حکیم صاحب کے آئے ان کے ہمراہی میں شہر کے لیٹرے بھی تھے اس وقت ایک لیٹرے نے ان سے یہ کہا کہ اگر تلنگوں کو یہ معلوم ہوا کہ تم حکیم صاحب کے رشتہ دار ہو، فوراً قتل کرڈالیں گے بہتر یہ ہے کہ ہم لوگوں کے ساتھ میں تم بھی کچھ اسباب مثلاً حقہ وغیرہ ہاتھ میں لے لو تاکہ تلنگے تم کو ہمارا ساتھی سمجھیں۔ چنانچہ ان لوگوں نے ایسا ہی کیا۔ کسی نے قالین بغل میں دبایا اور کسی نے حقہ ہاتھ میں لیا۔ اور پھاٹک سے باہر نکل آئے۔ اب تلنگوں نے تمام اثاث البیت حکیم صاحب کا لوٹ لیا اور تمام شیشہ آلات کو توڑ ڈالا۔ اور مکان کو برباد کیا۔ حکیم صاحب کی جان بسفارش ابو ظفر شاہ کے بچی۔

اب لڑائی کا عجیب انداز تھا۔ صبح کے وقت سے فوجیں شہر کے اندر سے

---

[1] حکیم غلام نجف خاں ابن حافظ مسیح الدین، شیخو پور ضلع بدایوں کے قدیمی باشندے تھے۔ اپنے خالو میر سید علی کے ہمراہ پانچ سال کی عمر میں دہلی آگئے علم طب حکیم صادق علی خاں اور حکیم احسن اللہ خاں سے حاصل کیا۔ دہلی کے نامور طبیب تھے۔ بہادر شاہ ظفر نے ان کو عضد الدولہ اعتماد الملک حکیم غلام نجف خاں بہادر کا خطاب دیا تھا۔ (واقعات دار الحکومت دہلی، از بشیر الدین (آگرہ ۱۹۱۹ء) جلد دوم ص ۴۰۵۔ ۴۰۶

لاہوری دروازے اور کشمیری دروازے کے باہر جاتیں اور دن بھر باڑھ بندوقوں کی جانبین سے چلتی اور شام کو پھر فوج واپس آتی۔

ایک مرتبہ ایسا اتفاق ہوا کہ ایک شخص مرزا احمد بیگ نامی جو کوچہ رودگراں میں رہتے تھے اور ہمارے چچا صاحب کے بہت دوستوں میں تھے وہ اور چند اور لوگ لاہوری دروازے کے متصل ایک مکان کو جو ان کے دوست کا تھا اور اس مکان پر سے میدان لڑائی کا نظر آتا تھا وہاں تماشا دیکھنے جاتے تھے میں بھی ان کے ساتھ ہولیا۔ ہر چند وہ مجھ کو بھگاتے رہے مگر میں نے ان کا پیچھا نہ چھوڑا آخر ش وہ اپنے دوست کے مکان کی چھت پر جو شہر پناہ سے ملی ہوئی تھی چڑھ کر تماشا لڑائی کا دیکھنے لگے۔ وہاں فصیل شہر پناہ کے روزنوں سے ایک عجیب ہنگامۂ جنگ نظر آتا تھا۔

اتفاقاً اس روز نصیر آباد کی چھاؤنی کی پلٹن نمک حرام جو باغی ہو کر آئی تھی اور نہایت جنگ جو مشہور تھی مقابلے کے لئے پہاڑی کی طرف چلی۔ فوج انگریزی پہاڑی پر نظر آتی تھی، ہر چہار طرف پہاڑی کے ایک نہر دریا سے کاٹ کر انگریزوں نے نکالی تھی، تاکہ غنیم اس طرف دفعتاً نہ آسکے، البتہ ایک راستہ اپنی فوج کی آمد و رفت کے لئے ایک جانب رکھا تھا۔ اور اس طرف مورچے مستحکم تھے شہر سے جو پلٹن کے سوار دروازے کے باہر نکلتے ان پر صد ہا گولے توپ کے پہاڑ کی جانب سے آکر گرتے۔ فوج غنیم پسپا ہو کر یمین و یسار کو بھاگ جاتی، اور خالی بندوقوں کی باڑھ پہاڑی کی جانب کو فیر کرتی۔ لیکن نصیر آباد کی پلٹن کا صوبیدار بہت جری اور بہادر شخص تھا اور قواعد جنگ سے خوب واقف تھا۔ جس وقت شہر پناہ سے وہ فوج لے کر باہر نکلا تو اس پر گولہ باری ہوئی مگر اس کا قدم برابر سڑک کے اِدھر اُدھر نہ ہوا اور سیدھا پہاڑ کی جانب چلا گیا اور اس کی فوج برابر اس کے پیچھے قدم بقدم جاتی تھی اور جو سپاہی مرتا یا زخمی ہوتا تھا اس کو پیچھے سے اور فوج والے ڈولیوں میں ڈال کر شہر کے اندر لاتے تھے اور

سقوں کی قطار بھی پکھالوں میں پانی لئے پیچھے پیچھے فوج کے جاتی تھی الغرض وہ دامن کوہ کے نیچے پہونچ گیا تو اب زد گولہ سے اس کی فوج محفوظ رہی۔ کیونکہ گولہ آگے بڑھ کر گرتا تھا۔

وہاں اس نے اپنی پلٹن کے دو حصے کئے اور بگل بجایا، نصف حصہ اس کی پلٹن کا جانب جنوب بھاگتا ہوا چلا گیا۔ لوگوں نے یہ خیال کیا کہ شکستِ فاش ہوگئی اور نصف حصہ فوج کا مقابل کھڑا رہا، جو نصف حصہ بھاگ کر جانب جنوب گیا تھا وہ دفعتاً زمین میں گرا۔ اور اپنے آپ کو چھپایا اب فوج گورا اور سکھ سرکاری پہاڑی پر سے اُترے اوّلا دونوں جانب سے ایک ایک باڑھ بندوقوں کی سر ہوئی، آپس میں فریقین کے کچھ آدمی مارے گئے پھر دفعتہً تلنگوں کا وہ حصہ فوج جو لڑ رہا تھا وہ جنوب کی جانب کو ہٹنا شروع ہوا۔ اور متفرق بندوقوں کی آوازیں ہٹنے میں کرتے جاتے تھے، فوج سرکار بڑھتی جاتی تھی اور ان کو دباتی تھی جب یہ لڑنے والے اپنے اس حصہ فوج کے قریب پہونچے جو گھات میں بیٹھا ہوا تھا، تب اس پلٹن کے صوبیدار نے ایک بگل بجوایا جس سے اس کا وہ حصہ فوج جو مقابل میں لڑتا ہوا ہٹتا آتا تھا یکبارگی یمین و یسار کو ہٹا۔ چونکہ فوج انگریزی سامنے تھی وہ حصہ تازہ دم تھا اس نے کھڑے ہو کر ایک باڑھ بندوقوں کی چلائی۔ اس میں فوج سرکاری کا نقصان زیادہ ہوا۔ مگر وہ اپنی جگہ قائم رہے اور مدد پہاڑی سے ان کو آگئی۔ اب لڑائی اس روز کی ختم ہوئی اور دونوں طرف کی فوجیں اپنے اپنے مرکز اصلی پر واپس آگئیں۔

یہ قواعد داں فوج سرکار انگریزی کی نہایت عمدہ تھی، لیکن ان نمک حراموں نے اپنے محسنوں پر اس داؤں کو جو انہیں سے سیکھا تھا چلایا۔ بقول شیخ سعدی علیہ الرحمۃ ؂

کس نیاموخت علم تیر از من   کہ مرا عاقبت نشانہ نہ کرد

اب شہر میں یہ کیفیت ہوئی کہ اگر اسی عرصہ میں ہندو یا مسلمان مرتا تو اس کو باہر شہر کے لے جانا مشکل تھا، تلنگوں کو یہ بدگمانی تھی کہ شہر والے پہاڑی پر رسد جنازہ یا ارتھی بناکر پہونچاتے ہیں۔ جو مردہ شہر سے باہر لے جاتے اس کا منہ کھول کر دیکھ لیتے۔

اتفاقاً ہمارے ہاں ایک اصیل جس کا نام ماما بنّو تھا ان کا بھی اسی زمانے میں پیام اجل آیا وہ ایک بڈھی عورت تھی، ہمارے قبرستان موروثی جہاں ہمارے جد دفن ہیں۔ حضرت محبوب الٰہی میں ہیں۔ چونکہ وہاں سے فاصلہ بعید تھا اس واسطے قدم شریف کے حظیرہ میں اوّل ماما کا دفن کرنا تجویز کیا گیا۔ ان کا جنازہ لے کر فراش خانہ کی کھڑکی سے جب لوگ باہر ہوئے تو قدم شریف کے میدان میں پہاڑی پر سے جس وقت فوج انگریزی نے دیکھا کہ کچھ آدمی اکٹھے جاتے ہیں تو توپ کا منہ اس طرف کو پھیر کر گولے برسانا شروع کئے مگر خدا حافظ تھا کسی کے گولی یا گولہ نہ لگا اور ان ماما کو دفن کر کے سب لوگ واپس آئے۔

اب یہاں تلنگوں نے بادشاہ ابوظفر کو مثل کاٹھ کے پتلے کے برائے نام حکمراں بنا رکھا تھا۔ بخت خاں بریلی سے فوج لے کر دہلی میں آگیا تھا[۱]۔ چوں کہ اس کے ساتھ جمعیت کثیر تھی اس کا کہنا سب باغیوں میں چلتا تھا۔ کیا خوب "فغان دہلی" میں ایک شاعر[۲] نے کہا ہے۔

---

[۱] بخت خاں کی دہلی میں آمد کے سلسلے میں ملاحظہ ہو ڈونیٹو نیر بٹوس - ص ۱۳۲ - ۱۳۶

[۲] یہ شعر نواب شہاب الدین احمد خاں ثاقب د ۱۸۶۹ء، خلف اکبر نواب ضیاء الدین احمد خاں کا ہے۔ ملاحظہ ہو فغان دہلی - از تفضل حسین خاں کوکب۔ اکادمی پنجاب لاہور ۱۹۵۴ء، صہ ۱۶۱

اہلِ دہلی نہ کریں بخت کا شکوہ کیونکر　　　　بخت خاں جی ہوئے باج ستانِ دہلی

اب اس کمبخت نے روپیہ کی تحصیل کی صورت یہ نکالی کہ جو لوگ ملازم سرکار انگلشیہ یا وکیل تھے یا بقال و مہاجن ان لوگوں سے تاوان لیا جائے۔ اس معاملے میں ہمارے چچا مرحوم بھی کئی مرتبہ قلعہ میں بلائے گئے، اور بطور نظر بندوں کے بٹھائے گئے۔ ان سے اوّلاً ایک ہزار روپئے طلب کئے گئے پھر پانچسو روپئے مانگے گئے۔ اس وقت سب گھر والوں کو تشویش تھی کہ روپئے پانچسو نہیں ہیں کیونکر مخلصی ہو گی۔ مرزا اسد اللہ خاں غالبؔ مرحوم نے ایک رقعہ سفارش میں عم مرحوم کے مرزا خضر سلطان شہزادےؔ کو کہ جو خلف ابو ظفر شاہ کے تھے اور مرزا غالبؔ کے شاگردوں میں تھے اس مضمون سے لکھا کہ۔

"میں آپ سے یقیناً کہتا ہوں کہ یہ سال بھر سے یہاں وکالت کرتے تھے ان کے پاس کچھ نہیں ہے، نہ انہوں نے اس قدر وکالت میں پیدا کیا۔ آپ ان کو معاف کرا دیجئے۔ یہ حافظ ابو المؤید خاں کے پوتے ہیں، میرے شاگرد ہیں اور میں ان کو اپنا عزیز سمجھتا ہوں"

قصہ کوتاہ شہزادے صاحب نے ہمارے چچا کو اس نظر بندی سے نجات دلائی اور یہ بلا دیئے کسی تاوان کے گھر کو آئے۔ اب یہ فکر درپیش تھی کہ بقول مرزا غالبؔ مرحوم۔ ع

پسچ تو یہ دلی میں رہویں، اور ہم کھائیں گے کیا

لے خضر سلطان مرزا بہادر شاہ کے بیٹے تھے غالب نے ان کی پیدائش پر لکھا تھا

خضر سلطاں کو رکھے خالقِ اکبر سرسبز
شاہ کے باغ میں یہ تازہ نہال اچھا ہے

ہڈسن نے نہایت بے رحمی کے ساتھ گولی کا نشانہ بنایا تھا۔ (۱۸۵۷ء کا تاریخی روزنامچہ) ص ۱۸۹۔

کیوں کہ کوئی سرمایہ پاس نہیں رہا جو کچھ تھا اس بیکاری میں صرف ہوا ملکیں جو جوار دہلی میں باقی تھیں ان کی آمدنی مسدود کیوں کہ وہ پہاڑی کی جانب واقع تھیں اور وہاں جانا محال تھا۔ وطن یعنے بدایوں سے روپیہ منگانا بھی دشوار، ڈاک اور ہنڈوی وغیرہ کا سلسلہ بھی بند، یہ خیال کیا کہ بہتر ہوگا جو اس شہر پر آشوب سے نکل جائیے اور اپنے وطن پہونچیے اب ستمبر ۱۸۵۷ء شروع ہوا۔ اس وقت دہلی کو ہم اس حالت میں چھوڑتے ہیں کہ تلنگوں کو روز بروز شکست فاش ہوتی تھی اور وہ بھاگتے نظر آتے تھے۔ سرکار انگلشیہ کے فتح کے آثار نمایاں تھے۔ فوج سرکار شہر پناہ کے نیچے تک آچکی تھی۔

ہم کو بدایوں جانے کے واسطے سواری کی تدبیر درپیش تھی کہ اتفاق سے ایک بہلی دہلی سے بلند شہر تک تیس روپے کرایہ پر دستیاب ہوئی ۱۳ ستمبر ۱۸۵۷ء کو بوقت صبح مستورات اور ہم بچے اس میں سوار ہوئے اور ایک گھوڑی ساتھ میں تھی اسپر ہمارے دادا صاحب سوار تھے ایک شخص حسین بخش نامی ساکن بدایوں جو مولوی محمد بخش صاحب[1] و علی بخش صاحب[2] کے بنی عم تھے اس ہنگامہ

---

[1] مولوی محمد بخش بن شیخ سلطان بخش بدایوں کے رئیس اور عالم فاضل تھے وہ ایک مدت تک صدر الصدوری کے عہدے پر فائز رہے پنشن کے بعد اسپیشل آنریری مجسٹریٹ مقرر ہوئے مولوی عبدالمجید بدایونی کے مرید تھے۔ ۲۶ رمضان المبارک ۱۲۹۰ھ کو فوت ہوئے ان کے نامور فرزند مولوی حامد بخش تھے۔ (اکمل التاریخ حصہ اول، صـ ۶۴)

[2] مولوی علی بخش بن شیخ سلطان بخش بدایوں کے رئیس اور عالم تھے یہ بھی صدر الصدور رہے شہاب ثاقب اور تائید الاسلام وغیرہ کے مصنف ہیں سر سید احمد خاں کے مخالفین میں ان کا نام سر فہرست ہے۔ ۱۲۳۷ھ/۱۸۲۱-۲۲ء میں پیدا ہوئے ۱۳۰۲ھ/۱۸۸۴ء میں ان کا انتقال ہوا۔ (تذکرہ علمائے ہند، صـ ۳۴۳)

ہیں وہ بھی سوئے اتفاق سے دہلی میں گھر گئے تھے، ساتھ میں تھے۔

جب ہم سب لوگ مکان سے روانہ ہو کر متصل لال قلعہ شہر پناہ کے دروازے سے باہر جانے کے واسطے پہونچے تو ایک ہنگامہ عجیب قیامت خیز نظر آتا تھا۔ یعنی ہزارہا آدمی سکنائے شہر اور تلنگوں کی فوج باہر شہر سے جانے کے واسطے شہر پناہ کے دروازے سے خاص بازار تک قلعہ کے نیچے مجمع کئے ہوئے کھڑی ہوئی تھی، اور دروازہ شہر پناہ کا بند تھا جو تلنگے شہر کے دروازے پر متعین تھے وہ دروازہ نہیں کھولتے تھے اس خیال سے کہ شہر والوں کے اور فوج کے بھاگنے سے جو فوج کہ مقابلہ کر رہی تھی وہ بھی بے دل ہو کر بھاگ جائے گی، اور صاحبان انگریز کی فوج داخل ہو جائے گی۔

اب جس جگہ مجمع کثیر تھا وہ جگہ آماجگاہ گولہ توپ کی تھی۔ پہاڑی پر سے بلا مبالغہ صدہا گولہ قلعہ کی طرف آتا تھا اور قلعہ کی دیوار میں لگ کر ایک سیاہ دھبہ سنگ خارا پر بنا کر خندق کے اندر یا سڑک کے اوپر گر کر لڑکتا تھا۔ اور اسی سے صدہا آدمی زخمی ہوتے تھے۔

اب ہماری گاڑی بھی اسی مجمع میں کھڑی ہے، نہ آگے جا سکتی ہے نہ پیچھے ہٹ سکتی ہے، اس وقت مولوی محمد عزیز الدین صاحب میرے چچا مرحوم نے یہ تدبیر سوچی کہ وہ خود قلعہ کے اندر گئے اور میں ان کے ساتھ تھا قریب چار گھڑی یا پہر بھر دن کے چڑھا تھا جب قلعہ کے اندر پہونچے تو شہزادہ مرزا خضر سلطان کے در دولت پر وہ حاضر ہوئے اور ان کے چوبدار و عصا بردار سے کہا کہ اس وقت صاحب عالم کہاں تشریف رکھتے ہیں۔ چوبدار نے جواب دیا کہ خواب راحت میں ہیں۔ انہوں نے اس چوبدار سے کہا کہ ہماری اطلاع کر دو کچھ ضروری عرض کرنا ہے، وہ انکار کرتا تھا۔ یہی ردو بدل دونوں میں ہو رہی تھی کہ اس عرصہ میں سرخ پردے کے قریب سے

ایک خادم نے آواز دی کہ صاحب عالم فرماتے ہیں کیا گفتگو ہے۔
الغرض چوبدار نے اطلاع دی اور نام بتلا کر کہا کہ ایک صاحب مولوی عزیز الدین نامی کچھ عرض کیا چاہتے ہیں۔ اس وقت باریابی کا حکم ہوا۔ اور یہ اندر تشریف لے گئے۔ اور شاہزادہ صاحب سے عرض کی کہ میں مع قبائل و اطفال اپنے وطن کو جانا چاہتا ہوں سیاہ فوج نے دروازہ بند کر لیا ہے اور میری گاڑی اور گھوڑی مع سواریوں کے قریب دروازۂ شہر پناہ کے کھڑی ہے۔ میں حضور سے یہ گزارش کرتا ہوں کہ آپ حکم دیجئے کہ ہم کو باہر جانے دیں۔ اس وقت صاحب عالم نے فرمایا کہ آپ اس وقت شہر پناہ سے باہر جانا چاہتے ہیں، کیا آپ کو ہلاکت میں پڑنا ہے۔ باہر دہاقین لوٹ لیں گے اور قتل کر ڈالیں گے شہر کے اندر آپ کو امن ہے، اگر شہر کے اندر ہنگامہ رستخیز ہوا تو سب لوگوں کا کیا حال ہوگا، انہوں نے عرض کی کہ حضور آپ کی بندہ پروری ہوگی کہ آپ مجھ کو شہر سے باہر کرا دیں، خدا حافظ اور نگہبان ہے۔

اس شہزادۂ نیک سیرت نے از راہ شفقت فرمایا کہ اچھا تم کو ایک پروانہ راہداری مہری اور دستخطی دیں گے کہ یہ شخص ہمارے بھیجے ہوئے بریلی کو خان بہادر خاں کے پاس جاتے ہیں کوئی مزاحم نہ ہو۔ جناب چچا صاحب دانا تھے، عرض کی کہ حضور پروانہ لکھنے میں دیر ہوگی پروانہ لکھنے کی ضرورت نہیں ہے، صرف حضور کے ملازم خاص اور جو گارڈ کے سپاہی حضور کی اردلی میں رہتے ہیں وہ جا کر صوبہ دار سے کہہ کر ہم کو شہر پناہ سے باہر کرا دیں۔ چنانچہ یہ التماس قبول ہوئی۔ اور اللہ جل شانہ نے اس پروانے سے محفوظ رکھا۔ وہ بھی بعد غدر عموی صاحب کا محضر قتل تصور کیا جاتا۔ اور ہمارے خاندان کی تباہی کا باعث ہوتا۔

قصہ مختصر دو سپاہی ان کے ساتھ آئے اور انہوں نے محافظان دروازہ شہر پناہ سے شہزادے صاحب کا پیام کہا۔ اولاً جو تلنگے پھاٹک پر متعین تھے

انہوں نے سخت جواب دیا، صاحب عالم یوں ہی کہتے ہیں، شہر کی خلقت بھاگنا شروع ہو گئی ہے۔ فوج بد دل ہو کر ان کے بھاگنے سے بھاگتی ہے۔ مگر پھر تو خدا تعالیٰ نے ان کے دل میں کچھ ایسا رحم کر دیا کہ انہوں نے شہر پناہ کا دروازہ کھولا یکبارگی ہماری گاڑی کے ساتھ قریب دو ڈھائی سو آدمیوں کے جو پھاٹک کے قریب تھے باہر نکل آئے۔ اور پھر دروازہ بند ہو گیا۔

اب آگے حال سنئے جیسے ہی ہم لوگ جمنا کی کشتیوں کی طرف بڑھے اور وہاں سے پہاڑی نظر آتی تھی، فوج سرکاری نے مجمع کثیر دیکھ کر اس طرف کو توپوں کے رخ کر دیئے اور گولے ہماری طرف آنا شروع ہوئے، غالباً کچھ آدمی اس جم غفیر میں ہلاک ہوئے، لیکن حافظ حقیقی خدائے تعالیٰ نے ہم سب لوگوں کو بچایا اور ہم پل کے پار اتر کر غازی آباد کی سڑک پر چلے۔

اب میں درمیانی چھوٹے چھوٹے واقعات کو چھوڑ کر جو اثنائے راہ میں پیش آئے، ان واقعات کو بیان کرونگا جو زیادہ تذکرے کے قابل ہیں۔

جب سکندر آباد میں پہونچے تو وہاں ایک ہُو کا مقام تھا۔ وہ قصبہ تمام ادہاقین نے لوٹ لیا تھا۔ شام کو سرائے میں جاکر دیکھا کہ ایک بڑھیا بھٹیاری اندھی جس کو بھاگنے کی طاقت نہ تھی اس کارواں سرائے میں پڑی تھی اور کوئی شخص نہ تھا اور اس رات کو ایک یہ تماشہ نظر آتا تھا کہ قرب و جوار کے بعض دیہات میں آگ لگی ہوئی تھی۔ اور غارت گروں نے ان کو لوٹ لیا تھا۔ خدا خدا کر کے وہ رات گذری صبح کو بلند شہر کی طرف کوچ کیا اور بخیریت تمام بلند شہر میں شام کو پہونچے۔

یہاں ولی داد خاں کی حکومت غدر میں ہو رہی تھی۔ شہر میں امن تھا نواب صاحب اسی روز گاؤں کے دہاقین کو سزا دینے کی غرض سے مع اپنی فوج کے گئے تھے ہم لوگ سرائے میں مقیم ہوئے۔ جس روز ہم بلند شہر پہونچے اس سے ایک روز پہلے دہلی میں فوج سرکار بہادر انگلشیہ کی داخل ہو گئی تھی۔ غالباً وہ تاریخ

۵ استمبر ۱۸۵۷ء مطابق ۲۸ محرم الحرام تھی چنانچہ مرزا غالب نے[1] اپنی کتاب دستنبو میں وہ مہینہ درج کیا ہے۔ جیسا کہ ان کے اشعار سے ظاہر گا۔ اشعار

ستمبر ستم برد آورد داد	مئی گر ز دہلی بروں برد داد
فروزندہ شد مہر گیتی فروز	پس از چار ماہ و پس از چار روز
بمردی گرفتند فرزانگاں	تہی گشت دہلی ز دیوانگاں

اب فوج تلنگوں کی جوق درجوق بھاگ کر بریلی جانے کے واسطے دہلی سے بلند شہر کی جانب آئی۔ کیونکہ بریلی میں اس وقت تک عملداری گورنمنٹ انگلشیہ نہیں تھی۔ اتفاقاً قریب دو سو یا ڈھائی سو تلنگوں کے اس رات سرائے بلند شہر میں مقیم ہوتے اس وقت ہمارے عم بزرگوار نے صوبہ دار سے یہ خواہش ظاہر کی کہ ہم بھی آپ کے ہمراہ بریلی تک جائیں گے، اگر آپ اپنے ساتھ لے جانے میں مزاحم نہوں۔ اس نامرد نے درشتی سے جواب دیا ہم ہرگز آپ کو اپنے ساتھ نہیں لے جاویں گے، ناچار مایوس ہو کر وہ واپس آئے اور یہ ارادہ تھا کہ پیچھے سے چلے جائیں گے۔

چار پانچ سپاہی جو انگریزی تحصیل میں نوکر تھے ان کو کچھ اجرت مناسب دے کر بغرض حفاظت ہمراہ لیا۔ ان سے دہاقین اس پرگنہ کے بخوبی واقف تھے اب یہاں سرائے سے چار بجے سے پہلے تلنگوں مفرور نے اپنا رخت ادبار اٹھا کر کوچ کیا اور ہماری گاڑی اس رات جہانگیر آباد تک کرایہ کی تھی۔

اس کی یہ کیفیت ہوئی کہ جب صبح کو اس گاڑی بان کے مکان پر گاڑی لینے کے واسطے گئے تو معلوم ہوا کہ کوئی چور اس کی ڈھری چرا لے گیا ہے اس عرصے میں اس نے دوسری ڈھری تلاش کی اس میں کچھ وقفہ ہوا۔ قریب چھ

---

[1] ملاحظہ ہو کلیات نثر غالب (مطبوعہ مطبع نول کشور لکھنؤ) صفحہ ۳

گھڑی دن چڑھے کے وہ گاڑی درست ہوئی اور اب ہم سب لوگ جہانگیر آباد کو روانہ ہوئے۔

اثنائے راہ میں یہ دیکھا کہ وہ تلنگے جو صبح سرائے سے گئے تھے لنگوٹی باندھے ہوئے واپس آتے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ آپ لوگ کہاں جاتے ہیں، یہاں سے تھوڑی دور پر ایک مجمع کثیر دہاقین کا دو چار ہزار کے قریب موجود ہے انہوں نے ہم کو لوٹ لیا اور تم کو بھی لوٹ لیں گے۔ اس وقت بہت مایوسی ہوئی لیکن ان سپاہیوں نے جو ہمارے ساتھ تھے یہ کہا کہ آپ اندیشہ نہ کریں ہم آپ کو بخیر و عافیت جہانگیر آباد تک پہونچا دیں گے یہ زمیندار ہمارے سابق کے شناسا ہیں۔ اور آپ سے ہرگز مزاحم نہ ہوں گے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا

ہم نے خدا کے بھروسے پر قدم آگے بڑھایا۔ آگے بڑھ کر یہ دیکھا کہ سڑک کے ہر دو جانب بندوقیں بکثرت جمع ہیں اور دہاقین سڑک کے ادھر ادھر بیٹھے ہوئے ہیں۔ ہمارے محافظ سپاہی آگے بڑھ کر ان کے پاس گئے۔ اور ان سے کچھ گفتگو کی اور پھر وہ ہر ایک سے باتیں کرتے ہوئے ہمارے ساتھ ساتھ چلے آئے۔ یہانتک کہ ہم اس ہنگامے سے نکل آئے۔ ان سپاہیوں سے جب ہم نے دریافت کیا کہ کیونکر اس گروہ مفسدان سے ہم کو نجات ملی تو انہوں نے کہا کہ ہم نے ان سے یہ بات کہدی کہ نواب ولی داد خاں کے ہاں کی سواریاں ہیں نواب جہانگیر آباد کے ہاں جو ان کے رشتہ دار ہیں جاتی ہیں پیچھے نواب صاحب بھی مع فوج اور توپ خانے کے آتے ہیں۔ ان لوگوں نے یہ خیال کیا کہ یہ بات سچ ہے ورنہ اس نازک وقت میں چند آدمی زنانی سواریاں لے کر نہیں نکل سکتے۔ ہم شام کے قریب دو گھڑی دن رہے جہانگیر آباد پہونچ گئے۔

اب یہاں قصبہ کے باہر نواب مصطفٰے خاں صاحب رئیس جہانگیر آباد کے سپاہی متعین تھے انہوں نے ہمارے دادا اور چچا صاحب سے کہا کہ تلواریں اپنی پھاٹک پر

رکھ دو تب اندر داخل ہونے دیں گے۔ تھوڑی دیر تک باہم یہ بحث ہوتی رہی پھر عموی صاحب وہاں اپنی تلوار رکھ کر اندر گئے اور حکم لائے کہ ان لوگوں کو مع ہتھیار اندر آنے دو۔ تب ہم لوگ جہانگیر آباد میں داخل ہوئے وہاں مولوی سناء الدین صاحب مرحوم عثمانی ہمارے وطن کے حسن اتفاق سے نواب محمد مصطفےٰ خاں صاحب کے یہاں موجود تھے اور ان سے خاندانی ارتباط تھا، اور جناب دادا صاحب کے دوست تھے نہایت خاطر سے پیش آتے اور دعوت کی وہاں دو روز آرام کیا پھر وہاں سے نواب مصطفےٰ خانصاحب مرحوم نے جو گورنمنٹ کے خیر طلب غدر میں رہے اور باغیوں کے شریک نہ ہوئے[1]۔ انہوں نے دس بندوقچی سپاہی ہماری محافظت کے واسطے مقام انوپ شہر تک کر دیئے اور وہاں سے انوپ شہر کی طرف چلے، چار کس قوال بریلی یا مراد آباد کے رہنے والے بھی اس طرف آنے والے تھے وہ بھی ساتھ ہو لئے۔

اثناء راہ میں وہی گروہِ دہاقین کے جو واسطے غارتگری مسافروں کے جابجا مسلح اور آمادہ لوٹ مار کے بیٹھے تھے ہم کو دکھائی دیئے۔ بقول[2] شاعر۔

جگہ جگہ تھے زمیندار، دار کی صورت	چڑھے ہی آتے تھے سر پر بخار کی صورت
بلا سے کم نہ تھی اک اک گنوار کی صورت	چھپی نہ ان سے پر اہل دیار کی صورت
کسی جگہ جو کوئی ہو کے بے قرار آیا	تو اہل قریہ یہ بولے کہ لو شکار آیا

جب ہم سڑک پر گذرے اور ان دہاقین نے دیکھا کہ ایک بہلی اور ایک گھوڑے پر سوار اور کچھ سپاہی مسلح آتے ہیں تب اپنی بندوقوں کو ہاتھ میں لیا اور توڑے سلگائے۔ اس وقت ہم کو اپنی موت کا سامنا نظر آیا اور پورا یقین ہو گیا

---

[1] نواب مصطفےٰ خاں شیفتہ نے جنگ آزادی ۱۸۵۷ء میں حصہ لیا تھا۔ اسکی پوری تفصیل اگلے باب میں پیش کی گئی ہے۔ [2] نواب مرزا خاں داغ کے مسدس شہر آشوب کا یہ ایک بند ہے دیکھئے ملاحظہ ہو فغان دہلی۔ ص ۵۹

کہ اب جاں بری کی امید نہیں ہے، الا مسبب الاسباب و حافظ حقیقی کی شانِ رحیمی و کریمی اس وقت ظہور میں آئی جب وہ قوال جو ہمارے ساتھ ہولئے تھے ان کے ساتھ بڑے بڑے ستار اور تنبورے و سرود تھے جن پر غلاف چڑھے ہوئے تھے اور ان کے کندھوں پر وہ ساز و سامان اربابِ نشاط کا رکھا ہوا تھا۔ دہاقین یہ سمجھے کہ یہ بڑی بڑی قرابینیں اور جزائل ہیں جن میں گراب بھرا ہوا ہے اگر ان کے فیر ہوئے تو ہم سب ہلاک ہو جائیں گے اس خوف سے وہ قریب نہ آئے اور دور سے ہمارے محافظ سپاہیوں سے سوال کیا کہ یہ سواریاں کہاں جاتی ہیں، سپاہیوں نے راجہ انوپ شہر اور رانی کا نام لیا کہ وہاں جاتی ہیں۔ وہ گنوار چپ ہو رہے اور ہم انکے حملے سے بچ گئے۔

اور قوالوں کی یہ کیفیت تھی کہ بار بار کہتے تھے کہ حضور بلالوں وہ بندوق گنوار نے اٹھائی اور ڈر کے مارے ہماری بہلی کی آڑ میں چھپ چھپ کر چلتے تھے خیر خدا خدا کر کے ہم شام تک بخیریت تمام انوپ شہر میں پہونچ گئے۔ ان دہاقین کی نظر میں ستار وغیرہ کو اللہ تعالیٰ نے آلۂ حرب و ضرب بنا دیا اور ہم کو پنجۂ اجل سے بچایا۔

انوپ شہر میں ہمارے شہر کے قاضی زادوں میں قاضی غلام کاظم کی اولاد جو خاندان غلام محمدی میں تھے اور وہ وہاں کے عہدہ قضا پر سابق میں ممتاز تھے قاضی غلام مولا وغیرہ رہتے تھے اور ان کے مکانات بنے ہوئے تھے ان کے ایک مکان میں ہم مقیم ہوئے۔ بوجہ ہم وطنی اور برادری کے انھوں نے بہت مہمانداری کی اور گنگا پار ضلع بدایوں کی تحصیل گنور و سہسوان میں کوئی صورت جانے کی نہ تھی کیونکہ اس طرف اہرات میں بکثرت لوٹ مار ہو رہی تھی اور کسی کی حکومت نہ تھی لاچار آگے چلنے سے بلا کسی جماعت محافظ کے قصد نہ کیا۔

تب مولوی محمد عزیز الدین صاحب ہمارے چچا اور شیخ حسین بخش صاحب ایک قافلۂ فراریان کے ہمراہ ہولئے اور گھوڑی ساتھ لے لی اور اس

غرض سے تاکہ وطن کسی طرح پہونچ کر اور کچھ جمعیت فراہم کر کے لادیں تب یہاں سے لے جاویں، مراد آباد ہوتے ہوئے رامپور آئے۔ اور یہاں سے بمعیت قبلہ گاہی صاحب سعید الدین صاحب[1] مرحوم، آنولہ ہو کر بدایوں پہونچے اور پھر وہ بدایوں سے بمعیت حکیم ممتاز الدین صاحب[2] مرحوم و مغفور قریب بیس یا پچیس آدمی مسلح اور دو بہلیاں مے کر انوپ شہر کو روانہ ہوئے پندرہ یا بیس روز سے زیادہ عرصہ تک ہم کو اور ہمارے جد امجد کو مع قبائل انوپ شہر قیام کرنا پڑا، اور جو کچھ زیور وغیرہ مستورات کا تھا وہ فروخت کر کے یہ ایام گزارے۔

ہر روز میں قاضی کے مکان سے نکل کر دیائے گنگا کے کنارے پر گھاٹ پر جا کر دیکھتا تھا کہ کوئی وطن سے ہمارے لینے کے لئے آیا ہے کہ نہیں چونکہ قاضی صاحب کے مکان سے دریا کا کنارہ قریب تھا، اس لئے روزانہ جا کر انتظار آنے والوں کا رہتا تھا۔

آخر ش ایک روز میں نے اس کنارے سے دوسرے کنارے کی طرف دیکھا تو اپنے والد ماجد اور ماموں صاحب قبلہ اور پیر بخش و ولی محمد جو ہمارے خاندان کے قدیمی متوسل اور نمک حلال اور جانباز تھے۔ ان کو پہچانا اور خوشی کے مارے اپنی دادی صاحبہ سے جا کر خبر کی میں نہیں کہہ سکتا ہوں کہ اسوقت خوشی کا

---

[1] حکیم سعید الدین بن اساس الدین ۲۱ رمضان ۱۲۴۰ھ کو پیدا ہوئے مروجہ علوم حاصل کئے علم طب میں بڑا کمال رکھتے تھے۔ ۲۷ رجب ۱۳۱۶ ہجری کو انتقال ہوا۔ شعر و شاعری کا ذوق، کامل تخلص تھا۔ (انساب شیوخ فرشوری بدایوں، ص ۹۰-۹۲ و تذکرۃ الواصلین از رضی الدین بدایونی (بدایوں ۱۹۴۵ء) ص ۲۶۹ [2] ممتاز الدین ابن حکیم افتخار الدین نامور طبیب تھے۔ ان کا انتقال ۴ رمضان ۱۳۰۸ھ کو ہوا (انساب شیوخ فرشوری بدایوں، ص ۱۱۱-۱۱۳

گیا عالم تھا،

جب وہ قافلہ کشتی پر سوار ہوکر اس پار آگیا اطمینان ہوا اور پھر وہاں سے ایک روز کے بعد ہم سب لوگ گنور ضلع بدایوں کی حدود میں پہونچے اور خدا خدا کر کے قصبہ گنور آئے اور وہاں سرائے میں مقیم ہوئے اثنار راہ میں جوز میندار جناب حکیم محمد ممتاز الدین صاحب مرحوم کے بوجہ ان کے پیشۂ طبابت کے سابق کے شناسا تھے وہ اپنے آدمیوں کو ہماری حفاظت کے لئے ساتھ کر دیتے تھے۔ اس کمبخت سرائے گنور میں سامان پکانے کا یا کوئی بھٹیاری پکانے والی نہ تھی، غرض کہ وہ رات مشکل سے گزاری، جو کچھ ناشتہ ساتھ تھا اس پر سب نے اکتفا کیا۔

وہاں سے صبح کو چل کر شام کو سہسوان میں آئے اور یہاں رات کو رہے پھر سہسوان سے چل کر تیسرے دن بخیریت تمام بدایوں پہونچ گئے اور گھر میں داخل ہوئے۔

وطن میں آکر بھی صورت اطمینان کی نظر نہ آئی اور سفر در وطن کا مضمون پیش آیا، یعنی تمام شہر نے اپنے اپنے مکانات چھوڑ کر دیہات میں پناہ لینا شروع کر دی تھی۔ موضع کلپیا عرف فصیح آباد جس کو ہمارے جدامجد محمد فصیح الدین[1] المخاطب بہ فصیح اللہ خاںؒ نے عہد محمد شاہ بادشاہ میں اپنے نام سے آباد کیا تھا اس موضع میں ہمارے خاندان کے عورات و مرد شہر چھوڑ کر چلے گئے۔ اور وہاں رہنا شروع کیا۔ یہ موضع شہر سے چار کوس دریائے سوت کے کنارے پر جانب شرق مائل بہ گوشۂ جنوب ہے۔ وہاں چھپروں کے مکانات ہیں۔ کئی

---

[1] فصیح الدین المخاطب بہ فصیح اللہ خاں بن شیخ محمد اکرم کے حالات کے لئے دیکھئے انساب شیوخ فرشوری بدایوں۔ از مولوی رضی الدین (مطبوعہ کاکس پریس شاہ آباد ضلع ہردوئی)، صہ ۸۲ - ۸۵

روز تک ہمارا قیام رہا اور ان شیخوں نے جو ہماری رعایا ہیں، کمال درجہ ہماری حفاظت کی اور اپنے مکان خالی کر دئے۔

پھر جب گنگرالہ کی لڑائی ہوئی جسکو ہم اس سے پہلے اصل کتاب میں لکھ چکے ہیں اور سڑک واقع موضع دو نری رسول پور جو ملحق سوانہ کلیپا کے ہے اور کثیر حصہ اس موضع کا بھی اب ملکیت راقم میں آگیا ہے، فوج باغیوں کی اور غازی لوگ گنگرالہ کو جاتے تھے اور گنگرالہ ہماری قیام گاہ سے چار پانچ کوس تھا جب وہاں توپ و بندوق چلنا شروع ہوئی تو اس کی آوازیں برابر چلی آتی تھیں۔

جب فوج نواب کی بھاگ کر ادھر کو آتی تھی، جس سے وہ مقام امن بھی جائے مخدوش ہو گیا اور وہاں سے ہم کو بھی دوسرے مقام کو روانہ ہونا پڑا۔ سخت پریشانی اور سراسیمگی کی حالت میں مع سب زن و مرد شیخوپور کی طرف جو وہاں سے دو میل تھا اس کو جائے امن خیال کر کے چلے۔ خیال تھا کہ چونکہ شیخ محمد شرف الدین صاحب نے خیر خواہی سرکار کی کی تھی، اس لئے شیخوپور کو فوجِ سرکار تباہ نہیں کریگی۔ چونکہ موروثی اتحاد حضرات شیخوپور سے ہمارے بزرگوں سے تھا، انہوں نے ہم مہمانان ناخوانده کی از حد خاطر داری کی اور شیخ صاحب موصوف نے اپنے زنانہ محل سرا کو خالی کر دیا۔ اور اپنی زنانی سواریوں کو دوسرے مکان میں کیا۔ اور ہم چند روز بخیر و عافیت رہے۔

پھر جب تسلط سرکار انگلشیہ کا شہر میں ہو گیا اپنے مکانات میں آئے اب بحکم گورنمنٹ شہر میں روشنی ہوئی کوئی گلی کوچہ اور مکان باقی نہ رہا اور آتش بازی عمدہ قسم کی چھوڑی گئی اور اب جن لوگوں نے ملازمتِ نواب کی تھی ان کی دارو گیر شروع ہوئی۔

دسمبر ۱۸۵۸ء میں ایک خط عم راقم مولوی محمد عزیز الدین صاحب نے مرزا غالب کو لکھے

دہلی کا حال دریافت کرنے کی عرض سے لکھا تھا، اس کا جواب مرزا نوشہ غالب نے لکھا تھا۔ اگرچہ وہ اصل خط دریافت نہیں ہوا لیکن اس میں کے چند فقرے ہم اپنی یاد میں لکھتے ہیں۔ مرزا غالب نے تحریر فرمایا تھا کہ۔

"اے صاحب کیسی صاحبزادوں کی سی باتیں کرتے ہو دہلی کو ویسا ہی آباد سمجھتے ہو، تمہارے دیوان خانے میں جو چھوٹی بیگم رہتی تھی وہ رہتی ہے، میاں کالے صاحب کے مکان میں اسپتال ہے، شہر میں ہندو ہی ہندو نظر آتے ہیں، مسلمان خال خال ہیں، انہیں میں، میں ایک روسیاہ ہوں۔ کھیمی حلوائی کی دوکان میں کتے لوٹتے ہیں"

اور بھی فقرے ایسے ہی تھے جو اب راقم کو یاد نہیں رہے۔ بیگم سے مراد وہی بیگم صاحبہ ہیں جن کا ذکر پہلے ہو چکا ہے۔ کھیمی حلوائی ہمارے دیوان خانے سے متعلق جو دکانات ہیں ان میں بیٹھا کرتا تھا اور اس کی مٹھائی شہر میں مشہور تھی۔

دہلی کا قبل غدر کمال درجہ پر عروج ہو گیا تھا۔ ہر قسم کے صاحب علم و فضل اور اہل موجود تھے۔ میں نے اُس وقت کی رونق کو دیکھا پھر بعد غدر بھی جا کر دیکھا تو زمین و آسمان کا فرق پایا۔ بقول شاعر[۲] کے

میں نے دیکھا ہے ملائک کو خریدار اس کا۔
میں نے چلتی ہوئی دیکھی ہے دکانِ دہلی

اب ہم اس جملہ معترضہ کو تمام کرتے ہیں مگر یہ بات بھی یہاں ظاہر کرنے کے قابل ہے کہ جب ہمارے خاندان میں کسی نے بغاوت نہیں کی تو دہلی کے مکانات

---

[۱] غالب کا یہ خط خطوط غالب مرتبہ غلام رسول مہر میں شامل ہے۔

[۲] یہ شعر مرزا قربان علی بیگ سالک کا ہے۔ (ملاحظہ ہو فغان دہلی) صـ۱۶۶

دکانیں واملاک کیوں جاتی رہیں۔ اس کا یہ حال ہے کہ قبل غدر ہمارے دادا صاحب نے وہیں کے ایک شخص تراب علی نامی سود خوار سے قرض لیا تھا اور تمسک استغراقی مکانات کا کر دیا تھا۔ جب غدر ۵۷ء ہوا اور سرکاری عملداری ستمبر ۵۷ء میں پھر ہوئی اس وقت اہل دہلی اپنے اپنے مکانات چھوڑ کر بھاگے ہوئے تھے، دار و گیر کا زمانہ تھا، بندوبست پنجابی ہو گیا۔ دہلی متعلق پنجاب احاطہ کی گئی۔ اس ناحق کوش شخص دائن نے جناب دادا صاحب کو مفقود الخبر ظاہر کر کے نالش دائر کر دی اور دہلی کے مکانات پر اطلاع نامہ چسپاں کرا دیا جس کی خبر بدایوں میں ہمارے بزرگوں کو نہ ہوئی اور ایک طرفہ ڈگری حاصل کر کے مکان دیوان خانہ اور مکان زنانہ و رتھ خانہ وغیرہ نہایت کم قیمت میں نیلام کرا کے خود خرید لی۔ اس وقت خریدار کون تھا جو بولی بولتا۔ کچھ رعایا جو رہی تھی ان کی اراضیات رہ گئیں سو وہ خود مالک بن گئے البتہ املاک سہی پور دتاتار پور بچی رہی تھیں جو بعد کئی سال کے ہمارے جد امجد نے بیع کر ڈالیں کیونکہ وہاں کا اب کچھ تعلق نہ رہا تھا۔

ان املاک کی تحقیقات میں بھی ایک قضیۂ نامرضیہ پیش آیا۔ ایک ملک میں ہمارے والد ماجد مرحوم حکیم محمد سعید الدین کا نام بشمول نام جد امجد و چچا وغیرہ کے داخل تھا۔ اور تحقیقات معافی داروں کی شروع تھی کہ آیا معافی دار تو باغی نہیں ہوا۔ یہ تحقیقات ایک یورپین غصہ ناک شخص کے سپرد تھی اور اس نے ایام غدر میں جو اپنے ہم قوموں کو گرفتار ہوتے اور مارے جاتے دیکھا، اسکو ذرا ذرا بات پر شبہ ہوتا کہ محمد سعید ایک شخص کی مُہر فتویٰ جہاد پر جو دہلی کے رہنے والے تھے دفتر میں برآمد ہوئی تھی صاحب بہادر نے فرمایا کہ محمد سعید وہی شخص ہے جس نے محضر پر مہر کی تھی میرے دادا صاحب وقت تحقیقات موجود تھے۔ انہوں نے عرض کی کہ حضور اس کا نام محمد سعید الدین ہے محمد سعید نہیں ہے اور وہ ایام غدر میں دہلی میں نہیں تھا بلکہ رامپور اور آنولہ تھا لیکن

صاحب نے حکم حاضری اصالتاً کا دیا۔

جب والد مرحوم کو یہ خبر ہوئی تو والد مرحوم نے حکیم محمد سعادت علی خاں بہادر رئیس آنولہ جن کے ساتھ ایام غدر میں وہ رہے ان سے تذکرہ کیا انہوں نے اپنی تصدیق لکھ کر اور نواب صاحب جنت آشیاں یوسف علی خان بہادر مرحوم ومغفور والیٔ ریاست رامپور کی مہر و دستخط مزین فرما کر وہ کاغذ روانہ کیا کہ حکیم محمد سعید الدین ہمارے یہاں ایام غدر میں رہے اور وہ خیر خواہ سرکار ہیں۔

جب یہ کاغذ پیش ہوا اس وقت بھی صاحب کو یقین نہ ہوا اور فرمایا کہ مسلمان، مسلمان کے بچانے کی کوشش کرتا ہے۔ اس کو حاضر آنا چاہئے۔ تب تو مایوسی ہوئی کہ اتنی بڑی صفائی پر کچھ خیال نہ ہوا تو کیا اُمیدِ جاں بری ہے۔

پھر بدایوں سے مسٹر کارمیکل صاحب بہادر مجسٹریٹ ضلع بدایوں کے روبرو رئسا بدایوں نے محضر بنا کر پیش کیا۔ اور انہوں نے تصدیق کر کے بھیج دیا۔ کہ یہ شخص دہلی نہیں گیا تھا۔ اور پھر بھی عذر غیر حاضری مسموع نہ ہوا۔

الغرض والد ماجد کو بدایوں سے جانا پڑا۔ جب والد یہاں سے گئے ہیں تب مایوسی ہم لوگوں کو تھی کہ اب دیکھئے سلامت آتے ہیں یا نہیں پھر دہلی پہونچ کر یہ حاضر حضور صاحب مجسٹریٹ بہادر کے ہوئے انہوں نے دریافت کیا کہ تمہارا کیا نام ہے۔ اپنا نام بتایا اور اپنی مہر کے کاغذات جو قبل غدر کے تھے اور ان پر مہریں تھیں پیش کئے کہ میری مہر میں محمد سعید الدین ہے اور فتویٰ پر محمد سعید صرف مہر میں تھا۔

پھر تحقیقات کے لئے یہ معاملہ تحصیلدار دہلی کے سپرد ہوا۔ ایک شخص کھتری یا بنئے تحصیلدار دہلی کے تھے۔ جب ان کے پاس والد دادا صاحب گئے

تو وہ دیکھ کر سرو قد اٹھ کھڑے ہوئے۔ انہوں نے فرمایا کہ میں جناب حافظ صاحب یعنی ہمارے والد کے جدامجد کا شاگرد ہوں، آپ کا کیا کام۔ ان سے سب قصہ کہا گیا۔ انہوں نے تحقیقات کر کے خود جاکر صاحب سے کہا کہ یہ شخص اور ہیں اور یہ بمقام دہلی ایام غدر میں نہ تھے تب صاحب کا شک رفع ہوا۔ اور اس بلائے ناگہانی سے نجات پائی اور معافی بدستور قائم رہی۔"[۱]

بہادر شاہ کا کورٹ ایڈمنسٹریشن!

دہلی میں جنگ آزادی کا آغاز ۱۱ مئی ۱۸۵۷ء سے ہوا اور بہادر شاہ ظفر کو بادشاہ بنا دیا گیا۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ بدامنی کا دور دورہ تھا شہزادوں کے ہاتھ میں سربراہی تھی مگر ان میں انتظام کی لیاقت نہ تھی۔ فوج بے قابو تھی جب ۲ جولائی ۱۸۵۷ء کو جنرل بخت خاں دہلی میں داخل ہوا تو شہر میں امن و امان اور انتظام درست ہوا۔ انتظام کی غرض سے ایک کورٹ ایڈمنسٹریشن مقرر ہوا جس کو یہاں پیش کیا جاتا ہے۔[۱]

---

[۱] ملاحظہ ہو سین صہ ۴، ۵، و "آج کل" دہلی ماہ اگست ۱۹۵۸ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

از انجا کہ واسطے رفع برہمی سررشتہ اور موقوفی بد انتظامی طریقہ فوجی اور ملکی کے مقرر ہونا ایک دستور العمل کا واجب اور مناسب اور واسطے عمل درآمد دستور العمل کے اولاً معین ہونا کورٹ کا، برضروری ہے اس لئے حسب ذیل قواعد مقرر کئے جاتے ہیں۔

(۱) ایک کورٹ قائم کی جائے اور اس کا نام کورٹ ایڈمنسٹریشن یعنی جلسہ انتظام فوجی و ملکی رکھا جائے۔

(۲) اس جلسہ میں دس آدمی مقرر کئے جائیں اس تفصیل سے کہ چھ جنگی اور چار ملکی ہوں، اور جنگیوں میں دو شخص پلٹن پیادگان سے اور دو شخص رسالہ ہائے سواران سے اور دو شخص سررشتہ توپ خانہ سے منتخب کئے جائیں اور چار شخص ..... [۱]

(۳) ان دس شخصوں سے ایک شخص باتفاق غلبہ آرائی پریسیڈنٹ یعنی صدر جلسہ اور ایک شخص وائس پریسیڈنٹ یعنی نائب صدر جلسہ مقرر ہو۔ اور رائے صدر جلسہ کی برابر دو رائے کے قرار پاوے گی۔ اور ہر ایک سررشتہ میں بقدر ضرورت سکتر مقرر کئے جائیں اور پانچ گھنٹے جلسہ کورٹ کا..... [۲] مناسب..... [۳] ہوا کرے۔

(۴) ان دس شخصوں کے مقرر ہونے کے وقت حلف ان باتوں کا لیا جائے کہ کام کورٹ کا دیانت داری اور امانت سے بلا رو رعایت مکمل جانفشانی اور غور و فکر سے سرانجام کریں گے۔ اور کوئی دقیقہ فائق متعلقہ انتظام سے فروگذاشت نہ کریں گے۔ اور حیلۃً اور صراحتاً اخذ وجریار عایت

[۱، ۲، ۳] یہ حروف مٹے ہوئے ہیں۔

کسی طرح کی کسی لحاظ سے وقت تجویز امور انتظام کورٹ میں نہ کریں گے بلکہ ہمیشہ ساعی و سرگرم ایسے انتظام امورات سلطنت میں مصروف رہیں گے کہ جس سے استحکام ریاست اور رفاہ اور آسائش رعیت ہو۔ اور کسی امر مجوزہ کورٹ کو بے اجازت کورٹ اور صاحب[1] .. قبل اجرار اس کے صراحتاً یا کنایتاً کے ظاہر نہ کریں گے۔

(۵) انتخاب اشخاص کورٹ کا اس طریقہ سے کہ غلبۂ آرار سے دو دو شخص پلٹن پیادگان اور رسالہ ہائے سواران سے اور سررشتہ توپ خانہ جنگی سے جو قدیم الخدمت اور ہوشیار اور واقف کار اور لائق ہو کئے جائیں اور اگر کوئی شخص ہوشیار بہت اور عقیل و فہیم اور لائق انصرام کار کورٹ ہو اور شرط قدیم الخدمتی کی نہ پائی جائے تو صرف اس صورت میں یہ امر خاص مانع تقرر ایسے شخص کا نہ ہوگا۔ اور اسی طرح تقرر چار شخص ملکی کا بھی عمل میں آوے گا۔

(۶) بعد مقرر ہونے دس شخصوں کے اگر کوئی شخص جلسۂ انتظام کورٹ میں رائے اپنی کسی ایسے امر میں ایسے کہ خلافِ دیانت اور امانت یا مجہول اور پر رعایت کسی امر کے ہووے گا تو کو ...... کامل غلبہ آرائے کورٹ سے وہ شخص علیحدہ کیا جائے گا اور دوسرا شخص حسب قاعدہ پانچویں بجائے اس کے انتخاب ہو۔

جو امورات انتظام کے پیش آویں اوّل تجویز ان کی کورٹ میں کریں .....

(۷) بعد مرتب ہونے رائے غلبہ آرائے جلسہ کورٹ سے واسطے

---

[1] اصل مسودے میں یہ لفظ مٹا ہوا ہے۔ لیکن اس دستور کی دفعہ ۱ میں بتایا گیا ہے کہ کورٹ "صاحب عالم بہادر" کے ماتحت ہوگی۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہاں بھی "صاحب عالم بہادر" ہی ہوگا۔

منظوری کے پیشگاہ حضور صاحب عالم بہادر میں پیش ہوگی۔ اور بعد منظوری صاحب عالم بہادر کے اطلاع کورٹ سے حضور والا میں ہوتی رہے گی اور کورٹ تحت حکومت صاحب عالم بہادر ممدوح کے رہیگی۔ اور کوئی امر امور انتظامی جنگی اور ملکی کی تجویز کورٹ اور بلا منظوری صاحب عالم محتشم الیہ اور بلا اطلاع حضور والا قابلِ اجرائی نہ ہوگا۔ اور درصورت اختلاف رائے صاحب عالم بہادر بعد تجویز ثانی کورٹ وہ رائے بحالت اختلاف بوساطت صاحب معظم الیہ پیشگاہ حضور ظل سبحانی میں پیش ہو، اور اس میں حکم حضور ناطق ہوگا۔

(۸) کورٹ میں سوائے اشخاص مقررہ جلسہ کے کوئی شخص غیر شریک جلسہ اور حاضر نہ ہوگا۔ صاحب عالم بہادر اور ظل سبحانی رونق افروز ہونے کا اختیار رکھیں گے۔ جب اشخاص معینہ کورٹ میں سے بعذر قوی لائق پذیرائی اگر ایک شخص اپنی تعداد زمرۂ مقرر سے حاضر جلسۂ کورٹ نہ ہوسکے تو رائے غلبہ آرائے اشخاص یا مابقی حاضرین جلسہ کورٹ کی بمنزلہ رائے کل جلسہ کورٹ کے متصور ہوگی۔

(۹) جب کوئی شخص کورٹ میں سے تقریب کسی امر کے رائے اپنی پیش کرنی چاہے تو اولاً اتفاق ایک رائے دوسرے شخص مکرر کا کرکے اس وقت رائے اپنی متفق الیہ دو شخص کورٹ کے پیش کرے۔

(۱۰) جس وقت کوئی امر کورٹ میں موافق قاعدہ نویں کے پیش ہو، اول پیش کرنے والا تقریر اپنی کورٹ میں بیان کرے۔ اور جب تک بیان اس کا تمام نہ ہو کوئی شخص اس میں دخل نہ کرے۔ اہل کورٹ میں سے اگر کسی کو کچھ اعتراض ہو تو وہ پہلے اپنا اعتراض ظاہر کرے تا تمام ہونے اس کے پہلے کوئی دخل نہ دے۔ اگر معترض ہو کوئی تیسرا شخص تقریر درباب اصلاح یا ترمیم اسے کسی طرح کی کمی بیشی کے ساتھ پیش لادے اور مابقی اہل کورٹ کو سکوت ہو تو ہر ایک اہل کورٹ اپنی اپنی رائے علیحدہ

موافق قاعدہ آٹھویں کے لکھے ۔ غلبہ آرائے پر عمل ہوگا ۔ اور بعد منظوری ہر ایک سررشتہ کے سکرتر کے پاس بھیجی جائے۔

(۱۱) اور ہر ایک سررشتہ فوج سے جو شخص حسب قاعدہ دوسرے کے منتخب کئے جائیں گے وہی اشخاص اس سررشتہ کے منتظم اور منصرم مقرر کئے جائیں اور ان کے تحت میں چار آدمی کی کمیٹی حسب طریقہ قاعدہ چوتھے کے قرار پائے اور بقدر ضرورت اسی کمیٹی میں سے سکرتر مقرر ہوں ۔ اور جو رائے اس کمیٹی میں غلبہ آرائے سے مرتب ہوئے وہ بذریعہ ان ہی شخصوں افسر کمیٹی کے کورٹ میں پیش کی جائے کورٹ سے موافق قاعدہ ساتویں کے عمل میں آئے اور یہی طریقہ ہر ایک سررشتہ فوجی اور ملکی میں مرعی کیا جائے۔

(۱۲) ہر وقت بمقتضائے مصلحت کورٹ کو اصلاح اور ترمیم قواعد دستور العمل ہذا کا غلبہ آرائے سے اختیار دیا جائے۔

بہادر شاہ کی گرفتاری اور انجام

۱۴ ستمبر ۵۷ء کو دہلی کے بڑے حصے پر انگریزوں کا قبضہ ہوگیا ۔ اور ۲۰ ستمبر ۵۷ء تک دہلی پر انگریزوں کا مکمل قبضہ ہوگیا ۔ ۱۹ ستمبر کو بخت خاں نے بادشاہ سے کہا کہ وہ اودھ کو چلیں ۔ ساری جاں نثار سپاہ موجود ہے ۔ اگر دہلی پر قبضہ ہوگیا تو سارا ملک تو موجود ہے ، بادشاہ نے کہا کہ کل تم ہمایوں کے مقبرے میں ملو ۔ رات کو مرزا الٰہی بخش نے بہادر شاہ کو شیشے میں اتار لیا اور بخت خاں کے ساتھ جانے سے باز رکھا ۔ اور اُمید دلائی کہ انگریز اس کو معاف کر دیں گے صبح کو بادشاہ نے بخت خاں کے ساتھ جانے سے انکار کر دیا ۔ بخت خاں اور انقلابی سپاہ نے دہلی چھوڑ کر اودھ کا راستہ لیا ۔ مرزا الٰہی بخش کی تدبیر کامیاب ہوگئی جب مولوی

لہ ذکاء اللہ ۔ صد ۶۶۷ ۔ ۶۶۸ ۔ سین ۔ صد ۱۰۹ قیصر التواریخ جلد دوم صد ۴۵۲

رجب علی کو یہ معلوم ہوا تو اس نے مرزا الٰہی بخش کو لکھا[1]

"آپ فقط یہ کام کیجئے کہ باغیوں کے چلے جانے کے بعد بادشاہ کو چوبیس گھنٹہ تک ہمایوں کے مقبرے سے کہیں جانے نہ دیجئے باقی کام مجھ پر چھوڑ دیجئے میں اس کو کرونگا۔"

مولوی رجب علی نے ہوڈسن کو اطلاع دی، انگریز افسران بمشکل بادشاہ کی جاں بخشی پر راضی ہوئے۔ ہوڈسن مقبرے کے پاس ایک شکستہ عمارت میں کھڑا رہا۔ کمال الدین حیدر حسینی لکھتے ہیں[2]

"سو سوار مولوی رجب علی خاں کے ساتھ بادشاہ کے لینے کو بھیجے مولوی صاحب نے دو روپے نذر دیئے بادشاہ ہوادار میں سوار ہو چکے تھے پھر پالکی انگریزی پر سوار ہوئے۔"

مولوی ذکاءاللہ لکھتے ہیں[3]۔

"بادشاہ نے پوچھا کہ میرا گرفتار کرنے والا ہوڈسن صاحب بہادر ہیں تو صاحب نے جواب دیا کہ ہاں تو بہادر شاہ نے کہا کہ میں آپ کی زبان سے بھی اپنے اور اپنی بیوی اور اپنے بیٹے کی جاں بخشی کا وعدہ سننا چاہتا ہوں، ہوڈسن نے وعدہ کیا۔"

کمال الدین حیدر لکھتے ہیں[4]۔

"مرزا جواں بخت شاہزادہ، نواب زینت محل، نواب تاج محل، حکیم احسن اللہ خاں، مرزا قیصر شکوہ، میر فتح علی

---

[1] ذکاءاللہ۔ ص ۶۴۵ [2] قیصر التواریخ جلد دوم۔ ص ۴۵۳ [3] ذکاءاللہ ص ۶۴۵ [4] قیصر التواریخ جلد دوم ص ۴۵۳

فوجدار خاں اور اشخاص نامی وغیرہ یہ سب ۹۶
شمار میں تھے حلقہ سواروں میں چلے ..... داخل شہر
ہوئے، اور سب نواب زینت محل کے مکان میں
رہے۔"

بادشاہ کی پالکی دیوان عام میں رکھ دی گئی انگریز افسروں نے بادشاہ پر طعن وتشنیع کی اور گالیاں دیں تھوڑی دیر یہ عالم رہا، پھر ایک انگریز نے بادشاہ کی ران پر ہاتھ مارا ایک حبشی غلام نے اسے اٹھاکر زمین پر دے مارا وہیں دو تین انگریزوں نے اس کو ختم کردیا[1]۔ بہر حال اس نے حق نمک ادا کیا۔

شام کو بادشاہ نواب زینت محل کے مکان میں قید کردئے گئے اور سر جان لارنس کے حکم سے بادشاہ کے جرائم کی تحقیقات کے لئے ایک کمیشن ۲۵ر جنوری ۱۸۵۸ء کو مقرر ہوا جس میں بادشاہ کا وکیل غلام عباس اور میجر ایف۔جی گورنمنٹ کا وکیل تھا۔ اس کمیشن کا اجلاس دیوان خاص میں ہوتا تھا۔ ۹ر مارچ ۱۸۵۸ء تک اجلاس ہوئے۔ پھر عدالت نے اپنی تجویز پر غور کیا۔ اور ۲ر اپریل ۱۸۵۸ء کو فیصلہ ہوا۔

"جو شہادت عدالت کے روبرو ہے۔ اس کی رائے
یہ ہے کہ قیدی محمد بہادر شاہ معزول شدہ بادشاہ
ان کل وجزو الزامات کا جو اس پر لگائے گئے تھے
مجرم ہے۔"

نومبر ۱۸۵۸ء میں بہادر شاہ رنگون روانہ کردئے گئے ان کے ہمراہ مندرجہ ذیل ۱۶ حضرات[2] تھے۔

---

[1] قیصر التواریخ جلد دوم۔ صہ ۴۵۳ [2] ایضاً صہ ۴۵۴

بہادر شاہ ۔۔ زینت محل (رنگین)

(۱) نواب زینت محل (۲) نواب تاج محل
(۳) خیراً بائی (۴) ظہوراً بائی
(۵) مرزا جواں بخت (۶) شاہزادہ مرزا شاہ عباس
(۷) مرزا قیصر پرستار (۸) نواب شاہ بادی بیوی جواں بخت
(۹) جواں بخت کے سالے، مرزا عبداللہ (۱۰) جواں بخت کی ساس
(۱۱) احمد بیگ آبدار (۱۲) باسط علی، وغیرہ۔

کمال الدین حیدر لکھتے ہیں[۱]۔

"ایک دوست نے کانپور میں اس طور سے دیکھا کہ ایک پینس میں بادشاہ گیروا لباس پہنے ۲۵ گورے گرد اور دو پینس تیس کراچیاں زنانی مردانی"

رنگوں پہونچنے کے بعد گوروں کی حراست میں بندرگاہ سے صدر بازار کے ایک دو منزلہ بنگلے میں لایا گیا۔ اس بنگلے کے گرد گوروں کا پہرہ بہادر شاہ ظفر کی آخری زندگی تک رہا۔ اور ۷، نومبر ۱۸۶۲ء بروز یکشنبہ بہادر شاہ ظفر نے وطن سے سیکڑوں میل دور عالم غربت میں دارالبقا کی راہ لی۔

کتنا ہے بدنصیب ظفر دفن کے لئے
دو گز زمین بھی نہ ملی کوئے یار میں

مرزا جواں بخت نے مولمین میں ۱۸۸۴ء میں انتقال کیا اور ۱۷، جولائی ۱۸۸۶ء کو زینت محل کا انتقال ہوا[۲]۔

---

[۱] قیصر التواریخ جلد دوم صفحہ ۴۵۴ [۲] آج کل دہلی اگست ۱۹۵۷ء صفحہ ۱۲۱ - ۱۲۲

شاہزادوں کا قتل

شاہزادوں کو کس طرح قتل کیا گیا ملاحظہ ہو۔

"کیپٹن ہڈسن جیسے ہی ہمایوں کے مقبرے سے لوٹا تو معلوم ہوا کہ اس نے بادشاہ کے دو لڑکوں مرزا مغل اور مرزا خضر سلطان کو مار ڈالا بادشاہ کے دو ملازمین کے ہتھیار بادشاہ کی ذاتی سواری کے ہاتھی اور گھوڑے بھی حاصل کر لئے" [۱]

اس کی تفصیل ذکاء اللہ اس طرح بیان کرتے ہیں [۲]۔

" دوسرے دن ہڈسن، جنرل سے اجازت لے کر اور میک ڈونلڈ کو ہمراہ لے کر ان شہزادوں کو مغل، خضر، ابوبکر، کے قتل کے لئے روانہ ہوا۔ مرزا مغل، مرزا خضر سلطان اور مرزا ابوبکر مقبرے میں تھے۔ اور ان کے ساتھ بہت سے بدمعاش (انقلابی یا جہادی) تھے، بعض دل چلے ہڈسن صاحب سے لڑنے کی صلاح دیتے تھے۔ مگر شاہزادوں نے دو گھنٹے جاں بخشی کے اقرار کے لئے گفتگو کی مگر ہڈسن نے اس کو نامنظور کیا۔ اور ناچار انہوں نے اپنے تئیں ہڈسن کے حوالے کیا ان کو رتھوں میں سوار کر کے دہلی سے ایک میل کے فاصلے پر لائے۔ پھر ان کو رتھوں سے اترنے کا اور اندر کے

---

[۱] میوٹنی ریکارڈس جلد ہفتم حصہ دوم ص ۳۱، [۲] ذکاء اللہ۔ ص ۶۵

کپڑے اتارنے کا حکم دیا اور ایک سوار سے قرابین لے کر تینوں کو خود مار ڈالا۔ اور لاشوں کو لاہوری دروازے سے لاکر کوتوالی میں چوبیس گھنٹے تک لٹکائے رکھا"

مولوی فضل حق خیر آبادی لکھتے ہیں [۲]

"راستے میں بادشاہ کے بیٹوں اور پوتوں کو کسی سردار نے گولی کا نشانہ بنانا چاہا وہیں پھینک کر سروں کو خوان میں لگا کر بادشاہ کے سامنے "تحفتہً" پیش کیا۔ پھر ان سروں کو کچل کر پھینک دیا۔"

کمال الدین حیدر حسینی کا بیان ہے [۳]

"(مرزا الٰہی بخش) نے مرزا مغل، مرزا خضر سلطان اور مرزا ابو بکر شہزادوں سے کہا کہ بادشاہ تمہارا خیریت سے ہے، تمہیں بلایا ہے اور کچھ نہ کہا، کس واسطے کہ گھر کے بھیدی اور ابتدائے معرکہ سے خیر خواہی سرکار پر کمر باندھی تھی۔ غرض یہ شہزادے اجل گرفتہ رتھ پر سوار حلقہ سواروں میں چلے۔ جب قریب جیل خانہ پہونچے جنرل ہڈسن بہادر وہاں کھڑے تھے، سامنے بلوا کر کپڑے اتروا کر پھر اس رتھ پر سوار کیا۔ پھر اپنے ہاتھ سے تین تین گولیاں مقام قلب پر ماریں اور شہ رگ کو سنگین

---

[۱] باغی ہندوستان، مرتبہ عبدالشاہد خاں شروانی (بجنور ۱۹۴۷ء) صفحہ ۳۰۳

[۲] سٹی آف دہلی ڈیورنگ دی سیج، ۱۸۵۷ء از مبارک شاہ (ترجمہ انگریزی از آر۔ ایم۔ ایڈورڈ) (مائکروفلم پاکستان ہسٹاریکل سوسائٹی) صفحہ ۱۷۹

سے چیر دیا اور اسی چبوترہ پر کوتوالی میں جاکر نعشوں کو زمین میں ڈال دیا اور بعد تین دن کے درگاہ خواجہ باقی باللہ میں گڑوا دیا۔[1]"

مبارک شاہ کوتوال دہلی لکھتا ہے۔[2]

"پھر ہڈسن مرزا مغل، مرزا ابوبکر اور مرزا خضر سلطان کو ایک رتھ میں بحیثیت قیدیوں کے لایا جب جیل کے نزدیک پہونچے تو ان تینوں کو گولی مار دی، اور نعشیں کوتوالی لائی گئیں۔"

خواجہ حسن نظامی لکھتے ہیں۔[3]

"دوسری روایت اور ہے جو عوام میں عام طور سے مشہور تھی۔ اور مرزا الٰہی بخش نے ایک مصاحب خاص سے جو موقع پر خود موجود تھا، میرے والد سے اس کو بیان کیا اور والد نے اس قصہ کو میرے سامنے کہا۔ اور صرف ایک ہی روایت نہیں، میں نے صدہا آدمیوں کی زبانی ایک ہی شان سے یہ واقعہ سنا ہے۔

مرزا مغل، مرزا خضر سلطان، مرزا ابوبکر اور مرزا عبداللہ چار شہزادوں کو رتھوں سے اتارا اور اپنے ہاتھ سے ان کو قتل کر کے ایک چلو خون کا پیا۔ اور کہا اگر میں ان کا خون نہ پیتا تو میرا دماغ خراب ہو جاتا۔ کیوں کہ ان لوگوں نے میری قوم کی بے کس عورتوں اور بچوں کے قتل میں حصہ لیا تھا۔ اور ان کے دیکھنے سے میرا خون

---

[1] قیصر التواریخ جلد دوم صہ ۴۵۳ [2] دہلی کی جانکنی۔ صہ ۵۳

جوش کھاتا تھا۔ شہزادوں کے قتل کے بعد ان کے سر کاٹے گئے اور سروں کو بادشاہ کے سامنے لایا گیا اور ہڈسن نے کہا یہ آپ کی نذر ہے جو بند ہو گئی تھی اور جس کو جاری کرانے کے لئے آپ نے غدر میں شرکت کی تھی۔ بہادر شاہ نے جوان بیٹوں اور جوان پوتوں کے کٹے ہوئے سر دیکھے تو حیرت انگیز استقلال سے ان کو دیکھکر منہ پھیر لیا اور کہا کہ الحمد للہ تیمور کی اولاد ایسی ہی سرخ رو ہوکر باپ کے سامنے آیا کرتی تھی۔ اس کے بعد شہزادوں کی لاشیں کوتوالی کے سامنے لٹکا دی گئیں اور سر جیل خانے کے سامنے خونی دروازے میں لٹکا دیے گئے۔ جن کو ہزاروں آدمیوں نے دیکھا[1]۔"

انگریزوں کے مظالم کے ترکش کے تیروں سے صرف تین شہزادوں کی جانیں ہی تلف نہیں ہوئیں، بلکہ خاندان تیموریہ کا بچہ بچہ قابل دار تھا۔ ذکاء اللہ لکھتے ہیں[2]۔

"دلی کے آس پاس جتنے شہزادے ملے پکڑے گئے ان کی تعداد انتیس بیان کی جاتی ہے۔ ان میں بوڑھے، لنگڑے بیمار، سب کے سب پھانسی میں لٹکائے گئے۔ سب سے زیادہ بوڑھا شہزادہ مرزا قیصر ابن شاہ عالم ثانی، اکبر شاہ

---

[1] شہزادوں کے قتل کے لئے ملاحظہ ہو۔ (۱) ظہیر دہلوی۔ ص۱۶۳ (۲) کے ایڈ میلن جلد چہارم ص۵۳-۵۵۔ (۳) لائف آف لارنس جلد دوم ص۱۲۲-۱۲۳۔ (۴) فارٹی ون ایرز ان انڈیا جلد اول ص۲۴۹

[2] ذکاء اللہ۔ ص۷۰۰، نیز دیکھئے دلی کی جانکنی۔ ص۶۵-۶۹۔

کا بھائی تھا۔ اور مرزا محمود شاہ اکبر کا پوتا وجع مفاصل میں مبتلا تھا اس کی لاش پھانسی میں گولا لاٹھی ہوئی لٹکتی تھی .... شہزادے بے تمیزی سے پھانسی پاتے تھے۔

ظہیر دہلوی رقمطراز ہیں۔[1]

"دوسرے روز سانڈرس صاحب جمعیت سواران ساتھ لے کر نظام الدین میں پہونچے اور مرزا الٰہی بخش شہزادے کی نشاندہی سے تیس شہزادگان دہلی کو کہ ان میں بادشاہ کے بیٹے پوتے نواسے اور داماد تھے گرفتار کر کے لائے، اور بیرون دروازہ ان کو قتل کر دیا۔"

لارڈ لارنس کا سوانح نگاران کی تعداد انتیس بیان کرتا ہے۔[2]

مرزا غالب کا بیان بھی پڑھنے سے تعلق رکھتا ہے۔[3]

"از شہزادگاں بیروں
ازیں نتواں سمرد کہ اندکے
را اژدہائے مرگ بدہاں
زخم گلولہ تفنگ فرو بردہ
چندے را جسم بند چا تو
بہ کشاکش رسن رواں
در تن فشردہ افسردہ
چندازاں میان زنداں

"شہزادوں کے متعلق اس
سے زیادہ کچھ بیان نہیں
ہو سکتا کہ چند کو اژدہائے
موت نے گولے کے دہان زخم
میں پہونچا دیا، چند پھانسیوں
پر لٹکے اور جان ان کے
بدن میں افسردہ ہوئی چند
قید میں ہیں اور اس

---

[1] ظہیر دہلوی۔ صفحہ ۱۶۴ ظہیر دہلوی نے یہ بھی لکھا ہے کہ سر کٹوا کر بادشاہ کے سامنے بھیجے گئے۔ [2] لائف آف لارنس جلد دوم صفحہ ۱۵۱
[3] کلیات نثر غالب، دستنبو، صفحہ ۵۸

نشیں اند و چند از اں دو ماں — خاندان کے چند آوارہ اور
آوارۂ روئے زمین " — سرگرداں پھرتے ہیں "

جو شہزادے قید میں تھے ان پر سخت مظالم ہوتے تھے، نواب احمد قلی خاں والد زینت محل انگریزوں کے دہلی میں داخل ہوتے ہی جھجر بھاگ گئے تھے۔ لیکن جھجر سے پکڑے ہوئے آئے ان سے بڑھاپے کی وجہ سے قید کی سختیاں برداشت نہ ہو سکیں آخر جیل خانے ہی میں ان کا انتقال ہو گیا۔ ان کا مکان جو ایک لاکھ روپئے کی مالیت کا تھا انگریزوں نے ضبط کر لیا۔ؔ

بعض شہزادوں کو سرسری مقدمات کے بعد پھانسی دیدی گئی، سر ولیم میور لکھتا ہے (۲ اکتوبر ۱۸۵۷ء) ؎

" بریگیڈیر شاور نے بادشاہ کے دو اور بیٹوں کو بھیجا کمیشن کے سامنے ان کا بھی مقدمہ ہوا "

مقدمے کا نتیجہ ملاحظہ ہو۔؎

" بادشاہ کے دو لڑکوں مرزا بختاور اور مینڈھو کو جنکا مقدمہ زیر سماعت تھا گولی ماردی گئی ان کی نعشیں کو توالی پر لٹکائی گئیں تیسرے کا مقدمہ زیر سماعت ہے "

ولیم میور ۱۸ نومبر ۱۸۵۷ء کی روداد بیان کرتا ہے۔؎

" کل صبح دہلی میں چوبیس شہزادے یا سلاطین پھانسی پر لٹکائے گئے، ان میں دو بادشاہ کے برادر نسبتی اور دو داماد تھے، باقی (بادشاہ کے، بھتیجے وغیرہ تھے "

؎ دہلی کی سزا۔ ص۵۷ ؎ میور جلد اول۔ ص۱۶۰ ؎ ایضاً ص ۱۹۶ - ۱۹۹ ؎ ایضاً ص ۱۷۳
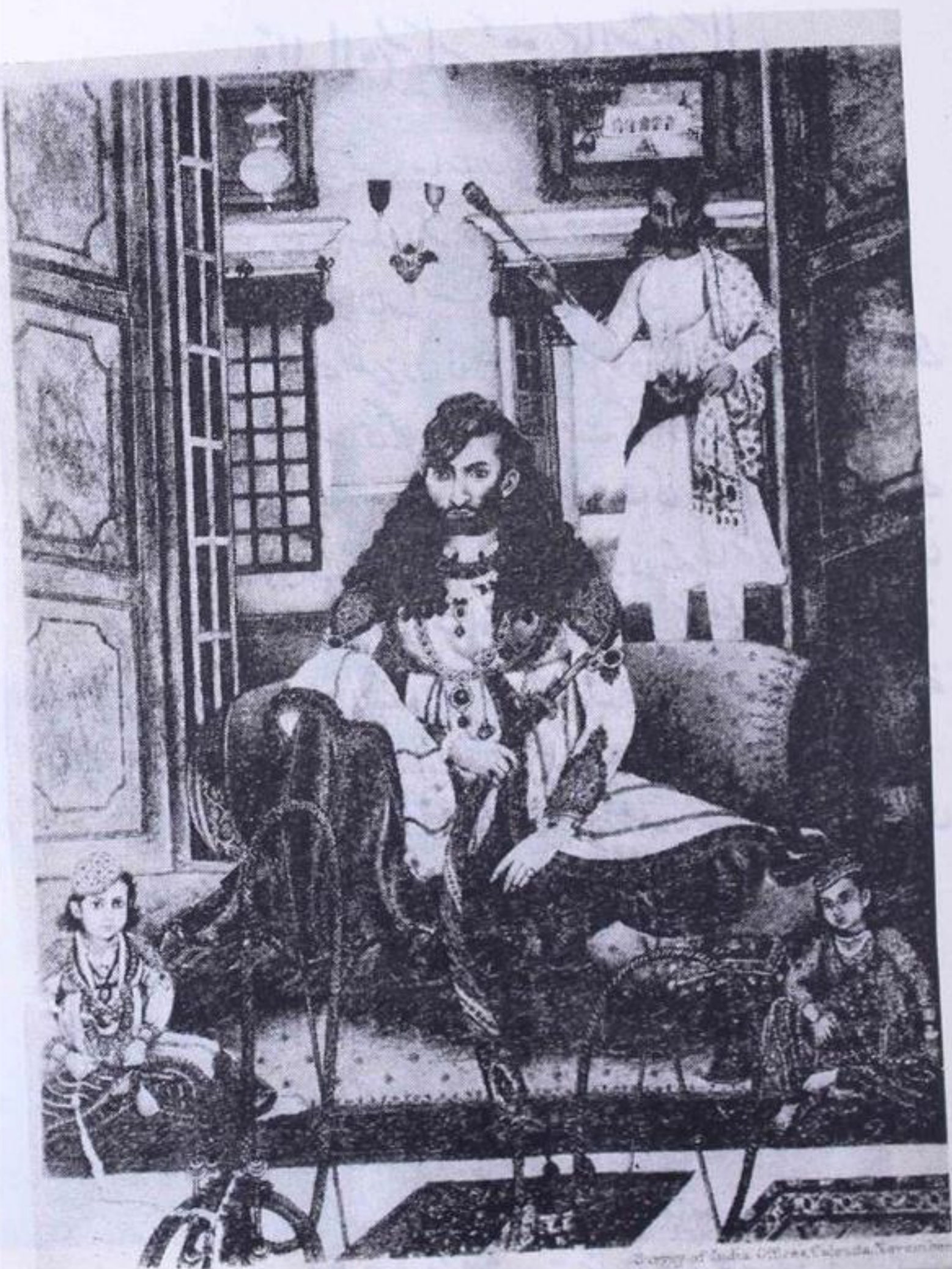
نواب عبدالرحمٰن خاں (والیٔ جھجر)

والیانِ ریاست کا استیصال

دہلی ایجنسی کے تحت سات ریاستیں تھیں (۱) جھجر (۲) فرخ نگر (۳) بلب گڑھ (۴) بہادر گڑھ (۵) دوجانہ (۶) پاٹودی (۷) لوہارو ان میں سے پہلے تین والیان ریاست کو پھانسیاں ہوئیں،

جب دہلی سے انگریزوں کی حکومت ختم ہوئی تو ان رئیسوں نے بادشاہ کے حکم کی تعمیل ضروری سمجھی اور قومی حکومت کو مدد دی۔

نواب جھجر عبدالرحمٰن خاں نے قومی حکومت کی مدد کھل کر نہ کی نگراں کے خسر نواب عبدالصمد خاں انقلابیوں کے ساتھ دوش بدوش لڑے، چونکہ عبدالرحمٰن خاں شکاف کی حفاظت نہ کر سکے اور انہوں نے ایک سو روپے نقد پیش کئے، شکاف کے دل کو یہ بات لگ گئی کہ نواب نے میری مدد نہ کی اور مجھے موت کے منہ میں جھونک دیا، شکاف بچ گیا۔

۱۷ اکتوبر ۱۸۵۷ء کو نواب جھجر شکار گاہ سے گرفتار کئے گئے۔ اور پھانسی دے دی گئی[1]۔ شمس العلماء ذکاء اللہ کا بیان[2] ہے کہ،

"رئیسوں کی پھانسی کا وقت سہ پہر مقرر کیا تھا، شہر کے دروازے بند کر لئے جاتے تھے، اور سپاہ کی ایک کمپنی باجہ بجاتی ہوئی کوتوالی کے سامنے آن کھڑی ہو جاتی تھی پھانسی پانے والے رئیس کو ایک کرانچی پر جس کے گرد کپڑا تنا ہوتا تھا اُکڑوں بٹھا دیا جاتا تھا۔ کوتوالی کے چاروں طرف فرنگی تماشائی بیٹھے ہوتے تھے۔ مجرم کے گلے میں پھندا

---

[1] رپورٹس جلد ہفتم حصہ دوم ص ۱۹۲ - و قیصر التواریخ جلد دوم ص ۴۵۵ - ۴۵۶

نواب احمد علی خاں (والیٔ فرخ نگر)

ڈال کر تختہ نیچے گرا دیتے تھے تو فرنگی دل شاد ہو کر خندۂ دنداں نما کرتے تھے"[1]

نواب عبدالرحمن خاں نے نہایت تحمل و بردباری سے تختہ دار کو لبیک کہا۔ مؤلف قیصر التواریخ لکھتے ہیں[2] کہ

"پھانسی کے وقت نواب کی والدہ آگئیں۔ جب دیکھا کہ بیٹا ٹنگا ہوا عالمِ سکرات میں تڑپ رہا ہے تو عجب نالہ و فریاد سے چلّا کے بیٹے کی نعش سے لپٹ گئیں۔ اور آغوش میں لے کر اتنا روتیں کہ بے دم ہو کر گر پڑیں جتنے لوگ وہاں موجود تھے وہ بھی رونے لگے"[3]

نواب عبدالرحمن خاں اپنی ٹرواڑ[4] میں دہلی میں دفن ہوئے۔

بلّب گڑھ بلّب گڑھ کا راجہ ناہر سنگھ کا کردار جنگ آزادی کے پورے دور میں بالکل صاف اور اعلیٰ رہا۔ اور اس کی پوری پوری ہمدردیاں نئی قومی حکومت کے ساتھ وابستہ رہیں۔ اس نے دلی کی حکومت کی ہدایات کے مطابق حتیٰ الوسع عمل کیا۔ مالگزاری کی وصولیابی، راستوں اور مسافروں کی سلامتی کی تدابیر اختیار کیں، رسد کی فراہمی میں مدد کی، عیدین اور دوسرے مواقع پر نذریں بھیجیں[5]۔

اس پر سب سے بڑا الزام یہ تھا کہ ایک انگریز وکیل بلب گڑھ میں مارا گیا اور راجہ اس کو نہ بچا سکا[6]۔ ۹ جنوری ۱۸۵۸ء کو راجہ کو پھانسی دیدی گئی۔

---

[1] ذکاء اللہ۔ ص ۹ - ۱۰ [2] قیصر التواریخ جلد دوم ص ۴۵۶

[3] واقعات دارالحکومت دہلی۔ جلد سوم۔ ص ۲۶۴

[4] معین الدین حسن خاں کا بیان ہے کہ نواب جھجر کو خواجہ باقی باللہ میں دفن کیا گیا۔ [5] ٹرائل آف بہادر شاہ ص ۹ - ۶۱ [6] قیصر التواریخ جلد دوم ص ۴۵۶

جان لارنس نے اس سلسلے میں لکھا ہے[1] کہ۔

"میں نے افواہ سنی ہے کہ بلبھ گڑھ کا راجہ ضعیف العقل ہے، اگر یہ صحیح ہے تو اس امر کو کمیشن کے نوٹس میں لا دیتے اور ان لوگوں کو پھانسی پر نہ ٹکانا چاہئے جو اپنے آپ کو بھی نہیں سنبھال سکتے"

فرخ نگر فرخ نگر کا نواب احمد علی خاں نسلاً بلوچ تھا[2]، وہ بڑا بہادر تھا[3] اس نے نئی قومی حکومت کو تسلیم کیا اور اس کی مالی امداد کی، اسی جرم میں نواب کو پھانسی دیدی گئی[3]۔

لوہارو لوہارو اور فیروز پور جھرکہ کی ریاست نواب احمد بخش خاں (ف ۱۸۲۷ء) نے انگریزی حکومت کی نمایاں خدمات انجام دے کر حاصل کی ان کے بعد ان کے جانشین ان کے فرزند اکبر نواب شمس الدین خاں ہوئے اور پھر یہ ریاست امین الدین خاں اور ضیاء الدین خاں کے قبضے میں آئی۔ دہلی پر انگریزوں کے قبضے کے بعد لوہارو کے نواب امین الدین خاں اور نواب ضیاء الدین خاں کچھ دن قید رہے، ان کو مقدمے میں کئی کئی گھنٹے کھڑا رہنا پڑا آخر سر جان لارنس کی کوشش سے رہائی پائی اور ریاست بحال ہوگئی۔ غالب نے دستنبو میں ان لوگوں کی پریشانی اور بے سروسامانی تفصیل سے لکھی ہے[4]۔

بہادر گڑھ کے رئیس بہادر جنگ خاں پھانسی سے تو بچ گئے مگر ریاست ضبط ہوگئی اور لاہور میں رہنے کا حکم ہوا۔ اور ایک ہزار روپے ماہانہ پنیشن مقرر ہوگئی[5]۔

---

[1] سوانح عمری لارڈ لارنس جلد دوم۔ ص۱۶۵ [2] فرخ نگر کے ابتدائی حالات کے لئے دیکھئے علم و عمل جلد اول۔ ص۳۱۹ [3] قیصر التواریخ جلد دوم ص۴۵۶۔ ۴۵۷ [4] دہلی کی جانکنی، ص۴۲ وقیصر التواریخ جلد دوم ص۴۵۷ [5] قیصر التواریخ جلد دوم ص۴۵۶

پاٹودی (نواب اکبر علی خاں)، اور دوجانہ (حسین علی خاں پر کوئی الزام عائد نہیں ہوا[1]۔

مرزا غالب ان ریاستوں کے متعلق ۲۱ر دسمبر ۱۸۵۹ء کے ایک خط میں میر مجروح کو لکھتے ہیں[2]۔

"آگے درباروں میں سات جاگیر دار تھے کہ ان کا الگ الگ دربار ہوتا تھا۔ جھجر، بہادر گڑھ، بلب گڑھ، فرخ نگر دوجانہ، پاٹودی، لوہارو، چار معدوم محض ہیں (چار کی ریاستیں ختم اور والیان کو پھانسی دیدی گئی)، دوجانہ اور لوہارو ماتحت حکومت ہانسی حصار، پاٹودی حاضر ہے"

پھر اپنے ایک دوسرے خط مورخہ ۱۶ر فروری ۱۸۶۲ء میں علاءالدین احمد خاں کو لکھتے ہیں[3]۔

"جھجر اور بہادر گڑھ اور فرخ نگر کم و بیش تیس لاکھ کی ریاستیں مٹ گئیں"۔

اُمراء و رؤساء کا خاتمہ

دہلی کے نامی گرامی امیر و رئیس برباد ہوئے، پھانسیوں پر لٹکائے گئے، قید و بند میں گرفتار ہوئے، جائداد و مکانات سے محروم ہوئے شہر بدر ہوتے کچھ لوگوں کا مختصر سا حال ملاحظہ ہو[4]۔

---

[1] قیصر التواریخ جلد دوم۔ ص ۴۵۴ [2] خطوط غالب جلد اوّل۔ ص ۳۲۲ [3] ایضاً ص ۳
[4] ان امرا کی تفصیل کے لئے دیکھئے ۱۸۵۷ء کا تاریخی روزنامچہ۔ ص ۱۷۵-۲۰۶ و قیصر التواریخ جلد دوم ص ۴۵۵-۴۶۵
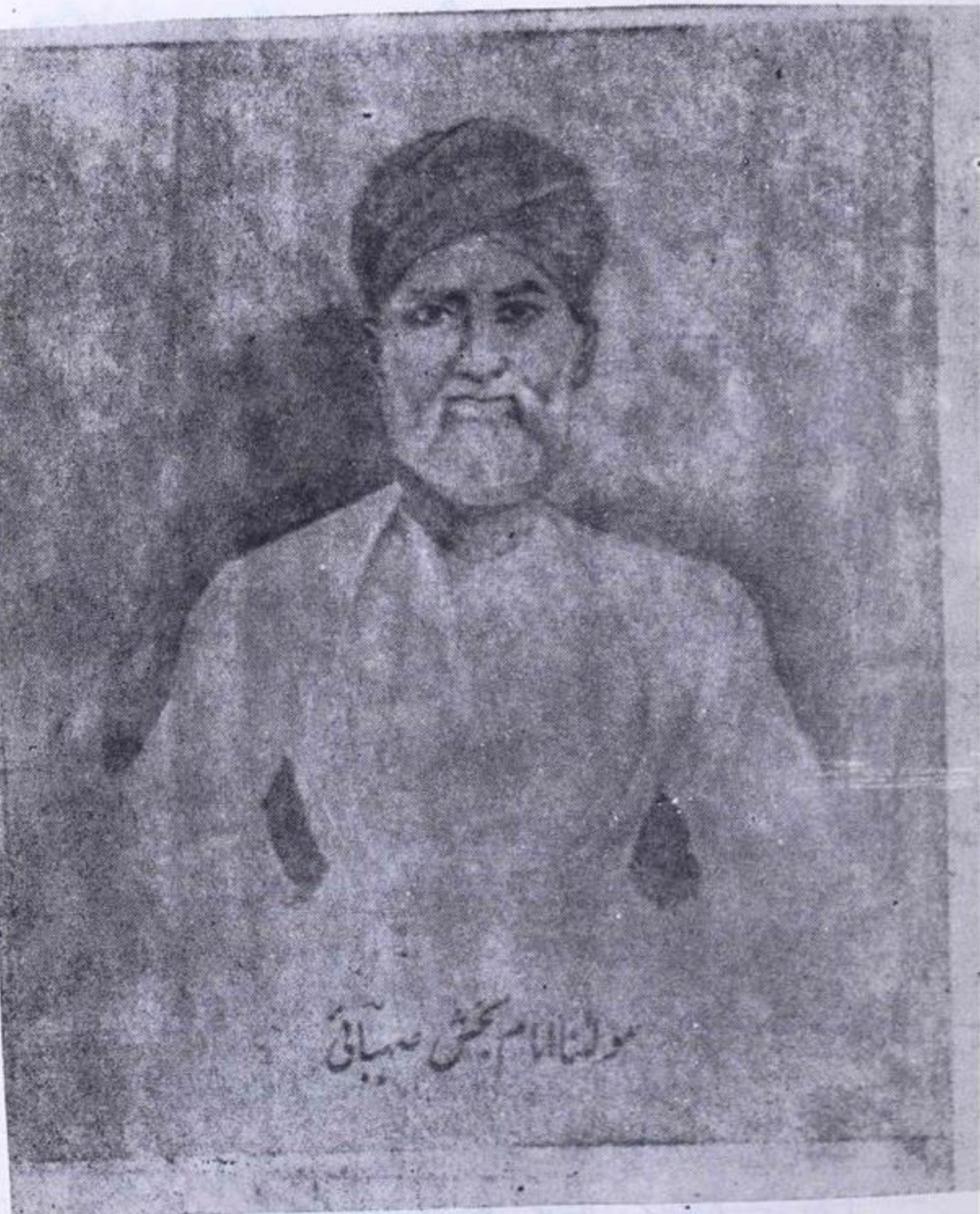
مولانا امام بخش صہبائی

احمد بیگ مرزا محمد حاجی کے بیٹے اور کلید خانے کے داروغہ تھے، معتقد الدولہ کا خطاب تھا ۱۸۵۷ء میں مرزا مغل کے مشیر تھے سقوط دہلی کے بعد الور چلے گئے۔ وہاں سے گرفتار ہو کر آئے۔ اور گوڑگاؤں میں مارے گئے۔

ارادت خاں انہوں نے تحریک ۱۸۵۷ء میں نمایاں حصہ لیا تھا اس لئے ۲۷ ستمبر ۱۸۵۷ء کو پھانسی پر ٹنکا دئے گئے۔

اکبر خاں نواب فیض اللہ خاں بنگش کے بیٹے تھے۔ الور سے گرفتار ہو کر آئے اور گوڑگانوں میں پھانسی پر ٹکا دیئے گئے۔

احمد حسین خاں دہلی کے مشہور حکیم رضی الدین خاں کے چھوٹے بھائی تھے گولی سے مار دے گئے۔

امیر خاں نامی رئیس تھے الور سے گرفتار ہوئے، گوڑگاؤں میں گولی ماردی گئی۔

محمد امیر رضوی میر پنجہ کش کو گولی ماردی گئی

امام بخش صہبائی کو بھی گولی ماردی گئی۔ صہبائی کے کئی اعزہ کو بھی گولی ماردی گئی۔

حافظ داؤد خاں ندیم الدولہ قلعے میں معلم تھے امیرانہ زندگی گذارتے تھے۔ گرفتار ہوئے اور قید و بند کے مصائب برداشت کر کے رہا ہوتے اور بقول کمال الدین مارے گئے۔[۲]

رضی الدین خاں حکیم دہلی کے مشہور طبیب تھے، غیاث الدولہ عمدۃ الملک ارسلان جنگ کا خطاب تھا ایک گورے نے گولی

۱؎ ۱۸۵۷ء کا تاریخی روزنامچہ۔ صد ۱۸۹

۲؎ قیصر التواریخ جلد دوم صد ۴۶۲

ماردی۔

سیف الدین حیدر خاں نواب مظفر الدولہ دہلی کے مشاہیر میں تھے پھانسی پر لٹکا دئے گئے۔

حکیم عبد الحق بن محمد حسن بخش دہلوی، جنگ آزادی میں مردانہ وار حصّہ لیا۔ انگریزوں نے ان کو پھانسی پر لٹکا دیا۔

فضل حسین خاں تحصیلدار تھے، پھانسی پر لٹکا دئے گئے۔

فیض اللہ قاضی کشمیر الاصل تھے۔ صدر الصدور دہلی کی عدالت میں سرشتہ دار اور ۱۸۵۷ء میں کوتوال شہر رہے آخر میں ان کو پھانسی دے دی گئی۔

محمد علی خاں نواب شیر جنگ کے بیٹے اور چیلوں کے کوچے کے رہنے والے تھے دہلی پر انگریزوں کے قبضے کے بعد قتل کر دیئے گئے۔

میر نواب نائب کپتان کو گرفتار کر کے پھانسی دیدی گئی۔

میر اشرف فوجدار خاں فیلبان شاہی، دہلی سے نکالے گئے، پانی پت میں تین سال کی قید ہوئی۔

میر نواب پسر تفضل حسین خاں مرزا ابوبکر کے کارپرداز تھے جے پور سے گرفتار ہو کر آتے اور پھانسی پائی۔

عبد الصمد خاں قدیم شاہی رسالدار تھے، گولی ماردی گئی۔

مرزا محمد حسن خاں مرزا خضر سلطان کے نائب تھے، پھانسی دیدی گئی

نواب یعقوب علیخاں اور ان کے بیٹے قطب علی خاں گوجروں کے ہاتھ سے مارے گئے۔

سعید اللہ خاں، حکیم سعید الدین خاں اور حسام الدین خاں۔ مارے گئے۔

اب ذرا غالب کی زبان سے بھی ان امرار کا مرثیہ سنئے۔ یوسف مرزا کو لکھتے ہیں[۱]۔

"حمید خاں گرفتار آیا ہے پاؤں میں بیڑیاں، ہاتھوں میں ہتھکڑیاں، حوالات میں ہے دیکھئے کیا حکم ہو۔
جو کچھ ہونا ہے وہ ہو رہے گا۔ ہر شخص کی سرنوشت کے موافق حکم ہو رہے ہیں، نہ کوئی قانون ہے نہ قاعدہ، نظر پیش آئے نہ تقریر پیش جائے۔"

غالب ۲۰ر نومبر ۱۸۵۹ء کے ایک خط میں یوسف مرزا کو لکھتے ہیں[۲]۔

"آدمی کثرت غم میں سودائی ہو جاتے ہیں عقل جاتی رہتی ہے، اگر اس ہجوم غم میں میری قوت متفکرہ میں فرق آگیا ہو تو کیا عجب ہے بلکہ اس کا باور نہ کرنا غضب ہے سو پوچھو کہ غم کیا ہے؟ غمِ مرگ، غمِ فراق، غمِ عزت، غمِ مرگ میں قلعہ نامبارک سے قطع کر کے اہل شہر کو گنتا ہوں مظفر الدولہ میر ناصر الدین، مرزا عاشور بیگ، میرا بھانجہ، اس کا بیٹا احمد مرزا انیس برس کا بچہ، مصطفےٰ خاں ابن اعظم الدولہ، اس کے دو بیٹے ارتضیٰ خاں اور مرتضیٰ خاں، قاضی فیض اللہ کیا میں ان کو اپنے عزیزوں کے برابر نہ جانتا تھا۔ بھول گیا حکیم رضی الدین خاں، میر احمد حسین میکش۔"

۱۶ر فروری ۱۸۶۳ء کے ایک خط میں علاؤ الدین احمد خاں رئیس لوہارو کو لکھتے ہیں[۳]۔

"امرائے اسلام میں سے اموات گنو، حسن علی خاں ایک

---

۱ خطوط غالب جلد دوم ص۱۰۵ ۲ ایضاً ص۱۱۱ ۳ ایضاً جلد اوّل ص۳۹-۴۰

بڑے باپ کا بیٹا سو روپے روز کا پنشن دار، سو روپے مہینے کا روزینہ دار بن کر نامرادانہ مرگیا۔ میر نصیرالدین، باپ کی طرف سے پیرزادہ نانا اور نانی کی طرف سے امیرزادہ، مظلوم مارا گیا۔ آغا سلطان بخشی محمد علی خاں کا بیٹا جو خود بھی بخشی ہو چکا ہے۔ بیمار پڑا نہ دوا نہ غذا۔ انجام کار مرگیا۔ تمہارے چچا کی سرکار کی طرف سے تجہیز و تکفین ہوئی۔ احیار کو پوچھو ناظر حسین مرزا، جس کا بڑا بھائی مقتولوں میں آیا۔ اس کے پاس ایک پیسہ نہیں، ٹکے کی آمد نہیں، مکان اگرچہ رہنے کو مل گیا ہے مگر دیکھئے کہ چھٹا رہے یا ضبط ہو جائے بڈھے صاحب ساری املاک بیچ کے، نوش جاں کرکے بیک بینی و دو گوش بھرت پور چلے گئے ضیاءالدولہ کی پانچ سو روپے کی کرائے کی املاک واگذاشت ہو کر پھر قرق ہو گئی۔ تباہ و خراب لاہور گیا، وہاں پڑا ہوا ہے دیکھئے کیا ہوتا ہے"

مرزا غالب نواب انورالدولہ کو ایک مکتوب دستنبو میں لکھتے ہیں[1]۔

.... ہے ہے کیونکر لکھوں؟ حکیم رضی الدین خاں کو قتل عام میں ایک خاکی نے گولی ماردی اور احمد حسین خاں ان کے چھوٹے بھائی اسی دن مارے گئے طالع یار خاں کے دونوں بیٹے رخصت لے کر آئے تھے

---

[1] خطوط غالب جلد اول۔ صفحہ ۵۴

غدر کے سبب جا نہ سکے، یہیں رہے۔ بعد فتح دہلی دونوں
بے گناہوں کو پھانسی ملی۔ طالع یار خاں ٹونک میں ہیں زندہ
ہیں، پر یقین ہے کہ وہ مردہ سے بدتر ہوں گے۔ میر چھوٹم
نے بھی پھانسی پائی۔ حال صاحبزادہ میاں نظام الدین
(فرزند کالے میاں) کا یہ ہے کہ جہاں سب اکابر بھاگے
تھے وہاں وہ بھی بھاگ گئے تھے۔ بڑودہ میں رہے
اورنگ آباد میں رہے، حیدرآباد میں رہے، سال گذشتہ
میں جاڑوں میں یہاں آئے سرکار سے ان کی صفائی
ہو گئی، لیکن صرف جاں بخشی۔ روشن الدولہ کا مدرسہ
جو عقب کوتوالی چبوترہ ہے وہ اور خواجہ قاسم کی حویلی
جس میں مغل علی خاں مرحوم رہتے تھے وہ اور خواجہ
صاحب کی حویلی، یہ املاک خاص حضرت کالے صاحب
کی اور کالے صاحب کے بعد میاں نظام الدین کی والدہ
کے نام کی ہیں۔ وہ ان کو یعنی میاں نظام الدین کی والدہ
کو مل گئی ہیں۔ فی الحال میاں نظام الدین پاک پٹن گئے ہیں
شاید بھاولپور بھی جائیں گے۔"

عام رعایا کی بربادی کا کیا ذکر ہے، جب بہادر شاہ قلعے سے نکل کر ہمایوں
کے مقبرے میں پہونچے تو رعایا نے دہلی سے بھاگنا شروع کیا، رعایا کی ۱۴ ستمبر
۱۸۵۷ء کی بھگدڑ کا منظر ظہیر دہلوی نے بطور عینی شاہد کے ان الفاظ
میں بیان کیا ہے۔

" دلی دروازے کا میدان صحرائے قیامت نظر آتا تھا

ا؎ غالب کے دوست۔

ہزارہا پردہ نشین عورتیں اور ننھے ننھے بچے اور بوڑھے اور جوان مرد ہوش و حواس باختہ شہر سے نکلے چلے آتے تھے، کسی کو ہوش پردے کا نہ تھا بہت سی نیک بختیں مقنع و چادر جو کپڑا سر پر تھا وہ اوڑھے ہوئے پا برہنہ چلی جاتی تھیں۔[1]

نصرت نامہ گورنمنٹ کے مولف لکھتے ہیں۔

"سب سے پہلے انگریزوں نے شہر کے تمام دروازوں کا بند و بست کیا۔ پھر بغاوت کے جرم میں رعایا اور شرفا اور روسا، کو شہر بدر کر دیا۔ اور جس شخص نے مقابلہ کیا وہ مارا گیا اور تمام مال و اسباب مکان وغیرہ ضبط کر لیا گیا۔ اور بلا امتیاز ہندو اور مسلمان مجرموں کے تمام مکان کھود ڈالنے کا حکم ہوا، امیروں اور غریبوں کی عورتیں روتی پیٹتی پریشان حال قصبوں اور گاؤں کی طرف اور درگاہوں کی طرف جو شہر سے متصل تھیں نکل گئیں اور جہاں جس کو ذرا سا ٹھکانہ ملا وہیں ٹھہر گیا ان خستہ حالوں کو گوجروں اور خاکیوں (فوجیوں) نے کسی جگہ بھی چین سے بیٹھنے نہ دیا۔ جس کا موقع لگتا تھا لوٹ کر چلتا ہوتا تھا، یہانتک کہ لوگ نان شبینہ کو محتاج ہو گئے، اور سیکڑوں فاقوں سے ہلاک ہو گئے سیکڑوں بیماریوں کی نذر، بھینٹ چڑھ گئے، عام لوگوں کے علاوہ تمام شہزادے اور شہزادیاں بھی

---

[1] دلی کی سزا صد ۴۳

اس مصیبت میں مبتلا تھے اور ان کی حالت سب سے زیادہ دردناک تھی[1]"

کمال الدین حیدر حسینی لکھتے ہیں[2]۔

"رعایائے شہر کو کشمیری دروازے سے مرد اور بچوں کو باہر نکال دیا لاہوری دروازے سے پیر و جواں کو نکال کر زیر تیغ کیا۔ رعایائے شہر جو حوالی شہر میں پڑی تھی لوٹ لیا کچھ نہ چھوڑا۔ اس میں ہزاروں فاقے اور شدت جاڑے سے مرکر رہ گئے ...... اور جوانان شہر اہل اسلام جو باہر رہ گئے تھے سب کو گرفتار کر کے تحقیق اظہار حال دفعتہ پھانسی دے دی گئی ...... خلاصہ ۲۷ ہزار اہل اسلام نے پھانسی پائی۔ سات دن تک برابر قتل عام رہا۔ اس کا حساب نہیں، اپنے نزدیک گویا نسل تیموریہ کو نہ رکھا مٹا دیا۔ بچوں تک کو مار ڈالا۔ عورات سے جو سلوک رہا بیان سے باہر ہے جس کے تصور سے دل دہل جاتا ہے۔"

کتب خانوں کی بربادی

دہلی مسلمانوں کی ساڑھے سات سو سالہ تہذیب کا قدیم مرکز تھا اس سرزمین میں بڑے بڑے علماء و فضلاء پیدا ہوئے بہت سے مدارس و رخانقاہیں قائم ہوئیں، علوم و فنون، تاریخ و ادب کا مرکز رہا۔ ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کے بعد انگریزوں نے ہزاروں انسانوں کو بے دریغ قتل کیا اور ہزاروں عمارتوں کو ڈھایا

---

[1] دلی کی سزا۔ ص ۴۳ [2] قیصر التواریخ جلد دوم ص ۴۵۳-۴۵۲

اور منہدم کیا۔ بہت سی درس گاہیں اور مدرسے ویران و برباد ہوئے۔ سیکڑوں علمار وفضلار اور شعرار وادبار گولیوں کا نشانہ بنے۔ صہبائی و میر پنجہ کش جیسے استادان مانہ مارے گئے۔ بہت سے کتب خانے برباد ہوئے۔

سلاطین دہلی کے سیکڑوں برس کے ذخیرے اور علمار قدیم کی کتابیں برباد ہوگئیں۔

شاہی قلعہ کے کتب خانے کی بربادی سب سے بڑا سانحہ ہے۔ یہ وہ کتب خانہ تھا جس میں ہمایوں کے ذخائر تھے۔ جس میں اکبر کے حکم سے ترجمہ کی ہوئی اور جمع شدہ کتابیں تھیں جس میں جہانگیر کی صناعی اور کاریگری کے نمونے تھے غرض کہ یہ ایک بہت بڑا کتب خانہ تھا، بعض اوقات حضرت شاہ عبدالعزیز بھی قلعہ سے کتابیں منگاتے تھے، اسی طرح میاں نذیر حسین قلعہ کی کتابوں سے استفادہ کرتے تھے۔ یہ کتب خانہ ایسا مٹا کہ نام و نشان نہ رہا۔

مفتی صدرالدین نامی گرامی عالم تھے، بہت سے علمار ان کے شاگرد تھے مدرسہ دارالبقا کو انہوں نے زندہ کیا۔ مفتی صاحب کے پاس ایک اچھا کتب خانہ تھا۔ سقوط دہلی کے بعد مفتی صاحب بھی گرفتار ہوئے، مقدمہ چلا بڑی مشکل سے رہائی ہوئی مگر جائداد ضبط ہوگئی بڑی مشکل سے آدھی جائداد واگذاشت ہوئی۔ لیکن کتب خانہ واپس نہ ہوا۔ لارڈ لارنس سے خاص طور سے اس سلسلے میں درخواست کی گئی۔

مؤلف حدائق حنفیہ رقم طراز ہیں[1]۔

"۱۲۷۳ھ میں دہلی کے غدر میں آپ کو سخت زخم چشم پہونچا کہ تعلق روزگار بھی ہاتھ سے گیا۔ اور تمام جائداد و املاک بھی جو تیس سال کی ملازمت میں پیدا کی تھی سرکار

---

[1] حدائق الحنفیہ۔ ص ۴۸۲

میں ضبط ہوگئی بلکہ جہاد کے فتوے کے اشتباہ میں چند ماہ
تک نظر بند رہے چونکہ اصل میں بے قصور تھے آخر کو رہائی
پاکر لاہور میں تشریف لائے اور بہ واسطے اپنے کتب خانے
مالیتی تین لاکھ روپئے کے جو دہلی کی لوٹ میں نیلام ہوگیا
تھا، حضور لارڈ جان لارنس کے پاس گئے اس وقت پنجاب
کے چیف کمشنر تھے اور مولانا ممدوح کے دہلی میں مہربان
رہ چکے تھے مطالبہ کیا، لیکن چونکہ جائداد منقولہ کے نیلام کا
واپس ہونا متعذر تھا، اس لئے اپنے مطلب میں کامیاب
نہ ہوتے۔"

نواب ضیاء الدین احمد خاں، نواب احمد بخش کے فرزند تھے لوہارو سے
ان کے حصے کی رقم ملا کرتی تھی اردو فارسی کے ادیب اور شاعر تھے، اردو میں
نیّر اور فارسی میں رخشاں تخلص کرتے تھے، تاریخ کے بڑے عالم تھے ان کے پاس
ایک اچھا کتب خانہ تھا، وہ اپنی آمدنی کا بڑا حصّہ کتابوں کی فراہمی پر صرف کرتے
تھے۔ ہندوستان کی ضخیم تاریخ ایلیٹ نے آٹھ جلدوں میں لکھی ہے۔ نواب
نواب ضیاء الدین احمد کے کتب خانے سے ایلیٹ کو سب سے زیادہ مدد ملی
اس نے آٹھویں جلد میں اس کا اعتراف بھی کیا ہے نواب ضیاء الدین احمد مرزا
غالب کی نظم و نثر کو خاص طور سے محفوظ رکھتے تھے مرزا غالب کو ایک خط
میں لکھتے ہیں[1]۔

"میرا ایک حسبی بھائی ہے نواب ضیاء الدین خاں
سلمہ اللہ تعالیٰ، وہ میری نظم و نثر کو فراہم کرتا رہتا ہے
چنانچہ "مجموعۂ نثر" اور "کلیات نظم اردو" سب نسخے اس کے

---

[1] یہ اقتباس "خطوط غالب" مرتبہ غلام رسول مہر سے ماخوذ ہے۔

نواب ضیاء الدین خاں (رئیس لہارو)

کتب خانے میں تھے، وہ کتب خانہ کہ ڈر کر عرض کر رہا
ہوں بیس ہزار روپے کی مالیت کا ہوگا۔ لٹ گیا ایک
ورق نہیں رہا۔"

دلی کے ایک رئیس زادے، حسین مرزا تھے جو حسام الدین حیدر خاں کے فرزند اور نواب ذوالفقار الدولہ نجف خاں کے نواسے تھے مرزا غالب سے بڑے خاص تعلقات تھے بلکہ مثل ان کے عزیزوں کے تھے ان کا بڑا اچھا کتب خانہ تھا وہ بھی بری طرح برباد ہوا۔ مرزا غالب لکھتے ہیں[۱]۔

"بھائی ضیاء الدین صاحب اور ناظر حسین مرزا صاحب
ہندی فارسی نظم و نثر کے مسودات مجھ سے لے کر اپنے پاس
جمع کر لیا کرتے تھے سو ان دونوں گھروں پر جھاڑو پھر گئی، نہ
کتاب رہی نہ اسباب رہا۔"

شیخ کلیم اللہ جہاں آبادی کا مقبرہ اجڑ گیا دلی کامل تھے ان کی خانقاہ میں دیگر خانقاہوں کی طرح کتب خانہ تھا اس کے علاوہ شیخ کا کلام وغیرہ بھی تھا جب بربادی ہوئی تو شیخ کے تبرکات اور کتب خانہ بھی برباد ہو گیا مرزا غالب یکم دسمبر ۱۸۶۳ء کے ایک خط میں حکیم احمد حسن مودودی کو لکھتے ہیں[۲]۔

"شیخ کلیم اللہ جہاں آبادی کا مقبرہ اجڑ گیا ایک اچھے
گاؤں کی آبادی تھی، ان کی اولاد کے لوگ تمام اس موضع میں
سکونت پذیر تھے، وہاں کے رہنے والے گولی سے بچ گئے
ہوں گے، تو خدا ہی جانتا ہے کہ کہاں ہونگے ان کے پاس شیخ کا کلام
بھی تھا، کچھ تبرکات بھی تھے اب وہ لوگ ہی نہیں ہیں۔ کس
سے پوچھوں۔"

---

[۱] یہ اقتباس "خطوط غالب" مرتبہ غلام رسول مہر سے ماخوذ ہے۔ [۲] خطوط غالب جلد دوم۔ ص ۱۳۵

خانقاہ ڈھادی[1]۔

غرض یہ ان چند کتب خانوں کی نشاندہی ہو سکی ورنہ بہت سے علمی ذخائر اور کتب خانے ایسے برباد ہوئے کہ آج ان کی نشاندہی بھی مشکل ہے۔

مدرسوں اور خانقاہوں کی ویرانی

ان کتب خانوں کے علاوہ بہت سے علمی مراکز اور تہذیبی و ثقافتی ادارے بھی ختم ہو گئے ان میں سے دہلی کالج خاص طور سے قابل ذکر ہے۔ اس کے علاوہ مفتی صدر الدین آزردہ کا مدرسہ دار البقار ختم ہوا۔ جس سے سیکڑوں نامور طالب علم فارغ ہو کر نکلتے تھے۔ ان کے علاوہ بزرگوں کے روحانی مراکز اور خانقاہیں بھی برباد ہو گئیں۔ کئی نامور بزرگ اور مشائخ حجاز کو ہجرت کر گئے۔

حضرت کلیم اللہ جہاں آبادیؒ کی خانقاہ دہلی کی مشہور خانقاہ تھی اسکی بربادی کا ذکر غالب کے خط میں اوپر کیا جا چکا ہے۔ اس کے علاوہ حضرت شاہ فخر الدینؒ کا خاندان بری طرح برباد ہوا۔ حضرت کالے صاحب نبیرہ شاہ فخر الدینؒ، بادشاہ کے پیر تھے، ان کے ہزاروں عقیدت مند تھے۔ اس خاندان کے متعلق مرزا غالب حکیم احمد حسن مودودی کو لکھتے ہیں[2]۔

"خود یہاں کالے صاحب مغفور کا گھر اس طرح
تباہ ہوا جیسے جھاڑ و پھیر دی کاغذ کا پرزہ،
سوئے کا تار پشمینہ کا بال باقی نہ رہا۔"

میاں کالے صاحب کے فرزند میاں نظام الدین سخت مشکلات میں مبتلا ہوئے اور شہروں شہروں مارے مارے پھرے[3]۔ مرزا غالب انوار الدولہ کو

---

[1] تاریخ مشائخ چشت صہ ۲۲۴ [2] خطوط غالب جلد دوم صہ ۱۳۸ [3] قیصر التواریخ جلد دوم صہ ۲۶۶

لکھتے ہیں[1]

"حال صاحبزادے میاں نظام الدین (فرزند کالے میاں) کا یہ ہے کہ جہاں سب اکابر شہر سے بھاگے تھے وہاں وہ بھی بھاگ گئے تھے۔ بڑودہ میں رہے اورنگ آباد میں رہے، حیدرآباد میں رہے سال گزشتہ جاڑ دں میں یہاں آئے۔ سرکار سے ان کی صفائی ہوگئی لیکن صرف جان بخشی ہوگئی۔"

اس کے علاوہ حضرت مرزا جان جاناں کی خانقاہ برباد ہوئی اس خانقاہ کے سجادہ نشین شاہ احمد سعید صاحب تھے۔ شاہ صاحب اور ان کے چھوٹے بھائی شاہ عبدالغنی صاحب مشہور محدث دلی کے سربرآوردہ مشائخ اور علماء میں سے تھے۔ ان کے شاگردوں میں بڑے بڑے علماء مثل مولانا محمد قاسم و مولانا رشید احمد گنگوہی وغیرہ جیسے حضرات تھے، شاہ احمد سعید نے جہاد کے فتوے پر دستخط کئے تھے۔ اور فتویٰ جاری کیا تھا[2]

جب دہلی پر انگریزوں کا قبضہ ہوگیا تو یہ دونوں بھائی حجاز کو ہجرت کر گئے۔ ان دونوں بزرگوں کے جانے سے دہلی سونی ہوگئی[3]۔

دہلی کی بربادی کا مرثیہ

(مرزا غالب کے قلم سے)

مرزا غالب نے علاء الدین احمد خاں کے نام ایک مکتوب میں مندرجہ ذیل قطعہ لکھا ہے[4]

---

[1] قیصر التواریخ جلد دوم صفحہ ۴۶۰ [2] خطوط غالب جلد دوم ص ۴۲۵ [3] قیصر التواریخ جلد دوم ص ۴۶۳ [4] ملاحظہ ہو تذکرہ کاملان رام پور۔ ص ۱۶۵-۱۸۰

مرزا غالب۔ جنھوں نے ۱۸۵۷ کا ہنگامہ خود اپنی آنکھوں سے دیکھا

بسکہ فعال ما یرید ہے آج | ہر سلحشور انگلستاں کا
گھر سے بازار میں نکلتے ہوئے | زہرہ ہوتا ہے آب انساں کا
چوک جس کو کہیں وہ مقتل ہے | گھر بنا ہے نمونہ زنداں کا
شہر دہلی کا ذرہ ذرہ خاک | تشنۂ خون ہے مسلماں کا
کوئی واں سے نہ آسکے یاں تک | آدمی واں نہ جا سکے یاں کا
میں نے مانا کہ مل گئے پھر کیا | وہی رونا تن و دل و جاں کا
(۱۶۴)

دلی کی بربادی کی داستان مرزا ہرگوپال تفتہ کو ۵ دسمبر ۱۸۵۷ء کے خط میں لکھتے ہیں

"اور میں جس شہر میں رہتا ہوں اس کا نام بھی دلی ہے اور اس محلے کا نام بلی ماروں کا محلہ ہے۔ لیکن ایک دوست جنم کے دوستوں میں سے نہیں پایا جاتا۔ واللہ ڈھونڈنے کو مسلمان اس شہر میں نہیں ملتا۔ کیا امیر، کیا غریب، کیا اہل حرفہ اگر کچھ ہیں تو باہر کے ہیں۔ ہنود البتہ کچھ آباد ہو گئے ہیں۔ اب پوچھو تو کیونکر مسکن قدیم میں بیٹھا رہا؟ صاحب بندہ میں حکیم محمد حسن خاں مرحوم کے مکان میں نو دس برس سے کرایہ کو رہتا ہوں اور یہاں قریب کیا دیوار بہ دیوار ہیں گھر حکیموں کے، اور وہ نوکر ہیں راجہ نرندر سنگھ بہادر والی پٹیالہ کے۔ راجہ صاحب نے صاحبان عالیشان سے عہد لیا تھا کہ بروقت غارت دہلی یہ لوگ بچے رہیں چنانچہ

سپاہی، چاندنی چوک، خطوط غالب جلد اول صد ۱۹۶، ایضاً صد ۱۳۵، انگریز۔

بعد فتح کے راجہ کے سپاہی یہاں آ بیٹھے اور یہ کوچہ محفوظ
رہا ورنہ میں کہاں اور یہ شہر کہاں ؟
مبالغہ نہ جاننا، امیر غریب سب نکل گئے، جو رہ گئے تھے
وہ نکالے گئے۔ جاگیردار، پنشن دار، دولت مند، اہل
حرفہ، کوئی بھی یہاں نہیں ہے۔ مفصل حالات لکھتے ہوئے
ڈرتا ہوں، ملازمان قلعہ پر شدت ہے۔ اور باز پرس
اور دار و گیر میں مبتلا ہیں۔ مگر وہ نوکر جو اس ہنگام میں نوکر
ہوئے ہیں اور ہنگامے میں شریک رہے ہیں۔ میں غریب
شاعر دس برس سے تاریخ لکھنے اور شعر کی اصلاح دینے
پر متعلق ہوا ہوں، خواہی اس کو نوکری سمجھو خواہی مزدوری
جانو، اس فتنہ و آشوب میں کسی مصلحت میں میں نے دخل
نہیں دیا۔ صرف اشعار کی خدمت بجا لاتا رہا۔ اور نظر
اپنی بے گناہی پر شہر سے نکل نہیں گیا۔ میرا شہر میں ہونا حکام
کو معلوم ہے۔ مگر چونکہ میری طرف بادشاہی دفتر میں سے
یا مخبروں کے بیان سے کوئی بات نہیں پائی گئی لہذا طلبی
نہیں ہوئی۔ ورنہ جہاں بڑے بڑے جاگیردار بلائے گئے
یا پکڑے ہوئے آئے ہیں میری کیا حقیقت تھی غرض اپنے
مکان میں بیٹھا ہوں دروازے سے باہر نہیں نکل سکتا
سوار ہونا اور کہیں جانا تو بہت بڑی بات ہے۔ رہا یہ
کہ کوئی میرے پاس آوے، شہر میں ہے کون ؟
گھر کے گھر بے چراغ پڑے ہیں۔ مجرم سیاست پائے جاتے

ل؎ انقلاب ۱۸۵۷ء

ہیں۔ جرنیلی بندوبست[1] یازدہم مئی سے آج تک یعنی شنبہ پنجم دسمبر ۱۸۵۸ء تک بدستور رہے۔ کچھ نیک و بد کا حال معلوم نہیں بلکہ ہنوز ایسے امور کی طرف حکام متوجہ نہیں۔ دیکھئے انجام کار کیا ہوتا ہے۔"

۲۳ دسمبر ۱۸۵۸ء کے خط میں میر مجروح کو لکھتے ہیں[2]۔

"لو سنو! اب تمہاری دلی کی باتیں ہیں۔ چوک میں بیگم کے باغ کے دروازے کے سامنے حوض کے پاس جو کنواں تھا، اس میں سنگ، خشت و خاشاک ڈال کر بند کر دیا گیا بلی ماروں کے دروازے کے پاس کئی دکانیں ڈھاکر راستہ چوڑا کر لیا۔ شہر کی آبادی کا حکم خاص و عام کچھ نہیں، پنشن داروں سے حاکموں کا کام کچھ نہیں۔ تاج محل، مرزا قیصر، مرزا جواں بخت کے سالے، ولایت علی بیگ جے پوری کی زوجہ ان سب کی الہ آباد سے رہائی ہوگئی ہے۔ بادشاہ، مرزا جواں بخت، مرزا عباس شاہ، زینت محل کلکتے پہونچے اور وہاں سے جہاز پر چڑھائی ہوگی۔ دیکھئے کیمپ میں رہیں یا لندن جائیں۔"

خط بنام یوسف مرزا۔ مورخہ ۲ جولائی ۱۸۵۹ء ملاحظہ ہو[3]۔

"آغا باقر کا امام باڑہ اس سے علاوہ کہ خداوند کا عزا خانہ ہے ایک بنائے قدیم رفیع مشہور، اس کے انہدام کا غم کس کو نہ ہوگا۔ یہاں دو سڑکیں دوڑتی پھرتی ہیں، ایک ٹھنڈی سڑک، ایک آہنی سڑک (ریل) محل ان کا الگ الگ اس سے

---

[1] مارشل لا، [2] خطوط غالب جلد اول صہ ۲۰۲ [3] ایضاً صہ ۱۰۴

بڑھکر بات یہ ہے کہ گوروں کا پارک بھی شہر میں بنے گا اور قلعہ کے آگے جہاں لال ڈگی ہے، ایک میدان نکالا جائیگا محبوب کی دوکانیں ببیلیوں کے گھر فیل خانہ بلاقی بیگم کے کوچہ سے خاص بازار تک۔ یہ سب میدان ہو جائے گا یوں سمجھ کہ اموجان کے دروازے سے قلعہ کی خندق تک سوائے لال ڈگی اور دو چار کنوؤں کے آثار عمارت باقی نہ رہینگی۔ آج جان نثار خاں کے چھتے کے مکان ڈھینے شروع ہو گئے ہیں۔ کیوں میں دلی کی ویرانی سے خوش ہوں؟ جب اہل شہر ہی نہ رہے شہر کو لے کے کیا میں چولہے میں ڈالوں؟[1]

۸ نومبر ۱۸۵۹ء کو میر مجروح کو لکھتے ہیں۔

"شہر کا حال کیا جانوں کیا ہے "یون ڈیوٹی"[2] کوئی ہے وہ جاری ہوگئی ہے۔ سوائے اناج اور اپلے کے کوئی چیز ایسی نہیں جس پر محصول نہ لگا ہو۔ جامع مسجد کے گرد پچیس پچیس فٹ گول میدان نکلے گا۔ دکانیں حویلیاں ڈھائی جائیں گی۔ دار البقا[3] فنا ہو جائیگی۔ رہے نام اللہ کا خان چند کا کوچہ شاہ بولا کی بڑ تک ڈھے گا، دونوں طرف سے پھاوڑا چل رہا ہے باقی خیر و عافیت ہے۔ حاکم اکبر[4] کی آمد آمد سن رہے ہیں دیکھئے دلی آئیں یا نہیں"[5]

خط بنام حسین مرزا مورخہ ۱۰ دسمبر ۱۸۵۹ء ملاحظہ ہو۔

فیل خانہ فلک سیرا، لال ڈگی کے محاذی مکانات سب

---

[1] خطوط غالب جلد اول صفحہ ۲
[2] Town Duty
[3] مدرسہ مفتی صدر الدین آزردہ
[4] گورنر جنرل
[5] ایضاً صفحہ ۹۵-۹۶

گرائے گئے۔ بلاقی بیگم کا کوچہ التوا میں ہے اہل فوج ڈھانا چاہتے ہیں اہل قلم بچاتے ہیں پایان کار دیکھئے کیا ہو۔"

مرزا تفتہ کو ۲۱ دسمبر ۱۸۵۹ء کو لکھتے ہیں[1]۔

"تم آتے ہو چلے آؤ۔ نثار خاں کے چھتے کی سڑک خان چند کے کوچہ کی سڑک دیکھ جاؤ۔ بلاقی بیگم کے کوچہ کا ڈھینا، جامع مسجد کے گرد ستر ستر گز میدان نکلنا سن جاؤ، غالب افسردہ دل کو دیکھ جاؤ، چلے جاؤ۔"

مکتوب بنام حسین مرزا مورخہ ۳۱ دسمبر ۱۸۵۹ء ملاحظہ ہو[2]۔

"مکانات کو حامد علی خاں کا کہہ کر کیوں لکھتے ہو، وہ تو مدت سے ضبط ہو کر سرکار کا مال ہو گیا۔ باغ کی صورت بدل گئی۔ محل سرا اور کوٹھی میں گورے رہتے ہیں۔ اب پھاٹک اور سرتاسر دو کانیں گرا دی گئیں۔ سنگ و خشت کا نیلام کر کے روپیہ داخل خزانہ ہوا مگر یہ نہ سمجھو کہ حامد علی خاں کے مکان کا ملبہ بکا ہے۔ سرکار نے اپنا مملوکہ و مقبوضہ ایک مکان ڈھا دیا، جب بادشاہ اودھ کی املاک کا وہ حال ہو تو رعیت کی املاک کو کون پوچھتا ہے تم اب تک سمجھے نہیں ہو کہ حکام کیا سمجھتے ہیں اور نہ کبھی سمجھو گے کیسا نوندرائے، کیسی نقل حکم، کیسا مرافعہ، جو احکام کہ دہلی میں صادر ہوئے ہیں وہ احکام قضا و قدر ہیں ان کا مرافعہ

---

[1] خطوط غالب جلد اول صـ ۲۲۳ [2] ایضاً ۱۰۱

کہیں نہیں۔ اب یہ سمجھ لو کہ ہم کبھی کہیں کے رئیس تھے نہ جاہ و حشم رکھتے تھے نہ املاک رکھتے تھے نہ پنشن رکھتے تھے"۔

خط بنام چودھری عبدالغفور سرور (محررہ دسمبر ۱۸۶۰ء)[1]

"یہاں شہر ڈھے رہا ہے، بڑے بڑے نامی بازار خاص بازار اور اردو بازار اور خانم کا بازار کہ ہر ایک بجائے خود ایک قصبہ تھا، اب کچھ بھی نہیں کہ کہاں تھے صاحبانِ امکنہ و دوکانیں نہیں بتا سکتے، کہ ہمارا مکان کہاں تھا اور دوکان کہاں تھی۔ برسات بھر مینہ نہیں برسا اب تیشہ اور کلند کی طغیانی ہے۔ مکان گر گئے"۔

خطوط غالب کے چند اقتباسات اور ملاحظہ ہوں۔ خط بنام انوارالدولہ نواب سعد اللہ خاں رئیس کدورا (کالپی ضلع صوبہ یوپی) محررہ ۱۸۶۰ء[2]

"پانچ لشکر کا حملہ پے در پے اس شہر پر ہوا پہلا باغیوں کا لشکر۔ اس میں اہل شہر کا اعتبار لٹا۔ دوسرا لشکر خاکیوں[3] کا اس میں جان و مال ناموس و مکان و مکیں آسمان و زمین و آثار ہستی سراسر مٹ گئے۔ تیسرا لشکر کال کا اس میں ہزارہا آدمی بھوکے مرے۔ چوتھا لشکر ہیضے کا اس میں بہت سے پیٹ بھرے مرے پانچواں لشکر تپ کا"۔

خط بنام میر مجروح (۱۸۶۱ء)

"اے اب اہل دہلی ہندو یا اہل حرفہ ہیں یا خاکی ہیں یا پنجابی ہیں، یا گورے ہیں ان میں سے تو کس کی زبان کی تعریف

---

[1] خطوط غالب جلد اول ص۲۳۱ [2] خطوط غالب جلد دوم ص۵۳ [3] فوجی انگریز۔

کرتا ہے .... خس کی ٹٹی، پروا ہوا، اب کہاں وہ لطف تو اس مکان میں تھا۔ اب یہ خیراتی کی حویلی میں وہ چھت اور سمت بدلی ہوئی ہے۔ بہر حال می گذرد مصیبت عظیم یہ ہے کہ قاری کا کنواں بند ہوگیا۔ لال ڈگی کے کنوئیں یک قلم کھاری ہو گئے۔ خیر کھاری پانی ہی پیتے۔ گرم پانی نکلتا ہے۔ پرسوں میں سوار ہوکر کنوؤں کا حال دریافت کرنے گیا تھا جامع مسجد ہوتا ہوا راج گھاٹ کے دروازے کو چلا۔ مسجد جامع سے راج گھاٹ دروازے تک بے مبالغہ ایک صحرا لق دق ہے اینٹوں کے ڈھیر جو پڑے ہیں وہ اگر اٹھ جائیں تو ہو کا مکان ہو جائے۔ یاد کرو مرزا گوہر کے باغیچہ کے اس جانب کو کئی بانس نشیب تھا وہ اب باغیچہ کے صحن کے برابر ہوگیا۔ یہاں کے راج گھاٹ کا دروازہ بند ہوگیا۔ فصیل کے کنگورے کھلے رہے ہیں۔ باقی سب اٹ گیا۔ کشمیری دروازے کا حال تم دیکھ گئے ہو اب آہنی سڑک (ریل) کے واسطے کلکتہ دروازے سے کابلی دروازے تک میدان ہوگیا۔ پنجابی کٹرہ، دھوبی واڑہ، رامجی گنج، سعادت خاں کا کٹرا، جرنیل کی بیوی کی حویلی، رام جی داس گودام والے کے مکانات، صاحب رام کا باغ، حویلی، ان میں سے کسی کا پتہ نہیں ملتا۔ قصہ مختصر شہر صحرا ہو گیا تھا، اب کنوئیں جاتے رہے اور پانی گوہر نایاب ہو گیا تو یہ صحرا، صحرائے کربلا ہو جائے گا۔ اللہ اللہ!

دلی والے ابتک یہاں کی زبان کو اچھا کہے جاتے ہیں، واہ رے حسن اعتقاد - ارے بندۂ خدا اردو بازار نہ رہا اردو کہاں؟ دلی کہاں؟ واللہ اب شہر نہیں ہے کمپ ہے چھاؤنی ہے نہ قلعہ نہ شہر نہ بازار نہ نہر!"

مکتوب بنام علاء الدین احمد خاں (مورخہ ۱۶ر فروری ۱۸۶۲ء)

"یہ وہ دلی نہیں ہے جسمیں تم پیدا ہوئے ہو، وہ دلی نہیں جس میں تم نے تحصیل علم کیا، وہ دلی نہیں جس میں تم شعبان بیگ کی حویلی میں مجھ سے پڑھنے آیا کرتے تھے، وہ دلی نہیں ہے جسمیں اکیاون برس سے مقیم ہوں، ایک کمپ ہے مسلمان، اہل حرفہ، یا حکام کے شاگرد پیشہ، باقی سر سر ہنود - معزول بادشاہ کے ذکور، جو بقیۃ السیف ہیں پانچ پانچ روپیہ مہینہ پاتے ہیں - اناث میں سے جو پیرزن ہیں کٹنیاں اور جوانیں ہیں کسبیاں"

خط بنام میاں داد خاں سیاح مورخہ ۲ر مئی ۱۸۶۲ء (ص۱۵۱)

"وہی حالات واطوار ہیں جو دیکھ گئے ہو۔ مسجد جامع کے باب میں کچھ پرسشیں لاہور سے آئی تھیں، یہاں سے ان کے جواب گئے ہیں، یقین ہے کہ واگزار کا حکم آئے اور مسلمانوں کو مل جائے۔ ہنوز بدستور پہرہ بیٹھا ہوا ہے - اور کوئی جانے نہیں پاتا"

خط بنام میر مجروح مورخہ ۱۶ر دسمبر ۱۸۶۲ء[1] (ص۲۵۱)

"مسجد جامع واگزاشت ہوگئی - چتلی قبر کی طرف سیڑھیوں

---

[1] غالب کے خطوط کے یہ اقتباسات "خطوط غالب" مرتبہ غلام رسول مہر جلد اول و دوم سے ماخوذ ہیں۔

پر کباڑیوں نے دو کانیں نکالیں، انڈا مرغی کبوتر بکنے لگا دس
آدمی مہتمم ٹھہرے، مرزا الٰہی بخش، مولوی صدر الدین، تفضل
حسین خاں، تین یہ سات اور، ر نومبر ۱۴ جمادی الاول سال
حال (۱۲۷۹ھ ۱۸۶۲ء) جمعہ کے دن ابو المظفر سراج الدین
بہادر شاہ قید فرنگ وقید جسم سے آزاد ہو گئے
انا للہ وانا الیہ راجعون۔

دہلی پر انگریزوں کا قبضہ ہونے کے بعد شہر بالکل ویران اور اجاڑ ہو گیا۔ شروع شروع
میں ہندوؤں کو آباد ہونے کی اجازت ملی۔ خاص طور سے، پہلے دو کاندار دل
مہاجنوں کو یہ رعایت ملی، پھر داخلے کے لیے ٹکٹ تقسیم ہوئے یہ ٹکٹ قیمت ادا
کرنے سے ملتے تھے اس داستان کو مرزا غالب کی زبانی سنئے۔ غالب مرزا تفتہ کو ۵ دسمبر
۱۸۵۸ء کو ایک خط میں لکھتے ہیں۔

"باہر سے اندر کوئی بغیر ٹکٹ کے آنے جانے نہیں پاتا
تم زنہار یہاں کا ارادہ نہ کرنا ابھی دیکھا چاہیے مسلمانوں
کی آبادی کا حکم ہوتا ہے یا نہیں"   (ص ۱۳۵)

غالب کے چند خط اور ملاحظہ فرمائیے۔

خط بنام میر مجروح مورخہ، فروری ۱۸۵۹ء

"کیسا پنشن اور کہاں اس کا ملنا؟ یہاں جان کے
لالے پڑے ہیں۔
ہے موجزن اک قلزم خوں کاش یہی ہو: آتا ہے ابھی دیکھیے کیا کیا مرے آگے
اگر زندگی ہے اور پھر مل بیٹھیں گے تو کہانی کہی جائے گی
تم کہتے ہو کہ آیا چاہتا ہوں، اگر آؤ تو بے ٹکٹ کے نہ آنا میر
احمد علی صاحب کو لکھتے ہو کہ یہاں ہیں، مجھ کو نہیں معلوم کہ
کہ کہاں ہیں، مجھ سے ملتے تو اچھا کرتے، میں مخفی نہیں ہوں

روپوش نہیں ہوں احکام جانتے ہیں کہ یہاں ہے مگر نہ باز پرس دگیر و دار میں آیا ہوں نہ خود اپنی طرف سے قصد ملاقات کیا ہے بایں ہمہ امین بھی نہیں ہوں دیکھئے انجام کار کیا رہتا ہے،، (صہ ۲۹۶)

خط بنام مرزا ہرگوپال تفتہ مورخہ ۵ر مارچ ۱۸۵۸ء۔

"مسلمان آدمی شہر میں سڑک پر بن ٹکٹ پھر نہیں سکتا۔ ناچار تم کو خط نہ بھیج سکا۔،،

خط بنام مرزا ہرگوپال تفتہ محررہ ۳ر ستمبر ۱۸۵۸ء

"بندہ پرور، نواب عطاء اللہ خاں میرے بڑے دوست اور شفیق ہیں ان کے فرزند رشید میر غلام عباس المخاطب سیف الدولہ، یہ دونوں صاحب صحیح و سالم ہیں۔ شہر سے باہر دو چار کوس پر کوئی گاؤں ہے وہاں رہتے ہیں۔ شہر میں اہل اسلام کی آبادی کا حکم نہیں ہے ان کے مکانات ترق ہیں۔ نہ ضبط ہو گئے ہیں نہ واگذاشت کا حکم ہے،، (صہ ۱۵۶)

خط بنام میر مجروح مورخہ ۲ر فروری ۱۸۵۹ء۔

"میرٹھ سے آکر دیکھا کہ یہاں بڑی شدت ہے اور یہ حالت ہے کہ گوروں کی پاسبانی پر قناعت نہیں ہے لاہوری دروازے کا تھانہ دار مونڈھا بچھا کر سڑک پر بیٹھتا ہے۔ جو باہر سے گورے کی آنکھ بچا کر آتا ہے اس کو پکڑ کر حوالات میں بھیج دیتا ہے حاکم کے یہاں سے پانچ بید لگتے ہیں یا دو روپیہ جرمانہ لیا جاتا ہے آٹھ دن قید رہتا ہے اس سے علاوہ سب تھانوں پر حکم

ہے کہ دریافت کرو، کون بے ٹکٹ مقیم ہے اور کون ٹکٹ رکھتا ہے۔ تھانوں میں نقشے مرتب ہونے لگے۔ یہاں کا جمعدار میرے پاس بھی آیا، میں نے کہا بھائی! تو مجھے نقشے میں نہ رکھ میری کیفیت کی عبارت الگ لکھ۔ عبارت یہ کہ اسد اللہ خاں پنشن دار ۱۸۵۰ء سے حکیم پٹیالے والے کے بھائی کی حویلی میں رہتا ہے نہ کالوں کے وقت میں کہیں گیا نہ گوروں کے زمانہ میں کہیں نکلا اور نکالا گیا۔ کرنل براون صاحب بہادر کے زبانی حکم پر اس کی اقامت کا دار و مدار ہے۔ اب تک کسی حاکم نے وہ حکم نہیں بدلا۔ اب حاکم وقت کو اختیار ہے۔ پرسوں یہ عبارت جمعدار نے محلے کے نقشے کے ساتھ کوتوالی بھیج دی کل سے یہ حکم نکلا کہ یہ لوگ (مسلمان) شہر سے باہر مکان دد کان کیوں بناتے ہیں۔ جو مکان بن چکے ہیں انہیں ڈھا دو اور آئندہ کی مخالفت کا حکم سنا دو۔ اور یہ بھی مشہور ہے کہ پانچ ہزار ٹکٹ چھاپے گئے ہیں۔ جو مسلمان شہر میں اقامت چاہے بقدر مقدار نذرانہ دے۔ اس کا اندازہ قرار دینا حاکم کی رائے پر ہے۔ روپیہ دے اور ٹکٹ لے گھر برباد ہو جائے آپ شہر میں آباد ہو جائے۔ آج تک یہ صورت ہے۔ دیکھئے شہر کے بسنے کی کون مہورت ہے جو رہتے ہیں وہ بھی اخراج کئے جاتے ہیں یا باہر پڑے ہوئے ہیں وہ شہر میں آتے ہیں۔" (ص ۳۰۵-۳۰۶)

خط بنام میر مجروح محررہ ۱۵ فروری ۱۸۵۹ء)

"اب یہاں (دلی میں) ٹکٹ چھاپے گئے ہیں۔ میں نے بھی دیکھے۔ خانگی عبارت یہ ہے۔ "درون شہر دہلی بشرط ادخال

جرمانہ" مقدار روپے کی حاکم کی رائے پر ہے۔ آج
پانچ ہزار کا ٹکٹ چھپ چکا ہے۔ کل اتوار یوم التعطیل ہے
پرسوں دوشنبہ ہے، دیکھئے یہ کاغذ کیوں کر
تقسیم ہوں۔" (صہ ۳۰۲)

خط بنام میر مجروح (محررہ فروری ۱۸۵۹ء)

"آبادی کا یہ رنگ، ہے کہ ڈھنڈورا پٹوا کر ٹکٹ چھپوا کر
اجرٹن صاحب بہادر بطریق ڈاک کلکتے چلے گئے دلی کے
حمقا جو باہر پڑے ہیں منہ کھول کر رہ گئے اب وہ جب
معاودت کریں گے تب شاید آبادی ہوگی یا کوئی اور
نئی صورت نکل آئے۔" (صہ ۳۰۹)

خط بنام میر مجروح مورخہ ۲۷ مارچ ۱۸۵۹ء

"بھائی یہاں کا نقشہ ہی کچھ اور ہے، سمجھ میں کسی کے
نہیں آتا کہ کیا طور ہے۔ اوائل ماہ انگریزی میں روک ٹوک
کی شدت ہوئی تھی آٹھویں دسویں سے وہ شدت
کم ہو جاتی تھی۔ اس مہینے میں برابر وہی صورت رہی آج
۲۷ مارچ کی ہے (صہ ۳۱۲ - ۳۱۳) پانچ چار دن مہینے کے
باقی ہیں۔ آنچ ویسے ہی تیز ہے۔ خدا اپنے بندوں پر
رحم کرے۔" صہ ۳۱۲ - ۳۱۳

خط بنام حسین مرزا۔ مورخہ ۱۸ جون ۱۸۵۹ء۔

"آبادی کا آوازہ پھر فرو ہے۔ لاہوری دروازے
کے علاقے میں کچھ کم سو گھر آباد ہوئے ہیں۔ کئی ہزار گھر کی
بستی ہے۔ انشاء اللہ تعالیٰ دو چار برس میں وہ علاقہ آباد
ہو جائے گا۔ اور جب وہ علاقہ آباد ہو جائے گا

تو دوسرا علاقہ شروع ہوگا۔" (ص ۹۰-۹۱)

خط بنام حسین مرزا۔ مورخہ ۹ ر نومبر ۱۸۵۹ء

"آج کل یہاں پنجاب احاطے کے بہت حاکم فراہم ہیں۔ پوں ڈیوٹی ــــــــ کے باب میں کونسل ہوئی پرسوں ۷ ر نومبر سے جاری ہوگئی۔ سانگ رام خزانچی، چھنا مل، مہیش داس یہ تین شخصوں کو یہ کام بطور امانی سپرد ہوا ہے۔ غلے اور اپلے کے سوا کوئی جنس ایسی نہیں کہ جس پر محصول نہ ہو۔ آبادی کا حکم عام ہے خلق کا اژدھام ہے۔ آگے حکم تھا کہ مالکان رہیں تو کرایہ دار نہ رہیں۔ پرسوں سے حکم ہوگیا کہ کرایہ دار بھی رہیں۔ کہیں یہ نہ سمجھنا کہ تم یا میں یا کوئی اور اپنے مکان میں کرایہ دار کو آباد کرے۔ وہ لوگ جو گھر کا نشان نہیں رکھتے۔ اور ہمیشہ سے کرایہ کے مکان میں رہتے تھے وہ بھی آ رہیں مگر کرایہ سرکار کو دیں" (ص ۹۶)

باب ہفتم

سقوطِ دہلی (۲)

نواب مصطفیٰ خاں شیفتہ کا وصیت نامہ سنہ ۱۸۵۰ء

ہندو پاکستان میں مغل حکومت کے زمانے میں امراء و اعیان بڑی حد تک باہر سے آتے اور مغل حکومت کی خدمات انجام دے کر عزت و رتبہ حاصل کرتے یہ روایت آخر وقت تک قائم رہی۔ مغل حکومت کے دور زوال میں بھی ہم دیکھتے ہیں کہ ماوراء النہر اور ایران وغیرہ سے امراء و روٴساء آتے ہیں۔ اور افراتفری کے اس دور میں وزارت و امارت کے مناصب و مراتب حاصل کرتے ہیں، سعادت علی خاں برہان الملک (ف ۱۱۵۱ھ) اور علی وردی خاں مہابت جنگ (ف ۱۷۵۶ء) نے دیکھتے دیکھتے اودھ اور بنگال کے صوبے ہتھیا لئے۔ اور اوّل الذکر کے جانشین صفدر جنگ (ف ۱۱۶۷ھ) اور شجاع الدولہ نے زمام وزارت کو سنبھالا۔ ذوالفقار الدولہ نجف خاں (ف ۱۷۸۱ء) ترقی کرتے کرتے عہد شاہ عالم (ف ۱۸۰۶ء) میں دہلی کے سیاہ و سپید کا مالک بن بیٹھا اس طرح ریوڑ کے ریوڑ ہندو پاکستان میں آکر منصب و مرتبہ حاصل کرتے تھے۔

شاہ عالم ثانی کے عہد میں[1] ایک شخص ولی داد خاں کوہاٹ سے وارد ہند

---

[1] مالک رام نے "تلامذۂ غالب" میں معلوم نہیں یہ کس طرح لکھ دیا کہ (باقی اگلے صفحہ پر)

پاکستان ہوئے انہوں نے بھی یہاں آکر قسمت آزمائی کی اور اپنی ایک حیثیت بنالی
تفصیل تو نہیں ملتی مگر انہوں نے اپنے فرزند مرتضیٰ خاں کی شادی اس وقت کے
ایک مشہور سردار اسماعیل بیگ ہمدانی کی بیٹی اکبری بیگم سے کی۔ اسمٰعیل بیگ وہ
شخص ہے جو کبھی مرہٹوں کو ناک چنے چبواتا ہے اور کبھی غلام قادر روہیلہ (ف ۵ ر
جمادی الثانی ۱۲۰۳ھ) کا دست و بازو بنتا ہے۔ ولی داد خاں کا مزید حال
نہیں ملتا۔

مرتضیٰ خاں بنگش، جسونت راؤ ہلکر کے لشکر میں ملازم ہوئے انہوں نے وہاں
اچھی خاصی حیثیت بنالی۔ ایک ہم عصر وقائع نگار مولوی عبدالقادر رامپوری
(ف ۱۸۴۹ء) لکھتے ہیں:

> "نواب مرتضیٰ خاں شکستہ حال مگر قسمت کے دھنی
> تھے۔ ہلکر کے لشکر میں سرو سامانی حاصل کرلی۔ ایک لڑائی
> میں انگریزی سپہ سالار کی فوج میں شامل ہو گئے، نوابی
> کا خطاب، اور تاحین حیات علاقہ پلول خرچ کے
> لئے مل گیا۔"

(بقیہ نوٹ صفحہ گزشتہ) نواب محمد خاں بنگش رئیس فرخ آباد اور نواب مرتضیٰ خاں کا خاندان
دراصل ایک ہی تھا۔ شیفتہ کے دادا ولی داد خاں فرخ سیر کے عہد میں قسمت آزمائی
کے لئے بنگشات (کوہاٹ علاقہ سرحد) سے وارد ہندوستان ہوئے اور فرخ آباد
میں مقیم ہو گئے۔ فرخ سیر کا عہد ۱۷۱۳ تا ۱۷۱۹ء ہے حالانکہ ولی داد خاں اسمٰعیل
بیگ ہمدانی (عہد عالم شاہی) کے زمانے کے آدمی ہیں۔ اس طرح نواب محمد خاں بنگش
کے خاندان سے ولی داد خاں کا کوئی واسطہ نہ تھا۔ ہمارے پیش نظر بنگشان فرخ آباد
کی مستند تاریخیں، تاریخ محمد خانی از حسام الدین گوالیاری (قلمی)، تاریخ فرخ آباد
از مفتی ولی اللہ فرخ آبادی۔ (قلمی) لوح تاریخ از (باقی اگلے صفحے پر)

نومبر ۱۸۰۳ء میں جب ایسٹ انڈیا کمپنی کی فوجوں نے لارڈ لیک کی سرکردگی میں قلعہ ڈیگ پر حملہ کیا تو اس موقع پر مرتضیٰ خاں نے ہلکر کی بجائے انگریزوں کی مدد کی لارڈ لیک کو فتح ہوئی مرتضیٰ خاں سے غیر معمولی خدمات و وفاداری ظہور میں آئی تھی اس لئے ان کو جاگیر و خطاب ملا، اور وہ "نواب عظیم الدولہ[۳] سرفراز الملک مرتضیٰ خاں صاحب بہادر مظفر جنگ" کے خطاب سے سرفراز ہوئے اور ہوڈل پلول کا علاقہ بطور جاگیر عطا ہوا۔ مولوی نظامی بدایونی مرتب کلیات شیفتہ و حسرتی کا یہ بیان درست نہیں کہ۔

> "۱۸۰۳ء میں لارڈ لیک نے دہلی میں انگریزی سلطنت کی بنیاد قائم کی اس وقت مرتضیٰ خاں صاحب کو لارڈ موصوف نے دہلی کے قریب ہوڈل پول کا علاقہ بطور جاگیر عطا ہوا اس دور میں جو سات رئیس با اختیار بنائے گئے تھے منجملہ ان کے

(بقیہ نوٹ صفحہ گزشتہ) منور علی خاں (قلمی)، تاریخ فرخ آباد از ولیم ارون (مطبع حسنی فتح گڑھ ۱۸۸۲ء) پیش نظر ہیں کہیں اس امر کا کوئی اشارہ تک نہیں ہے واقعہ یہ ہے کہ جس زمانے میں ولی داد خاں کوہاٹ سے آئے تھے اس زمانے میں فرخ آباد کے بنگش نوابوں کا زوال ہو چکا تھا۔ وہ نواب وزیر اودھ کے ماتحت تھے اس کے بعد براہ راست انگریزی حکومت کی سرپرستی میں آ گئے۔ [۱] تفصیل کے لئے دیکھئے تاریخ ہندوستان از ذکاء اللہ دہلوی۔ جلد نہم شمس المطابع دہلی ۱۸۹۸ء، ص ۳۱۹ - ۳۲۲

[۲] علم و عمل (وقائع عبدالقادر خانی) جلد اول (مرتبہ محمد ایوب قادری) آل پاکستان ایجوکیشنل کانفرنس کراچی ۱۹۶۰ء) ص ۳۱۳ - ۳۱۴

[۳] بعض تذکروں میں "نواب اعظم الدولہ سرفراز الملک مرتضیٰ خاں صاحب بہادر مظفر جنگ" تحریر ہے۔

نواب مرتضیٰ خاں بھی تھے [۱]

نواب مرتضیٰ خاں ہلکر کے ملازم تھے اور ۱۸۰۳ء میں لارڈ لیک کی جو لڑائی ہوئی تھی وہ سندھیا سے ہوئی تھی ہلکر سے نہیں ہوئی تھی۔ اور اسی لڑائی کے نتیجے میں دہلی پر انگریزوں کا قبضہ ہوا تھا [۲]۔ نواب مرتضیٰ خاں ان سات با اختیار رئیسوں میں سے نہ تھے۔ سات جاگیردار رئیسوں کے متعلق مرزا غالب (ف ۱۸۶۹ء) اپنے مکتوب میں سید مہدی مجروح (ف ۱۳۲۱ھ ۱۹۰۳ء) کو انقلاب ۱۸۵۷ء کے بعد لکھتے ہیں [۳]۔

"نواب گورنر جنرل بہادر ۱۵ر دسمبر کو یہاں داخل ہوں گے، دیکھئے کہاں اترتے ہیں اور کیونکر دربار کرتے ہیں آگے کے درباروں میں سات جاگیردار تھے کہ ان کا الگ الگ دربار ہوتا تھا۔ (۱) جھجر (۲) بہادر گڑھ (۳) بلّب گڑھ (۴) فرخ نگر (۵) دوجانہ (۶) پاٹودی۔ (۷) لوہارو۔ چار معدوم محض ہیں، باقی جو رہے اس میں سے دوجانہ و لوہارو تحت حکومت ہانسی و حصار پاٹودی حاضر، اگر ہانسی حصار کے صاحب کمشنر بہادر ان دونوں کو یہاں لے آئے تو تین رئیس ورنہ ایک رئیس دربار عام والے مہاجن لوگ سب موجود، اہل اسلام میں سے

---

[۱] مقدمہ کلیات شیفتہ وحسرتی از مولوی نظام الدین بدایونی۔ نظامی پریس بدایوں ۱۹۱۶ء) صہ ۳ [۲] دی سائٹ آف دی بیٹل آف دہلی ۱۹۰۳ء رقمزدہ مسر ایڈورڈ میکلن۔ ملاحظہ ہو۔ جنرل آف دی پنجاب ہسٹاریکل سوسائٹی جلد ۳ شمارہ ۲ (۱۹۱۵ء) [۳] اردوئے معلیٰ مجموعہ خطوط غالب (مطبوعہ شیخ ظفر محمد اینڈ سنز لاہور) صہ ۱۱۱

صرف تین آدمی باقی ہیں۔ میرٹھ میں مصطفیٰ خاں سلطان
جی میں مولوی صدرالدین خاں، بلی ماران میں سگِ
دنیا موسوم بہ اسد، تینوں مردود و مطرود و محروم
و مغموم ہیں۔"

نواب مرتضیٰ خاں نے ۱۸۱۳ء میں راجہ کھورس راج کا علاقہ جہانگیر آباد نیلام میں خریدا کیونکہ راجہ[1] مذکور مالگزاری ادا نہ کر سکا تھا، اور گورنمنٹ سے سند تعلقہ داری عطا ہوئی نواب مرتضیٰ خاں نے دہلی میں ایک شاندار حویلی بنوائی[2]

ایک رات کو نواب مرتضیٰ خاں بالا خانے کی چھت پر سو رہے تھے اتفاق سے آندھی آئی جب آنکھ کھلی تو اندر جانے کا ارادہ کیا، اندھیرے اور نیند کے غلبہ کی وجہ سے باہر کو بھاگے اور دو منزلہ سے نیچے گر پڑے سخت چوٹ آئی بہتیری تدبیریں اور علاج ہوتے مگر فائدہ نہ ہوا اور راہی ملک عدم ہوئے۔ ان کے مرنے کے بعد علاقہ پلول گورنمنٹ نے واپس لے لیا۔ کچھ نقد رقم صاحب رزیڈنٹ دہلی کی نوازش سے مقرر ہو گئی[3]

نواب مرتضیٰ خاں کے فرزند نواب مصطفےٰ خاں شیفتہ تھے جو ۱۸۰۶ء م ۱۲۲۱ھ میں دہلی میں پیدا ہوئے، اس زمانے کے مشہور اساتذہ و علماء[4]، میاں جی مالا مال، مولوی محمد نور نقشبندی (ف ۱۲۵۲ھ)

---

[1] ملاحظہ ہو گزیٹیر ضلع بلند شہر ص ۳۳۹ ۔ مگر مولوی بشیر الدین لکھتے ہیں کہ راجہ کھورس والے جہانگیر آباد کا علاقہ ۱۸۱۴ء میں مرتضیٰ خاں نے نیلام میں خریدا تھا۔ (واقعات دارالحکومت دہلی جلد دوم ص ۳۰۴) [2] واقعات دارالحکومت جلد دوم (ص ۱۵۱، ۱۷۲) میں دو حویلیوں کا (بقیہ اگلے صفحہ پر)

اور مولوی کرم اللہ دہلوی (ف ۱۲۵۸ھ م ۱۸۴۲ء) وغیرہ سے علوم متداولہ کی تحصیل کی۔ حج و زیارت سے مشرف ہوئے۔ ۷ ذی الحجہ ۱۲۵۴ھ کو حج بیت اللہ کو تشریف لے گئے ۱۲۵۵ھ میں حج ادا کیا اور ۲۲ ذی الحجہ ۱۲۵۶ھ کو حج سے فارغ ہو کر دہلی پہونچے۔ نواب مصطفٰے خاں بڑے مرتاض، عبادت گذار با اخلاق اور صاحب علم و فضل شخص تھے۔ پہلے شاہ محمد اسحاق دہلوی (ف ۱۲۶۲ھ م ۱۸۴۵ء) سے بیعت ہوئے، پھر شاہ ابوسعید (ف ۱۲۵۰ھ ۱۸۳۵ء) اور شاہ احمد سعید (ف ۱۲۷۷ھ ۱۸۶۰ء) سے استفادۂ باطنی فرمایا۔ پھر آخر میں شاہ عبد الغنی (ف ۱۲۹۶ھ ۱۸۷۸ء) سے تجدید بیعت کی اور اجازت و خلافت سے سرفراز ہوئے۔ دہلی میں علم و فضل اور شعر و سخن کی جو مجلس اس زمانے میں برپا تھی اس کے ایک ممتاز رکن مصطفٰے خاں شیفتہ بھی تھے۔ وہ مومن کے شاگرد تھے اور انھوں نے غالب سے بھی مشورۂ سخن کیا تھا۔ اردو میں شیفتہ اور فارسی میں حسرتی تخلص کرتے تھے۔

غالب نے شیفتہ کے متعلق کہا ہے۔

غالب بہ فن گفتگو، ناز د بریں ارزش کہ او
ننوشت در دیواں غزل تا مصطفٰے خاں خوش نکرد

حالی فرماتے ہیں

حالی سخن میں شیفتہ سے مستفید ہوں
شاگرد میرزا کا مقلد ہوں میر کا

(بقیہ نوٹ صفحہ گزشتہ) علیحدہ علیحدہ بیان ہے۔ [۳] علم و عمل (وقائع عبد القادر خانی) جلد اول ص ۳۱۴

[۴] ڈاکٹر عندلیب شادانی لکھتے ہیں کہ شیفتہ ۱۲۲۴ھ (۱۸۰۹ء) میں پیدا ہوئے مگر ڈاکٹر صاحب نے ماخذ نہیں بتایا ملاحظہ ہو "تحقیق کی روشنی میں" از ڈاکٹر عندلیب شادانی ص ۱۹۔۲۲ (کتاب منزل لاہور ۱۹۶۳ء)

[۱] ڈاکٹر عندلیب شادانی نے اپنے ایک مفصل اور مدلل مقالہ میں (باقی اگلے صفحہ پر)

شیفتہ کی ظاہری صورت و شکل سے علم و فضل کا اندازہ نہیں ہوتا تھا۔ نواب صدیق حسن خاں (ف ۱۳۰۷ھ/ ۱۸۸۹ء) اپنی تالیف "تاریخ قنوج" میں لکھتے ہیں۔[1]

"از اتفاقات عجیبہ این است کہ بسبب فربہی جسم و آثار بلادت کہ بر صورت ایشاں ظاہر است ہیچ کس بعد ملاقات نگوید کہ ایشاں صاحبِ علم و فہم خواہند بود"

شیفتہ سے مندرجہ ذیل کتابیں یادگار ہیں۔

گلشنِ بے خار اردو شعراء کا مشہور و معروف تذکرہ ہے شیفتہ نے اس کے ذریعہ تنقید کا آغاز کیا۔ اس لئے خاص طور سے مشہور ہے۔ فارسی میں متعدد بار چھپ چکا ہے ۱۸۷۴ء میں مطبع نول کشور لکھنؤ سے شائع ہوا۔ اس کا ایک قلمی نسخہ شیفتہ کلیکشن مسلم یونیورسٹی لائبریری علی گڑھ میں موجود ہے۔ یہ نسخہ شکستہ خط میں تحریر ہے۔

گلشنِ بے خار کے دو اردو ترجمے ابھی حال میں کراچی سے شائع ہوئے ہیں، پہلا ترجمہ آل پاکستان ایجوکیشنل کانفرنس (کراچی) نے اور دوسرا ترجمہ نفیس اکیڈیمی (کراچی) نے شائع کیا ہے۔ دونوں ترجمے جدید انداز کی ترتیب و حواشی سے معریٰ ہیں آخر الذکر

(بقیہ نوٹ صفحۂ گزشتہ) "شیفتہ ایک نقاد کی حیثیت سے" ثابت کیا ہے کہ یہ شعر حقیقت پر مبنی نہیں ہے۔ بلکہ غالب نے شاعرانہ انداز میں ایک رئیس کو خوش کرنے کے لئے یہ شعر کہا ہے ملاحظہ ہو "تحقیق کی روشنی میں" از ڈاکٹر عندلیب شادانی۔ ص ۹۰-۱۹

[1] تاریخ قنوج از نواب صدیق حسن خاں (قلمی)، ص ۱۰۶ (مخزونہ حبیب الرحمان شروانی کلیکشن مسلم یونیورسٹی علی گڑھ)

میں تو مترجم کا نام بھی نہیں دیا گیا ہے۔

گلشن بے خار کے جواب میں دو تذکرے لکھے گئے پہلا تذکرہ غلام قطب الدین باطن اکبر آبادی نے گلستان بے خزاں معروف بہ نغمۂ عندلیب کے نام سے لکھا ہے جو نولکشور پریس لکھنؤ سے شائع ہوا ہے۔ اور دوسرا مولوی نصر اللہ خاں قمر خورجوی (ف ۱۲۹۹ھ) نے "تذکرہ ہمیشہ بہار" کے نام سے لکھا ہے، جو مطبع فتح الاخبار کول سے ۱۲۷۳ھ میں چھپا ہے۔ دونوں تذکرے گلشن بے خار کے مقابلے میں کوئی حیثیت نہیں رکھتے۔ "تذکرہ ہمیشہ بہار" ۱۹۶۷ء میں انجمن ترقی اردو (کراچی) نے دوبارہ شائع کیا ہے۔

کلیات شیفتہ، حسرتی

اس میں نواب مصطفےٰ خاں شیفتہ کا اردو فارسی کا کلام (مع رقعات فارسی) شامل ہے۔ جو ان کے فرزند نواب محمد اسحاق (ف ۱۹۱۸ء) کی اعانت و امداد سے نظامی پریس بدایوں سے ۱۹۱۶ء میں طبع ہوا ہے مولوی نظام الدین حسین نظامی بدایونی (ف ۱۹۴۷ء) نے شروع میں ایک طویل مقدمہ لکھا ہے

دیوان و رقعات فارسی

اس میں نواب مصطفےٰ خاں شیفتہ کا فارسی کا کلام اور رقعات شامل ہیں۔ کل ستاون (۵۷) رقعات ہیں۔ جو مفتی صدر الدین خاں آزردہ (ف ۱۲۸۵ھ م ۱۸۶۸ء) حکیم احسن اللہ خاں (ف ۱۸۷۳ء)، مومن خاں مومن (ف ۱۸۵۲ء) اور مرزا غالب وغیرہ کے نام ہیں۔ یہ کتاب ان کے فرزند محمد علی خاں (ف ۱۳۱۷ھ م ۱۸۹۹ء) نے ۱۸۸۶ء میں بیتول پریس لاہور سے شائع کرائی۔

دیوان شیفتہ

نواب مصطفےٰ خاں شیفتہ کا اردو دیوان علیحدہ بھی ۱۹۵۷ء میں پنجاب اکادمی لاہور سے شائع ہوا ہے۔

ترغیب السالک الی احسن المسالک

نواب مصطفےٰ شیفتہ نے سفر حج کی روداد بڑے دلچسپ انداز میں

لکھی ہے۔ عربی میں اس کا نام "ترغیب السالک الی احسن المسالک" اور فارسی میں "برہ آورد" رکھا اس کا اردو ترجمہ "سراج منیر" کے نام سے زین العابدین منصرم عدالت ججی فرخ آباد نے کیا ہے جو نہایت بامحاورہ اور سلیس ہے۔ یہ ترجمہ ۱۹۱۰ء میں نواب محمد اسحاق خاں نے مطبع آگرہ اخبار سے شائع کرا دیا ہے۔ ترغیب السالک کا خود شیفتہ کے ہاتھ کا لکھا ہوا نسخہ "شیفتہ کلیکشن" مسلم یونیورسٹی لائبریری علی گڑھ میں موجود ہے۔

نواب مصطفےٰ خاں شیفتہ کا ۱۲۸۶ھ (۱۸۶۹ء) میں جہانگیر آباد میں انتقال ہوا۔ وہ درگاہ نظام الدین اولیا، دہلی میں اپنی ٹروار میں دفن ہوئے[۱]۔

۱۸۵۷ء میں بہادر شاہ ظفر کی قیادت میں جب جنگ آزادی کے دہلی میں شعلے بھڑک اٹھے اور سب جگہ سے انگریزی عمل دخل اٹھ گیا اس وقت ضلع بلند شہر کا انچارج برانڈ سیپٹے (Brand Sapte) تھا۔ ۲۴ مئی ۱۸۵۷ء کو انقلابیوں کی سرگرمیاں بلند شہر میں شباب پر آئیں تو وہ بھی دوسرے انگریز حکام کے ہمراہ ضلع چھوڑ کر بھاگ گیا[۲]۔

بلند شہر سے قریب چار پانچ میل کے فاصلے پر مالاگڑھ کا قلعہ ہے، وہاں کے رئیس نواب ولی داد خاں تھے۔ انقلاب کے آغاز کے موقع پر وہ دہلی میں موجود تھے شاہی خاندان سے ان کی کچھ رشتہ داری بھی تھی۔

۲۶ مئی ۱۸۵۷ء کو نواب ولی داد خاں دہلی سے بلند شہر (مالاگڑھ) پہونچے ابوظفر بہادر شاہ نے ان کو کول و برن کا صوبہ دار مقرر کیا تھا۔ آتے ہی انھوں نے اس علاقے پر قبضہ کر لیا[۳]۔ ان کے بزرگ سابق میں مغل بادشاہ دہلی کی طرف سے اس علاقے

۱۔ واقعات دار الحکومت دہلی جلد دوم، ص ۱۰۸ - ۸۰۲ ۲۔ ملاحظہ ہو گزیٹیر ضلع بلند شہر - ص ۱۵۴ - ۱۵۶ ۳۔ گزیٹیر ضلع بلند شہر ص ۱۵۶

کے حاکم[1] تھے۔ چار ماہ تک ولی داد خاں نے اس علاقے پر قبضہ رکھا مگر جب ۱۴ ستمبر ۱۸۵۷ء کو دہلی پر انگریزوں کا قبضہ ہو گیا تو دوسری جگہ کے انقلابیوں کی ہمتیں بھی پست ہو گئیں اور مالاگڑھ سے ولی داد خاں نے بریلی کا رخ کیا اور خان بہادر خاں کے ہمراہ وہ انگریزوں سے مقابلہ کرتے رہے۔

بلند شہر پر جب انگریزوں کا کلیتہً قبضہ ہو گیا تو نواب مصطفٰے خاں باغی قرار پائے ان پر مقدمہ چلا، سات سال کی سزا ہوئی۔ جرم کی نوعیت کے متعلق گزیٹیر ضلع بلند شہر میں یہ اشارہ ملتا ہے[2]۔

"مصطفٰی خاں ولی داد خاں کے رشتہ دار تھے جو انگریزوں کے خلاف غدر میں لڑے۔ ان (مصطفٰی خاں) کے مقدمہ میں یہ بات ثابت ہو گئی ہے کہ وہ (مصطفٰی خاں) بادشاہ دہلی سے (انگریزوں کے خلاف) باغیانہ خط و کتابت کرتے تھے اور ان کو سات سال کی سزا ہوئی۔ آخر میں معاف کر دئے گئے۔"

اس خط و کتابت کی تفصیل نہیں ملتی البتہ بعض جگہ نواب مصطفٰی خاں کی بہادر شاہ ظفر کے دربار میں حاضری اور ان کی طلبی کی اطلاع ملتی ہے۔

"۱۰ مئی ۱۸۵۷ء کو بروز اتوار مصطفٰے خاں نے بادشاہ کے حضور میں حاضری دی اور دو روپئے نذر دئے[3]۔"

۲۲ جون کو بھی مصطفٰی خاں شیفتہ نے دربار میں حاضری کی درخواست کی[4] اور

---

[1] الجمعیتہ (دہلی) سنڈے ایڈیشن ۲۰ جنوری ۱۹۵۷ء [2] گزیٹیر بلند شہر۔ صد ۲۳۹

[3] فریڈم اسٹرگل ان اترپردیش جلد پنجم انفرمیشن ڈیپارٹمنٹ لکھنؤ ۱۹۶۰ء صد ۹

[4] ۱۸۵۷ء کا تاریخی روزنامچہ صد ۱۵

اس سلسلے میں نواب ولی داد خاں نے بھی بادشاہ کے حضور میں سفارش کی[1]۔ معین الدین خاں لکھتے ہیں[2]:

"۲۵ جون ۱۸۵۷ء کو بہادر شاہ ظفر نے ایک شخص عبدالصالح خاں کے نام حکم بھیجا کہ نواب مصطفٰے خاں کو بحفاظت تمام دہلی بھیجا جائے[3]"

بہرحال ابوظفر بہادر شاہ سے نواب مصطفٰے خاں شیفتہ کے تعلقات انقلاب ۱۸۵۷ء میں ضرور رہے[4]۔ ہوڈل پلول کا انتظام بھی ان کے سپرد ہوا، جو عمل میں نہ آسکا[5]۔ اور اس جرم میں نواب مصطفٰے خاں کو سات سال کی سزا ہوئی۔ ان کو سات سال کی پوری قید نہیں بھگتنی پڑی بلکہ جلد ہی رہا ہو گئے۔

نواب صدیق حسن خاں قنوجی ثم بھوپالی جس زمانے میں دہلی میں تحصیل علم کرتے تھے اسی زمانے میں وہ تقریباً دو سال شیفتہ کے یہاں مقیم رہے تھے انہوں نے بھی کوشش کی[6]

"در ۱۲۷۳ھ بزمانۂ برگشتگی افواج ہند ہرگاہ او بہ تہمت غدر مبتلا شدہ بحبس افتاد، محرر سطور بواسطہ بعض حکام سعی موفور در اخلاص بکار برد و حق تعالیٰ او را از اں عقبہ کو د نجات بخشید"

نواب مصطفٰے خاں دو تین ماہ قید رہ کر رہا ہو گئے۔ نواب صدیق حسن خاں اپنی ایک

---

[1] ۱۸۵۷ء کا تاریخی روزنامچہ ص۶۰ [2] غدر کی صبح و شام (اردو ترجمہ روزنامچہ معین الدین و جیون لال۔ شائع کردہ خواجہ حسن نظامی پریس دہلی ۱۹۳۶ء) ص۱۴۵ [3] ۱۸۵۷ء کا تاریخی روزنامچہ۔ ص۱۳۳ [4] معلوم ایسا ہوتا ہے کہ جہانگیر آباد کا انتظام بھی خود نواب صاحب کی سپاہ کرتی تھی۔ ملاحظہ ہو کنز التاریخ از مولوی رضی الدین۔ ص۳۳۹۔ ۱۳۴۱ نظامی پریس بدایوں ۱۹۰۷ء [5] شمع انجمن۔ از نواب صدیق حسن خاں۔ (مطبع شاہجہانی بھوپال ۱۲۹۳ھ) ص۱۳۴

تالیف "تاریخ قنوج" میں لکھتے ہیں[1]۔

"در ۱۲۷۳ھ واقعہ فتنۂ ہندوستان الیشاں نیز ماخوذ شدند و املاک جملگی بہ ضبط در آمد و حکم قید ہفت سال شد لیکن بعد دو سہ ماہ از زنداں نجات یافت۔"

اس رہائی کی شکر گزاری اور جائداد کی واگزاشت کی سفارش کے لئے شیفتہ نے نواب صدیق حسن خاں کو جو خط لکھا ہے وہ درج ذیل ہے[2]

"خط سامی کہ در زمان مبتلا بودن مخلص بہ بند بلا بنام صدر الصدور صاحب بہادر رسیدہ بود بر طبق آں صاحب ممدوح آں چناں مساعی جمیلہ و کوشش ہائے نبیلہ فرمودند کہ صورت نجات مخلص بظہور رسیدی آرے مقتضائے صحت ہائے سامی ہمیں بود" این احسان فراموش شدنی نیست، اکنوں نجات صوری رو داد، لیکن نجات معنوی باقی است، یعنی جائداد وغیرہ، وجوہ معاش ہنوز مطلق واگزاشت نشدہ ایں مقدمہ ہم باجلاس صدر الصدور موصوف رسید پس ضرورت افتاد کہ بہ آنجناب اطلاع کنم تا بنام شاں خط سفارش، چنانکہ سابق نوشتہ اند رقم فرمایند و تحریر ایں معنیٰ کہ بظہور ایں امر شکر گزار سامی خواہم شد، فضول است کہ میان ما و شما گنجائش ہیچ امور نیست کہ یاد از بیگانگی ہا می دہد و ظاہر است کہ بار ایں منت بس عظیم خواہد بود۔ مورخہ یکم شعبان ۱۲۷۶ھ"

اس خط کا نتیجہ اچھا ہی نکلا اور شیفتہ کی نصف جائداد واگزاشت ہو گئی۔ نواب

---

[1] تاریخ قنوج از نواب صدیق حسن خاں (قلمی)، ص ۱۰۰ [2] شمع انجمن۔ ص ۱۲۴

صدیق حسن خاں لکھتے ہیں[1]۔

"چوں ایں خط آمد، خطِ دیگر مومن علی خاں صدر الصدور ساکن سندیلہ نوشتہ شد و نیمہ معاش بعد کشش و کوشش بسیار واگزاشت شد۔"

نواب مصطفٰے خاں شیفتہ نے اپنے قید ہونے کے وقت جو وصیت نامہ اپنے فرزند[2]، ملازمین اور متوسلین کو لکھا تھا وہ یہاں پیش کیا جاتا ہے اور یہ وصیت نامہ بوجوہ ذیل خاص اہمیت رکھتا ہے۔

(۱) نواب مصطفٰے خاں شیفتہ کی کوئی اردو نثر کی تحریر اس وصیت نامے کے سوا نہیں ملتی۔

(۲) جنگ آزادی ۱۸۵۷ء کے متعلق ایک ہم عصر دستاویز ہے۔

(۳) اس وصیت نامہ میں نواب مصطفٰے خاں شیفتہ کے حالات اور ان کی ذہنی زندگی پر ایک خاص روشنی پڑتی ہے۔

(۴) اس وصیت نامہ میں نواب مصطفٰے خاں شیفتہ کے فرزند محمد علی خاں اور نقشبند خاں کا ذکر ہے، مکان اور علاقے کا انتظام قرض کے ادا کرنے اور رمضان کے قضا روزوں کا کفارہ ادا کرنے کی ہدایات درج ہیں۔

ہمیں یہ وصیت نامہ مولوی احید الدین مالک نظامی پریس بدایوں ابن مولوی

---

[1] شمع انجمن - صد ۱۳۴

[2] نواب مصطفٰے خاں نے اس وصیت نامہ میں اپنے دو فرزند محمد علی خاں (ف ۱۸۹۹ء) اور نقشبند خاں (ف ۱۸۷۷ء) کا ذکر کیا ہے نواب محمد اسحاق اس ہنگامے کے بعد ۱۸۶۰ء میں پیدا ہوئے۔ شیفتہ کی پہلی بیوی سے محمد علی خاں تھے اور دوسری بیوی افضل بیگم سے نقشبند خاں اور اسحاق خاں تھے۔ (تلانذہ غالب مالک رام ہانکو در ۱۹۵۸ء) صد ۱۴۵

نظام الدین حسین نظامی بدایونی" مرتب کلیات شیفتہ وحسرتی" اسے ملا ہے معلوم ایسا ہوتا ہے کہ جب ۱۹۱۶ء میں کلیات شیفتہ وحسرتی نظامی پریس بدایوں سے شائع ہوا تو اس وقت کلیات کا مسودہ اور بعض دوسرے کاغذات جو نواب محمد اسحاق کے یہاں سے آئے ان میں یہ وصیت نامہ بھی ہوگا اور یہ نظامی پریس بدایوں ہی میں رہ گیا۔ نظامی بدایونی مقدمہ کلیات میں اس وصیت نامہ کا ان الفاظ میں ذکر کرتے ہیں۔

"جن ایام میں نواب صاحب باشتباہ بغاوت قید وبند میں مبتلا تھے ایک وصیت نامہ بنام مہین فرزند محمد علی خاں وغیرہم تحریر فرمایا تھا۔ اس میں بنظر انتظام جملہ متعلقین و متوسلین کے لئے حق دار مصارف بالتفصیل معین کردی تھی۔ دیون کے ادا کرنے کی ہدایت تھی۔ ان وصایا کے مطالعہ سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ احکام شرعی کی بجا آوری میں کیسے راسخ اور ثابت قدم تھے، اور خدا کی ذات پر کس قدر بھروسہ رکھتے تھے۔"

نظامی بدایونی نے اس سلسلے میں مزید کچھ نہیں لکھا۔

نظامی بدایونی مرحوم کا ایک مقالہ دسمبر ۱۹۱۸ء میں ماہنامہ زمانہ (کانپور) میں "نواب مصطفےٰ خاں شیفتہ" شائع ہوا ہے اس میں اس وصیت نامہ کی چند سطور کا عکس بھی شائع ہوا ہے اس سلسلے میں منشی دیا نرائن نگم آنجہانی (ف ۱۹۴۲ء) نے یہ سطور لکھی ہیں[1]۔

"یہ وصیت نامہ جناب مولوی نظامی صاحب بدایونی کی عنایت سے ہمیں ملا ہے اگرچہ وصیت نامہ

---

[1] ملاحظہ ہو "زمانہ کانپور" دسمبر ۱۹۲۸ء۔

نامکمل ہےؑ، اور آخر میں شیفتہ صاحب کے دستخط بھی
نہیں ہیں۔ لیکن نظامی صاحب نواب اسحاق خانصاحب
مرحوم کی شناخت و تصدیق کا حوالہ دے کر تحریر فرماتے
ہیں کہ جب شیفتہ صاحب ۱۸۵۷ء کے ہنگامے میں
محبوس ہو گئے تھے انہوں نے یہ وصیت نامہ اپنے
صاحبزادے محمد علی خاں کو جیل سے لکھ کر
بھیجا تھا۔"

نواب مصطفٰی خاں شیفتہ کے سواد خط کے متعلق خود نظامی صاحب لکھتے ہیں[2]۔

"نواب صاحب کا خط نہایت پاکیزہ تھا قلم
کیسا ہی خراب ہو مگر معلوم ہوتا تھا کہ بنا کیا ہوا ہے
باوجود خوشخط ہونے کے قلم اپنے ہاتھ سے نہیں
بناتے تھے۔"

شیفتہ کلیکشن (مسلم یونیورسٹی لائبریری علی گڑھ) میں ترغیب السالک الیٰ احسن المسالک کا مسودہ موجود ہے اور وہ خود نواب مصطفٰی خاں شیفتہ کے ہاتھ کا لکھا ہوا ہے۔ مگر اس کے متعلق مولانا ابوبکر شیث جون پوری (ف ۱۹۳۰ء) لکھتے ہیں[3]۔

---

[1] وصیت نامہ تو مکمل ہے کیونکہ آخر میں دعائیہ کلمات درج ہیں البتہ شیفتہ کے دستخط نہیں ہیں۔ [2] کلیات شیفتہ و حسرتی (مقدمہ) ص۸ مرتبہ نظامی بدایونی انظامی پریس بدایوں ۱۹۱۶ء) [3] فہرست کتب شیفتہ کلیکشن مرتبہ ابوبکر شیث۔ ص۱۹ (مسلم یونیورسٹی پریس علی گڑھ ۱۹۲۳ء)

خط شکستہ گھسیٹ، جابجا سے قلم زدہ غیر مرتب
ناقص۔''

جب تک وصیت نامہ ترغیب السالک سے مقابلہ نہ کر لیا جائے اس وقت تک یہ بات یقینی طور سے نہیں کہی جا سکتی کہ یہ وصیت نامہ جو مولوی احید الدین نظامی بدایونی کی ملکیت ہے وہ نواب مصطفےٰ خاں شیفتہ کے ہاتھ ہی کا تحریر کردہ ہے یا اصل کی نقل ہے۔ وصیت نامے کا متن درج ذیل ہے۔

''یہ وصیت نامہ ہے عبدِ گنہگار کی طرف سے بنام محمد علی و شیخ عبدا ور مینڈھو اور رشید اور عظیم کے کہ اس کے موافق عمل کریں اور جو کوئی عمل نہ کرے گا گنہگار ہوگا امید ہے خدا کے فضل سے کہ علاقہ مل جاوے، اگر نہ ملا تو کچھ کلام نہیں مگر امید ہے کہ مل جائیگا تین سو روپے ماہوار کا خرچ رکھیں اس سے زیادہ ایک خرمہرہ نہیں چاہئے اور اس تین سو کو اس طرح پر صرف کریں کہ ۱۰ روپے ماہواری گھر میں دینا چاہئے والدۂ محمد نقشبند کو، اور چالیس روپے محمد علی اپنے صرف میں لائے۔ ایک گھوڑا اور دو خدمت گار اور دیگر ضروریات کو بالفعل کافی ہیں تین برس کے بعد جو کچھ پڑھانا ہو پڑھا لینا۔ اور شیخ عبدا اور مینڈھو اور رشید اور عظیم کے سب کاروبار سپرد کر دینا۔ یہ چاہیں جس طرح انصرام کریں۔ تیس روپے ماہواری شیخ عبد کو۔ بیس روپئے ماہواری میر صاحب کو اور پندرہ روپے رشید کو اور آٹھ روپے عظیم کو اور تین روپے کریم

بخش کو اور چار روپے محمد بخش کو، یہ سب اسی روپے
ہوئے اور گھر کا اور محمد علی کا خرچ لگا دو سو روپے
ماہواری ہوا - سو روپے مہینہ علاقہ کے خرچ کو مع
سپاہیوں اور متصدی اور خرچ آئندو روندو غیرہ کو کافی
ہے - یہ سب تین سو روپے ہو گئے - اور میر صاحب
کی اوقات بسری عمہ روپے ماہواری میں نہ ہو تو یہ
سو روپے جو علاقے کے خرچ کے واسطے ہیں ان
میں سے پانچ روپئے اور بڑھا دینا - اور اس خرچ
کے بعد جو کچھ بچے اس سے میرا قرض جو صحیح ہے وہ
ادا کرنا صحیح قرض سے یہ مطلب کہ سود دینا نہیں چاہئے
اصل لینا بھی غنیمت ہو گا - اور جس کا روپیہ ادا کرو اس
سے باقی کی معافی کرا لینا ' چھٹے بنئے ' کے پاس اگرچہ
تمسک ہے لیکن اس کا روپیہ صحیح نہیں، کچھ نہ دینا -
کیول کاشی کا روپیہ سود کا ہے جس کے رقعے ہیں اس کا
دینا نہیں چاہئے، مگر چار سو روپئے کاشی کے جواب
لئے بھتے دینا ضرور ہے محمد علی خاں کی معرفت کا روپیہ
بلا سود ادا کر دینا - مولوی مظہر علی کی امانت کا زیور
چھڑا کر مع ان کے روپیوں کے ان کے گھر پہونچا دینا
قلندر شاہ کی امانت بارہ اشرفیاں ہیں یا چھ ہیں
مجھے یاد نہیں، غرض جو وہ مانگیں دے دینا ساہوکاروں
کے حساب میں سود کا روپیہ اصل میں شامل ہو گا ان
سے معاملہ اگر نصف میں کرو گے تو ہو جائے گا کسی واسطے
کہ وہ تو روپیہ پڑا پاتے ہیں کسی طرح لے تو سکتے ہی نہیں

اس واسطے بخوشی معاملہ کرلیں گے، مگر بعد معاملے کے معاف ضرور کروالینا۔ منشی زور آور سنگھ کا تمسک تین ہزار روپئے کا ہے پندرہ روپے پر اگر معاملہ کروگے تو ہو جاوے گا۔ میرے نزدیک دو ہزار روپیہ اس کا واقعی چاہیئے۔ اور جن لوگوں نے سال گزشتہ میں قسط کے واسطے کہا تھا ان کا روپیہ سب ادا کرنا کہ ان سے نیا معاملہ ہوا ہے۔ اس میں سود شامل نہیں، سود نہ دینا۔ مولوی مظہر علی کی امانت دام دام ضرور ادا کرنا جو کوئی اس ساری وصیت پر عمل نہ کرے گا خدا کا گنہگار ہو گا۔ اور حساب سب ساہوکاروں کا مجھے اس وقت یاد نہیں کہ مفصل لکھوں۔ تم کو تحقیقات سے معلوم ہو جاوے گا۔ کھنا پیشکار کو بھی نصف کے قدر بلکہ کم دینا۔ اور قصاب کے اور ہندا بزاز دہلی کے روپئے ہیں وہ دام دام ادا کر دینا۔ اسی طرح سے جس کے حساب . . . . کا روپیہ ہو وہ سب ادا کرنا۔ ان سب کا حساب رشید کے پاس ہے۔ غرض کہ میرے اوپر کسی کا واجبی حق نہ رہ جاوے۔ اور چھوٹی ہمشیرہ بنی سے جو کچھ حصہ ان کا میری طرف بابت جہانگیر آباد کے ہو وہ بخشوا لینا اور میرے اوپر رمضان شریف کے روزے ہیں، خوب یاد نہیں مگر احتیاطاً دس رمضان کے رکھ لینا جس کے دس مہینے ہوئے، ہر روزے کی بابت ایک شخص مسلمان کو دو سیر گندم چاہیئے جس کے مہینے کے ڈیڑھ من ہوئے

تو دس مہینے کے پندرہ من ہوئے ان کا دینا ضروری ہے مگر میری موت کے بعد کس واسطے کہ زندگی میں یہ کفارہ ادا نہیں ہوتا۔ پس جب میری موت کا حال سن لو جو شخص اس وقت میں زندہ ہو وہ پندرہ من گیہوں لے، ایک ایک فقیر کو دو دو سیر گیہوں دے اتنی باتیں تو اس وقت یاد رہیں آگے اور جو کچھ یاد آجائے گا اور موقع تحریر کا ہاتھ لگا تو لکھوں گا۔ اور گھر کی ہر طرح کی حفاظت بہت چاہئے۔ مقدمہ ناموس کا ہے جہانتک بنے اس کی حفاظت رکھیں۔ ان سب باتوں پر سب صاحب عمل کریں۔ وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْھُدیٰ۔

اور ایک ضروری بات رہ گئی، والدہ نقشبند کا دس ہزار کا مہر ہے، جس طرح اور لوگوں کا ادا کیا جاوے یہ بھی ادا کیا جاوے۔ غرض کہ خدا کے واسطے کسی کا حق میرے ذمے نہ رہے اگرچہ یہ تحریر میری آج مثل شیخ چلی کی باتوں کے ہے مگر خدا کے فضل سے مجھے امید واثق ہے کہ علاقہ مل جاوے گا، اس وقت یہ سب باتیں ہو سکتی ہیں۔ جو کچھ اب یاد آیا، آگے جو کچھ لکھنا ہو گا لکھوں گا، انشاءاللہ! اور جو کچھ خداوند مجھ کو .... اس کی بڑی عنایت ہوگی۔ وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ ٥

جہاد کا فتویٰ اور اسکے مفتیانِ کرام

دہلی میں جنگ آزادی کا آغاز یوں تو ۱۱ مئی ۱۸۵۷ء کو ہوا اور بہادر شاہ ظفر کا اقتدار قائم ہوگیا مگر تحریک میں ضبط و تنظم اور عوام میں جوش و جذبہ ۲ جولائی ۱۸۵۷ء جنرل بخت خاں کے دہلی پہونچنے کے بعد پیدا ہوا۔ جنرل بخت خاں نے پہلا کام یہ کیا کہ اس نے دہلی کے علماء سے جامع مسجد دہلی میں جہاد کا فتویٰ مرتب کرایا۔ یہ فتویٰ اس زمانے کے اخبارات ظفر الاخبار اور صادق الاخبار میں شائع ہوا۔ اس کے بعد دہلی میں جہاد کا خوب چرچا ہوگیا[1]۔

شمس العلما مولوی ذکاء اللہ نے اپنے سرکار پرستی کے جذبے کے تحت مندرجہ ذیل الفاظ میں اس سرگزشت کو قلمبند کیا ہے[2]۔

> "جب تک دہلی میں بخت خاں نہیں آیا جہاد کے فتوے کا چرچا شہر میں بہت کم تھا۔ مساجد میں منبروں پر جہاد کا وعظ کم تر ہوتا تھا۔ دہلی کے مولوی اور اکثر مسلمان خاندان تیمور کو ایسا خولہ خبط جانتے تھے کہ وہ ناممکن سمجھتے تھے کہ اس خاندان کی بادشاہی ہندوستان میں ہو۔ مگر اس کے ساتھ جاہل مسلمانوں کا یہ یقین تھا کہ انگریزی سلطنت کے بدن میں یہ ایک ایسا

---

[1] سر سید احمد خاں۔ اسباب بغاوت ہند مقدمہ ڈاکٹر ابواللیث صدیقی، کراچی ۱۹۵۷ء ص ۱۰

[2] ذکاء اللہ۔ ص ۶۶۵ - ۶۶۲

پھوڑا نکلا ہے کہ وہ جانبر نہ ہوگی. یہ کارِ لچے شہدے مسلمانوں کا تھا کہ وہ جہاد جہاد پکارتے پھرتے تھے مگر جب بخت خاں جس کا نام اہل شہر نے کم بخت خاں رکھا تھا، دہلی میں آیا تو اس نے یہ فتویٰ لکھایا کہ مسلمانوں پر جہاد اس لئے فرض ہے کہ اگر کافروں کو فتح ہوگی تو وہ ان کے سب بیوی بچے قتل کر ڈالیں گے اس نے جامع مسجد میں مولویوں کو جمع کر کے جہاد کے فتوے پر دستخط و مہریں ان کی کرالیں.... اس فتوے کا اثر یہ تھا کہ جاہل مسلمانوں میں جوشِ مذہبی زیادہ ہوگیا..... غرض جہاد کا غل مچانا اور محمدی جھنڈا لگانا رذیل و ذلیل مسلمانوں کا کام تھا۔"[1]

عبدالشاہد خاں شروانی نے علامہ فضل حق خیرآبادی کو جہاد کے فتوے کا ہیرو ثابت کرنے کے لئے ایک دوسری ہی روایت گڑھی ہے، وہ لکھتے ہیں[2]۔

"علامہ (فضل حق) سے جنرل بخت خاں ملنے پہونچے مشورے کے بعد علامہ نے آخری تیر ترکش سے نکالا، بعد نماز جمعہ جامع مسجد میں علماء کے سامنے تقریر کی استفتا

---

[1] شمس العلماء ذکاء اللہ کی سرکار پرستی اور اخلاقی تہی دستی ملاحظہ ہو۔

[2] باغی ہندوستان۔ صفحہ ۱۵۶ لطف کی بات یہ ہے کہ اس عبارت پر حوالہ دیا ہے "تاریخ ذکاء اللہ" گویا یہ ساری کیفیت تاریخ ذکاء اللہ کی بنیاد پر بیان کی گئی ہے۔ حالانکہ آخری جملہ "دہلی میں نوے ہزار سپاہ جمع ہوگئی تھی" تاریخ ذکاء اللہ سے مقتبس ہے۔

پیش کیا، مفتی صدر الدین خاں آزردہ صدر الصدور
دہلی، مولوی عبد القادر، قاضی فیض اللہ دہلوی،
مولانا فیض احمد بدایونی، ڈاکٹر مولوی وزیر خاں اکبر آبادی
سید مبارک شاہ رامپوری، نے دستخط کر دیئے اس
فتوے کے شائع ہوتے ہی ملک میں عام شورش بڑھ
گئی۔ دہلی میں نوّے ہزار سپاہ جمع ہو گئی تھی"؛

مولوی عبد الشاہد خاں شروانی نے یہ حکایت معلوم نہیں کہاں سے وضع کی ہے۔ جہاد کے فتوے پر مولانا فضلِ حق خیر آبادی، قاضی فیض اللہ مولوی فیض احمد بدایونی، ڈاکٹر وزیر خاں اور سید مبارک شاہ رام پوری میں سے کسی کے دستخط بھی نہیں ہیں۔ مولوی فضل حق خیر آبادی تو وسط اگست ۱۸۵۷ء میں دہلی پہونچے تھے۔ اس وقت تک یہ فتویٰ مشتہر ہو چکا تھا لہٰذا ان کے دستخط کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

فتوے کا متن درج ذیل ہے۔

استفتاء

"کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس امر میں کہ اب جو انگریز دلی پر چڑھ آئے اور اہل اسلام کی جان و مال کا ارادہ رکھتے ہیں اس صورت میں اب اس شہر والوں پر جہاد فرض ہے یا نہیں اور اگر فرض ہے تو وہ فرض عین ہے یا نہیں اور وہ لوگ جو اور شہروں اور بستیوں کے رہنے والے ہیں ان کو بھی جہاد چاہئے یا نہیں بیان کرو اللہ تم کو اجر دے گا۔"

جواب

"درصورت مرقوم فرضِ عین ہے اوپر تمام اس شہر کے لوگوں کے

اور استطاعت ضرور ہے اس کی فرضیت کے واسطے
چنانچہ اس شہر والوں کو طاقت مقابلے اور لڑائی کی ہے
بسبب کثرتِ اجتماع افواج کے، اور مہیا اور موجود
ہونے آلات حرب کے تو فرض عین ہونے میں کیا
شک رہا اور اطراف و حوالی کے لوگوں پر جو دور ہیں
باوجود خبر کے فرض کفایہ ہے۔ ہاں اگر اس شہر کے
لوگ باہر ہو جائیں مقابلہ سے یا سستی کریں اور مقابلہ
نہ کریں تو اس صورت میں ان پر بھی فرض عین ہو جائے گا
اور اسی طرح اسی ترتیب سے سارے اہل زمین پر شرقاً اور
غرباً فرض عین ہو جائیگا اور جو عدو اور بستیوں پر ہجوم اور غارت
اور قتل کا ارادہ کریں تو اس بستی والوں پر بھی فرض ہو جائے گا
بشرطِ ان کی طاقت سے۔

دستخط

المجیب مصیب احقر العباد نور جمال عفی عنہ۔ العبد محمد
عبد الکریم۔ فقیر سکندر علی سید محمد نذیر حسین۔
رحمت اللہ۔ مفتی صدر الدین۔ مفتی اکرام الدین معروف
سید رحمت علی۔ محمد ضیاء الدین۔ عبد القادر
فقیر احمد سعید۔ محمد میر خاں العبد مولوی عبد الغنی
خادم العلما مولوی محمد علی فرید الدین محمد سرفراز علی
سید محبوب علی جعفری ابو احمد محمد حامی الدین
العبد سید احمد علی الٰہی بخش محمد کریم اللہ
مولوی سعید الدین محمد مصطفےٰ خاں ولد حیدر شاہ
نقشبندی محمد انصار علی حفیظ اللہ خاں

محمد نور الحق محمد ہاشم، حیدر علی، العبد سیف الرحمٰن، سید محمد
محمد امداد علی عفی عنہ۔ سید عبد الحمید عفی عنہ۔ ضیاء الفقہاء
سراج العلماء مفتی عدالت العالیہ محمد رحمت علی خاں
خادم الشرع شریف رسول الثقلین قاضی القضاۃ محمد علی حسین [1]

اس فتوے پر چونتیس[2] علماء کرام کے دستخط ہیں۔ اس فہرست کو ہم تین حصوں میں تقسیم کر سکتے ہیں۔

(۱) پہلے وہ علمائے کرام ہیں جو اس فتویٰ جہاد کے بانی، مبلغ اور اس فتوے کو از روئے شریعت صحیح اور حق سمجھتے تھے ان لوگوں میں مندرجۂ ذیل حضرات ہیں۔

(۱) مولوی رحمت اللہ (۲) شاہ احمد سعید (۳) شاہ عبد الغنی (۴) مولوی محمد سرفراز علی فرید الدین۔ سیف الرحمٰن الدھیانوی (۸) عبد القادر (۳)

مولوی رحمت اللہ کیرانوی[3] کے متعلق مولوی ذکاء اللہ لکھتے ہیں۔

"سب سے اوّل مولوی رحمت اللہ کیرانہ سے اس ٹوہ میں آئے کہ دہلی میں جہاد کی کیا صورت ہے وہ بڑے عالم فاضل تھے، عیسائی مذہب کی رد میں صاحب تصنیف تھے وہ قلعہ کے پاس مولوی محمد حیات کی مسجد میں اترے۔"

مولوی رحمت اللہ کا دہلی سے برابر تعلق رہا۔ عبد اللطیف کے بیان کے مطابق مولوی رحمت اللہ دو سو اہل نجیب آباد کے ہمراہ دہلی پہونچے۔[4] اور یہ بھی یقینی

---

[1] فتوے کے لئے ملاحظہ ہو خورشید مصطفےٰ رضوی۔ ص ۵۶۸ - ۵۶۹ - امداد صابری ۱۸۵۷ء کے مجاہد شعراء ص ۱۴۸ - ۱۴۹ - و تقیق صدیقی ص ۱۹۰ - ۱۹۹ و نوائے آزادی مرتبہ عبد الرزاق قریشی ادبی پبلشرز بمبئی ۱۹۵۷ء ص ۱۹۵ [2] ایک نام پڑھنے میں نہیں آیا [3] مولوی رحمت اللہ کے حالات دیکھئے آثار رحمت [4] عبد اللطیف ص ۸

بات ہے، کہ جولائی کے مہینے میں فتویٰ جہاد مرتب ہوا،

مولوی امداد صابری صاحب نے دہلی کی جامع مسجد کے واگزاشت ہونے کے سلسلے میں ۱۸۶۰ء کے ایک فتوے کی روشنی میں یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ یہ دستخط مولوی رحمت اللہ کیرانوی کے نہیں بلکہ ایک دوسرے مولوی رحمت اللہ دہلوی کے ہیں[1]۔

مولوی امداد صابری لکھتے ہیں[2]۔

"اس فتوے کے دستخط کرنے والے مولانا رحمت اللہ صاحب کیرانوی نہیں تھے، بلکہ دہلی کے مولانا رحمت اللہ صاحب تھے لیکن اس فتوے کے مرتب کرنے میں مولانا رحمت اللہ صاحب دکیرانوی، شامل تھے۔"

فتویٰ مرتب کرنے میں شمولیت کے کیا معنی اگران کے دستخط نہ تھے یہاں ایک بات خاص طور سے قابل توجہ ہے کہ ــــ ۱۸۶۰ء کے جس فتوے کا حوالہ امداد صابری صاحب نے دیا ہے اس پر دستخط کے الفاظ "محمد رحمت اللہ" ہیں[3]۔ اور فتویٰ جہاد میں صرف "رحمت اللہ" ہیں۔

شاہ احمد سعید مجددی، شاہ ابوسعید مجددی کے نامور فرزند، عالم اور محدث تھے۔ ہمارے خیال سے دہلی میں سب سے پہلے جہاد کا چرچا انہوں نے ہی شروع کیا[4]۔ کمال الدین حیدر حسینی لکھتے ہیں[5]۔

"مولوی احمد سعید شاہ غلام علی کے نواسے مجتہد اہل سنت

---

[1] لاحظہ ہو آثار رحمت۔ از امداد صابری (دہلی ۱۹۶۷ء) صد ۲۲۲۔ ۲۲۹ [2] آثار رحمت صد ۲۲۳ [3] تاریخ صحافت اردو جلد اول از امداد صابری طبع دوم دہلی ۱۹۶۷ء، صد ۱۴۲ [4] تجبۃ اللطیف صد ۴۴ [5] قیصر التواریخ جلد دوم۔ صد ۴۵

وہ جامع مسجد میں علم جہاد کے اٹھانے کے باعث ہوئے
اور اہل اثنا عشری شریک اس جہاد کے نہ ہوئے
کس واسطے کہ ان کے مذہب میں غیبت امام میں جہاد
حرام ہے۔"

شاہ صاحب احمد سعید سقوط دہلی کے بعد ۱۸۵۷ء میں اپنے اہل وعیال کو لیکر حجاز چلے گئے اور وہیں ۱۲۷۷ھ میں ان کا انتقال ہوا۔[1]

شاہ عبدالغنی شاہ احمد سعید کے برادر خورد اور شاہ ابو سعید مجددی کے فرزند اصغر تھے۔ وہ ۱۲۳۵ھ میں پیدا ہوئے اپنے دور کے نامور عالم اور محدث تھے۔ شاہ محمد اسحاق دہلوی کے تلمیذ و جانشین تھے۔ انہوں نے جہاد کے فتوے پر دستخط کئے۔ اور پھر اپنے بھائی کے ہمراہ حجاز تشریف لے گئے اور وہیں ۱۲۹۶ھ میں انتقال ہوا۔ ان کے تلامذہ میں سے علمائے دیوبند، مولانا محمد قاسم نانوتوی مولانا رشید احمد گنگوہی وغیرہ خاص طور پر قابل ذکر ہیں جنہوں نے اپنے شیخ کے اتباع میں تحریک آزادی میں حصہ لیا۔[2]

مولانا سرفراز علی تحریک مجاہدین کے سرگرم کارکن اور امام المجاہدین تھے، شمس العلماء ذکاء اللہ لکھتے ہیں[3]:

"دہلی میں جب باغی سپاہ کے افسر اعلیٰ بخت خاں
وغوث محمد خاں ومولوی امام خاں رسالدار جمع ہوئے
اور ان کے ساتھ مولوی عبدالغفار اور مولوی سرفراز علی
آئے تو پھر وہابیوں کا اجتماع دہلی میں شروع ہوا اور
مولوی سرفراز علی جہادیوں کے سرگرم کارکن اور امام المجاہدین

---

[1] ملاحظہ ہو تذکرہ کاملان رام پور ۔ ص ۱۱   [2] ملاحظہ ہو تذکرہ علمائے ہند ص ۳۰۱ ۔ [3] ذکاء اللہ ص ۶۰۵

اس کا معاون ہوا۔"

مولوی فریدالدین دہلی کے مشہور عالم تھے، صفر ۱۲۷۳ھ کو انہیں گولی ماردی گئی۔ مولوی سیف الرحمن مولانا عبدالقادر لدھیانوی کے صاحبزادے تھے۔ اور کابل ہجرت کرگئے۔

(۲) دوسرے گروہ میں وہ حضرات ہیں جن کے دستخط تو فتوے پر ہیں مگر وہ دل سے اس تحریک میں شریک نہیں تھے۔ بلکہ انہوں نے مجبوراً دستخط کئے تھے، اور دستخط کرنے کے باد جود وہ سرکار انگریزی کے وفادار رہے، انہوں نے انگریزوں کو چھپایا، جاسوسی کے فرائض انجام دیئے اور تحریک آزادی کی مخالفت کی، ان میں یہ حضرات ہیں۔

(۱) شیخ الکل شمس العلماء میاں سید محمد نذیر حسین

(۳) شمس العلماء مولوی ضیاء الدین (۴) مولوی سید محبوب علی جعفری

(۵) مفتی صدرالدین آزردہ (۶) مولوی حفیظ اللہ خاں۔

مولوی میاں نذیر حسین بن جواد علی، سورج گڑھ (بہار) میں ۱۲۲۰ھ میں پیدا ہوئے علماء دہلی سے تحصیل علم کی اہل حدیث کے مقتدا ٹھہرے مولوی صاحب نے ایک طرف تو جہاد کے فتوے پر دستخط کئے اور دوسری طرف انہوں نے ایک انگریز عورت مسز لیسنس کو پناہ دی۔

مولوی نذیر حسین نے جہادیوں کے ڈر کی وجہ سے دستخط کئے تھے افتخار عالم مارہروی لکھتے ہیں[۲]۔

"آفت یہ ٹوٹ پڑی کہ دوران بغاوت جنرل بخت خاں نے ان مولویوں سے زبردستی جہاد کے فتوے پر مہریں کرالیں۔"

---

[۱] ریاض الانوار صد ۲۰۲ وما بعد

[۲] حیات النذیر صد ۳۹ - ۴۷

میاں نذیر حسین کے سوانح نگار نے دستخط کرنے سے بھی انکار کر دیا[۱]
شمس العلما ذکاء اللہ لکھتے ہیں[۲]

"جن مولویوں نے فتوے پر مہریں کی تھیں وہ کبھی بھاڑی
پر انگریزوں سے لڑنے نہیں گئے مولوی نذیر حسین جو
وہابیوں کے مقتدا اور پیشوا تھے ان کے گھر میں تو ایک میم
چھپی بیٹھی تھی۔"

مولوی نذیر حسین کو اس صلے میں ایک ہزار تین سو روپے انعام ملا اس سلسلے میں ایک سرٹیفکیٹ میاں نذیر حسین کی سوانح عمری سے نقل کیا جاتا ہے

"دہلی مورخہ ۲۱ ستمبر ۱۸۶۶ء
ڈبلیو۔ جی۔ واٹرفیلڈ۔ قائم مقام کمشنر دہلی۔

"مولوی نذیر حسین اور ان کے بیٹے مولوی شریف
حسین اور ان کے دوسرے گھر والے غدر کے زمانے میں مسز
لیسنس کی جان بچانے میں ذریعہ ہوئے، حالت مجروحی
میں انہوں نے ان کا علاج کیا، ساڑھے تین مہینے اپنے
گھر میں رکھا اور بالآخر دہلی کے برٹش کیمپ میں
ان کو پہونچا دیا۔"

وہ کہتے ہیں کہ ان کے انگریزی سرٹیفکٹ ایک آتش زدگی میں جو ان کے مکان واقع دہلی میں ہوئی تھی جل گئے۔ میں کہتا ہوں کہ یہ ان کا کہنا بہت ہی قرین امکان ہے۔ غالباً ان کو جنرل نیول چمبرلین جنرل برن اور کرنل سانڈرز وغیرہم سے سرٹیفکیٹ ملے تھے مجھ کو وہ واقعات اور مسز لیسنس کا کیمپ میں آنا اچھی طرح یاد ہے

---

[۱] الحیات بعد الممات۔ از فضل حسین (طبع دوم کراچی ۱۹۵۹ء) صفحہ ۱۲۵ و اشاعت السنۃ لاہور جلد ۵ نمبر ۱ بحوالہ آثار رحمت۔ صفحہ ۲۲۷ - ۲۲۸ [۲] ذکاء اللہ۔ صفحہ ۷۷۶ و افتی رعالم مارہروی صفحہ ۳۹

ان لوگوں کو اس خدمت کے صلے میں مبلغ دو سو اور چار سو روپے ملے تھے۔ مبلغ سات سو روپے بابت تاوان منہدم کئے جانے مکانات کے ان لوگوں کو عطا کئے گئے تھے۔ یہ لوگ ہماری قوم سے حسن سلوک و الطاف کے مستحق ہیں۔"

مسز لیسنس کی جان بچانے میں شمس العلما ڈپٹی نذیر احمد بھی شامل تھے اور بقول افتخار عالم مارہروی اس انگریز خاتون کو وہی اٹھا کر لائے تھے[۱]۔ اور جنگِ آزادی کے بعد جب ڈپٹی نذیر احمد دہلی کے ڈپٹی انسپکٹر مقرر ہوئے تو میاں نذیر حسین کے صاحبزادے مولوی شریف حسین (ف ۱۳۰۴ھ) نے اس کو اپنے باپ کا حق سمجھا۔ مولوی افتخار عالم مارہروی لکھتے ہیں[۲]۔

"مولوی شریف حسین نے دعوی کیا کہ مولوی نذیر احمد صاحب کو جو نوکری مل گئی ہے وہ میرے باپ مولوی نذیر حسین صاحب کا حق ہے ..... ان لغو باتوں کا نتیجہ ہوا کہ دونوں خاندانوں میں تا ایندم صفائی نہیں ہوئی"

شمس العلما شیخ ضیاء الدین دلی کالج کے تعلیم یافتہ، نارمل اسکول کے مدرس، دلی کالج کے عربی کے پروفیسر اور پھر اکسٹرا اسسٹنٹ مقرر ہوئے ان کے والد داروغہ شیخ محمد بخش لبی تحصیل دہلی کے رہنے والے تھے۔ اور وہ خاص دہلی کے تھانیدار تھے۔ مولوی بشیر الدین لکھتے ہیں[۳]۔

"یہ خاندان گورنمنٹ کا خیر خواہ تھا۔ غدر میں پھرج کی پہاڑی پر خبر رسانی کرتے تھے جس کے صلے میں کچھ اراضی انعام ملی ہوئی ہے۔ مولوی صاحب (ضیاء الدین)

---

[۱] افتخار عالم مارہروی۔ ص ۴۸

[۳] واقعات دار الحکومت دہلی جلد دوم۔ ص ۱۶۹

مولوی مملوک علی نانوتوی مشہور عالم کے شاگرد تھے
اور مفتی صدرالدین خاں صدر الصدور سے بھی
فارسی تحصیل کی تھی، ایام غدر میں دہلی کالج میں مدرس
ہوئے۔"

۱۳۲۲ھ میں شمس العلماء ضیاء الدین کا حجاز میں انتقال ہوا۔

مولوی سید محبوب علی بن مصاحب علی اس دور کی ناموور شخصیت ہیں وہ ۱۲۰۰ھ میں پیدا ہوئے خاندان عزیزی کے مشہور شاگرد تھے حضرت سید احمد شہید کے ہمراہ سکھوں سے جہاد کے لیے یاغستان گئے مگر وہاں کے حالات دیکھ کر انہوں نے اختلاف کیا اور اپنی جماعت کے ساتھ واپس چلے آئے ۱۸۵۷ء میں بھی انکی سرگرمیاں کچھ اسی نوع کی رہیں۔ سر سید احمد خاں لکھتے ہیں[۱]۔

"مولوی محبوب علی صاحب وہ شخص تھے جن کو ۱۸۵۷ء میں باغیوں کے سرغنہ بخت خاں نے عین ہنگامہ غدر میں طلب کیا۔ اور ان سے یہ درخواست کی کہ آپ اس زمانے میں انگریزوں پر جہاد کرنے کی نسبت ایک فتوے پر دستخط کریں مولوی محبوب علی صاحب نے صاف انکار کیا اور بخت خاں سے کہا کہ ہم مسلمان گورنمنٹ انگریزی کی رعایا ہیں، ہم اپنے مذہب کی رو سے اپنے حاکموں سے مقابلہ نہیں کر سکتے اور طرہ بریں یہ ہوا کہ جو ایذا بخت خاں اور اس کے رفیقوں نے انگریزوں کی میموں اور بچوں کو دی تھی اس کی بابت بخت خاں کو

---

[۱] ہنٹر پر ہنٹر از سر سید احمد خاں (لاہور ۱۹۴۹ء) ص ۳۱-۳۲

سخت لعنت ملامت کی"۔

امیر الروایات میں تو یہ بھی لکھا ہے کہ ان کو کچھ انعام بھی ملا تھا[1] جسے لینے سے انہوں نے انکار کر دیا۔ ۱۸۶۴ء میں محبوب علی کا انتقال ہوا۔

مولوی عبد القادر بن حکیم حافظ عبد الوارث لدھیانوی نامور عالم تھے[1]۔ انھوں نے جنگ آزادی ۱۸۵۷ء میں مردانہ وار حصہ لیا۔ اس میں انکے بڑے بھائی اور چاروں صاحبزادگان مولوی سیف الرحمٰن، مولوی محمد، مولوی عبد اللہ اور مولوی عبد العزیز بھی شریک تھے اور اس خاندان کی شرکت کی وجہ سے لدھیانہ اس تحریک کا خاص مرکز بن گیا تھا۔ ہم نے نویں باب میں ان کا تفصیل سے حال لکھا ہے۔

میاں نذیر حسین اور مولوی حفیظ اللہ خاں وغیرہ کے متعلق سر سید احمد خاں لکھتے ہیں[2]۔

"جن لوگوں کی مہر اس فتوے پر چھاپ گئی ہے ان میں سے بعضوں نے عیسائیوں کو پناہ دی اور ان کی جان اور عزت کی حفاظت کی۔ ان میں سے کوئی شخص لڑائی پر نہیں چڑھا۔ مقابلے پر نہیں آیا۔ اگر واقع میں وہ ایسا ہی سمجھتے جیسا کہ مشہور ہے تو یہ باتیں کیوں کرتے"۔

مفتی صدر الدین آزردہ دہلی کے نامی گرامی عالم اور مفتی عدالت تھے[3]، انہوں نے مجبوراً فتوے پر مہر کی، مقدمہ چلا نصف جائداد ضبط ہوئی، مفتی صاحب کے دستخط کے ساتھ کوئی عبارت موجود نہیں ہے۔ مگر مولف خم خانہ جاوید لکھتے ہیں[4]۔

غدر ۱۸۵۷ء کے بعد آپ بھی مختلف مصائب اور

---

[1] تفصیل کے لیے دیکھیے، محمد اکبر علی صوفی سیلم التواریخ (جالندھر ۱۹۱۹ء) ص ۲۰۰-۴،۳۰۴۔

[2] اسباب بغاوت ہند - ص ۱۰ [3] مفتی صدر الدین آزردہ کے حالات کے لئے دیکھئے تذکرہ علمائے ہند ص ۲۴۷، ۲۴۹ [4] خم خانہ جاوید از لالہ سری رام حصہ اول، مخزن پریس دہلی، ۱۹۰۸ء ص ۵۴ [5] ارواح ثلاثہ (سہارنپور ۱۳۷۱ھ) ص ۴۲۴

دقتوں میں پھنس گئے تھے اس موقع کا ایک علمی لطیفہ زبانِ زدِ
خاص و عام ہے، یعنی مفسدوں نے آپ سے جوازِ جہاد
کے فتوے پر زبردستی مہر کرانی چاہی تو آپ نے مہر کے ساتھ
یہ الفاظ بھی لکھدیے "فتویٰ بالجبر" مفسدوں نے اس
لفظ کو بالخیر سمجھ کر پیچھا چھوڑ دیا۔ مگر جب بعد از فتح دہلی دفتر
سے وہ کاغذ برآمد ہوا تو سرکار نے پکڑا اور جواب طلب کیا
آپ نے فتویٰ بالجبر ثابت کر کے رہائی پائی"

مولوی حفیظ اللہ خاں بھی اسی زمرے میں شامل ہیں، انہوں نے بھی مجبوراً
مہر کر دی تھی۔ وہ میاں نذیر حسین کے سمدھی اور شاگرد تھے۔ ان کی صاحبزادی مولوی
شریف حسین کو منسوب تھیں، وہ اہل حدیث کے نامور عالم تھے۔ ۱۸۵۷ء کے
بعد ان پر کوئی دارو گیر نہیں ہوئی بلکہ وہ مولوی عبدالقادر کے خاندان کی مستورات کو
دہلی سے برار لے گئے ۳ رمضان ۱۳۲۴ھ کو ان کا انتقال ہوا۔

مولوی حفیظ اللہ خاں، میاں نذیر حسین اور مولوی عبدالقادر علمائے اہل حدیث
کے سلسلے میں جماعتِ اہل حدیث کے وکیل اور اشاعۃ السنہ لاہور کے ایڈیٹر مولوی
ابو سعید محمد حسین بن شیخ رحیم بخش بٹالوی لکھتے ہیں[۱]۔

"مولوی سرفراز علی نے بحکم بخت خاں وہ فتوے
پڑھ کر سنایا۔ جب وہ فتویٰ تمام ہوا تو بخت خاں وغیرہ
باغی افسروں نے علماء کو حکم دیا کہ اس فتوے پر اپنے دستخط
کر دیں ورنہ سب قتل کر دیے جائیں گے۔ پس سب نے
بخوفِ جان کرہاً و جبراً دستخط کر دیے اور اگر وہ دستخط
نہ کرتے تو اس وقت سب تلوار سے قتل کیے جاتے یا

---

[۱] اشاعۃ السنہ لاہور جلد ۵ نمبر ا بحوالہ آثارِ رحمت صفحہ ۲۲۴ - ۲۲۵۔

توپ سے اڑائے جاتے .... ہمارے اس دعوے پر کہ انہوں نے جبراً دستخط کئے ہیں دلی ارادے سے نہیں کئے، ایک بڑی روشن دلیل یہ ہے کہ وہ لوگ دستخط کرکے پھر گھر سے باہر نہ نکلے اور اس جہاد میں شریک نہ ہوئے۔ یہی وجہ ہے کہ جب گورنمنٹ انگلشیہ کا دہلی پر دوبارہ تسلط ہوا تو گورنمنٹ نے ان دستخط کرنے والے مولویوں کو بری الذمہ قرار دیا۔ نہ کسی کو پھانسی دی نہ کسی کا گھر لوٹا۔ باوجودیکہ باغیوں کے مددگاروں کو پھانسی دینا اس وقت کا عام رول تھا۔ دوسری دلیل یہ ہے کہ ان ہی مجبور ہوکر دستخط کرنے والے مولویوں سے مولوی حفیظ اللہ خاں اور مولوی نذیر حسین اور ان کے بیٹے مولوی شریف حسین اور ان کے شاگردان مولوی محمد صدیق پشاوری اور مولوی عبداللہ مرحوم غزنوی (جن کی اولاد و قبائل اب امرتسر میں آباد ہیں اور اس سلطنت کو امن و آزادی کی نظر سے اپنے قدیم وطن غزنی و کابل سے بہتر سمجھ کر پھر وہاں جانا نہیں چاہتے۔) نے ایک میم کو زخمی پاکر امن دیا اور اپنے گھر میں لے جاکر اس کے زخموں کا علاج کرکے جب موقع پایا سرکاری کیمپ میں پہنچا دیا جس پر ان کو سرکار کی طرف سے انعام و اکرام بھی ہوا اور اگر ان کا اس فتوے پر مہر کرنا دلی ارادے سے ہوتا تو یہ خیر خواہانہ کام ان سے کیوں ہوتا۔"

(۳) تیسرے گروہ میں ہے، مولوی سید احمد علی امام جامع مسجد اور ان کے فرزند سید محمد تھے، سید محمد، سر سید احمد خاں کے خالہ زاد بھائی تھے۔ ان دونوں باپ بیٹوں کے بھی دستخط تھے۔ اسی طرح مولوی کریم اللہ (ف ۱۲۹۱ھ/۱۸۷۴ء) بھی دہلی کے مشہور واعظ وعالم تھے۔ مفتی رحمت علی خاں بھی مشہور عالم تھے۔ یہ لوگ ۱۸۵۷ء کے بعد فوت ہوئے ان لوگوں پر بھی گورنمنٹ کی طرف سے کوئی دارو گیر نہیں ہوئی۔

بقیہ حضرات کے حالات نہیں ملتے کہ وہ کس درجے کے لوگ تھے، اور جنگ آزادی ۱۸۵۷ء کے بعد ان کا کیا حشر ہوا۔

خانقاہ شاہ حقانی (دہلی) کی حقیقت

روس کے ایک پروفیسر نے ایران میں سیاسی پناہ لی ہے اور وہیں تصنیف و تالیف کا کام شروع کر دیا ہے۔ اس نے برصغیر کی تحریک آزادی ۱۸۵۷ء کا بھی گہرا مطالعہ کیا اور اس پر ایک کتاب لکھنی شروع کی۔ جب اس نے ڈپٹی نذیر احمد کی کتاب "ابن الوقت" پڑھی تو وہ اس نتیجے پر پہونچا کہ اس کتاب کے بعض کردار و واقعات اصلی ہیں، اور اس کتاب میں شاہ حقانی کی جس خانقاہ کا ذکر ہے وہ اس زمانے کی کوئی اصلی خانقاہ تھی چنانچہ اس نے اس سلسلے میں ایک خط ڈاکٹر غلام محی الدین صوفی (ف ۱۶ اپریل ۱۹۶۲ء) لکھا جن سے اسکے بہت اچھے تعلقات تھے ڈاکٹر صاحب نے وہ خط پاکستان ہسٹاریکل سوسائٹی کو بھیج دیا کہ اس سلسلے میں ضروری جواب مستفسر کو بھیج دیا جائے۔ اس زمانے میں راقم الحروف کا تعلق ملازمت، پاکستان ہسٹاریکل سوسائٹی سے تھا، اور راقم ہی نے اس خط کا جواب تیار کیا تھا۔ جو درج ذیل ہے۔

ابن الوقت میں شمس العلماء ڈپٹی نذیر احمد دہلوی نے شاہ حقانی کی جس خانقاہ کا ذکر کیا ہے وہ محض فرضی ہے، دہلی میں شاہ حقانی کی کوئی خانقاہ نہ تھی اور نہ شاہ حقانی نام کے کوئی بزرگ تھے۔ دہلی کے مشاہیر یا تاریخ دہلی سے متعلق جس قدر قدیم یا جدید کتابیں لکھی گئی ہیں ان میں کہیں اس خانقاہ کا ذکر نہیں ملتا۔ ڈپٹی نذیر احمد کے بیان کے مطابق یہ دہلی کی مشہور اور بڑی خانقاہ تھی۔ ڈپٹی صاحب لکھتے ہیں۔

> "سارا شہر ان شاہ حقانی کا معتقد تھا اور ہزار ہا ولائتیوں کو اس خانقاہ سے بیعت تھی اور چالیس پچاس بلکہ بعض اوقات سو سو ولائتی فیضان و تلقین حاصل کرنے کے لئے خانقاہ میں ٹھہرے رہتے تھے"[۱]

سر سید احمد خاں نے دہلی کی عمارات اور بزرگوں کے حالات میں جنگِ آزادی ۱۸۵۷ء سے دس سال قبل ۱۸۴۶-۴۷ء میں شہرہ آفاق کتاب آثار الصنادید لکھی ہے اس میں اس خانقاہ یا شاہ حقانی کا کوئی ذکر نہیں ہے۔

سندیلہ کے ایک ذی علم بزرگ ریاض الدین امجد نے ۱۸۶۸ء میں دہلی کا سفر کیا ہے اور "سرور ریاض" کے نام سے اپنا سفر نامہ مرتب کیا ہے، جسے ڈاکٹر مختار الدین آرزو نے اپنے مفید حواشی کے ساتھ ۱۹۶۲ء میں شائع کیا ہے اسمیں کہیں خانقاہ حقانی یا شاہ حقانی کا ذکر نہیں ہے۔

اس سلسلے کی ایک کتاب "یادگار دہلی" کے نام سے سید ظہیر الدین ولی اللّٰہی کی تالیف ۱۹۰۱ء کے بعد شائع ہوئی ہے، ظہیر الدین شاہ رفیع الدین کے نواسے تھے انہوں نے جنگ آزادی ۱۸۵۷ء کا زمانہ خوب دیکھا تھا انہوں نے اس کتاب میں شاہ حقانی یا خانقاہ کا کوئی ذکر نہیں کیا

---

[۱] ابن الوقت (دہلی ۱۹۵۶ء)، صفحہ ۱۹

مولوی حکیم عبدالحئی صاحب نزہتہ الخواطر نے غدر کے بعد ۱۹۴۰ء میں دہلی اور اطراف دہلی کا سفر کیا ہے وہاں کے اکابر مشاہیر علماء اور بزرگان دین سے ملے ہیں مگر ان کے سفرنامے میں شاہ حقانی یا ان کی خانقاہ کا کوئی ذکر نہیں ہے عبدالحئی کی یہ روداد سفر "دہلی اور اس کے اطراف" کے نام سے ۱۹۵۸ء میں دہلی سے شائع ہو چکی ہے۔

۱۹۱۹ء میں ڈپٹی نذیر احمد کے لائق فرزند مولوی بشیر الدین نے تین ضخیم جلدوں میں دہلی کی تاریخ عمارات، اکابر اور مشاہیر کی مفصل تاریخ "واقعات دار الحکومت دہلی" کے نام سے لکھی ہے۔ اس میں کہیں خانقاہ حقانی کا ذکر نہیں ہے، اسی زمانے میں آرکیولاجی ڈیپارٹمنٹ (گورنمنٹ آف انڈیا) کی طرف سے دہلی کی تمام ہندو مسلم عمارات وغیرہ کی ایک مفصل تاریخ چار جلدوں میں Lf of Mohammaden and Hiden Monument خان بہادر مولوی ظفر حسن (ف ۱۹۶۵ء) (سپرنٹنڈنٹ محکمہ ہذا) نے مرتب کی۔ یہ کتاب بڑی تحقیق سے لکھی گئی ہے۔ اس میں بھی خانقاہ کا ذکر نہیں ہے۔

بزرگان دہلی پر مرزا محمد اختر گورگانی نے تذکرۃ الاولیاء کے نام سے ایک کتاب لکھی ہے، مرزا صاحب خود ۱۸۵۷ء میں موجود تھے محمد عالم شاہ فریدی نے مزارات اولیائے دہلی اور مولوی احمد سعید دہلوی نے تاریخ اولیائے دہلی مرتب کی ہیں، ان کتابوں میں بھی کہیں شاہ حقانی نام کے بزرگ یا ان کی خانقاہ کا کوئی ذکر نہیں ہے بلکہ ہند و پاکستان کے تمام تذکرے، مثلاً خزینۃ الاصفیا وغیرہ جو بزرگانِ دین سے متعلق ہیں اور ان میں دہلی کے اکثر بزرگوں اور اولیائے کرام کے حالات ملتے ہیں، شاہ حقانی یا ان کی خانقاہ کے ذکر سے یکسر خالی ہیں۔

سقوط دہلی کے بعد بہادر شاہ کا جو مقدمہ ہوا ہے اور اس سلسلے میں جو روزنامچے (مثلاً روزنامچہ حکیم احسن اللہ خاں، روزنامچہ کیدار ناتھ، روزنامچہ

چنی لال، روزنامچہ عبداللطیف) یا دوسرا مواد اب تک منصۂ شہود پر آیا ہے اس میں بھی شاہ حقانی نام کے کسی بزرگ کا ذکر نہیں ملتا۔ کیونکہ وہ بقول ڈپٹی نذیر احمد خیر خواہ گورنمنٹ تھے، لہٰذا ان کا کہیں تو ذکر ملنا چاہتے تھا۔ خود سر سید احمد خاں نے Loyal Mahammadans of India میں کہیں ذکر نہیں کیا ہے۔

لہٰذا یہ یقینی بات ہے کہ یہ شاہ حقانی بالکل فرضی شخصیت ہیں

ہمارا خیال یہ ہے کہ ڈپٹی نذیر احمد نے شاہ حقانی کو "اہل حق" کے معنیٰ میں استعمال کیا ہے، اور اہل حق ان کو سمجھا ہے جو انگریزوں کے خیر خواہ تھے اور جنہوں نے جہاد کے فتوے پر دستخط نہیں کئے تھے۔ چنانچہ ڈپٹی نذیر احمد لکھتے ہیں کہ؎

"شاہ حقانی انگریزوں سے لڑنے کو غدر فساد فی الارض کہتے تھے"

شمس العلماء ڈپٹی نذیر احمد خود خیر خواہ گورنمنٹ تھے، لہٰذا خیر خواہ گورنمنٹ کو انہوں نے اہل حق یا شاہ حقانی کہا ہے۔ یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ مولوی نذیر احمد کے حقیقی خسر مولوی عبدالقادر اور ان کی بیوی کے حقیقی پھوپا شمس العلماء مولوی میاں نذیر حسین محدث (مقتدائے اہل حدیث) نے (اور بقول ڈپٹی نذیر احمد کے سوانح نگار سید افتخار عالم مارہروی خود ڈپٹی نذیر احمد نے) جنگ آزادی ۱۸۵۷ء میں مسز لینس کی جان بچائی تھی جس کے صلے میں برٹش گورنمنٹ سے بہت کچھ سلوک ہوا۔ اور مولوی عبدالقادر اور شمس العلماء میاں نذیر حسین دہلی کے دو نامور عالم تھے۔ بس اسی قسم کے لوگ ڈپٹی نذیر احمد کے نزدیک مستند عالم اور اہل حق تھے۔

؎ ابن الوقت۔ صفحہ ۲

ڈپٹی نذیر احمد لکھتے ہیں[1]

"دہلی کے مسلمانوں میں جو مستند عالم تھے باغیوں
نے ہر چند ان پر سختی کی مگر انہوں نے جہاد کا فتویٰ دینے
سے انکار کیا۔"

ہمارے خیال میں ڈپٹی نذیر احمد کے ذہن میں خانقاہ کا تصور اس طرح آیا کہ جنگ آزادی ۱۸۵۷ء میں سب سے بڑی خانقاہ شاہ احمد سعید مجددی کی تھی جو نقشبندیہ سلسلے کے نامی گرامی شیخ تھے۔ واقعی سیکڑوں ولایتی اس خانقاہ میں بسلسلہ تعلیم وارشاد مقیم رہتے تھے، شاہ احمد سعید نے جنگ آزادی میں حصہ لیا، جہاد کا فتویٰ دیا، اور پھر شاہ احمد سعید اور ان کے برادر خورد شاہ عبد الغنی مجددی حجاز کو ۱۲۷۴ھ میں ہجرت کر گئے۔ ڈپٹی نذیر احمد نے اس خانقاہ کو ذہن میں رکھ کر شاہ حقانی کی خانقاہ اختراع کی۔ اور اصل خانقاہ کی سرگرمیوں کو منفی انداز میں پیش کر دیا۔

---

[1] ابن الوقت۔ ص ۱۲۴

بہادر شاہ ظفر کی اولاد اور اسیران رنگون و مؤلمین

بہادر شاہ ظفر کے مندرجہ ذیل بیٹوں کے نام ملتے ہیں۔

۱۔ مرزا محمد دارا بخت، میراں شاہ:۔ مرزا دارا بخت شاعر بھی تھے دارا تخلص تھا۔ جنگ آزادی ۱۸۵۷ء سے قبل راہی ملک بقا ہوئے۔ ان کی اولاد مندرجہ ذیل تھی۔

عدو افگن عرف مرزا ببو مرحوم۔ کریم الشجاع عرف مرزا ابو مرحوم عمر شیخ عرف مرزا جھبو مرحوم۔ رئیس بخت احمد اختر مرزا گوہر سلطان مرحوم سکندر بخت عرف نصیر الملک "معدوم الخبر"، محمد فیروز شاہ و مرزا ضیاء الملک و مرزا اعظم شاہ۔ محمود اختر مرحوم[۱]

شہزادہ کریم الشجاع عرف مرزا ابو نے جنگ آزادی ۱۸۵۷ء میں حصہ لیا[۲]۔ وہ اودھ پہونچا اور حضرت محل کی طرف سے فوج کا سپہ سالار مقرر ہوا۔ بیسواڑہ کے قریب شہزادہ کریم الشجاع نے انگریزی فوج سے سخت مقابلہ کیا[۳]۔ دارا بخت کے ایک بیٹے کا عرف مرزا دلہ تھا اس نے بھی جنگ آزادی میں حصہ لیا تھا[۴]۔

---

[۱] موج سلطانی از مرزا رئیس بخت بن دارا بخت (مطبع نول کشور لکھنؤ ۱۸۸۳ء) صفحہ ۱۹۱-۱۹۲

[۲] تاریخ صحافت اردو (جلد اول)، صفحہ ۴۰۸

[۳] وقائع نصیر خانی (مرتبہ محمد ایوب قادری کراچی ۱۹۶۱ء) صفحہ ۵۲

[۴] تاریخ صحافت اردو۔ (جلد اول)، صفحہ ۴۰۸

۲۔ مرزا شاہ رخ :۔ مرزا دارا بخت کے حقیقی بھائی تھے ان کی اولاد عبداللہ مرحوم ۔ مرزا منظفر مرحوم ۔ مرزا سکندر شاہ اور جواں اختر مرحوم تھے۔ مرزا عبداللہ مرحوم نے جنگ آزادی ۱۸۵۷ء میں حصہ لیا۔ ۵ رجمنٹ ۹ پیادگان ہندوستانی پلٹن جلیسر کے کرنیل تھے[1]

۳۔ مرزا فتح الملک عرف سلطان فخرالدین :۔ ان کا تخلص رمز تھا جنگ آزادی ۱۸۵۷ء سے کچھ قبل فوت ہو چکے تھے۔ ان کی اولاد میں نصرت الملک عرف مرزا ابوبکر مرحوم ۔ خورشید عالم اور فرخندہ جمال تھے ۔ آخر الذکر دونوں دہلی میں رہے[2]۔ اول الذکر نے جنگ آزادی ۱۸۵۷ء میں مردانہ وار حصہ لیا۔

۴۔ مرزا محمد قریش :۔ ان کی اولاد میں نصیرالدین اور ذاکرالدین تھے[3]۔

۵۔ مرزا محمد عبداللہ :۔ ان کے فرزند محمد سلیمان تھے[4,5] مولوی امداد صابری نے کوہِ نور (لاہور) مورخہ ۱۲ مئی ۱۸۶۰ء کے حوالے سے لکھا ہے کہ مرزا عبداللہ کے بیٹے محمد اصغر نے جنگ آزادی میں حصہ لیا[6]۔ ممکن ہے دونوں ایک ہی شخصیت ہوں[7] ۔ مرزا عبداللہ نے خود بھی جنگ آزادی میں حصہ لیا۔

۶۔ ظہیرالدین عرف مرزا مغل :۔ جنگ آزادی میں مردانہ وار حصہ لیا اور ہڈسن کی سنگین کا نشانہ بنے۔ ان کے بیٹے قادر الدین و مجاہدالدین عرف مرزا کلن تھے[8]۔

۷۔ خضر سلطان :۔ تخلص خضر مرزا غالب کے شاگرد تھے۔ انہوں نے

---

[1] آج کل دہلی، اگست ۱۹۵۷ء ۔ ص ۹۵ [2] تاریخ صحافت اردو جلد اول، ص ۴۰۰ [3] آج کل دہلی، اگست ۱۹۵۷ء ص ۹۵ [4] و [5] ایضاً

[6] تاریخ صحافت اردو جلد اول ص ۴۰۰ [7] آج کل دہلی، اگست ۱۹۵۷ء ص ۹۵

[8] ایضاً

جنگ آزادی میں حصہ لیا۔ ان کے بیٹے محمد عثمان تھے۔[1]

۸۔ بختاور شاہ :۔ ان کے بیٹے مبارک شاہ تھے۔[2]

۹۔ مرزا محمدی :۔ ان کے بیٹے سلمان اختر تھے۔[3]

۱۰۔ جواں بخت :۔ ان کے بیٹے ہمایوں بخت ہمعظم سلطان، جمشید بخت، اور صاحبزادی رونق بیگم تھیں۔[4]

ان کے علاوہ بہادر شاہ کے مندرجہ ذیل چھ فرزند اور تھے۔[5]

۱۱۔ مرزا ابونصر ۱۲۔ مرزا سہراب ہندی ۱۳۔ مرزا کوچک سلطان ۱۴۔ مرزا شاہ عباس بہادر[6]۔ ۱۵۔ مرزا کیورث۔ ۱۶۔ مرزا فرخندہ شاہ بہادر۔

ان میں سے اول الذکر چار شہزادے جنگِ آزادی ۱۸۵۷ء میں شریک ہوئے[7]۔ بہادر شاہ ظفر کی مندرجہ ذیل بیٹیاں تھیں۔

۱۔ کاشف سلطان الزمانی بیگم۔ اولاد۔ بڑے مرزا منجھلے مرزا، قادر بخش۔

۲۔ آغا بیگم، اولاد۔ ضیاء الدین، نصیر الدین و ممتاز الدین۔

۳۔ ننھی بیگم۔ اولاد محمد یعقوب و مرزا محمد قائم الملک۔

۴۔ پیاری بیگم۔ اولاد۔ داؤد شاہ۔

۵۔ قریشہ سلطان بیگم۔ اولاد۔ مرزا بلاقی، منور بخت، و مرزا مغل

---

[1] آج کل دہلی اگست ۱۹۵۷ء، ص۹۵ [2] [3] ایضاً [4] ایضاً و مکتوب مرزا نور الدین ارنگون)، مورخہ ۲۳ مئی ۱۹۶۴ء [5] ملاحظہ ہو عبداللطیف ص۲۰۳ و تاریخ صحافت اردو ص۲۰۰ [6] ایضاً میں ان کا نام مرزا شاہ باؤ لکھا ہے۔ [7] ایضاً [8] ملاحظہ ہو آج کل دہلی اگست ۱۹۵۷ء ص۱۵

۶۔ صالح سلطان الزمانی بیگم ۔ اولاد ۔ امین الدین مرحوم، خادم حسین۔

۷۔ حمید النساء بیگم۔ اولاد کبیر الدین۔

۸۔ سلطانی بیگم ۔ اولاد ۔ قادر سلطان و ذاکر الدین۔

۹۔ رابعہ بیگم ۔ اولاد ۔ مرزا ابراہیم و مرزا اسحاق۔

۱۰۔ مریم زمانی بیگم۔ اولاد۔ انتظام الدین۔

۱۱۔ قطب الزمانی بیگم۔ اولاد۔ محمد شاہ و معظم شاہ۔

۱۲۔ دبیر الزمانی بیگم ۔ اولاد۔ مصلح الدین (رنگون میں)

۱۳۔ تہنیت آرا بیگم۔ اولاد۔ شاداں بخت و مرزا مغل۔

۱۴۔ حسن الزمانی بیگم ۔ اولاد۔ محمد عثمان و مرزا مغل۔

۱۵۔ خیر النساء بیگم ۔ اولاد۔ مرزا محمد حاجی۔

۱۶۔ ننھی بیگم خورد ۔ اولاد ۔ محمود شاہ۔

پروفیسر خلیق نظامی نے بہادر شاہ ظفر کی مندرجہ ذیل پندرہ بیٹیوں کے نام اور لکھے ہیں[۱]۔

۱۷۔ براتی بیگم۔ ۱۸۔ جمیا بیگم۔ ۱۹۔ بلاقن بیگم۔ ۲۰۔ افسر زمانی بیگم۔ ۲۱۔ شبینہ بیگم۔ ۲۲۔ نواب بیگم۔ ۲۳۔ اورنگ زمانی بیگم، ۲۴۔ کھولی بیگم۔ ۲۵۔ حاجی بیگم۔ ۲۶۔ ثالث زمانی بیگم۔ ۲۷۔ خاتون زمانی بیگم۔ ۲۸۔ مبارک النساء بیگم۔ ۲۹۔ کلثوم زمانی بیگم۔ ۳۰۔ بستی بیگم۔ ۳۱۔ حاتم زمانی بیگم۔

چھٹے باب میں بہادر شاہ ظفر کی گرفتاری کے سلسلے میں کچھ لوگوں کا ذکر آچکا ہے جو ان کے ہمراہ رنگون گئے۔ ہمیں جناب یتیم صالح صاحب اناؤنسر

---

[۱] عبد اللطیف ۔ ص ۲۰۵

برمی یونٹ ریڈیو پاکستان کراچی، کی عنایت سے بہادر شاہ ظفر کے ساتھ جانے والوں کی فہرست ملی ہے، یہ فہرست شاہی خاندان کے نمائندے مرزا انور الدین بن مرزا طاہر الدین (خواہر زادہ بہادر شاہ ظفر) کی مرتب کردہ اور دستخط شدہ ہے۔

فہرست

(۱) بہادر شاہ ظفر، بادشاہ
(۲) زینت محل، ملکہ
(۳) جواں بخت، شہزادہ (فرزند زینت محل)

(۴) کوچک سلطان
(۵) شاہ عباس
(۶) معظم سلطان
} فرزندان ممتاز محل

(۷) جمشید بخت
(۸) رونق بیگم
} اولاد شہزادہ جواں بخت

(۹) الطاف اشرف
(۱۰) محمد عالی قدر
} یہ لوگ شوگین بھیجے گئے اور وہیں فوت ہوئے

(۱۱) مرزا نظام شاہ
(۱۲) مرزا طاہر الدین
(۱۳) مرزا مصلح الدین
(۱۴) مرزا فرخ شاہ
(۱۵) مرزا خدا بخش
(۱۶) مرزا تراب شاہ
} یہ سب مولمین بھیجے گئے اور وہیں فوت ہوئے۔

نوٹ :- نمبر ۱ تا نمبر ۹ باستثناء نمبر ۴ رنگون میں رہے اور وہیں فوت ہوئے۔

نمبر ۱ مرزا کو چک سلطان، کو شوگین بھیجدیا گیا، اور وہ وہیں فوت ہوئے۔

۲۔ مرزا طاہر الدین کے ایک بیٹے مرزا جمشید بخت کے ایک بیٹے اور معظم سلطان کی ایک بیٹی ابھی زندہ ہیں۔ اور یہ سب لوگ رنگون، No 51, 130th Street میں رہتے ہیں۔[1]

مرزا نورالدین کا رشتہ، بہادر شاہ ابوظفر سے مندرجہ ذیل شجرے سے واضح ہوتا ہے۔

عالم گیر ثانی
|
شاہ عالم ثانی
|
اکبر شاہ ثانی — سلیمان شکوہ

اکبر شاہ ثانی: بہادر شاہ ظفر، بنگی بیگم
سلیمان شکوہ: مرزا قمقام الدین

بنگی بیگم + مرزا قمقام الدین
|
مرزا طاہر الدین
|
مرزا نورالدین[2]
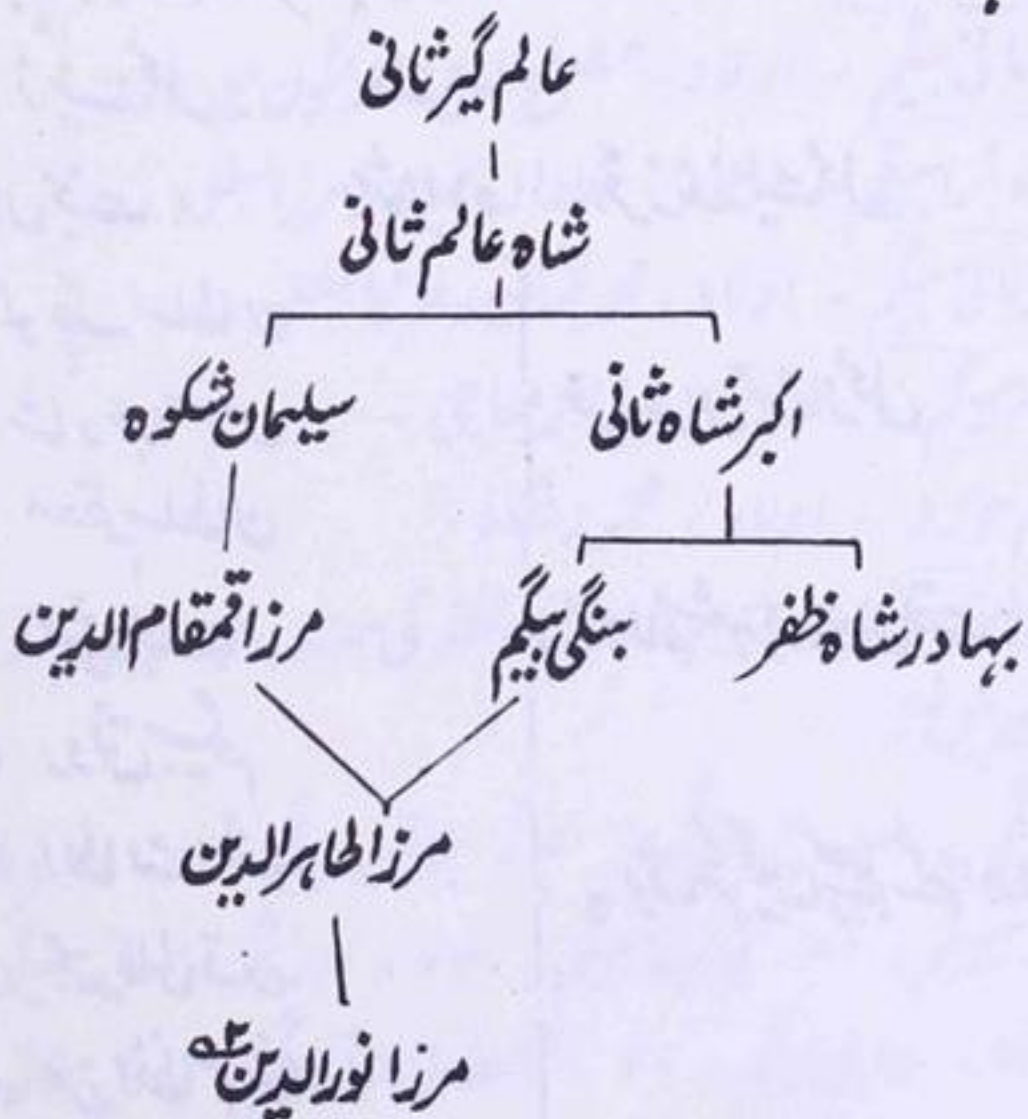
مرزا نورالدین کے مکتوب مورخہ ۲۶ مئی ۱۹۶۴ء کا ایک اقتباس ملاحظہ ہو۔

"مندرجہ ذیل (تحریر) سے معلوم ہوگا کہ ۱۸۵۷ء میں برما میں

---

[1] مکتوب مرزا نورالدین مورخہ ۲۳ مئی ۱۹۶۴ء۔ [2] ایضاً

ہونے کے بعد دہلی کے شاہی خاندان کے اراکین کے ساتھ کیسا خست کا برتاؤ کیا گیا۔

میرے والد مرزا (طاہر الدین)، دوسرے پانچ اراکین کے ساتھ (جن کا ذکر مہیا شدہ فہرست میں ہے مولمین بھیج دیے گئے۔ اور ان کو ان کے انتقال ۱۹۴۰ء تک سو روپے ماہانہ وظیفہ ملتا رہا۔ ان کے انتقال کے وقت، میری عمر دو سال کی تھی

میرے والد کے انتقال کے بعد تیس روپے ماہانہ وظیفہ میری والدہ کے لئے منظور ہوا جو ان کے انتقال تک ملتا رہا۔

مولمین کو بھیجے ہوئے دوسرے جلاوطن لوگوں کے لئے بھی اسی طرح وظائف مقرر ہوتے لیکن مجھے یقینی طور سے نہیں معلوم کہ کتنا وظیفہ مقرر ہوا۔ ہر جلاوطن شخص کے بچے کے لئے بیس سال کی عمر تک دس روپئے ماہانہ مقرر ہوا۔ ان کے لئے اسکول اور کالج میں ٹیوشن فیس معاف تھی لیکن کتابوں اور دوسرے اتفاقی مصارف کے مقابلے میں ایہ رعایت، برائے نام تھی۔

جلاوطن لوگ جو برما پہونچ چکے تھے ان کو اس بات کی اجازت نہیں تھی کہ وہ ہندوستان میں اپنے رشتہ داروں سے مراسلت کرسکیں۔ (اسی طرح ہندوستان کے رشتہ دار ان سے مراسلت نہیں کرسکتے تھے)، یہی وجہ ہے کہ ہمارے ہندوستان کے رشتہ داروں سے تمام تعلقات منقطع ہوگئے۔

جلاوطن حضرات کو ابرما میں بھی ، ایک دوسرے سے مراسلت کی اجازت نہ تھی اور نہ اس بات کی اجازت تھی کہ وہ برما میں ایک جگہ سے دوسری جگہ جاسکیں۔

میں نے یہ مندرجہ بالا باتیں اپنی یادداشت سے لکھی ہیں ، والد کے انتقال کو بھی ایک زمانہ ہو چکا ہے اور جلاوطن لوگوں میں سے مولمین اب کوئی زندہ نہیں ہے۔ دستخط (مرزا نورالدین)

۲۶ ۵/۶۴

یہ معلومات ہمیں تیجہ صالح صاحب کے ذریعے سے حاصل ہوئیں جس کے لئے ہم ان کے شکر گزار ہیں۔

جزائر انڈمان و نکوبار میں
مسلمانوں کی علمی خدمات

یہ ایک ناقابل انکار حقیقت ہے کہ مسلمانوں نے علوم و فنون کی ہر دور میں، خواہ وہ ان کا دور اقبال ہو یا زمانہ انحطاط، بڑی گراں قدر خدمات انجام دی ہیں۔ دور اقبال کی تو بات ہی کچھ اور تھی، ان کی علمی ضیاء باریوں سے تمام دنیا نے روشنی حاصل کی مگر انہوں نے اپنے انحطاط و زوال کے زمانے میں بھی علوم و فنون سے خاطر خواہ اعتنا کیا، ان کی یہ علمی کوششیں اور کاوشیں آزادی و حریت آسائش و آرام ہی کے دور سے وابستہ نہیں رہیں بلکہ انہوں نے قید و بند اور اسیری و نظر بندی کی حالت میں بھی ان روایات کو قائم و برقرار رکھا۔ یہاں ہم جزائر انڈمان و نکوبار کے علماء اور دانشوروں کی ان علمی کوششوں کا جائزہ لینا چاہتے ہیں جو انہوں نے گھر اور وطن سے ہزاروں میل دور، بالکل بے سروسامانی کی حالت ناموافق آب و ہوا اور قید و بند کی صعوبتوں میں انجام دیں۔ ان جزائر میں تحریک آزادی کی دو جماعتیں پہونچیں۔ پہلی جماعت جنگ آزادی ۱۸۵۷ء کے قیدیوں پر مشتمل تھی، اور دوسری جماعت حضرت سید احمد شہید کی تحریک مجاہدین کی تھی، جس کو عرف عام میں "وہابی تحریک" کہا جاتا ہے۔ یہاں ہم جزائر انڈمان و نکوبار کے مختصر طبعی و تاریخی حالات درج کرتے ہیں تاکہ معلوم ہو سکے کہ کن نامساعد حالات میں ان بزرگوں نے علم و ادب کی شمع کو روشن رکھا۔

جزائر انڈمان خلیج بنگال میں مشرق کی طرف ۹۲ درجہ ۴۷ دقیقہ طول شرقی اور ۱۱ درجہ ۱۳ دقیقہ عرض شمالی پر کلکتہ سے تقریباً ۶ سو میل کے فاصلے پر واقع ہیں۔ یہ مجموعۂ جزائر ۲۴۸ ۱ مربع میل کے رقبہ پر محیط ہے[1]۔ اس مجموعے میں دو سو چار جزیرے شامل ہیں اور انڈمان کے نام سے مشہور ہیں۔ علم طبقات الارض کے ماہرین کا خیال ہے کہ یہ جزائر کسی زمانے میں ملک برہما سے ملحق تھے مگر امتدادِ زمانہ سے علیحدہ ہو گئے۔ یہاں سب سے اونچا پہاڑ مونٹ ہربٹ ہے، یہاں کے جنگلات میں قیمتی لکڑیوں کے درخت پائے جاتے ہیں۔ خط استوا کے قریب ہونے کی وجہ سے بارہ مہینے بارش ہوتی ہے، یہاں کے اصلی باشندے چار فٹ سے پانچ فٹ تک طویل القامت ہیں، یہ لوگ حبشیوں کی طرح سیاہ فام گول سر، آنکھیں ابھری ہوئی، سر پر بھیڑ کی طرح بال، مگر نہایت مضبوط اور قوی ہوتے ہیں، انڈمان کے تمام جزیروں میں ان کی بارہ ذاتیں ہیں اور ہر ذات کی زبان ایک دوسرے سے بہت کم ملتی جلتی ہے۔ ان جزائر کا ذکر سب سے پہلے عرب جغرافیہ نویسوں نے نویں صدی عیسوی کیا ہے۔

۱۷۸۹ء میں گورنمنٹ ہند نے طے کیا کہ حبس دوام بعبور دریائے شور کے قیدی جزائر انڈمان و نکوبار میں رکھے جائیں چنانچہ کیپٹن بلیر Capt. Archibold Blair اور کیپٹن مورس دو جہاز لے کر یہاں پہونچے اور سب سے اول جزیرۂ چاٹم میں لنگر ڈالا، اور اس چھوٹے سے جزیرے کو کسی قدر صاف کر کے کچھ مکانات بنوائے[2]، ایک کنواں کھدوایا

---

[1] تاریخ عجیب (تاریخ پورٹ بلیر)، از محمد جعفر تھانیسری (مطبع نول کشور لکھنؤ ۱۸۸۴ء)، ص ۳ - ۵

[2] انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا، جلد اول (طبع ۱۹۵۵ء) ص ۹۰۸۔

اور وہاں رہنے لگے، مگر طرح طرح کی بیماریوں اور آب وہوا کی خرابی کی وجہ سے آدھے سے زیادہ آدمی مر گئے، چار وناچار سات سال تک اس جزیرے پر قبضہ رکھا گیا، آخر کار شدت بیماری اور آب وہوا کی ناموافقت کی وجہ سے ۱۷۹۶ء میں یہ جزیرہ بالکل اجڑ کر ویران ہو گیا۔ اسی کیپٹن بلیر کے نام سے پورٹ بلیر موسوم ہوا[1]۔

۱۸۳۹ء میں ایک جرمن جہاز راں ان جزائر کے قریب پہونچ کر لنگر انداز ہوا مگر مارا گیا۔ ۱۸۴۴ء میں پھر دوبارہ مقامی باشندوں نے ان لوگوں سے مزاحمت کی جو ان جزائر میں قبضہ کرنے پہونچے، ۱۸۵۵ء میں پھر طے کیا گیا کہ حبس دوام بعبور دریائے شور کے قیدیوں کو جزائر انڈمان میں رکھا جائے، مگر انقلاب ۱۸۵۷ء کی وجہ سے سر دست یہ مسئلہ التواء میں پڑ گیا اس کے بعد سٹلمینٹ بہت ضروری ہوا۔ کیونکہ جنگ آزادی ۱۸۵۷ء کے سلسلے میں ہزاروں اشخاص کو حبس دوام بعبور دریائے شور کی سزا تجویز ہوئی۔ ان جرائم قیدیوں کو ہندوستان کی جیلوں میں رکھنے سے فساد کا اندیشہ تھا اس لئے گورنمنٹ نے سوچا کہ ہندوستان کے نزدیک کسی وسیع علاقے پر ایک ایسا سٹلمینٹ قائم کیا جائے جو کسی ناگہانی آفت ومصیبت میں بھی کار آمد ہو سکے۔ بالآخر نومبر ۱۸۵۷ء میں F. Mouat کو ان جزائر کے معائنے کے لئے بھیجا گیا۔ اس نے موافقت میں رپورٹ کی، پھر مراسلہ نمبری مورخہ ۱۵ جنوری ۱۸۵۸ء کے ذریعے کرنل مین Col. Man کو یہ حکم ملا کہ مولمین جیل سے کچھ قیدی لیجا کر جزائر مذکور پر سرکاری قبضہ کیا جائے۔ چنانچہ سرکاری حکم کے بموجب کرنل

---

[1] تاریخ عجیب، صد ۱۳

۱۸۵۷ء کے قیدیوں کے لئے کسی قدر جگہ صاف کر دی جائے۔ اور پانی وغیرہ کا بندوبست کیا جائے چنانچہ سرکاری حکم کے بموجب کرنل مذکور نے ۲۲ فروری ۱۸۵۸ء کو ان جزائر پر قبضہ کیا، اور سرکار کی طرف سے سلامی کی توپیں سر کیں چاٹم کو کسی قدر صاحب کر کے ایک کنواں کھدوایا۔ ۱۰ مارچ ۱۸۵۸ء کو ڈاکٹر واکر سابق سپرنٹنڈنٹ جیل آگرہ، سپرنٹنڈنٹ اول ۱۸۵۷ء کے قیدیوں کو ہمراہ لے کر پورٹ بلیر پہونچے اور اس سٹلمینٹ کی آبادی شروع ہوئی، مگر مقامی جنگلی باشندوں کو اپنے آبائی ملک پر سرکار انگریزی کا یہ قبضہ سخت ناگوار گزرا اور ڈاکٹر واکر کے عہد میں جنگلیوں نے اپنی فوج جمع کر کے دو مرتبہ حملہ کیا، اور مدتوں اس فکر میں رہے کہ سرکار انگریزی کا قبضہ ختم ہو جائے، مگر انگریز جیسی منظم اور مضبوط حکومت سے بیچارے وحشی اور مجبور کیا مقابلہ کر سکتے تھے، ناچار ان کو اطاعت قبول کرنی پڑی۔ تین سو روپے ماہوار ان جنگلیوں کے لئے مقرر کر دئے گئے اور ان مقامی باشندوں کے یتیم بچوں کو سرکاری اسکولوں میں تعلیم کے لئے داخل کیا گیا۔ ان کے لئے گرجا کی حاضری ضروری قرار دی گئی مسٹر ٹمپل نے ان کے لئے مقامی زبان میں عیسائی عبادت کا ترجمہ کر کے عیسائیت کی تبلیغ شروع کر دی[1]۔

جزائر انڈمان نکوبار کا افسر اعلیٰ چیف کمشنر مقرر ہوا، اس کو شمالی اور جنوبی دو اضلاع میں تقسیم کیا گیا، ہر ضلع مختلف ڈویزنوں میں، ہر ڈویزن مختلف اسٹیشنوں میں اور ہر اسٹیشن مختلف گانوؤں میں تقسیم تھا۔ اپریل ۱۸۷۹ء میں انڈمان میں قیدیوں کی تعداد ۷۴۱۳، ۹ تھی، ۱۹۲۶ء تک انڈمان میں

---

[1] تاریخ عجیب۔ صفحہ ۱۳-۱۴

حبسِ دوام بعبور دریائے شور کے قیدی بھیجے گئے اس کے بعد وہاں قیدی بھیجنا ممنوع ہو گئے۔[1]

جزائر انڈمان میں مختلف ملکوں، صوبوں، قوموں اور مذاہب کے لوگ آباد ہو گئے تھے اور اس مخلوط آبادی میں بڑی رنگا رنگی تھی۔ مولوی محمد جعفر تھانیسری لکھتے ہیں:[2]

"پورٹ بلیر ایک ایسی جگہ ہے، جس میں چینیا، برما، ملائی سنگلی، جنگلی، نکوباری، کشمیری، پشتونی، ایرانی مکرانی عرب، حبشی، پارسی، پرتگیز، امریکن، انگریز، ڈین، فرینچ، وغیرہ اور ہندوستان کے سب ضلعوں اور شہروں کے آدمی، مثل بھوٹیا، نیپالی، سندھی، پنجابی، گجراتی، دیسوالی، ہندوستانی، اہل برج آسامی، متھیلی، بندیل کھنڈی، اڑیا، تلنگی، مرہٹے، کرناٹکی، مدراسی، ملیالم، گونڈ، بھیل، بنگالی، کول، سنتھال وغیرہ سب موجود ہیں۔ جب یہ لوگ آپس میں مل کر بیٹھتے ہیں تو اپنی اپنی زبان میں بات چیت کرتے ہیں مگر بازار اور کچہریوں کی زبان یہاں ہندوستانی ہے اس واسطے ہر آدمی کو خواہ وہ کسی ملک کا ہو یہاں آکر ہندوستانی زبان

---

[1] انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا۔ جلد اول۔ ص ۸۶۹۔ [2] تاریخ عجیب (کالا پانی) از محمد جعفر تھانیسری، مرتبہ محمد ایوب قادری۔ ص ۲۰۱۔ ۲۰۲ (سلمان اکیڈمی کراچی ۱۹۶۲ء)

سیکھنا ضرور پڑتی ہے، بلکہ بے سیکھے تھوڑے روز بعد
ہر آدمی خود بخود ہندوستانی بولنے لگتا ہے۔ کیونکہ جب
تک کوئی آدمی ہندوستانی نہ بولے اس کا گذارا
نہیں ہوسکتا۔ میرے خیال میں پردہ زمین پر کوئی
دوسری جگہ اس بات میں پورٹ بلیر کے مقابل نہ ہوگی
یہاں ایک ایسا میلہ جمع ہوا ہے کہ شاید آج تک
پردۂ زمین پر کہیں ایسا مجمع مختلف نہ جمع ہوا ہوگا جب
بنگالی مرد اور مدراسی عورت یا بھوٹیا مرد اور پنجابی
عورت یا سندھی مرد اور بنگالی عورت آپس میں شادی
کرتے ہیں اور میاں بیوی کی یا بیوی میاں کی بات نہیں
سمجھتے اور ہر وقت تکرار و لڑائی باہمی کے دونوں اپنی اپنی
زبان میں ایک دوسرے کو گالیاں دیتے ہیں اور فریق ثانی کچھ
نہیں سمجھتا تو عجیب کیفیت ہوتی ہے"

۱۸۵۸ء سے ۱۸۶۵ء تک اِن جزائر کی آب و ہوا سم قاتل تھی، اگر کسی
شخص کے کوئی زخم ہو جاتا تو اس کی موت یقینی تھی، زخم تین دن میں سڑ جاتا تھا
اور چوتھے دن زخمی ملکِ عدم کی راہ لیتا تھا۔ انڈمان کی آبادکاری کے شروع
زمانے میں اسکروبی کی بیماری بڑے پیمانے پر رہی اور اس بیماری سے ہزاروں
آدمی مرگئے، مولانا فضل حق خیر آبادی (ف ۱۲۷۸ھ) لکھتے ہیں۔

"یہ ناقابل برداشت حالات تھے کہ میں متعدد
سخت امراض میں مبتلا ہوگیا، جس کی وجہ سے میرا صبر
مغلوب، میرا سینہ تنگ، میرا چاند دھندلا اور میری

عزت ذلت سے بدل گئی، میں نہیں جانتا تھا کہ اس
دشوار و سخت رنج و غم سے کیونکر چھٹکارا حاصل
ہو سکے گا۔ خارش میں ابتلا اس پر مستزاد ہے۔
صبح و شام اس طرح بسر ہوتی ہے کہ تمام بدن زخموں
سے چھلنی ہو چکا ہے، روح کو تحلیل کر دینے والے درد
و تکلیف کے ساتھ زخموں میں اضافہ ہوتا رہتا ہے"
وہ وقت دور نہیں جب یہ پھنسیاں مجھے ہلاکت کے
قریب پہونچا دیں[۵]"

آہستہ آہستہ ان جزائر میں صفائی کا انتظام ہوا۔ جنگل کاٹے گئے کاشتکاری اور تجارت کی سہولتیں فراہم ہوئیں، اسکول، مدرسے شفاخانے اور عدالتیں قائم ہوئیں۔ جب قیدی عورتیں ان جزائر میں پہونچنے لگیں تو شادی بیاہ کا سلسلہ شروع ہوگیا اور آہستہ آہستہ ان قیدیوں کو کچھ سہولتیں میسر آنے لگیں اور سماجی زندگی کا از سر نو آغاز ہوگیا۔

جنگ آزادی ۱۸۵۷ء کے سلسلے میں ہزاروں قیدی ان جزائر میں پہونچے محمد جعفر تھانیسری لکھتے ہیں۔

غدر ۱۸۵۷ء کی بدولت بیسیوں راجے مہاراجے
نواب اور زمیندار، مولوی، مفتی، قاضی، ڈپٹی کلکٹر
منصف، صدر امین، صدر الصدور، رسالہ دار، صوبیدار

---

۵ الثورۃ الهندیہ (باغی ہندوستان)، از مولانا فضل حق خیرآبادی، ترجمہ و ترتیب ۔۔۔
خاں شروانی (بجنور ۱۹۴۷ء) صـ ۴۲۵

جمعدار وغیرہ وہاں قید ہیں[۱]"

بہرحال ان لوگوں کے قیام نے ان غیر آباد اور ویران جزائر میں زندگی کا ہنگامہ برپا کر دیا۔ درس و تدریس اور تذکیر و تبلیغ سے فضا گونجنے لگی۔ تصنیف و تالیف کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ مولانا عبدالشاہد خاں شروانی لکھتے ہیں[۲]

"علامہ فضل حق، انڈمان پہنچے مفتی عنایت احمد کاکوروی صدر امین بریلی و کول، مفتی مظہر کریم دریا آبادی اور دوسرے مجاہد علماء وہاں پہنچ چکے تھے ان علماء کی برکت سے یہ بدنام جزیرہ دارالعلوم بن گیا۔ ان حضرات نے تصنیف و تالیف کا سلسلہ وہاں بھی قائم رکھا۔ خرابی آب و ہوا، تکالیف شاقہ اور درد جدائی احباء و اعزہ کے باوجود علمی مشاغل جاری رہے، مفتی صاحب نے علم الصیغہ میں صرف کی مفید کتاب جو آج تک داخل نصاب ہے وہیں لکھی۔ سرکاری ڈاکٹر حکیم امیر خاں کی فرمائش سے تواریخ حبیب الٰہ بھی تالیف کی..... ان دونوں کتابوں کے دیکھنے سے پتہ چلتا ہے کہ ان حضرات کے سینے علم کے سفینے بن گئے تھے تاریخی یادداشت، ترتیب واقعات، قواعد و فنون، ضوابط علوم سبھی حیرت انگیز کرشمے دکھا رہے ہیں"

---

[۱] تواریخ عجیب (کالا پانی) صـ۱۴۶۔ [۲] الثورۃ الہندیہ صـ۱۷۳

اب ہم ان مصنفین اور دانشوروں کا تعارف کراتے ہیں جنہوں نے ان جزائر میں تصنیف و تالیف کے ذریعے علوم و فنون کو ترقی دی۔

مولانا فضل حق خیرآبادی

مولانا فضل حق نامور عالم و فاضل اور علوم معقول میں خاتم الحکماء تھے[1] دور دور سے طلبہ استفادۂ علمی کی غرض سے ان کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے۔ ان کی تصانیف میں "الجنس الغالی فی شرح الجواہر المعالی، حاشیہ شرح سلم قاضی مبارک، حاشیہ الافق المبین، حاشیہ تلخیص الشفا، الہدیۃ السعیدیہ رسالہ تحقیق العلم والمعلوم اور الروض المجود مشہور ہیں۔ ان کے علاوہ فضل حق خیرآبادی کے بعض قلمی رسالے رضا لائبریری رامپور میں ہماری نظر سے گزرے جمیل الدین احمد صاحب قادری (بمبئی) کے کتب خانے میں مولانا خیرآبادی کے ستر یا اٹھارہ عربی قصائد کا ایک ایسا قلمی مجموعہ موجود ہے جسے نواب صدیق حسن خاں نے مرتب کرایا تھا[2]۔

مولانا فضل حق کے والد مولانا فضل امام عہد انگریزی میں دہلی کے صدر الصدور تھے۔ ان کے چچا محمد صالح اور ان کے بھائی فضل عظیم اور فضل الرحمن بھی سرکاری ملازمت میں تھے۔ مولانا فضل حق کمشنر دہلی کے دفتر میں پیشکار رہے، مولانا فضل حق خیرآبادی اور شاہ محمد اسمٰعیل کے درمیان بعض مسائل میں اختلاف تھا جس کی وجہ سے طرفین سے رسالے لکھے گئے۔ مرزا غالب سے مولانا کے تعلقات بہت اچھے تھے۔ مولانا فضل حق ایک عرصہ تک رئیس جھجر، راجہ الور، نواب ٹونک اور

---

[1] حالات کیلئے دیکھئے تذکرہ علمائے ہند رحمان علی، اردو ترجمہ و ترتیب محمد ایوب قادری کراچی ۱۹۶۱ء صفحہ ۳۸۲ - ۳۸۴

[2] غالب نام آورم - از نادم سیتاپوری (لکھنؤ ۱۹۶۱ء) صفحہ ۱۲

نواب رام پور کے یہاں ملازم رہے۔ واجد علی شاہ والی اودھ کے زمانے میں تحصیلدار حضور تحصیل لکھنؤ رہے ہے۔ ہنومان گڑھی کے مشہور جہاد میں مولانا فضل حق خیرآبادی نے مولوی امیرالدین علی اور جہاد کے خلاف فتویٰ دیا تھا[1]۔

جنگِ آزادی ۱۸۵۷ء میں مولانا فضل حق نے حصہ لیا، دہلی میں جنگِ آزادی کے آخری مرحلے میں پہنچے، لکھنؤ میں بیگم حضرت محل کی کورٹ کے ممبر رہے آخر میں گرفتار ہوئے مقدمہ چلا اور حبس دوام لعبور دریائے شور کی سزا ہوئی۔ اور ۱۲۷۸ھ م ۱۸۶۱ء کو مولانا کا جزیرۂ انڈمان میں انتقال ہوا۔

انڈمان وانکوبار کے زمانۂ قیام میں علامۂ خیرآبادی سے دو چیزیں یادگار ہیں۔ (۱) الثورۃ الہندیہ (۲) قصائد فتنۃ الہند۔ یہ دونوں چیزیں تاریخی یادگار ہونے کے علاوہ ادب کا بھی شاہکار ہیں، اشعار اور جملوں میں ایک مادے کے مختلف صیغے متعدد معنوں میں بے تکلف استعمال کئے گئے ہیں یہ رسالہ اور قصیدہ جنگ آزادی ۱۸۵۷ء کے حالات کا نہایت قابلِ قدر ماخذ ہیں، ان میں علامۂ خیرآبادی نے ایجاز واختصار سے ضروری حالات واقعات بیان کئے ہیں اور وہاں کے مصائب وآلام کو موثر انداز میں بیان کیا ہے۔

یہ رسالہ الثورۃ الہندیہ اور قصائد فتنۃ الہند مفتی عنایت احمد کاکوروی کے

---

[1] تاریخ اودھ جلد پنجم از حکیم نجم الغنی خاں رامپوری (نول کشور پریس لکھنؤ ۱۹۱۹ء) صہ ۲۲۲

ذریعے سے علامہ خیر آبادی کے فرزند مولانا عبد الحق کے پاس پہونچے۔ یہ رسالے اور قصیدے مولانا عبد الشاہد خاں شروانی نے اردو ترجمے کے ساتھ الثورۃ الہندیہ (باغی ہندوستان) کے نام سے ۱۹۴۷ء میں طبع و شائع کرا دیے ہیں مولانا شروانی نے کتاب کے شروع میں مولانا فضل حق خیر آبادی اور ان کے سلسلے کے ممتاز علماء کے مفصل حالات بھی شامل کر دیے ہیں۔ اس رسالے اور قصائد کا انگریزی ترجمہ بھی پاکستان ہسٹاریکل سوسائٹی کراچی کے جرنل (جنوری ۱۹۵۷ء) میں شائع ہو چکا ہے[1]

نادم سیتاپوری صاحب نے اپنی کتاب "غالب نام آورم" میں ان قصائد کو مشکوک قرار دیا ہے۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں[2]۔

"ان قصائد اور رسالہ الثورۃ الہندیہ کی صحت یقیناً مشکوک ہو جاتی ہے کیونکہ جس زمانے میں کوئلہ اور پنسل کے لکھے ہوئے[3] یہ منتشر پرچے شمس العلما مولوی عبد الحق

---

[1] مولوی غلام مہر علی نے اپنی تالیف "دیوبندی مذہب" (مکتب خانہ مہریہ، مسجد نور منڈی چشتیاں سنہ طبع ندارد) میں بھی الثورۃ الہندیہ کا اردو ترجمہ شائع کیا ہے مگر شروانی صاحب کے ترجمے کا کہیں ذکر نہیں ہے۔ [2] غالب نام آورم، از نادم سیتاپوری (ادارۂ فروغ اردو لکھنؤ ۱۹۶۱ء) ص ۱۲۱ [3] مولانا عبد الشاہد خاں شروانی کا یہ بیان یقیناً درست نہیں کہ یہ منتشر پرچے کوئلے اور پنسل کے لکھے ہوئے تھے کیونکہ وہ ان چیزوں کے خود عینی شاہد نہیں ہیں اور انہوں نے اپنی اس روایت کے راوی یا ماخذ کا ذکر بھی نہیں کیا ہے ہو سکتا ہے کہ اس خانوادے کے کسی سوانح نگار نے بلا وجہ اہمیت دینے کے لیے یہ "ظنی و قیاسی بات کہی ہو یا کہیں لکھی ہو اور شروانی صاحب نے اس کو من وعن (باقی نوٹ اگلے صفحے پر)

کو پہونچے تو اس زمانے میں وہ اپنے بوڑھے باپ کی
رہائی کے لئے کوشاں تھے اگر یہ مان بھی لیا جائے کہ یہ منتشر
پرچے ایک سیاسی قیدی کے ساتھ صحیح و سلامت حالت میں
جزائر انڈمان سے ہندوستان کے ساحل تک پہونچ گئے
تو بھی یہ بات قرین قیاس نہیں ہے کہ ان کی ترتیب و تدوین
کے وقت شمس العلما مولوی عبد الحق نے اس بات کو نظر
انداز کر دیا ہو کہ یہ اوراق اگر حکومت ہند تک پہونچ گئے تو
مولانا کی رہائی دشوار ہی نہیں بلکہ محال ہو جائے گی۔ ایسی
صورت میں اس کا قوی امکان ہے کہ ان کتابوں میں کچھ نہ کچھ
تحریف ضرور کی گئی، وہ تحریف، ترمیم یا اضافہ کیا تھا؟ اس
کے بارے میں قطعی طور پر تو کوئی بات کہی نہیں جاسکتی لیکن
روایت بالا کی روشنی میں "نہیں کلیتاً" مولانا کی تصنیف سمجھنا
ایک حل طلب معمہ ضرور ہے۔"

نادم سیتاپوری صاحب کا ان قصائد کو مشکوک قرار دینا کچھ سمجھ میں نہیں آیا یا تو وہ کوئی خارجی ثبوت پیش کرتے یا پھر داخلی شواہد بیان کرتے انہوں نے صرف ظن و قیاس کی وجہ سے یہ نظریہ قائم کر لیا ہے اس سلسلے میں یہ عرض ہے کہ مفتی عنایت احمد کاکوروی کے ذریعے رسالہ اور قصیدے مولانا عبد الحق خیر آبادی

(بقیہ نوٹ صفحہ گزشتہ) منتقل کر لیا۔ حالانکہ جزائر انڈمان و نکوبار میں دفتر قائم ہو چکا ہے، اسکول کھل چکا ہے، مقدمات اور عدالتوں کا سلسلہ جاری ہے، تصنیف و تالیف کا کام وہاں کے انگریز حکام کی منشا اور اجازت سے ہو رہا ہے۔ پھر کوئلے سے لکھنے کا کیا قرینہ ہے۔

کو ملے، مفتی صاحب ایک نامور عالم اور فاضل تھے وہ اپنی کتابیں جزائر انڈمان ونکوبار سے صحت وسلامتی کے ساتھ لائے جن میں دو کتابیں علم الصیغہ اور تواریخ حبیب الٰہ بہت مقبول ہیں اور ہزاروں کی تعداد میں آجتک شائع ہوتی رہی ہیں لہٰذا اس رسالے اور قصائد کا محفوظ حالت میں نہ پہونچنا کیا معنی۔

دوسری بات یہ ہے کہ نادم سیتاپوری صاحب نے یہ قیاس کیسے کرلیا کہ جیسے ہی یہ قصیدے آئے تو مولانا عبدالحق کو جو اسوقت اپنے بوڑھے باپ کی رہائی کے لئے کوشاں تھے، فوراً ان کی ترتیب وتدوین کرلی پڑی ۱۲۷۷ھ میں مفتی عنایت احمد رہا ہوکر آئے، مہینے دو مہینے میں یہ چیزیں مولانا عبدالحق صاحب کو ملی ہوں گی، ۱۲ صفر ۱۲۷۸ھ میں مولانا فضل حق خیرآبادی کا جزائر انڈمان میں انتقال ہوگیا، لہٰذا ان مراحل سے گزرنے کے بعد مولانا عبدالحق خیرآبادی نے ان قصائد کی طرف توجہ دی ہوگی، بلکہ اس کے بھی بہت بعد، اب رہا حکومت وقت کے خوف سے ان قصائد میں ترمیم وتحریف کا مسئلہ تو اس سلسلے میں یہ عرض ہے کہ یہ قصائد نہ صرف اس وقت طبع وشائع نہ ہوئے بلکہ مولانا عبدالحق خیرآبادی نے اپنی تمام زندگی ان کو شائع نہیں کیا اور ۱۸۹۹ء میں ان کا انتقال ہوگیا۔ چونکہ یہ قصائد طبع نہیں ہوئے اور نہ ان کی عام اشاعت ہوئی، لہٰذا حکومت کے اندیشے اور گرفت کا بھی کوئی سوال نہیں پیدا ہوتا۔ ان قصائد اور رسالے کا ترمیم وتحریف سے مبرا ہونے کا سب سے بدیہی اور قوی ثبوت یہ ہے کہ ان میں حکومت برطانیہ کو علامہ فضل حق نے بہت سخت سست کہا ہے، اس پر سخت تنقید کی ہے کہیں خوشامد یا رواداری کا ذکر نہیں ہے۔ لہٰذا اگر حکومت کے خوف سے ترمیم کی جاتی تو اس کی زبان اور لہجے کو نرم ہونا چاہئے تھا اور ایسا کہیں نظر نہیں آتا۔ بطور مثال چند اقتباسات ملاحظہ ہوں۔

"(مولف) سخت دل، اچکے اور ظالم افراد......
شریر و بدفطرت کی قید میں ہے.......اور ظالم و جابر،
بدخلق و بدکردار کے مظالم سے حیران و پریشان ہے........
وہ سیاہ رو سیاہ دل، متلون مزاج ترش رو، کنجی آنکھ
گندم گوں بال والوں کی قید میں آچکا ہے۔[1]"

"یہ سارا ظلم و ستم ظالم بدکیش نے روا رکھا ہے...
اس سے ان ظالموں کا مقصد نشان درس کو مٹانا اور علم کے جھنڈے
کو نیچے گرانا ہے۔[2]"

ملکہ وکٹوریہ کے متعلق تحریر ہے۔

"ان تمام فتحمندیوں کے بعد بھی ملکۂ نصاری (وکٹوریہ)
مکر سے باز نہ رہی اس کے مکر کی وجہ سے انہیں بڑی قوت و
طاقت حاصل ہوگئی۔[3]"

"مجھے ایک عورت (وکٹوریہ) کے مکر نے
مبتلائے مصیبت کر دیا۔ عورتوں کا مکر بڑا ہی زبردست
مکر ہے۔[4]"

قصیدے کا صرف ایک اقتباس ملاحظہ ہو۔

"بہت سے سفید رنگ شراب خوار اور مے گوں مونچھوں
والے دشمن مجھ پر بیداد کرتے ہیں۔
وہ سیاہ جگر سفید فام، نرم جلد اور سخت قلب

---

[1] الثورۃ الہندیہ ص ۳۵۳ [2] ایضاً ص ۳۵۴-۳۵۵ [3] ایضاً ص ۳۱۳ [4] ایضاً ص ۲۳۶

واقع ہوئے ہیں۔

وہ بدبخت و بے شرم ہیں انہیں نہ ننگ و عار ہے نہ غیرت و
حلم و حیا ان کے پاس سے ہو کر گزری ہے۔

بڑے جھگڑالو اور سخت دل ہیں ان میں نرمی اور مادۂ
حمایت و حمیت نام کو نہیں۔

سارے عیوب ان میں موجود ہیں مردوں میں سرکشی
اور عورتوں میں حرام کاری پائی جاتی ہے۔

ان سب کی بدمعاشیاں، مردوں کی سرکشیاں
عورتوں کی حرام کاریاں، فسق و فجور کی اشاعت و کثرت کا
سبب بنی ہوتی ہیں[1]"

یہ چند اقتباسات بطور مشتے نمونہ از خروارے ہیں ورنہ اس رسالے اور قصائد کی زبان، لہجہ، انداز بیان، نہایت سخت ہے۔ علامہ فضل حق نے ان تحریرات میں انگریزوں کی چالاکیوں، مکاریوں، ظلم و ستم، سیاسی بے ایمانیوں اور بد عہدیوں کا پردہ چاک کیا ہے، اگر نادم سیتا پوری صاحب اس رسالے اور قصائد کے اردو ترجمے کو ایک مرتبہ ذرا غور سے ملاحظہ فرما لیتے تو شاید ایسی رائے کا اظہار نہ فرماتے۔

تصحیح و حواشی کتاب ہیئت

مولانا عبد الشاہد خاں شروانی نے ہیئت کی ایک کتاب کی تصحیح و حواشی کی بھی نشاندہی کی ہے۔ چنانچہ شروانی صاحب لکھتے ہیں۔

---

[1] الثورۃ الہندیہ۔ ص ۳۹۴

"سپرنٹنڈنٹ ایک شریف انگریز تھا، مشرقی علوم سے واقف اور فنِ ہیئت کا بڑا ماہر تھا۔ اس کی پیشی میں ایک سزا یافتہ مولوی بھی تھے، اپنی ایک کتاب ہیئت انکو دی کہ اس کی عبارت صحیح اور درست کردیں مولوی صاحب سے تو کام چلا نہیں، علامہ نئے نئے گئے تھے ایک سال ہی گزرا تھا، ان کی خدمت میں وہ کتاب پیش کر کے تصحیح کی گزارش کی علامہ نے نہ صرف عبارت کی بلکہ مباحث میں بھی کچھ اضافہ کر کے حاشئے پر بہت سی کتب کے حوالے لکھدتے جب یہ کتاب مولوی صاحب سپرنٹنڈنٹ کے پاس لے گئے وہ دیکھ کر حیران وششدر رہ گیا کہنے لگا، مولوی صاحب! تم بڑا لائق آدمی ہے مگر جن کتابوں کے حوالے ہیں اور ان کی جو عبارتیں نقل کی ہیں یہاں کہاں ہیں؟

مولوی صاحب مسکرائے اور اصل واقعہ علامہ کا کہہ سنایا، وہ اسی وقت مولوی صاحب کو لے کر بارک میں آیا، علامہ موجود نہ تھے کچھ دیر انتظار کے بعد دیکھا کہ ٹوکرا بغل میں دبائے چلے آرہے ہیں، وہ یہ ہیئت دیکھ کر آنکھوں میں آنسو بھر لایا۔ معذرت کے بعد کلرکی میں لے لیا؛[۱]"

شروانی صاحب کا یہ بیان نہایت تشنہ اور غیر مکمل ہے۔ شروانی صاحب نے

---

[۱] الثورۃ الہندیہ - ص ۱۲۵-۱۲۶

نہ تو ان مولوی صاحب کا نام بتایا نہ اس کتاب کی نشاندہی کی اور نہ انہوں نے اس روایت کا راوی اور ماخذ بیان کیا۔ لہذا یہ بات مشتبہ سی ہے۔

مفتی عنایت احمد کاکوروی

مفتی عنایت احمد کاکوروی ۱۲۲۸ھ میں کاکوری میں پیدا ہوئے نامور علماء سے تحصیلِ علم کی، علم حدیث شاہ محمد اسحاق (ف ۱۲۶۲ھ۔ م ۱۸۴۵ء) سے پڑھا مولانا بزرگ علی مارہروی سے تکمیل علوم کی پھر انگریزی حکومت میں ملازم ہو گئے۔ مفتی اور منصف کے عہدوں پر سرفراز رہے۔ ملازمت کے ساتھ تدریس و تصنیف کا سلسلہ بھی جاری رہتا تھا۔ ان کے تلامذہ میں مفتی لطف اللہ علی گڑھی (ف ۱۳۳۴ھ م ۱۹۱۶ء) اور مولانا حسین شاہ بخاری وغیرہ مشہور و معروف ہیں۔ مفتی صاحب نے متعدد اصلاحی و تبلیغی رسالے لکھے۔ ان کی کتابوں میں علم الفرائض، ملخصات الحساب، التصدیق المسیح، الکلام المبین فی آیات رحمۃ للعالمین، ضمان الفردوس، بیانِ شبِ قدر و شبِ برات، رسالہ در مذمت میلہ ہا، فضائل علم و علمائے دین، محاسن العمل الافضل، فضائل درود و سلام، ہدایات الاضاحی، الدر الفرید فی مسائل الصیام والعید، وظیفہ کریمہ، خجستہ بہار، احادیث حبیب الکریم اور نقشہ مواقع النجوم مشہور ہیں۔ یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ مفتی صاحب کی کم و بیش تمام تصنیفات اردو زبان میں ہیں۔

مفتی عنایت احمد بریلی میں صدر امین تھے۔ کہ انقلاب ۱۸۵۷ء کا آغاز ہو گیا

ے حالات کے لئے دیکھئے تذکرہ مشاہیر کاکوری۔ از محمد علی حیدر (لکھنؤ ۱۹۲۷ء) ص ۲۸۹۔ ۲۹۰

نواب خان بہادر خاں روہیل کھنڈ کے ناظم مقرر ہوئے، نواب خان بہادر خاں کی حکومت کی مالی امداد کے لئے مفتی عنایت احمد نے فتوی دیا۔ جب انگریز حکومت کا بریلی میں دوبارہ قیام ہوا تو کاغذات میں مفتی صاحب کا وہ فتوی برآمد ہوا، اور اس جرم میں مفتی صاحب کو حبس دوام بعبور دریائے شور کی سزا ہوئی[1] مفتی عنایت احمد نے انڈمان میں مندرجہ ذیل کتابیں لکھیں۔

علم الصیغہ | عربی صرف کا مشہور و متداول رسالہ ہے اور آج تک داخل درس ہے۔ مفتی صاحب نے یہ رسالہ ایک صاحب حافظ وزیر علی کے لئے تصنیف کیا تھا مفتی صاحب لکھتے ہیں[2]۔

"ایں رسالہ ایست در علم صرف کہ بپاس خاطر شفیق مجمع محاسن حافظ وزیر علی صاحب بجزیرۂ انڈمین بمعرض تحریر درآمد ورود حقیر در آں جزیرہ نیرنگ تقدیر بودہ کتابے از ہیچ علم نزدِ خود نداشت ایں رسالہ را بوضعے نگاشت کہ بجائے میزان و منشعب و پنج گنج و زبدہ و صرف میر بکار آید و بر فوائد دیگر ہم مشتمل باشد،،

کتاب کا خاتمہ چند فوائد پر مشتمل ہے جس کو قوانین جزیلہ حافظیہ کے نام سے موسوم کیا ہے۔ یہ کتاب ۱۲۷۶ھ میں لکھی گئی۔

---

[1] Freedom Struggle in Uttar Pradesh, Vol. V, pp. 170-175

[2] علم الصیغہ از مفتی عنایت احمد مطبع مجتبائی دہلی، ۱۳۱۶ھ، ص۲

تواریخ حبیب الٰہ مفتی صاحب نے ۱۲۶۵ھ میں حکیم محمد امیر خاں نیٹو ڈاکٹر انڈمان کی فرمائش پر حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات میں یہ کتاب لکھی، یہ تین ابواب اور ایک خاتمہ پر مشتمل ہے باب اول میں ولادت مبارکہ سے لے کر ہجرت تک کا بیان ہے، دوسرے باب میں ہجرت سے وفات تک کا بیان ہے، تیسرا باب حلیہ شریف اخلاق کریمہ اور معجزات پر مشتمل ہے، خاتمے میں شفاعتِ کبریٰ کا بیان ہے، سبب تصنیف کے متعلق مفتی صاحب لکھتے ہیں۔

"راقم حروف بزنگ تقدیر سے فی الحال جزیرۂ پورٹ بلیر انڈمن میں وارد ہے۔ اور کوئی کتاب کسی طرح کی اپنے پاس نہیں رکھتا ہے بپاسِ خاطر شفیق و وغم گسار و مصدر عنایات برحال زار حکیم امیر خاں صاحب نیٹو ڈاکٹر کے یہ رسالہ بیان تواریخ حبیب الٰہ صلی اللہ علیہ وسلم میں ۱۲۷۵ھ میں لکھتا ہے۔ اور نام تاریخی اس کا تواریخ حبیب الٰہ ہے[1]"

یہ کتاب مفتی صاحب نے محض یادداشت سے لکھی ہے، وطن آکر جب اصل ماخذ سے ملایا تو سرِ مو فرق نہ پایا اردو زبان میں سیرت مبارک پر شمالی ہند میں یہ پہلی قابل ذکر کتاب ہے۔

ترجمہ تقویم البلدان ایک انگریز کی فرمائش پر عربی کی ضخیم کتاب تقویم البلدان

---

[1] تواریخ حبیب الٰہ از مفتی عنایت احمد کاکوروی (طبع کانپور)

کا اردو ترجمہ کیا۔ جو دو برس کے عرصے میں ختم ہوا، کہا جاتا ہے کہ یہی ترجمہ رہائی کا سبب بنا ۱۲۷۷ھ میں مفتی صاحب کی رہائی عمل میں آئی اور ان کے شاگرد مفتی لطف اللہ علی گڑھی نے تاریخ رہائی لکھی۔ اور خود کاکوری حاضر ہو کر پیش کی [1]

چوں بفضل خالق ارض و سما ۔۔۔ اوستادم شد ز قید غم رہا

بہر تاریخ خلاصی آں جناب ۔۔۔ برنوشتم "اِن استاذی نجا"

انڈمان سے واپس آکر مفتی صاحب کا مستقل قیام کانپور میں رہا اور وہاں انہوں نے مدرسہ فیض عام قائم کر کے اپنی اصلاحی اور تبلیغی سرگرمیوں کا مرکز بنایا اور بقول مولانا حبیب الرحمان خاں شروانی "اس مدرسے کا فیض بالآخر ندوۃ العلما کی شکل میں ظاہر ہوا" [2]

۱۲۷۹ھ میں مفتی صاحب حج بیت اللہ کو روانہ ہوئے۔ جدہ کے قریب ان کا جہاز پہاڑ سے ٹکرا کر ڈوب گیا مفتی عنایت احمد بحالت نماز، احرام باندھے ہوئے غریق و شہید ہوئے۔ یہ واقعہ، شوال ۱۲۷۹ھ کا ہے۔

مفتی مظہر کریم دریابادی

مفتی مظہر کریم دریابادی، مولانا عبدالماجد دریابادی کے دادا تھے۔ ان کے والد کا نام شیخ مخدوم بخش تھا۔ مفتی مظہر کریم قدوائیان دریاباد سے تھے انہوں نے تحصیل علم اپنے بڑے بھائی، مولوی حکیم نور کریم اور لکھنؤ کے دیگر علما، سے کی [3] فراغ علم

---

[1] و [2] استاذ العلما، سوانح عمری مفتی لطف اللہ علی گڑھی، از مولانا نواب حبیب الرحمٰن خاں شیروانی (علی گڑھ ۱۹۳۶ء) ص ۱۱ [3] مکتوب مولانا عبدالماجد دریابادی بنام راقم الحروف۔

کے بعد انگریزی ملازمت میں منسلک ہو گئے انقلاب ۱۸۵۷ء کے موقع پر شاہجہاں پور (یو پی) میں وہ سرشتہ دار عدالت تھے۔ انہوں نے شاہجہاں پور میں تحریک ۱۸۵۷ء کو پروان چڑھایا، اور کامیاب بنایا۔ انقلاب کے بعد گرفتار ہو کر انڈمان پہونچے۔ مفتی مظہر کریم نے میجر جان ہاٹن کی فرمائش پر جغرافیہ کی مشہور کتاب مراصد الاطلاع کا ۱۸۶۶ء میں اردو میں ترجمہ کیا۔ اس کتاب کا خطی نسخہ مفتی مظہر کریم کے پڑپوتے حکیم عبد القوی بن خان بہادر عبد المجید بن عبد القادر کے پاس محفوظ ہے[1]۔ منیر شکوہ آبادی نے اس کی مندرجہ ذیل تاریخ لکھی ہے[2]۔

کمشنر صاحب والا مراتب حاکم نامی
کہ جن کا فیض سوئے منزل آرام رہبر ہے
ہوا منظور ان کو ترجمہ اس تحفہ نسخہ کا
زبان صاف اردو میں کہ جو آسان و بہتر ہے
مترجم مولوی مظہر کریم اس کے ہوئے دل سے
فضیلت جن کی روشن تر مثالِ مہر انور ہے
اسیری اور غربت میں پھنسے ہیں وہ بھی بندہ بھی
گھڑی بھر کا بھی کٹ جانا یہاں مانند خنجر ہے
منیر اس کی لکھی تاریخ یوں سالِ مسیحی میں
یہی سیرِ جدید بوستان ہفت کشور ہے
۱۸۶۶

---

[1] مکتوب حکیم عبد القوی دریابادی بنام راقم الحروف۔ [2] کلیات منیر شکوہ آبادی (مطبع سعیدی رام پور ۱۲۹۰ھ) صد ۴۶۹

مفتی سید احمد بریلوی

مفتی سید احمد بن کرامت علی مشہدی سنبھل (ضلع مراد آباد) کے قدیم باشندے تھے بریلی میں سکونت اختیار کر لی تھی، علوم مروجہ کی تحصیل کے بعد علم طب حاصل کیا۔ مرزا غالب کے شاگرد تھے[1] جنگ آزادی ۱۸۵۷ء میں مردانہ وار حصہ لیا۔ نواب خان بہادر خان ناظم روہیل کھنڈ کی حکومت میں مفتی کے عہدے پر سرفراز رہے۔ بریلی میں انگریزوں کے تسلط کے بعد حبس دوام بعبور دریا تے شور کی سزا ہوئی مفتی صاحب نے جزائر انڈمان کے مصائب و آلام سے گھبرا کر ایک منظوم عرضداشت بحضور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم لکھی۔ مفتی صاحب کی رہائی کا حکم ہو گیا مگر ان کو خاک وطن نصیب نہ ہوئی اور انڈمان ہی میں ان کا انتقال ہو گیا۔ اس منظوم عرضداشت کے چند بند درج ذیل ہیں۔

قسم ہے تجھے اے نسیم سحر — مری بیکسی پر ذرا رحم کر
میسر نہیں کوئی پیغامبر — مدینے میں ہو وے جو تیرا گذر
تو میری طرف سے زمیں چوم کر — یہ کہنا بدرگاہ خیر البشر
نبی الورئ یا نبی الوری[2]
ببیں حال ما یا نبی الوری

---

[1] ادب لطیف لاہور غالب نمبر ۱۹۶۹ء [2] یہ مصرع مولوی محمد سلیمان بدایونی (ف ۱۹۶۳ء) نے حیات النبی یا حیات البنی لکھا ہے (ملاحظہ ہو "بدایوں ۱۸۵۷ء میں"۔ ص ۹۰ کراچی ۱۹۶۰ء) مگر ہم نے ۱۸۸۱ء کی ایک قلمی بیاض مملوکہ حکیم عبد الغفور آنولوی بریلوی (ف ۱۹۶۳ء) سے نقل کیا ہے۔ مولوی محمد عمر نعیمی مراد آبادی (ف ۱۹۶۶ء) کی بیاض میں بھی یہ مصرع اسی طرح ہے انہوں نے یہ مناجات مولانا نعیم الدین مراد آبادی مرحوم کی بیاض سے نقل کی تھی۔ مولانا نعیم الدین مراد آبادی کا سید احمد بریلوی سے کچھ دور کی رشتہ داری بھی تھی۔ حکیم عبد الغفور کی بیاض میں تلمذ غالب کی بھی صراحت تھی

بندھے بندِ آہن سے سب دست و پا   رہا بند یک چند آب و غذا
نہ سننا تھا جو کچھ وہ سب کچھ سنا   نہ ہونا تھا جو کچھ وہ سب کچھ ہوا
ٹا گھر دیار و وطن بھی چھٹا   چھٹے سب کے سب دوست اور آشنا

نبی الوریٰ یا نبی الوریٰ
ببیں حالِ ما یا نبی الوریٰ

جہاں پر عیاں حسنِ اخلاق ہے   ثنا گر ترا آپ خلاق ہے
ترے نام سے روشن آفاق ہے   تری ذات احسان میں طاق ہے
اسیری بہت اس پہ اب شاق ہے   یہ قیدِ رہائی کا مشتاق ہے

نبی الوریٰ یا نبی الوریٰ
ببیں حالِ ما یا نبی الوریٰ

مولوی ایوب خاں کیفیؔ

مولوی ایوب خاں کیفیؔ نواب مجد الدین خاں عرف نواب مجو مراد آبادی کے ساتھیوں میں تھے۔ انقلاب ۱۸۵۷ء کے بعد جب انگریزوں کا مراد آباد پر دوبارہ قبضہ ہو گیا تو ان کے لئے بھی حبس دوام بعبور دریائے شور کی سزا تجویز ہوئی۔ منشی امیر احمد مینائی لکھتے ہیں[1]۔

"ایوب خاں ولد انور خاں، فارسی شیخ احمد علی احمد سے پڑھی، اور فنِ شعر میں بھی ان ہی سے اصلاح لی، اساتذہ کے اشعار بکثرت یاد ہیں۔ مجد الدین احمد عرف مجو خاں مراد آبادی کے مختار تھے، ۱۲۷۳ھ میں بجرم مختاری مقید ہو کر انڈمان

---

[1] انتخاب یادگار، منشی امیر احمد امیر مینائی (تاج المطابع لکھنؤ ۱۲۹۷ھ)، ص ۱۳۵

کو بھیجے گئے اور محبوس دائمی ہو کر اب تک (۱۲۹۶ھ) وہیں ہیں ۔ ستر برس کی عمر ہے ۔ کلام ان کا زمانۂ غدر میں سب تلف ہو گیا ۔ دو شعر ملے ہیں جو درج ذیل ہیں ۔

موباف سبز، چوٹی میں رنگت بدل گیا
اندھیر ہے کہ سانپ زمرد نگل گیا
کیفیؔ تپ فراق میں جینے سے یاس تھی
گھر سے پھرا خدا کے گر اب کی سنبھل گیا

مولوی ایوب خاں کیفیؔ جزیرہ پر سوسس ہیٹ میں محرر رہے ۔ ۸، فروری، ۱۸۷۲ء کو جب گورنر جنرل لارڈ میو جزیرۂ انڈمان میں شیر علی آفریدی کے ہاتھ سے قتل ہوا تو کیفیؔ نے بیس اشعار پر مشتمل ایک قطعہ تاریخ لکھا، جس کے چند اشعار درج ذیل ہیں ۔

عمدۂ لندن گورنر جنرل ہندوستاں
قیدیوں کی پرورش کو لاتے تشریف انڈماں
پنج شنبہ فروری کی آٹھویں تاریخ تھی
روز محشر سے وہ شب پیدا ہوئی تھی تواماں
آفریدی شیر علی نے چھوری سے بسمل کیا
نیل کا ٹیکا لگایا قیدیوں پر جاوداں

بس کر اے کیفیؔ قلم کو تھام قصہ ہے دراز
فکر کر تاریخ کی لیکن بیاں ہو تو اماں
فرق باقی جب نکالا چرخ نے تو بول اٹھا

جان ظالم سے چھٹی مظلوم سے چھوٹا جہاں[1]

جب مولوی محمد تھانیسری نے کتاب تاریخ عجیب لکھی تو کیفی نے یہ تاریخ کہی[2]۔

انڈمان کا جو لکھا کل احوال
منشی جعفر نے بعنوانِ عزیب
نام و تاریخ کی خواہش جو کی
کہا کیفی نے ہے "تاریخ عجیب" ۱۲۹۶ھ

مولانا احمد اللہ صادق پوری (ف ۱۲۹۸ھ م ۱۸۸۱ء) کے انتقال پر کیفی نے مندرجہ ذیل قطعہ کہا[3]۔

چو ازیں دار فنا جانب باغ رضواں
احمد اللہ رواں گشت بصد دل شاداں
شش و ہفتاد سنہ و عمر شریفش بودند
بغتتاً گشت نصیبش سفر جاویداں
بست و ہشتم شبے بود از مہ ذی حجہ کہ او
راہی ملک بقا گشت ز دار گزراں
اعتقادش بہ احادیث نبیؐ از ہمہ بیش
اعتمادش ہمہ ہر دم بہ نصوص قرآں

---

[1] تاریخ عجیب، ص ۸۲-۸۳ [2] تاریخ عجیب - ص ۲۲۸

[3] الدر المنثور فی تراجم اہل صادق پور از مولوی عبدالرحیم (طبع اول کلکتہ سنہ ۱۹۰۱ء) ص ۵۰-۵۱

ہمہ زہد و ہمہ تقویٰ و ہمہ صوم و صلوٰۃ
ہمہ مصروفِ عبادت ہمہ صرفِ عرفاں
سالِ تاریخ وفاتش ز تفکر جستم
دخل الخلد بفرمود ہمہ دم رضواں
مہ قرباں بہ تمامی و محرم اقرب
سنہ تسعہ ز احادش بگر فتم پئے آں
۱۲۹۹ھ

چمن خاں۔ چمن خاں کے حالات زندگی باوجود تلاش معلوم نہ ہو سکے۔ وہ ذی علم اور موزوں طبع شخص تھے۔ انہوں نے نکوباری اور اردو زبان پر مشتمل ایک مختصر نظم بعنوان خالق باری زبان نکوباری میں لکھی جو مولوی محمد جعفر تھانیسری نے اپنی کتاب تاریخ عجیب میں شامل کر لی ہے[1]۔ اس کے شروع کے چار شعر درج ذیل ہیں جن سے جزیرہ نکوبار کی زبان کا اندازہ ہو سکے گا۔

دیوسہ کہتے نام خدا	چن لیانگ مین کیا نام ترا
توپ ویَنیا پیو شراب	ہتولاگ ہتی بڑا خراب
قان کیتو آ بھائی کی جورو	کپتو فوبرہ جنگلی گورو
یوچوش آن میں کہاں جاؤ	لوافان لیٹرہ جلدی آؤ

نواب قادر علی خاں۔ نواب قادر علی خاں بن بختور بہادر خاں (ف ۱۲۸۷ھ) شاہجہاں پور کے قدیم رئیس تھے، انقلاب ۱۸۵۷ء میں ناظم شاہجہاں پور بنے۔ ان کے بعد ان کے خاندان کے ایک دوسرے رکن نواب غلام

---

[1] تاریخ عجیب - ص ۱۶۱ - ۱۶۲

قادر خاں نے نواب خاں بہادر خاں بریلوی سے نظامت شاہجہاں پور کی سند حاصل کرلی اور وہ مسند نشین ہو گئے۔ ۱۸۵۸ء میں جب دوبارہ شاہجہاں پور پر انگریزوں کا دخل ہو گیا۔ تو نواب قادر علی خاں، عبدالرؤف خاں اور قاضی سرفراز علی شاہجہاں پوری۔ دائم الحبس ہو کر انڈمان پہونچے۔ نواب قادر علی خاں، ۲۰ سال کے بعد ۱۸۷۸ء میں وطن واپس آئے۔ انہوں نے ۱۵ر مارچ ۱۸۸۸ء کو مرض استسقاء میں وفات پائی۔[۱] نواب صاحب شعر و شاعری کا بھی ذوق رکھتے تھے۔ جزیرہ انڈمان میں جب مسلمانوں نے مسجد تعمیر کی تو اس کی تاریخ نواب قادر علی خاں نے کہی۔ جو درج ذیل ہے۔

ز نور بیت خدا انڈمان معرّا بود

شنو کہ راست می گویم کدام موجد شد

بہ صوبہ دار بہادر ملقب و در نام

مسمیٰ سبط خلیل خدائے واحد شد

بفکر سال چو رفتم زغیب قادر گفت

ہزار شکر کہ ایں جا بنائے مسجد شد

۱۲۹ھ

منشی اکبر زماں

منشی اکبر زماں بن امیر زماں اکبر آباد کے رہنے والے تھے عربی و فارسی کی مروجہ تعلیم حاصل کی مجید تخلص کرتے تھے شروع میں درس و تدریس کا مشغلہ رہا پھر قلعہ آگرہ میں منشی مقرر ہو گئے۔ جنگ آزادی ۱۸۵۷ء میں حصہ لیا۔ انقلاب ۱۸۵۷ء کے بعد منشی اکبر زماں

---

[۱] تاریخ شاہجہاں پور۔ از صبیح الدین میاں (نامی پریس لکھنؤ ۱۹۳۲ء)

ص ۱۳۱ - ۱۳۲

گرفتار ہوئے مقدمہ چلا اور حبس دوام بعبور دریائے شور کی سزا تجویز ہوئی جزائر انڈمان میں چیف کمشنر کے دفتر میں نائب میر منشی رہے۔ تقریباً بیس سال کے بعد رہائی ہوئی۔ آگرہ میں ٹیوشن پر گزارا کرتے تھے آخر عمر میں نابینا ہو گئے تھے، شاہ مظفر علی اکبر آبادی کے مرید تھے، ۱۹۰۴ء میں انتقال ہوا[1] ان کا کچھ کلام اور وہ خطوط جو انہوں نے شاہ مظفر علی کو لکھے تھے، مولوی محمد علی شاہ میکش اکبر آبادی صاحب کے پاس محفوظ ہیں۔

مُنیرؔ شکوہ آبادی

محمد اسمٰعیل منیرؔ (ابن احمد حسین شادؔ) اردو زبان کے مشہور و معروف شاعر تھے، شیخ امام بخش ناسخؔ اور میر علی اوسط رشکؔ کے شاگرد تھے۔ ان کا کلیات طبع ہو چکا ہے مختلف رؤسا، اور نوابوں کے یہاں ملازم رہے، ایک طوائف کے قتل کے قضیۂ نامرضیہ[2] میں ملوث ہو کر، ۱۲۷۷ھ میں انڈمان پہونچے، رہائی کے بعد ریاست رام پور میں رہے اور وہیں ۱۸۸۱ء میں انتقال ہوا[3]۔ جزیرۂ انڈمان میں کسی دفتر میں چھ روپے ماہوار پر ملازم ہوئے۔ پھر تنخواہ میں اضافہ ہوا چنانچہ وہ لکھتے ہیں[4]۔

---

[1] ایسٹ انڈیا کمپنی اور باغی علماء۔ از مفتی انتظام اللہ شہابی (دہلی ۱۹۶۴ء)، صفحہ ۲۰۰،

[2] منیر شکوہ آبادی، نواب جان طوائف کے قتل کے سلسلے میں قید ہوئے چنانچہ لکھتے ہیں۔

مصطفٰے بیگ ایک صاحب انہیں ہیں ۔۔۔ کج روؤں میں بڑھ کے چرخ پیر سے

کرکے خون ناحق نواب جان ۔۔۔ مجھ کو بھی پھنسوا دیا تزدیر سے

(کلیات منیر، صفحہ ۴۹۶ - [3] و [4] (اگلے صفحہ پر ملاحظہ ہوں)

پہلے ہوئی چھ روپے ہماری تنخواہ
پھر آٹھ سے دس ہوئے خدا ہے گواہ
ننانوے کا پھیر رہا قید میں بھی
لاحول ولا قوۃ الّا باللہ

ہر چند محاسبوں میں کم وقعت ہیں
پر قیدیوں کے کفیل کیفیت ہیں
لکھتے ہیں رہائی و اسیری سب کی
ہم نقل نویس دفتر قسمت ہیں

خارش کے متعلق منیر نے تین رباعیاں لکھی ہیں جن میں سے ایک درج ذیل ہے۔[1]

پوچھے جو کوئی اسیر و بندہ کہنا
بارِ غربت سے سر فگندہ کہنا
اے قاصد کہہ کے مجمل احوالِ منیر
خارش کا حال پوست کندہ کہنا

اپنے طبیب حکیم محمد حسن خاں کو یاد کر کے لکھتے ہیں۔[2]

مرتا ہوں مصائب کی فراوانی سے

(بقیہ نوٹ صفحہ گزشتہ) [1] حالات کے لئے ملاحظہ ہو، تاریخ ادب اردو، رام بابو سکسینہ (مطبع نول کشور لکھنؤ) صد ۲۴۰-۲۴۱ [2] کلیات منیر، صد ۴۷۳

[1] کلیات منیر۔ صد ۴۷۰ [2] کلیات منیر۔ صد ۴۷۱

صدمے ہیں رنج جسمی و جانی سے
افسوس ہے اس مریض کی حالت پر
جو دور رہے طبیب روحانی سے

۲۴ رباعیاں دریائے شور کی مفلسی اور بے سروسانی سے متعلق لکھی ہیں۔ ایک رباعی ملاحظہ ہو[۱]۔

غربت میں وطن خانہ بدوشوں کو ملا
زہر غربت شکر فروشوں کو ملا
جب لخت جگر کھانے لگے پیاس میں بھی
کالا پانی سفید پوشوں کو ملا

منیر کے ایک دوست خوشی رام نے ۱۸۶۱ء میں انڈمان کی تاریخ لکھی تو منیر نے مندرجہ ذیل قطعۂ تاریخ کہا[۲]۔

تصنیف کی جناب خوشی رام نے یہاں
جان خرد کتاب، کتاب ہے تاریخ انڈمان
روداد ہے جزائر دریائے شور کی
مطبوع شیخ و شاب ہے تاریخ انڈماں
موزوں کئے منیر نے یوں سال عیسوی
یکتا و لاجواب ہے تاریخ انڈماں

جب ۱۲۸۲ھ میں انڈمان کی قید سے رہا ہوئے تو انہوں نے مندرجہ ذیل قطعۂ تاریخ کہا[۳]۔

---

۱ کلیات منیر۔ ص۴۷۳ ۲ کلیات منیر۔ ص۴۹ ۳ کلیات منیر ص۴۹۹

آج میں نے قید سے پائی رہائی اے منیر
فضلِ حق سے یہ خوشی کی دو پہر مسعود ہے
اس جزیرے سے سوئے کلکتہ ہوتا ہوں رواں
اے خدا ہندوستاں کا اب سفر مسعود ہے
آکے بیٹھا ہوں جہازِ تیز رو پر شکر ہے
لنگر اٹھا، ساعتِ فتح و ظفر مسعود ہے
بادہ منظور ہے کہنا دعا تیرہ مجھے
نیک ساعت ہو کواکب کی نظر مسعود ہے
آج کے دن کی ہے یہ تاریخ صوری معنوی
روز شنبہ نیمۂ ماہ صفر مسعود ہے
۱۲۸۶ھ

مولوی محمد جعفر تھانیسری

مولوی محمد جعفر تھانیسری تحریک مجاہدین کے خاص رکن تھے انہوں نے جزائر انڈمان و نکوبار کے زمانۂ اسیری میں تین کتابیں (۱) ترجمہ آئین پورٹ بلیر (۲) تاریخ پورٹ بلیر (۳) تاریخ عجیب اور تواریخ عجیب (کالا پانی) لکھیں۔ پہلے باب میں مولوی محمد جعفر تھانیسری کے مفصل حالات اور ان کی تصانیف پر تبصرہ کیا جا چکا ہے۔

قاضی سرفراز علی

قاضی سرفراز علی ابن امانت علی، شاہجہاں پور کے ایک قدیم خاندان کے رکن تھے ابتدائی تعلیم امروہہ میں حاصل کی پھر دہلی گئے اور وہاں علمائے معروف کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کیا۔ جنگ آزادی ۱۸۵۷ء میں انقلابی حکومت کی طرف سے منصف مقرر ہوئے جس کے نتیجے میں حبس دوام بعبور دریائے شور کی سزا ہوئی۔ جزائر انڈمان میں

لہ بعض حضرات نے قاضی سرفراز علی شاہجہاں پوری اور امام المجاہدین (باقی صفحہ اگلے پر)

ایک انگریز کرنل بروس نے ان سے فارسی پڑھی، کچھ مدت کے بعد ان کی رہائی ہو گئی ۱۸۶۵ء میں گورنمنٹ ہائی اسکول شاہجہاں پور میں عربی کے مدرس مقرر ہوئے۔ ۱۷؍ جمادی الثانی ۱۲۹۳ھ (۱۸۷۶ء کو ان کا انتقال ہوا قاضی صاحب کو شعر و شاعری کا شوق تھا۔ زیادہ تر نعت میں لکھتے تھے سید تخلص تھا[1]

تاریخ جزائر انڈمان متھرا داس سررشتہ دار حاکم پورٹ بلیر کی تحریک پر قاضی سرفراز علی نے جزائر انڈمان کی ایک مبسوط تاریخ لکھی تھی[2]

قاضی سرفراز علی جب قید ہو کر انڈمان پہونچے تو وہاں انہوں نے ایک مناجات

(بقیہ نوٹ صفحہ گزشتہ) مولوی سرفراز علی گورکھپوری کو ایک ہی شخصیت سمجھ لیا ہے اور مشارکت اسمی کی وجہ سے دھوکہ کھایا ہے (العلم، کراچی اپریل تا ستمبر ۱۹۵۶ء) حالانکہ دونوں جداگانہ شخصیتیں ہیں۔ اس غلط فہمی کی شاید یہ وجہ ہو کہ انقلاب ۱۸۵۷ء کے آغاز میں امام المجاہدین مولوی سرفراز علی گورکھپوری بھی شاہجہاں پور میں انقلابی تیاریوں میں مصروف تھے۔ (تاریخ شاہجہاں پور۔ ص ۳۳۱)

امام المجاہدین نے جنرل بخت خاں کے ساتھ مل کر دہلی میں جنگ آزادی کو کامیاب بنانے میں پوری پوری کوشش کی۔ سقوط دہلی کے بعد لکھنؤ پہونچے اور پھر نیپال کی ترائی میں چلے گئے۔ امام المجاہدین کے حالات تفصیل سے جنگ آزادی ۱۸۵۷ء سے متعلقہ لٹریچر میں موجود ہیں، ان کو قاضی سرفراز علی شاہجہاں پوری سے مخلوط کرنا درست نہیں۔ [1] قاضی سرفراز علی شاہجہاں پوری کے حالات کے لئے دیکھئے تاریخ شاہجہاں پور ص ۲۶۶-۲۶۸ [2] ایضاً [3] ص ۲۶۵

لکھی، جس کے چند شعر مؤلف تاریخ شاہجہانپور[1] نے نقل کئے ہیں جو درج ذیل ہیں۔

ماراز درمراں دل و جانم فدائے تو
اے مصطفٰے تو شاہ من و من گدائے تو
سیّد کہ شد اسیرِ بلا در ہوائے تو
نازد بر آں اسیری کہ باشد برائے تو
پیش تو چیست عقدہ کشائی کہ ماہ را
دو کردیک اشارۂ معجز نمائے تو
در دستِ تست دارُوئے دارم درنگ چیست
اے منحصر رضائے خدا بر رضائے تو

ان حضرات کے علاوہ اور بھی بہت سے علماء و مشائخ جزائر انڈمان و نکوبار میں اسیر ہوکر پہونچے تھے ان میں شاہ بولن سیوہاروی رف ۲ ربیع الاول ۱۲۷۶ھ[2] مولوی احمد اللہ صادق پوری رف ۱۲۹۸ھ۔ م ۱۹۱۴ء تقریباً، مولوی مبارک علی الہ آبادی، مولوی امیر الدین ساکن مالدہ، مولوی تبارک علی، مولوی عبدالرحیم رف ۱۳۴۱ھ۔ م ۱۹۲۲ء، میاں عبدالغفور رف ۱۹۱۴-۱۵ء تقریباً، مولوی مبارک علی، مولوی محمد ابراہیم منڈ، مولوی محمد یحییٰ علی رف ۱۲۸۴ ہجری م ۱۲۸۶ء، شیخ فصاحت اللہ بدایونی، شیخ سلیم، شیخ آیت اللہ بدایونی اور شیخ فضل احمد بدایونی مولوی قطب شاہ بریلوی وغیرہ کے نام خاص طور پر قابل ذکر ہیں اگرچہ ان بزرگوں کی کوئی تصنیف و تالیف جزائر انڈمان کے دوران قیام کی نہیں ملتی مگر ان بزرگوں کی اصلاحی تبلیغی سرگرمیاں برابر وہاں جاری رہیں۔

---

[1] تاریخ شاہجہانپور۔ صفحہ ۲۶۵ [2] شاہ بولن کے لئے (ملاحظہ ہو اگلے صفحہ)

بابِ ہشتم

چند نادر دستاویزات و تحریرات

اس باب میں ہم نے جنگ آزادی ۱۸۵۷ء سے متعلق بعض دستاویزات و تحریرات پیش کی ہیں، ان میں بعض تو پہلی مرتبہ شائع ہو رہی ہیں اور بعض ایسی ہیں جو نایاب ہیں۔

۱۹۵۷ء سے اب تک دس گیارہ سال کے عرصے میں جو مواد جنگ آزادی ۱۸۵۷ء سے متعلق شائع ہوا ہے اس میں ان تحریرات میں سے دو ایک ہی طبع ہوئی ہیں۔

ان دستاویزوں کے مطالعہ سے ہمیں تحریک جنگ آزادی ۱۸۵۷ء کے متعلق بعض نئی معلومات حاصل ہوتی ہیں۔ مولوی لیاقت علی اور مولوی سرفراز علی کی سرگرمیوں کا اندازہ ہوتا ہے۔ اسی طرح ان لوگوں کی خیرخواہی کا بھی علم ہوتا ہے جنہوں نے اس تحریک میں سرکار برطانیہ کی دل و جان سے وفاداری کی اور انعام و اکرام کے مستحق ٹھہرے۔

(بقیہ نوٹ صفحہ گزشتہ) ملاحظہ ہو "انوار العارفین" از محمد حسین مراد آبادی (مطبع صدیقی بریلی ۱۲۸۶ھ) ص ۵۴۲ ۵ ان حضرات کے حالات کے لئے دیکھئے "تواریخ عجیب" (کالا پانی) تذکرہ رجال، مرتبہ محمد ایوب قادری۔ ص ۲۲۲ - ۲۲۶ ۶ "بدایوں ۱۸۵۷ء میں" ص ۹

(۱) اشتہار جلسہ تائید دین متین بریلی ۱۲۷۱ھ

مفتی عنایت احمد کاکوروی کے حالات باب ہفتم میں "جزائر انڈمان ونکوبار میں مسلمانوں کی علمی خدمات" کے ضمن میں کسی قدر تفصیل سے لکھے گئے ہیں

"مفتی صاحب علی گڑھ سے تبدیل ہو کر بحیثیت صدر امین بریلی آئے. انہوں نے ایک انجمن بنام جلسہ تائید دین متین" بریلی میں قائم کی. جس کا مقصد مسلمانوں کی مذہبی و معاشرتی اصلاح تھا. اس سلسلے میں انہوں نے اصلاحی رسالے شائع کئے۔ ہمارے خیال سے ہندوستان میں یہ اپنی نوعیت کی پہلی انجمن تھی۔ جو مسلمانوں کی اصلاح کے لئے بریلی میں قائم ہوئی۔ اس انجمن کا تمام تر نظم ونسق اور پالیسی مسلمانوں کے ہاتھ میں تھی۔

جنگ آزادی ۱۸۵۷ء عیسوی کے بعد تو انگریزی حکومت کے اشارے اور مدد سے ملک میں علمی اداروں اور انجمنوں کا ایک جال بچھ گیا۔ ۱۸۵۷ء عیسوی سے قبل مسلمانوں کی کسی اور اصلاحی انجمن کا سراغ نہیں ملتا۔

انڈمان سے واپس آکر مفتی عنایت احمد مرحوم نے کانپور میں بھی یہ سلسلہ جاری رکھا اور مدرسہ فیض عام جاری کیا۔ جو بالآخر ندوۃ العلماء کی شکل میں ظاہر ہوا۔"

اشتہار جلسہ دین متین کہ بہ تجویز مسلمین مہتدین، بریلی میں متحقق ہوا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علیٰ سید المرسلین وآلہٖ واصحابہ اجمعین

بڑے ثواب کی بات ہے کہ علوم دین کی ترویج ہو اور سب لوگ عقائد اسلام اور مسائل دینیہ سے آگاہ کئے جاویں۔ اگرچہ یہ امر بہت نافع ہوا کہ خدائے تعالیٰ نے علمائے ابرار کو توفیق دی کہ انہوں نے قرآن مجید اور کتب حدیث کا ترجمہ اردو میں کیا اور اکثر فقہ اور مسائل کی کتابیں اردو میں تصنیف کیں اور چھاپے کے سبب سے ہر قسم کی کتابوں کی کثرت ہوئی، ہر آدمی کو مقدور خریدنے کتاب کا نہیں ہوتا اور بہت مقدور والے بسبب بے رغبتی کے خرید نہیں کرتے، اس لئے ہم مسلمانوں نے یہ تجویز کی ہے کہ ہر واحد بقدر اپنی خوشی کے کچھ درماہہ مقرر کرے اور سب روپیہ ایک جگہ جمع ہوتا رہے، اور اس سے کتابیں دین کی جو عام فہم ہوں اور بہت نافع خرید کر کے یا چھپوا کے مفت تقسیم کی جاویں اور نئے نئے رسائل مختصرہ نافع موافق کتب معتبرہ کے تصنیف ہو کے چھپواتے جاویں اور تقسیم کئے جاویں اور قصبات میں پہونچائے جاویں۔

ابتداء اس امر خیر کی بفضلہ تعالیٰ غرۂ رمضان المبارک ۱۲۷۱ھ سے ہوئی، اور اولاً اعزۂ ضلع بریلی مثل صدر الصدور صاحب اور اڈیشنل

صدر الصدور صاحب اور جناب صدر امین صاحب و مدرس اعلیٰ صاحب و بعضے صاحبان منصفان و وکلاء و تحصیلداران و بعضے تجار ذوی الاعتبار بعد ازیں اعزۂ کول و بدایوں شریک ہوئے اور اب بسبب بعضے ارباب فضل کے اصحاب ضلع مراد آباد اور مین پوری اور اٹاوہ اور ضلع بلاتپور بھی شریک ہوتے ہیں، اور جو صاحب دیندار اس تجویز کو سنتے ہیں نہایت پسند فرماتے ہیں اور بہ دل شریک ہوتے ہیں۔ اوّلاً بایں وجہ کہ اکثر لوگ معنی کلمہ طیبہ سے آگاہ نہیں ہیں اور بغیر سمجھے معنی کلمہ کے آدمی مسلمان نہیں ہوتا اور پہلا فرض آدمی پر یہی ہے کہ معنے کلمہ کے سیکھے، زبانِ اردو میں بعبارت عام فہم معنی کلمہ کے مطبع بریلی میں بارہ ۱۲۰۰ سے اور پھر دوسری بار بارہ ۱۲۰۰ سے اور پھر تیسری بار بارہ ۱۲۰۰ سے چھپوائے گئے اور شہر بریلی و بدایوں اور پیلی بھیت اور کول اور اکثر قصبات اور قریات میں تقسیم کئے گئے اور بعد ازیں صدہا و ہزارہا کتب مفصلہ ذیل[1] کے تقسیم کئے گئے۔

اور ہمیشہ ایسے ہی رسائل تالیف ہو کے تقسیم ہوا کریں گے، مثلاً کوئی رسالہ بیان محبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں کوئی تواریخ حال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یا صحابہؓ میں، کوئی فضائل علم میں، کوئی بیان بہشت میں کوئی بیان دوزخ میں، کوئی بیان گناہاں کبیرہ میں، کوئی مسائل نکاح میں کوئی مسائلِ بیع و شریٰ میں وعلیٰ ہذا القیاس

اب یہ اشتہار مشتہر کیا جاتا ہے کہ جس صاحب کو شرکت منظور ہو بذریعہ خط کے مولوی عزیز الدین منصرم جلسہ ہذا کو کہ شہر بریلی میں بمکان جناب صدر امین صاحب مقیم ہیں مطلع کریں اور مقدار اشاعت میں قلت و کثرت پر لحاظ نہ فرماویں مبلغ ششماہی یا سالانہ بہیئت اجتماعی ارسال فرمایا کریں اور کتابیں واسطے تقسیم کے بذریعہ ڈاک پارسل کے ان کی خدمت میں پہونچتی رہیں گی۔

---

[1] جو کتابیں تقسیم کی گئیں ان کے نام یہ ہیں (۱) راہ نجات (باقی اگلے صفحہ پر)

(۲) مکتوب مولوی سرفراز علی امام المجاہدین

جناب من ۔ بعد سلام نیاز آنکہ سردار خاں رسالدار ساکن ساگر اکنوں دہلی بیرون شہر در سرائے عید گاہ کہنہ مقیم است داز معتقدان مولوی صاحب مرحوم و مغفور چونکہ بندہ دیروز بعرس افضل المتاخرین قدوۃ العارفین خواجہ باقی باللہ قدس سرہ العزیز رفتہ بود مشارٌ الیہ جستجوئی برمکان گرامی ۔ می نمود ، اتفاقاً ازیں احقر ملاقات گردید ، حال قبلہ گاہی صاحب آں مکرم شنیدہ بسیار افسوس نمودہ مشتاق مواصلت ہستند اگر دریں وقت فرصت باشد در فاتحہ خواجہ صاحب داخل ثواب شدہ ملاقات بفرمائید زیرا کہ اوہم در آنجا خواہد آمد بموجب مصرع ۔

چہ خوش بود کہ برآید بیک کرشمہ دو کار

فقط رقیمہ احقر العباد سرفراز علی ۔

بقیہ نوٹ صفحہ گزشتہ (۲) حقیقۃ الصلوٰۃ (۳) محاسن العمل الافضل (۴) التتمات (۵) الدر الفرید فی مسائل الصیام و العید (۶) ہدایات الاضاحی (۷) فضائل درود وسلام (۸) الکلام المبین فی آیت رحمۃ اللعالمین ۲؎ یہ اشتہار ضمان الفردوس مصنفہ مفتی عنایت احمد کاکوروی مطبوعہ مطبع نظامی کانپور (۱۲۷۳ھ) کے آخر میں شامل ہے۔

۱؎ یہ مکتوب میرے جد امجد مولوی حکیم سعید اللہ مرحوم کے کاغذات میں تھا جو میری پھوپی محترمہ غفور النساء (ف ۱۴ ذی الحجہ ۱۳۸۰ھ / ۱۹۶۲ء) زوجہ حاجی چودھری شمس الدین رئیس و زمیندار قصبہ اوجھیانی ضلع بدایوں (ف ۸ اکتوبر ۱۹۶۵ء) کے پاس محفوظ تھے۔ میری درخواست پر یہ مکتوب پھوپی مرحومہ نے مجھے عنایت فرما دیا ۔ میں نے یہ مکتوب نیشنل میوزیم (باقی اگلے صفحہ پر)

(۳) اعلان جہاد مولوی لیاقت علی الٰہ آبادی

اشتہار اوّل منظوم[1]

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

بعد تحمیدِ خدا و نعتِ رسولِ کرم — یہ رسالہ ہے جہادیہ کہ لکھتا ہے قلم
واسطے دین کے لڑنا نہ پے طمع بلاد — اہلِ اسلام اسے شرع میں کہتے ہیں جہاد
ہے جو قرآن و احادیث میں خوبیِ جہاد — ہم بیاں کرتے ہیں تھوڑا سا اسے کر لو یاد
فرض ہے تم پر مسلمانو! جہادِ کفار — اسکا ساماں کرو جلد اگر ہو دیندار
جس کے پیروں پہ پڑی گرد صفِ جنگِ جہاد — وہ جہنم سے بچا نار سے وہ ہے آزاد
جو مسلمان رہِ حق میں لڑا لحظہ بھر — روضۂ خلد بریں ہو گیا واجب اس پر
اے برادر تو حدیثِ نبوی کو سن لے — باغ فردوس ہے تلواروں کے سائے تلے
دل سے اس راہ میں پیسا کوئی دیویگا اگر — سات سو اسکو خدا دیوے گا روزِ محشر

(بقیہ نوٹ صفحہ گزشتہ) آف پاکستان کراچی میں داخل کر دیا ہے (محمد ایوب قادری)۔ [2] خواجہ باقی باللہ کا انتقال ۵ رجمادی الاخری ۱۰۱۲ھ میں ہوا اس لئے عرس ۲۵ رجمادی الاخری ۱۲۷۲ھ کو ہوا ہو گا جو فروری ۱۸۵۶ء کے مطابق ہوتا ہے۔ اس خط سے معلوم ہوتا ہے کہ مولوی سرفراز علی تحریک کی تیاری کے سلسلے میں اس وقت دہلی میں موجود تھے۔ اور فوجی آدمیوں رسالدار سردار خاں وغیرہ سے ملاقات کر رہے تھے۔

[1] یہ اشتہار دراصل مولوی خرم علی بلہوری (ف ۱۲۷۳ھ/۱۸۵۶ء) کے رسالہ جہادیہ سے ماخوذ ہے اور رسالہ جہادیہ بستاون اشعار پر مشتمل ہے۔ مولوی لیاقت علی نے ابتدائی صرف ۲۷ اشعار کے لئے ہیں اور آخر کے تین شعروں میں حسب ضرورت (باقی اگلے صفحہ پر)

زر بھی گر خرچ کیا اور لگائی تلوار
پھر تو دیوے خدا اس کے عوض سات ہزار

جو کہ مال اپنے سے غازی کو بنادے اسباب
اس کو بھی مثل مجاہد کے خدا دیگا ثواب

جو نہ خود جائے لڑائی میں نہ خرچے کچھ مال
اس پہ ڈالے گا خدا بیشتر از مرگ وبال

جو رہ حق میں ہوئے ٹکڑے نہیں مرتے ہیں
بلکہ وہ جیتے ہیں جنت میں خوشی کرتے ہیں

مدت العمر کے مٹتے ہیں گناہِ شہدار
کیوں نہ ہو جنگ میں کٹواتے ہیں سر بہر خدا

فتنۂ قبر و غم صور و قیام محشر
ایسے سدھوں سے شہیدوں کو نہیں ہے کچھ ڈر

حق تعالیٰ کو مجاہد وہ بہت بھاتے ہیں
مثل دیوار جو صف باندھ کے جم جاتے ہیں

اے مسلمانو! سنی تم نے جو خوبی جہاد
چلو اب رن کی طرف مت کرو گھر بار کو یاد

مال و اولاد کی اور گھر کی محبت چھوڑو
راہ مولا میں خوش ہو کے شتابی دوڑو

گر پھرے جیتے تو گھر بار میں پھر آوگے
اور گئے مارے تو جنت میں چلے جاؤ گے

دین اسلام بہت سستا ہوا جاتا ہے
غلبۂ کفر سے اسلام مٹا جاتا ہے

پیشوا لوگ جو اس طرح سے کرتے نہ جہاد
ہند پھر کس طرح اسلام سے ہوتا آباد

زور شمشیر سے غالب رہا اسلام مدام
سستی اگلے جو کبھی کرتے تو ہوتا گمنام

کب تک گھر میں پڑے جوتیاں چٹکاؤ گے
اپنی سستی کا جز افسوس نہ پھل پاؤ گے

اب تو غیرت کرو نامردی کو چھوڑو یارو
مل جل کے امام اپنے سے کافر مارو

بارہ سو برس کے بعد آئی یہ دولت آگے
حیف اس دولت بیدار سے مومن بھاگے

تھے مسلمان نعرہ زن بغیر از اسباب
شکر سب تو نے دیا اے رب الارباب

یعنی اسباب لڑائی کا جو کچھ تھا درکار
سب دیا تو نے ہمیں اور کیا پھر سردار

بات ہم کام کی کہتے ہیں سنو اے یارو
وقت آیا ہے کہ تلوار کو بڑھ بڑھ مارو[1]

(بقیہ نوٹ صفحہ گزشتہ) ترمیم کر دی گئی ہے، دیکھیے سید احمد شہید از غلام رسول (لاہور ۱۹۵۲ء) جلد دوم صفحہ ۲۵۵۔۲۵۹ [1] ملاحظہ ہو کنہیا لال ـ ص ۳۰۱ ـ ۳۰۴ ـ ۳۰۳

(۴۷) اعلان جہاد مولوی لیاقت علی الہ آبادی (ثانی)

الحمد للہ ذی المجد والکرم والصلوٰۃ علیٰ نبیہ الاکرم صلی اللہ علیہ وسلم وعلی آلہ وصحبہ ناصبی لولد الہم وجمیع متبعی الدین والشرع الاعظم

بعد حمد وصلوٰۃ کے واسطے رفع حاجت بروز قیامت وتبلیغ احکام شریعت کہ طریقہ سنت ہے، خادم الطلبہ واحقر الفقرا، امیدوار رحمت رب الغنی محمد لیاقت علی الہ آبادی چند باتیں ضروری قرآن واجب الایقان اعنی قرآن مجید وفرقان حمید اور ارشاد فیض بنیاد برگزیدہ لم یزلی حضرت نبوی صلعم سے بخوبی ثابت ومتحقق کر کے مسلمانان باایمان کو سناتا ہے کہ جو بدعات ظلم وفساد سازی سلطنت ہندوستان میں خصوص ضلع الہ آباد میں کفرہ وفجرہ نصاری کا علی الخصوص اوپر ہر ایک مومنین متبع اسلام کرام کے از قبیل غارت گری وآتش زدگی وقتل وپھانسی وکندیدگی مکان وچھاپہ زنی وخونریزی علماء ومشائخان واحراق کلام اللہ شریف واحادیث وکتب فقہ وغیرہ ہو رہا ہے اظہر من الشمس ہے اس صورت میں ہر ایک مومنین مخلصین کو لازم ہے کہ مستعد جہاد ہو جاویں، بموجب ارشاد فیض بنیاد آنحضرت صلعم کے "لِکُلِّ نَبِیٍّ حِرْفَۃٌ وَحِرْفَتِی الْجِھَادُ" واسطے ہر نبی کے پیشہ ایک مقرر رہا ہے اور پیشہ میرا جہاد ہے۔

فائدہ:۔ بیشک جس نے کہ پیشہ اپنا چھوڑ دیا، وہ ذلیل وخوار اور فقر وفاقہ میں گرفتار ہوا۔ فقط

ل ملاحظہ ہو کنہیا لال۔ صد ۳۰۱۔ ۳۰۲

اب بموجب "ان الجنتہ تحت ظلال السیوف" فائدہ اخروی اٹھاویں اور درجہ شہادت کا جس میں زندگی ہمیشہ کی ہے اور نعماء جنت اور ازواج حوران بہشت پاویں اور کسی طرح کا شک وخطرۂ بد دل میں نہ لاویں، اور جان و مال سے اور تکثیر سواد ورائے صائب وہتھیار وغیرہ سے جہاں تک ممکن ہو شرکت بجالاویں ایسا نہ کریں کہ اوقات سعید و آوان حمیدہ میں شرکت سے محروم رہیں اور پچھتاویں۔

اور جو شخص کہ اس مقدمہ میں پیشوائی کرے اسی کو اپنا امام سمجھ کر بموجب "الجھاد واجب علیکم مع کل امیر برا کان او فاجرا" کے تابعداری کریں کیونکہ قرآن مجید وفرقان حمید فضائل جہاد سے بھرا ہے کہ سورہ توبہ میں جا بجا ارشاد ہے۔

اور احباب سے امید ہے کہ انتظار نامہ وپیام نام بنام جداگانہ نہ کریں صرف اس اعلان کو کافی وشافی بوجھ کر ہر صاحب اپنے ملاقاتی واحباب سے ارشاد کردیں۔

اور جہاد میں بڑا سامان یہ ہے کہ بندے توکل بخدا کریں اور امداد جانب خالق کون ومکان سے ہو سوامداد غیبی صریح ظاہر وباہر کہ مسلمانان ہندوستان کے بسبب بے استطاعتی زر وعدم موجودگی گولہ بارود وتوپ ولشکر مجبور وناتواں ہو رہے تھے سو خالق احد اللہ الصمد نے دین احمد صلعم کو جیسا کہ باطناً قوی وتوانا کیا ہے ویساہی ظاہری سب سامان واسطے تسکین خاطر فاتر تم ضعفاء مسکیناں اور امداد دین متین کے انہیں نابکار نصاریٰ بد اطوار سے بلا سبب وکوشش ہم لوگوں کے دلادیا۔ چنانچہ لشکر سوار وپیادہ وتوپ وگولہ بارود وزر کثیر، خصوصاً قطعہ شقہ عطیہ حضرت فرمانروائے کشور ہند

ظل سبحانی خلیفۃ الرحمانی بادشاہ دہلی خلد اللہ ملکہ و سلطنتہ وعموماً امداد عساکر داتواپ میگزین جناب برجیس قدر دام اللہ حشمتہم والی لکھنؤ سے ، اور ہمراہی تمام راجگان قلمرو لکھنؤ و راجگان قرب و جوار الہ آباد وغیرہ اور اخلاق واتفاق سارے ہندوستان میں باوصف ہونے اختلاف اقوام و مذاہب کے سو یہ سب دلائل کامل و براہین مدلل کمربندی اوپر اندفاع اس قوم نصاریٰ طاغی باغی کے ہے۔

مناسب ہے کہ جو بھائی مسلمان اس خبر وحشت اثر کو سنے وہ فوراً مستعد ہوکر کمر ہمت جہاد باندھیں اور تا شہر الہ آباد تشریف لاویں اور قلع بند کفار نابکار کو قلع قمع کرکے بزور تیغ بے دریغ اپنی کے خاک میں ملاویں ۔ اور باقیماندوں کو اس ملک سے بھگا دیں پھر اطمینان حکومت عدالت اسلام فرمادیں۔

اب بہ سبب خوف طوالت کے تمام کرکے چند آیات طیبات ذیل عبارت مرقومہ بالا مع ترجمہ ہندی درج ہے۔

قال اللہ تبارک وتعالیٰ	فرمایا خدائے پاک و برتر نے
فی سورۃ التوبہ	سورۃ توبہ میں ۔
اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا	جو یقین لائے اور گھر چھوڑ آئے
وَجَاهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ	اور لڑے اللہ کی راہ میں اپنے
بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ	مال اور جان سے ان کو بڑا درجہ
اَعْظَمُ دَرَجَةً عِنْدَ اللّٰهِ	ہے اللہ کے پاس اور وہ
وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ	پہونچتے ہیں مراد کو ۔
يُبَشِّرُهُمْ رَبُّهُمْ	خوشخبری دیتا ہے ان کو پروردگار

بِرَحْمَةٍ مِّنْهُ وَرِضْوَانٍ
وَّجَنّٰتٍ لَّهُمْ فِيْهَا نَعِيْمٌ
مُّقِيْمٌ ۙ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ
اَبَدًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗۤ اَجْرٌ
عَظِيْمٌ ۝
يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْۤا
اٰبَآءَكُمْ وَاِخْوَانَكُمْ اَوْلِيَآءَ
اِنِ اسْتَحَبُّوا الْكُفْرَ عَلَى الْاِيْمَانِ ؕ
وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ فَاُولٰٓئِكَ
هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ۝
قُلْ كَانَ اٰبَآؤُكُمْ وَاَبْنَآؤُكُمْ
وَاِخْوَانُكُمْ وَاَزْوَاجُكُمْ وَ
عَشِيْرَتُكُمْ وَاَمْوَالُ ۨاقْتَرَ
فْتُمُوْهَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ
كَسَادَهَا وَمَسٰكِنُ تَرْضَوْ
نَهَآ اَحَبَّ اِلَيْكُمْ مِّنَ
اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَجِهَادٍ فِيْ
سَبِيْلِهٖ فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰى يَاْتِيَ
اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ ؕ وَاللّٰهُ لَا
يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ۝
يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَا

اپنی رحمت اور رضامندی کی
اور باغوں کی جن میں ان کو آرام
ہے ہمیشہ کا رہا کریں ان میں
مدام ، اللہ کے نزدیک بڑا
ثواب ہے ۔

اے ایمان والو نہ پکڑو اپنے باپوں
کو اور بھائیوں کو رفیق اگر وہ عزیز
رکھیں کفر کو ایمان سے اور جو تم
میں ان کی رفاقت کرے سو وہ لوگ
ہیں گنہگار۔

تو کہدے اگر ہیں تمہارے باپ
بیٹے اور بھائی اور عورتیں اور
برادری اور مال جو کماتے ہو اور
اور سوداگری جس کے بند ہونے
سے ڈرتے ہو اور حویلیاں جو پسند
رکھتے ہو تم کو عزیز زیادہ اللہ سے
اور اس کے رسول سے اور لڑنے
سے اس کی راہ میں ۔ تو راہ دیکھو جب
تک بھیجے اللہ حکم اپنا اور اللہ راہ نہیں
دیتا نافرمان لوگوں کو

اے ایمان والو! کیا ہوا ہے

لَكُمْ اِذَا قِيْلَ لَكُمُ انْفِرُوْا
فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اثَّاقَلْتُمْ اِلَى
الْاَرْضِ ط اَرَضِيْتُمْ بِالْحَيٰوةِ
الدُّنْيَا مِنَ الْاٰخِرَةِ ج فَمَا
مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا فِى الْاٰخِرَةِ
اِلَّا قَلِيْلٌ ○ اِلَّا تَنْفِرُوْا
يُعَذِّبْكُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا لا
وَّيَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ
وَلَا تَضُرُّوْهُ شَيْئًا ط وَاللّٰهُ
عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ○
اِنْفِرُوْا خِفَافًا وَّثِقَالًا وَّ
جَاهِدُوْا بِاَمْوَالِكُمْ وَ
اَنْفُسِكُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ط
ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ
تَعْلَمُوْنَ ○

تم کو جب کہا جاتا ہے کوچ کرو
اللہ کی راہ میں، گر پڑتے ہو
طرف زمین کے کیا راضی ہو گئے
تم دنیا کی زندگی پر آخرت کو
چھوڑ کر سو کچھ نہیں دنیا کا
نفع آخرت کے حساب میں مگر تھوڑا
اگر نکلو گے دے گا تم کو دکھ
کی مار اور بدل لاویگا اور لوگ
تمہارے سوا اور کچھ نہ بگاڑو گے اس کا اور
اللہ سب چیز پر قادر ہے۔
نکلو ہلکے اور بوجھل اور لڑو
اللہ کی راہ میں اپنے مال سے اور
جان سے۔ یہ بہتر ہے تمہارے
حق میں، اگر تم کو سمجھ ہے

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى فِىْ
سُوْرَةِ الصَّفِّ

فرمایا خدائے برتر نے سورہ صف
میں۔

اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الَّذِيْنَ
يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِهٖ صَفًّا
كَاَنَّهُمْ بُنْيَانٌ مَّرْصُوْصٌ ○
يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا هَلْ اَدُلُّكُمْ

اللہ چاہتا ہے ان کو جو لڑتے ہیں اسکی
راہ میں قطار باندھ کر جیسے دیوار میں
سیسہ پلائی ہوئی۔
اے ایمان والو! بتاؤں تم کو

عَلٰی تِجَارَۃٍ تُنْجِیْکُمْ مِّنْ
عَذَابٍ اَلِیْمٍ ۝ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰہِ
وَرَسُوْلِہٖ وَتُجَاھِدُوْنَ فِیْ
سَبِیْلِ اللّٰہِ بِاَمْوَالِکُمْ وَاَنْفُسِکُمْ
ذٰلِکُمْ خَیْرٌ لَّکُمْ اِنْ کُنْتُمْ
تَعْلَمُوْنَ ۝ یَغْفِرْ لَکُمْ
ذُنُوْبَکُمْ وَیُدْخِلْکُمْ جَنّٰتٍ
تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِہَا الْاَنْھٰرُ
وَمَسٰکِنَ طَیِّبَۃً فِیْ جَنّٰتِ
عَدْنٍ ط ذٰلِکَ الْفَوْزُ الْعَظِیْمُ
وَاُخْرٰی تُحِبُّوْنَھَا ط نَصْرٌ مِّنَ
اللّٰہِ وَفَتْحٌ قَرِیْبٌ ط وَبَشِّرِ
الْمُؤْمِنِیْنَ ۝ [1]

ایک سوداگری کہ بچاوے تم کو
دکھ کی مار سے، ایمان لاؤ
اللہ پر اور اس کے رسول پر
اور لڑو اللہ کی راہ میں اپنے
مال سے اور جان سے یہ بہتر
ہے تمہارے حق میں اگر سمجھ رکھتے
ہو۔ بخشے تمہارے گناہ اور
داخل کرے تمہیں باغوں میں جن
کے نیچے ستھری نہریں بہتی اور عمدہ
گھروں میں اور ہمیشگی کے باغوں
میں، یہ ہے مراد ملنے کی اور
دوسری چیز کہ جس کو تم بہتر جانتے
ہو مدد اللہ کی طرف سے اور
فتح شتاب اور خوشی سنا ایمان
والوں کو۔

---

[1] یہ اشتہار محاربہ عظیم از کنہیالال ص ۱۰۰ تا [illegible]۰۳ سے ماخوذ ہے

(۵) مکتوب میر رجب علی ارسطو جاہ
بنام حکیم احسن اللہ خاں[1]

حکیم صاحب فلاطوں فطنت ارسطو حکمت یکتائے زماں دانائے دوراں سلامت ۔ رسوم عرفیہ برطرف ، مطلب اینکہ از عرصۂ دو ماہ کم و بیش کہ سپاہ نمک خوار سرکار گردوں وقار انگریزی از نا عاقبت اندیشی بمقام دہلی رسیدہ ، گرد فتنۂ و فساد بلند کردہ نام حضرت جہاں پناہ را بد نام ساختہ قدم از اندازۂ خود بیروں نہادہ خود را بمقابل دولت دوراں مدت انگلیشیہ قرار می دہند بعینہٖ مطابق شعر عارفِ روم است ۔

شعر

آں مگس بر برگِ کاہ و بولِ خر ۔۔۔ ہمچو کشتی باں ہمی افراشت سر

بر ضمیر منیر شاہی و آں مشفق و عقلائے ہفت کشور عظمت و اقتدار سرکار انگلشی معلوم و حال معرکہ روس چوں آفتاب نیم روز ظاہر است کہ از پیشگاہ ملکۂ انگلستان خلد اللہ ملکہا و سلطانہا اعانت سلطان عبدالمجید خاں ، بادشاہ روم د صرف زر خطیر از ابیض و احمر و اموری افواج ظفر امواج در بحر و بر محفوظ داشتن سلطنت اسلامیہ دلپسند کردن نقصان خود در حفظ حقوق رومیہ باوجو د اتحاد و ملت روسیاں چقدر سعی جزیل و کوشش جلیل بظہور آمدہ

---

[1] ملاحظہ ہو رسالہ تاریخ بغاوتِ ہند از ڈاکٹر مکند لال مطبوعہ آگرہ

گاہے از ابتدائے تسلط بر کشور ہند بر قد کسے راست نیامدہ اہل اسلام و ہنود بالاجبار برائے اختیار مذہب مسیحی نبود بلکہ خلائق بہر روشیکہ در امورات دنیا و آخرت خواستہ آزادانہ زیست کردہ می کنند باقی تفاصیل محول رائے صاحب کہ تطویل غیر مقصود است۔

حال ابوالفتح جلال الدین محمد اکبر بادشاہ کہ بہ از وقبائے شاہی کشور ہند بر قد کسے راست نیامدہ از تاریخ فرشتہ واضح است کہ در عہد قوت و شوکت بادشاہ ممدوح در ہندوستان جہازات شاہی کہ از ہند روانہ حجاز براہ دریا شدہ بود، دست خوش دولت انگریزی شدہ باں بے دخلی کہ سرکار انگریزی را در ہند بود استرداد احمال و اثقال جہازات شاہ جمجاہ کردن نتوانست۔

حالا کہ عرصہ ہند از دریائے شور تا پشور پامال ملازمان دولت انگلشی است چگونہ کسے بایں حکمائے عصر و شجاعان دہر مقابل کردن می تواند اگر تراخی و تاخیر بایصال کیفر کردار نا آگاہان عاقبت کار بوقوع آمد برزعم عوام نمی تواند شد بلکہ امتحان دوست دشمن و تفرقہ دانا و نادان وغیرہ مصالح ملکی پیش نظر است و تا وقتیکہ گروہ مفسد قدم انداز دہلی نشدہ بود از جانب ملازمان شاہی امرے خلاف رضائے اہالیان سلطنت انگریزی بظہور نرسیدہ حالا چہ انقلاب بر روئے کار آمدہ و کدام امید و علت و اکدامین سوئے اختیار بودہ خانہ زاداں را راسخ الاعتقاد باوجود تحاشے اجلیہ عقل و دانش بنا التفاتے چرا در پئے اطفائے نور ایں سراج ہند شدند و بچہ سبب در نفع عاجل اجل ایں فروغ دودمان چغتائی صرف اوقات نمی نمایند ایں چہ خیال محال بدماغ اہالیان سرکار شاہی پیچیدہ و اگر امر نیست تا امروز

چراشرحے دریں باب نہ رسیدہ وکوششے در رفع ایں مفسدہ نشدہ صلاح ثواب اگر درآرائے ارباب دربار شاہی مستحسن متصور شود این است کہ محظورات ومکنونات خاطر را اصالتاً یا دکالتاً، تحریراً وتقریراً بخدمت صاحبان دار او ربان گذارش فرمایند کہ بعد برہمی اساس ایں فتنہ ایں وقت نخواہد آمد وبجز تاسف یادگارے بر صفحۂ روزگار نخواہد آمد، الکنایۃ ابلغ من التصریح دوست را وقف انتظار جواب تصور فرمایند وہرچہ ارقام خواہند فرمود حرف بحرف بلاحظہ صاحبان عالی شان خواہد گذشت فقط قلم شکستم ومضمون مختصر کردم کہ نیست طرز من ایں گفتگوئے طولانی فقط۔

(۶) اقتباسات اخبار "چشمہ فیض لاہور"[1]

۱۹ اگست ۱۸۵۷ء کمپ دہلی سے خبر آئی ہے کہ ۱۰ تاریخ ۹ بجے تک کوئی معرکہ نہیں ہوا۔ مسٹر ولیمس صاحب بہادر کمشنر میرٹھ تحریر فرماتے ہیں کہ ہنود بجنور نے نواب نجیب آباد پر حملہ کیا اور نواب کو شکست فاش دی، وہاں کے ہنود نے درخواست بھیجی ہے کہ ہم تمام افسران سول کو آزاد کردیں گے اور ہمیشہ مفسدین کے ہٹانے میں سعی موفور کریں گے۔ خط مورخہ ۲ ماہ رواں

---

[1] چشمہ فیض لاہور کے کچھ فائل جناب ڈاکٹر وحید قریشی (لاہور) کے کتب خانے میں موجود ہیں ان ہی اخبارات سے ہم نے یہ اقتباسات لئے ہیں جس کے لئے ہم ڈاکٹر صاحب کے شکر گزار ہیں۔

الموڑہ سے دریافت ہوا کہ ہنود بریلی نے بھی نواب خان بہادر خاں کو شکست عظیم دی بلکہ افواہاً مشہور ہے کہ نواب صاحب موصوف مقتول ہو گئے۔

دو ہزار پانچ سو شجاعان گورکھہ نیپالیہ مع ایک دستہ گورہ عنقریب گورکھپور سے روانہ ہو کر فوج ظفر موج شجاعان روزگار رستم وقت جنرل ہیولاک صاحب بہادر رونق افزائے لکھنؤ شامل ہونا چاہتے ہیں۔

۳ اگست ۱۸۵۷ء۔ ہزارہ۔ میجر بیچر صاحب ڈپٹی کمشنر ہزارہ سے تحریر فرماتے ہیں کہ چھٹی تاریخ اگست ۱۸۵۷ء کو اکتالیس سپاہی اور رجمنٹ ۵۵ سے قلعہ مان سرے میں بعد تحقیقات توپ سے اڑائے گئے۔ دیکھئے سزائے اعمال ناسزا یہ ہے۔

۳ اگست ۱۸۵۷ء۔ لودھیانہ مسٹر رکس صاحب ڈپٹی کمشنر لدھیانہ نے ۸ سپاہی اور پانچ گھوڑے متعلقہ دسویں لائٹ کیولری مفرورہ فیروزپور گرفتار کئے۔ سیاست تین آدمی اور گرفتار ہو کر چلے آتے ہیں سب کی نسبت حکم پھانسی ہوا ہے۔

۲۱ ستمبر ۱۸۵۷ء۔ تمام شہر اور لال محل و قلعہ سلیم گڑھ پر منگل کے دن سرکار کا بالکل تسلط ہو گیا اور صاحب ایجوٹنٹ جنرل فوج ظفر موج مقام دہلی نے کل کی تاریخ ۹ بجے صبح کے بذریعہ تار برقی اول مرتبہ تو یہ تحریر فرمایا کہ مورچہ برجی پر دلیران انگریزی نے کل شام کو حملہ کر کے ۶ ضرب توپ اور ایک توپ بم بلا کسی نقصان کے اپنے قبضے میں کر لیں اور آج صبح کو لاہوری دروازہ قبضہ میں آ گیا۔ اجمیری دروازہ اور مورچال بیرونی سے اب گولہ نہیں چلتا۔ مفسدین جملہ مقامات کو چھوڑ کر بھاگ گئے اور سپاہیاں سرکاری

قبضہ کرنے کے واسطے چلے جاتے ہیں۔ شہر کے لوگ بھی بہت نکل گئے ہیں اور مفسدین نے آج صبح کو اپنے کمپ کا میگزین بھی اُڑا دیا۔ آمد و رفت ہماری آج چاندنی چوک تک جاری ہو جاوے گی۔ مفسدین کا زور اب بالکل کم ہو گیا ہے ان کی جمعیت بھی اب بہت کم ہو گئی ہے اور شاہ دہلی اور اس کے خاندان کا کچھ پتہ نہیں۔

پھر وقت ۱۰ بجے صبح کو صاحب موصوف نے یہ خبر بھیجی کہ اجمیری دروازہ اور دیگر مورچالوں پر قبضہ سرکار کا ہو گیا۔ تین بھاری توپیں اور ایک بم کی توپ اور ہاتھ آئی، کسی قدر بم کی توپ دمدمے پر بھیجی گئیں ایک سمت شہر کو جو ابھی سرکار کے قبضے میں نہیں آیا۔ اور لال محل میں داخل ہونے کی تیاری ہے۔ پھر دوپہر کے وقت صاحب موصوف نے یہ مژدہ دیا کہ لال محل جامع مسجد اجمیری دروازہ پر سرکار کا تسلط ہو گیا۔ توپیں لال محل کے دروازے پر سے بھی ہاتھ آئیں۔ بعد اس کے دو بجے دن کے یہ خبر آئی کہ سلیم گڑھ و پل پر سرکار کا قبضہ ہو گیا۔ تھوڑے عرصہ میں دروازہ ترکمان تک کل شہر دہلی اور دیگر مورچال پر تسلط ہو جائے گا۔

پھر ۵ بجے شام کے یہ خوشخبری آئی کہ معرکہ دہلی کا تمام ہوا، تمام شہر اور محل بادشاہی اور سلیم گڑھ اور پل وغیرہ پر شجاعان سرکار کو بالکل تسلط ہو گیا تھا تعداد اتواپ جو شہر دہلی اور مورچال سے ہاتھ لگیں تحقیق معلوم نہیں زیاں سرکار کا بہت کم ہوا۔ سنا جاتا ہے کہ شاہ دہلی مع عیال و اطفال ایک گاؤں میں جو شہر سے قطب صاحب کی سمت چار میل کے فاصلے پر واقع ہے وہاں گئے ہیں۔ فقط

(۷) # مکتوب انقلابیاں

بنام شہزادہ فیروز شاہ

قلعہ دھار سے انقلابی سپاہیوں نے شہزادہ فیروز شاہ کو فوری امداد کی اپیل کے سلسلے میں ایک خط بھیجا تھا۔ اس خط کو نواب جاورہ کے آدمیوں نے پکڑ لیا۔ جو کہ ایسٹ انڈیا کمپنی کے ماتحت تھے اور اندور میں برطانوی رزیڈنٹ کرنل ووراائٹ کو پیش کر دیا۔ اس وقت شہزادہ فیروز شاہ مندسور میں تھا جس کو یہ خط لکھا گیا تھا۔ آج کل یہ خط مدھیہ پردیش کی اس کمیٹی کے پاس ہے جو ہندوستان کی جنگ آزادی کی تاریخ تیار کر رہی ہے۔

خط

"ہمارے اور برطانویوں کے درمیان لڑائی ہو رہی ہے
جس میں ہم ہار گئے۔ ہم نے حلقہ دھار میں پناہ لی ہے آپ
ہمیں دو ہزار سے لے کر تین ہزار فوج سے مدد دیجئے تاکہ
ہم فتح حاصل کر لیں، خدا را خط دیکھتے ہی امداد بھیجئے تاکہ
ہم شہنشاہ کی عظمت کا تحفظ کر سکیں۔ اور ہم کیا لکھیں،
ہماری شکست آپ کی شکست ہے"

ؔ روزنامہ انجام، کراچی، یکم دسمبر بروز جمعرات ۱۹۵۵ء۔

مکتوب مجسٹریٹ حیدرآباد سندھ
بنام کمشنر سندھ*

نمبر ۱۱۸۵ - ۱۸۵۷ء

محکمہ فوج

منجانب ۔ مجسٹریٹ حیدرآباد

بنام ۔ کمشنر سندھ

جناب عالی!

میں نہایت ادب سے سرکاری طور پر اور نہایت تفصیل سے آپ کی خدمت میں وہ واقعات پیش کرتا ہوں جو اس مقام پر رونما ہوئے اور جن کے متعلق میں نے نیم سرکاری طور پر آپ کو مختصراً اطلاع دی تھی۔

۲۔ کئی دن سے یہ افواہیں مجھے مل رہی ہیں کہ گولنداز شورش برپا کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں، لیکن مجھے ان کی اصلیت کا پتہ نہیں چل سکا تھا اور میں نے ان کو بازاری افواہیں خیال کیا تھا۔ تاہم مجھ پر یہ بات روز روشن کی طرح عیاں تھی کہ لوگوں میں بڑی حد تک بے اطمینانی اور بدامنی کا جذبہ کارفرما ہے، جس کا تدارک کرنا مناسب ہے۔ میں نے بریگیڈیر کو اس بات کے باور کرانے کا تہیہ کر لیا تھا کہ توپوں کو قلعہ میں منتقل کرنا ضروری ہے۔ مبادا کوئی واقعہ ایسا ہو جائے جو گولندازوں کی وفاداری کو مشتبہ کر دے۔

۳۔ گزشتہ چہارشنبہ بتاریخ ۹ ماہ رواں کی صبح کو توپ دغنے کے وقت بریگیڈیر میرے پاس آیا، اس نے مجھے مطلع کیا کہ گزشتہ شب

---

* نمبر ۸ سے ۱۲ تک کے یہ تمام مکتوبات سندھ (باقی اگلے صفحہ پر)

لفٹیننٹ بٹیس کومبر جس کا تعلق توپ خانہ کی پانچویں کمپنی اور چوتھی بٹالین سے ہے میرے پاس آیا تھا اور بیان کرتا تھا کہ میرے صوبیدار میجر نے جو ایک پردیسی ہے اطلاع دی ہے کہ کچھ آدمیوں نے خفیہ میٹنگیں کی ہیں اور یہ کہ اسے خطرہ ہے کہ بغاوت کے منصوبے بنا رہے ہیں۔ اور یہ کہ اگر ایسا ہوا تو لفٹننٹ بٹیس کومبر کو اس کا مشورہ ہے کہ وہ لائن کے قریب نہ جائے ورنہ وہ اس کی جان کا ذمہ دار نہ ہوگا۔ یہ سن کر میں نے برگیڈیر سے درخواست کی کہ وہ لفٹننٹ بٹیس کومبر اور صوبیدار میجر سے تفصیلی معلومات حاصل کرے اور اس دوران میں میں نے لفٹننٹ تاگلو سے مشورہ کیا کہ اگر اس کی ضرورت پڑی تو گولنداز وں سے ہتھیار چھیننے میں پولیس کا کیا کردار رہے گا۔ اور فوراً ہی آدمیوں کی ایک بڑی جمعیت فراہم کرنے کے لئے انتظامات شروع کردیئے گئے، خصوصاً سواروں کی جماعت میں اضافہ کرنے اور بوقت ضرورت ان کو تیار کرنے پر زور دیا گیا۔ چونکہ توپوں کا قلعہ میں جمع ہونا ضروری تھا اس لئے مناسب سمجھا گیا کہ فوراً ہی دیسی محافظ دستے کو جو ۱۳ ویں این آئی کی طرف سے متعین تھا چھٹی دیدی جائے، اور قلعہ کو کلیتاً یورپی سپاہیوں کے سپرد کردیا جائے۔ چنانچہ تقریباً دو بجے دن پہلی فیلیر کا وہ دستہ جو یورپی بارکوں میں مقیم تھا اور جس میں تمام منصبوں کے کل ۲۹ آدمی تھے قلعہ کی طرف چل پڑا اور اس نے دیسی محافظ دستہ سے انتظام اپنے ہاتھ میں لے لیا۔

(بقیہ نوٹ گزشتہ صفحہ کا) ریکارڈ آفس کراچی سے لئے گئے ہیں۔ اصل مکتوبات انگریزی میں ہیں، جن کا ترجمہ ہم پیش کر رہے ہیں۔

(۴) ہمارا ارادہ یہ نہیں تھا کہ مشتبہ جماعتوں پر غائر نظر رکھنے کے علاوہ ان کے خلاف کوئی اور کارروائی کریں یا انتہا درجہ کی یہ تدبیر اختیار کریں کہ گونڈ ازوں سے ہتھیار چھین لیں جب تک کہ کوئی ایسی بات ظاہر نہ ہو جائے جس سے صوبیدار میجر کے خدشہ کی توثیق و تصدیق ہوتی ہو۔ لیکن ۲ بجے سہ پہر کے وقت بریگیڈیر نے میرے ہاتھ پر لفٹننٹ بٹیس کو مبر کا ایک خط لاکر رکھا۔ جس میں اس منصوبہ کی تفصیلات درج تھیں جو بغاوت کرنے والوں نے عملی جامہ پہنانے کے لئے مرتب کیا تھا۔ اس منصوبہ میں یہ باتیں شامل تھیں، توپوں کو چھین لینا، تمام یورپی لوگوں کو قتل کر دینا اور قلعہ پر قبضہ کر لینا۔ یہ پڑھ کر میں نے خیال کیا کہ اب سوچ بچار کرنے یا مزید تحقیقات کے لئے انتظار کرنے کا کوئی وقت نہیں ہے چنانچہ میں نے بریگیڈیر کو مشورہ دیا کہ باقی دن کی روشنی کا فائدہ اٹھانا ضروری ہے، ایسا نہ ہو رات آجائے اور تیار نہ ہو سکیں۔ چنانچہ ہمیں فوراً توپوں پر قبضہ کرنے کے انتظامات کر لینے چاہئیں۔ پولس اس کے اختیار میں دے دی گئی۔ مجھے لفٹننٹ ناگلور کی حکمت عملی اور دلیری پر نیز اسکے دیسی افسران اور عملہ کی وفاداری پر پورا بھروسہ تھا۔

(۵) بریگیڈیر نے میرے نظریات سے اتفاق کیا۔ طے یہ پایا کہ لفٹننٹ ناگلور کو اپنے سواروں کو ساتھ لے کر توپوں پر زبردستی قبضہ کر لینا ہے۔ دیہاتی اور شہری پولس کے ایک مضبوط دستے کی نیز ۱۳ ویں، این، آئی کے یکصد چیدہ سپاہیوں کی مدد حاصل کر کے اور قلعہ کی حفاظت کا کام نان کمیشنڈ افسران کے ہاتھوں میں چھوڑ کر فسیلیر کا دستہ اسی وقت موقع و محل کی طرف چل پڑا اور سابق انجینیر کے محکمے اور سلاح خانہ اور دیگر والنٹیر یورپینوں پر حملہ آور ہوا۔ جب کہ ۱۳ ویں۔ این، آئی کو حاضری کے لئے میدان

میں جمع کر لیا گیا۔

(۶) سوا چار بجے کے قریب لفٹنٹ ناگلور اپنے نائب لفٹنٹ گلیسی اور تقریباً ۴۸ اسواروں کی معیت میں گھوڑوں کو دوڑاتے ہوئے آئے اور توپوں پر قابض ہو گئے۔ آرٹلری کے سپاہیوں کو پہلے ہی حکم دیا جا چکا تھا کہ وہ بغیر ہتھیاروں کے اپنی لائن کے بائیں بازو کے پیچھے کی طرف جمع ہو جائیں، اس کی غرض یہ معلوم کرنا تھی کہ آیا ان کی جانب سے اس اقدام کی مخالفت میں کوئی کوشش کی جاتی ہے یا نہیں۔ دیہاتی پولس کا ایک جتھا اور چند سوار گولندازوں کی طرف قطاریں کھڑے کر دیئے گئے۔ تاکہ اگر کوئی مخالفت کی جائے تو وہ اسے روک سکیں، جب ان کی قطاریں بن گئیں تو بریگیڈیر نے خطاب کیا اور ان سے ہتھیار لینے کے وجوہ بتائے۔

(۷) کسی قسم کی بھی کوئی مخالفت نہیں ہوئی اور تقریباً ۶ بجے شام تک توپیں بحفاظت قلعہ میں داخل کر دی گئیں۔ شب میں ہر طرح سکون رہا۔

(۸) گزشتہ کل حالات کی تحقیق کے لئے ایک تحقیقاتی عدالت قائم کی گئی اور اس کا اجلاس ہنوز جاری ہے۔ بریگیڈیر کا کہنا ہے کہ اگرچہ ابھی تک کوئی ایسی بات ظاہر نہیں ہوئی ہے جس کی بناء پر امداد پہونچنے سے قبل گرفتاریوں کے لئے کوئی جواز پیدا کیا جا سکے تاہم اس کو اس یقین تک پہونچانے کے لئے کافی شہادت مل چکی ہے کہ صوبیدار میجر کے خدشات بے بنیاد نہیں تھے۔ اور یہ اگر کوئی سازش تکمیل کی منزل میں داخل نہیں ہوئی تھی تو کم از کم اس کی تیاری ضرور ہو رہی تھی لیکن جس کو قبل از وقت ہی کچل دیا گیا۔

(۹) جہاں تک لوگوں کی خیر خواہی کا تعلق ہے، مجھے ہمیشہ ان پر زیادہ سے زیادہ اعتماد رہا ہے۔ اور چہار شنبہ کے واقعات کے بعد سے تو اس کا

اظہار نہایت نمایاں طور پر ہوا ہے۔ متعدد لوگ میرے پاس آچکے ہیں اور اپنے اطمینان اور تحفظ پر اعتماد کا اظہار کر چکے ہیں۔ بلکہ ان میں سے بعض نے جو سب سے زیادہ ذی اثر ہیں یہ کہا ہے کہ ضرورت پڑنے کی صورت میں ہماری خدمات آپ کے لئے وقف ہیں۔

(۱۰) قلعہ اس حالت میں ہے کہ اپنی مدافعت کر سکے۔ اس کو لایق لفٹننٹ میری مین کی زیر نگرانی رکھا ہے۔ سامان رسد جمع کر دیا گیا ہے۔ اور کسی بھی حملے کو روکنے کے لئے ہر طرح کی احتیاط برتی گئی ہے۔ اس مراسلے کے آخر میں میں ایک یادداشت بھی شامل کرتا ہوں جس کو میری مین نے مرتب کیا ہے۔ اس کے ساتھ وہ خاکے بھی ہیں جو قلعہ کی حالت کو ظاہر کرتے ہیں اور جن سے پتہ چلتا ہے کہ کسی حملے کو روکنے کے لئے اس میں کتنی صلاحیتیں ہیں۔

(۱۱) میں آخر میں لفٹننٹ میجر کی ایک یادداشت بھی شامل کرتا ہوں جس میں تفصیل سے پولس کا وہ کردار بتایا گیا ہے جو اس نے گولندازوں سے ہتھیار لے لینے کے وقت ادا کیا تھا۔

(۱۲) ان دو افسران سے مجھے سب سے زیادہ مدد ملی ہے انہوں نے جو عاجلانہ اور شدید اقدامات کئے ان کی بنا پر ہم اپنی حربی تدابیر کو کامیابی کی منزل تک پہونچا سکے۔ اور اس کے لئے ہم ان کے انتہائی مرہون احسان ہیں۔

(۱۳) اس موقع پر پولس کے مستحسن رویئے کو بھی خصوصیت کے ساتھ میں نہایت ادب سے آپ کے علم میں لاتا ہوں۔

مجسٹریٹ آفس۔ حیدرآباد۔

۱۳ ستمبر ۱۸۵۷ء

دستخط سی۔ پی۔ ڈاؤن مجسٹریٹ

مکتوب انجینئر حیدرآباد (سندھ)

لفٹننٹ میری مین انجینیر کے ایک نیم سرکاری خط کا اقتباس

مورخہ حیدرآباد۔ ۱۰ ستمبر ۱۸۵۷ء

سہ شنبہ کی شب میں صوبیدار میجر توپ خانہ نے افسر کمانڈار توپ خانہ کو مطلع کیا کہ بندوقچیوں نے ہمیں تیار کرنے کے انتظامات مکمل کر لئے ہیں۔ اس مسئلہ پر چہار شنبہ کو علی الصباح غور کیا گیا۔

میں نے بریگیڈیر سے کہا کہ یہ انتہائی ضروری ہے کہ یورپی سپاہیوں کو فوری طور پر بارکوں سے قلعہ میں منتقل کر دیا جائے اور یہ کہ مجھے کچھ داخلی انتظامات کا موقع دینے کے لئے یہ بھی ضروری ہے دیسی سپاہیوں کو نکالا جائے۔ یہ بات مان لی گئی اور اسی کے مطابق احکامات جاری کر دیتے گئے۔ دو بجے دن کے قریب ٹھیک اس وقت جب یہ کام کیا جارہا تھا، صوبیدار میجر نے افسر کمانڈار کو مجوزہ حملہ کے پروگرام کے مطابق توپ خانہ فراہم کر دیا پروگرام یہ تھا۔

(۱) بندوقوں پر قبضہ کرنا (۲) یوروپینوں کو قتل کرنا (۳) بندوقوں سے خزانوں پر حملہ کرنا، اور روپیہ حاصل کرنا۔ (۴) قلعہ پر حملہ کرنا (۵) بنگلوں کو لوٹنا، اور نذر آتش کر دینا۔ اور چند اور چھوٹے انتظامات بریگیڈیر ڈاؤن (مجسٹریٹ) اور خود میں نے مشورہ کیا اور طے کیا کہ توپ خانے کے سپاہیوں کو غیر مسلح کر کے اور ان کی بندوقوں کو قلعہ میں پہونچا کر اس ہنگامہ کو کچل دیا جائے۔ جس لمحہ دیسی محافظ سپاہی قلعہ سے نکلے میں نے اپنے حوالدار دو

آرڈیننس کے حوالداروں اور منشیوں کی مدد سے اس کی حفاظت کرنے کا انتظام کرلیا۔ اور اس کو مسٹر میتھی سن قایم مقام بکسیبری جنرل کی تحویل میں دیدیا اس میں ۲۵ یورپینوں کی نگرانی ہوتی ہے۔ نیلر مع ۳۰ سوار، کچھ دیہاتی اور شہری پولس اور ۱۰۰ آدمی ۱۳ ویں رجمنٹ کے جن کو وفادار سمجھ لیا گیا تھا یہ کل ہماری فوج تھی۔ انتظام مناسب کیا گیا۔ بندوقچیوں کو حکم دیا گیا کہ وہ بغیر ہتھیاروں کے میدان میں جمع ہوں۔ سوار تیزی سے آگے بڑھے اور انہوں نے بندوقوں پر قبضہ کرلیا سائیسوں کو حکم دیا گیا کہ وہ گھوڑوں پر زینیں کسیں اور ہم لوگ نہایت تنظیم کے ساتھ مع توپوں کے قلعہ میں داخل ہوگئے۔

اگر اب تمام مستقر بھی ہاتھ سے نکل جاتا ہے تو ہم مقابلہ کرسکتے ہیں اور ان کو اس سے زیادہ دے سکتے ہیں جتنے کی وہ توقع رکھتے ہیں یورپی لوگ یہاں قلعہ کے اندر آرام سے ہیں جہاں انہیں بالکل شروع سے ہونا چاہئے تھا۔ میں نے جو عمل تجویز کیا ہے اس کے بارے میں آج یا کل آپ کو مطلع کردوں گا۔ ساتھ ہی قلعہ کی دیوار کا رف سا خاکہ بھی بھیجوں گا۔ میرے پاس اتنا وقت نہیں ہے کہ میں ایک صحیح خاکہ تیار کرسکوں۔ میں آپ کو بتادوں کہ میں تنہا نگراں کار ہوں، میں نے مسٹر میتھی سن کو بتا دیا ہے کہ بغیر تاخیر کے انہیں کہاں کہاں توپیں نصب کرنی چاہئیں۔ اور وہ جتنا کرسکتے ہیں کر رہے ہیں۔ میں نے پھاٹکوں کو اپنے قبضے میں لے لیا ہے اور ان کو مستحکم بھی کرلیا ہے پانی پچھلے دروازے سے ہو کر بیرونی تالابوں سے لینا پڑتا ہے۔ دروازے کی حفاظت کے لئے میں نے ایک توپ کا انتظام کر دیا ہے۔ جو پوری طرح تیار رہتی

ہے ۔ آپ کو یاد داشت میں قلعہ کے اندر کنوؤں وغیرہ کے متعلق بھی اطلاع ملے گی ۔ میں نے قلعہ کے اندر ایک قدیم مکان ٹھیک ٹھاک کر لیا ہے تاکہ اس میں کچھ سامان رہ سکے ۔ جس کی ان یورپینوں کو جو قلعہ کے اندر ہیں کم و بیش ہمیشہ ضرورت رہے گی ۔ میں جس قدر ممکن ہوگا سامان کمسریٹ کے گوداموں سے حاصل کرونگا۔ میں نے یورپینوں کو آرڈننس کے منتظمین کی ایک اقامت گاہ میں ٹھہرایا ہے ۔ (یہ پھاٹک کے قریب ایک عمارت ہے جس کی آرڈننس کے محکمے کو ضرورت نہیں ہے) اس کی جائے وقوع میں خاکہ میں دکھاؤں گا ۔

صحیح اقتباس

(دستخط) آئی گبس

اسسٹنٹ کمشنر

نقل مطابق اصل

(دستخط) معتمد سرکاری

(۱۰) **مکتوب خفیہ (اقتباس)**

نمبر ۲۲۳ ڈی/ ۱۸۵۷

محکمہ راز

مورخہ ۱۴ ستمبر ۱۸۵۷ء

حضور والا !

نہایت ادب کے ساتھ عرض پرداز ہوں کہ گزشتہ شب ½۱۱ بجے ۱۲ ویں رجمنٹ این۔آئی کے دو افسران (صوبیدار رام نبی سند ؟) اور جمعدار لکشمن گداری) نے میجر میگ گرنگر کماندار رجمنٹ کو مطلع کیا تھا کہ ایک حوالدار رام دین پانڈے ان کے پاس آیا تھا اور یہ دریافت

کرنے کے بعد کب تک اس بات کے منتظر رہو گے کہ لوگ ہمیں توپوں
سے اڑا دیں جیسا کہ ہندوستان میں ہو چکا ہے۔ اس نے ان کو مطلع
کیا کہ آج صبح کو پوری رجمنٹ ۲ بجے شب میں بغاوت کر دے گی اس نے
یہ بھی بتایا کہ ایک آدمی کو بھیجا گیا ہے کہ وہ ۱۴ ویں۔ این، آئی کو خبر کا دے
اور دوسرا آدمی کو شہر کی طرف اس غرض سے روانہ کیا ہے کہ وہ مسلمانوں کا
تعاون حاصل کرے ان دونوں جگہوں سے انہیں امداد ملنے کی توقع
ہے۔ اس وقت وہ کسی بھی دیسی افسر کو جو ان کی مخالفت کرے گا قتل
کر ڈالیں گے۔ اور ہتھیار اور خزانہ لے کر دہلی کی طرف روانہ ہو جائیں گے
اس اطلاع کی تصدیق بعد میں ایک حوالدار سورج بالی تیوری سرنا دیر
کمپنی سے بھی ہوئی۔ اس خبر سے جو اس طرح حاصل ہوئی یہ بات واضح
ہو گئی کہ مقررہ وقت پر رجمنٹ میں ایک شدید ہنگامہ برپا کرنے کی کوشش
کی جائے گی۔ میجر میک گریگر کے پاس کوئی ذریعہ ایسا نہیں ہے جس سے
وہ اس بارے میں کوئی اطمینان بخش اطلاع حاصل کر سکیں کہ کتنے لوگ
ایسے ہیں جن سے وفادار رہنے کی توقع کی جاسکتی ہے، اور یہ دیکھکر کہ
ضرورت اس بات کی اجازت نہیں دیتی کہ تحقیقات میں وقت صرف کیا
جائے اس نے فوراً بریگیڈیر کو مطلع کر دیا۔ اس نے اپنی راہ میں حائل
توپ خانہ اور ۲۰ یوریپینوں کو آگاہ کر دیا تھا، جو فوراً ہی باہر نکالے
اور چلتے کر دیتے گئے۔ سب سے پہلے خزانے پر یورپی سپاہیوں کا پہرہ
لگا دیا گیا، پھر ۲۱ ویں رجمنٹ جمع کر کے غیر مسلح کر دیا گیا۔ اور یہ سب کام
اتنی پھرتی کے ساتھ انجام پایا کہ بہت سے لوگ جو میری طرح بغاوت کھڑی
ہو جانے پر ۲۱ پریڈ گراونڈ پر گئے۔ اس وقت تک پہونچے بھی نہیں تھے کہ ہتھیار

لے لئے جانیکا کام پورا ہو گیا۔

۲۔ جب حاضری لی گئی اور ہتھیاروں کی جانچ پڑتال کی گئی تو ۲۱ آدمی غائب پائے گئے۔ اور ۱۳ توڑے دار بندوقیں بھری ہوئی اور ایک آدمی کی تھیلی میں کچھ بارود ملی۔

(۱۱) مکتوب خفیہ (اقتباس)

سندھ ریکارڈ سیاسی فوج (بنگالہ کی بغاوت) متفرقات

فائل نمبر ۱ر۔ جلد ۴

مراسلہ نمبر ۳۶۱ (محکمہ راز)

مورخہ یکم اکتوبر ۱۸۵۷ء۔

جناب عالی!

لفٹیننٹ کیمپل، کمانیر ۹ ویں انڈین۔ رائل کیویلری نے ۱۲ ر ستمبر کو موچ (Moch) سے تحریر کیا ہے کہ میری رجمنٹ کے تقریباً ۲۰ ر سواروں نے آج صبح میرے اجیٹن اور میجر پر بندوقوں سے فائر کیا اور کوہ نمک اور شاہ پور کی جانب فرار ہو گئے۔ لفٹیننٹ کیمپل نے ایک فوج کے ساتھ ان کا تعاقب کیا اور دو کو ہلاک کر دیا ان کو امید ہے کہ باقی بھی بچ کر نہیں جا سکیں گے۔

بہر حال یہ ایک عجیب اتفاق ہے کہ حکمراں سردار دریا خاں نے ۱۲ تاریخ

کو جیکب آباد میں اپنی گرفتاری سے کچھ ہی پہلے اپنے ساتھیوں کو یقین دلایا تھا کہ لاہور اور ملتان کے نواح میں زبردست بغاوت رونما ہو چکی ہے۔

(۱۲) مکتوب خفیہ (اقتباس)

فائل نمبر جلد ۴

بخدمت جناب کپتان صاحب پولس۔ سندھ۔ کراچی

سرکاری روداد۔ ۲۲ جولائی

جناب عالی!

شیر خاں جمعدار، تھانیدار۔ روہاوڑا Rohawura کی رپورٹ ہے کہ مٹھا کھوسا جکانی بیگیر Mith Khosa Jakani Baigir سوار کا سرحد پر بحیثیت جاسوس دوبارہ تقرر کیا گیا Rohawura کے وکیل کے متعلق تفصیلی معلومات حاصل ہوئیں۔ ۱۴ مئی کو سوار واپس آیا اور اس نے یہ رپورٹ پیش کی کہ حاجی داد محمد خاں وکیل شاہ دہلی کا مع ۱۱ اشخاص خان بہاولپور کے یہاں وارد ہوا تھا اور اس نے خفیہ طور پر اس سے گفتگو کی تھی۔ وکیل کا قیام وہاں تین دن تک رہا۔ چوتھے دن خان نے اسے خلعت دے کر رخصت کیا۔

(۱۳)

مکتوب خفیہ[1]

متعلق مولوی لیاقت علی

الہ آباد ۲۴ فروری[2]

مائی ڈیر میکنب[3]

میں الہ آباد کے ۱۸۵۷ء کے باغی لیڈر لیاقت علی کا فوٹوگراف آپ کو بھیج رہا ہوں، وہ اس وقت جیل میں ہے، وہ غدر کے بعد سے صوبہ بمبئی اور آزاد علاقوں میں بغاوت پھیلاتا رہا ہے، اس کا تعلق سرحد کے مولویوں یا فیروز شاہ سے ہے اگر زیادہ نہیں تو دو مرتبہ وہ وہاں (سرحد) جا چکا ہے ایک مرتبہ ۱۸۶۶ء میں اور دوسری مرتبہ ۱۸۶۹ء میں، جب وہ بمبئی میں گرفتار کیا گیا تو وہ تیسری مرتبہ جا رہا تھا۔

اس نے پہلے تین سانڈنیاں سید صاحب کابلی، الٰہی بخش، عبد الرحیم عبد السباسا (عبد السبحان ؟)، عبد الریات (عبد الرحمٰن ؟) کی نگرانی میں بمبئی سے بھیجی تھیں، سانڈنیاں تقریباً مئی یا جون ۱۸۷۱ء میں ...... براہ حیدرآباد سندھ روانہ ہوتی تھیں وہ تجارتی سامان .... روپے اور دیگر اشیاء سے لدی ہوئی تھیں جو جہاد کے مقاصد کے لئے تھا۔

درحقیقت اب ضرورت سے زیادہ تاخیر ہو گئی ہے کہ سانڈنیوں کے متعلق کوئی معلومات حاصل ہو سکے، لیکن آپ سے ملاقات حاصل کرنا چاہتا ہوں

---

[1] یہ اصل خط انگریزی میں محکمہ آثار قدیمہ (پشاور) میں محفوظ ہے اور ہمیں اس کی نقل ایس، ایم، جعفر صاحب کے ذریعہ سے ملی جس کے لئے ہم ان کے شکر گذار ہیں۔ [2] خیال ہے کہ یہ

(باقی اگلے صفحہ پر)

اگر آپ فوٹو کو سرحد کے لوگوں سے (مِل جُل کر) مشورہ کر کے شناخت کرا سکیں اس کے ایک پیرو، کا جو اس کے ساتھ گرفتار ہوا ہے، بیان ہے کہ ہم لوگ خراسان کے مقام روتی کی طرف جا رہے تھے جہاں ایک مولوی صاحب کا قیام ہے اور وہاں ہمارے جانے کا مقصد نیم کافروں (ملحد یا مرتد؟) سے لڑنا تھا۔ شاید روتی کے ملّا سید امیر یا ان کے (ساتھی)، اسماعیل یا محمود فوٹو کو شناخت کر سکیں۔

لیاقت علی ہمیشہ دوران سفر میں اپنا نام بدل دیتا تھا اور سرحد میں وہ عبدالکریم کے نام سے مشہور تھا۔

(پارسن)

۱۴) اعلان انعام بابت گرفتاری مولوی احمد اللہ شاہ[1]

اعلان گورنر جنرل نمبر ۵۸۰ محکمہ امور خارجہ الہ آباد، ۲۰ اپریل ۱۸۵۸ء (دراز)

اعلان نمبر ۵۸۰ جی

ذریعہ ہذا اعلان کیا جاتا ہے کہ (۵۰) ہزار روپیہ ہر اس شخص کو ادا کیا جائے گا جو باغی مولوی احمد اللہ شاہ کو جو عام طور پر مولوی کہا جاتا ہے زندہ کسی برطانوی چوکی یا کیمپ کے حوالے کر دے گا۔

(بقیہ نوٹ صفحہ گزشتہ) خط ۲۴ فروری ۱۸۶۳ء کو بھیجا گیا۔ [۳] الہ آباد کے ایک افسر پارسن صاحب نے پشاور کے کلکٹر میکنب کو لکھا ہے۔

[1] ملاحظہ ہو مآثر دلاوری ص ۱۷۶

یہ مزید اعلان کیا جاتا ہے کہ اس اعلان کے علاوہ اس باغی یا بھگوڑے کو جو فوج سے بھاگ گیا ہو گا عام معافی دے دی جائے گی جو مولوی کو حوالے کرے گا۔ سوائے ان تین آدمیوں کے جن کا نام اعلان ۲۳ مورخہ یکم اپریل میں ظاہر کئے جا چکے ہیں۔

(۱۵) عرضی راجہ جگناتھ سنگھ ساکن پوایاں بابت خیر خواہی سرکار[۱]

جناب والا مناقب عالی شان مع الجود والاحسان سکندر شوکت والاشان قدردان ہواخواہان دام حشمتہ وشوکتہ،

بعد ادائے آداب فدوی وجاں نثار گذارش گر مدعا ہے، سرفراز نامہ افتخار آمود محررہ ۲۰ جون ۱۸۵۸ء نے محتوی خوشنودی مزاج حضور فیض گنجور سبب آنے حکم محکم جناب مستطاب معلی القاب نواب گورنر جنرل بہادر دام اقبالہ بذریعہ تار برقی مقام فرخ آباد سے بمزید قدر دانی وکمال خوشنودی عطائے مبلغ پچاس ہزار روپیہ۔ بجلدوئے مقتولی "مولوی" اور طلبی فدوی جاں نثار مذکور بالکنور بلدیو سنگھ واسطے لینے روپیہ مسبوق الذکر اور اطلاع کرنے اس خوشخبری سے راجا" دوتی سنگھ متولی والہ،، کو۔ شرف صدور وعز ورود فرمایا

۱۔ ملاحظہ ہو مآثر دلاوری۔ ص ۲۳۲ - ۲۳۳

کمال عزت اور آبرو ہم چشموں میں بخشی۔ اللہ تعالیٰ سرکار فلک اقتدار کو ساتھ اس قدردانی کے خوش اور سلامت رکھے۔ حق یہ کہ جو سرکار گردوں وقار نے سرفرازی اور قدردانی اس ذرہ بے مقدار کی فرمائی ہزار زبان سے شکر پرورش سرکار گردوں عشر عشیر ادائے شکر کا ہو نہیں سکتا۔ ظہور اس کار نمایاں کا صرف باقبال سرکار ہوا۔ ورنہ بدوں یاوری اقبال سرکار ظہور ہونا کسی امر خیر خواہی سرکار غیر ممکن بلکہ ...... محال سے متصور۔ چوں کہ ہنوز باغیان بدانجام سکندرآباد اور حوالی اس کے میں موجود اور اجتماع ان کے سے احتمال وقوع وارادتِ آتش زنی وغیرہ جیساکہ دو تاریخ میں رہتا ہے اغلب کہ جلد منتشر اور درہم برہم ہو جاتے ہیں، بعد عرصہ ہفتہ یعنی تاریخ پنجم جولائی ۱۸۵۷ء روز دوشنبہ حاضر خدمت فیض موہبت بندگان عالی متعالی کے ہونگا اور راجا موتی سنگھ کو اس خوشخبری سے اطلاع کردی۔ اطلاعاً گزارش کیا۔ معروضہ ۲۷ جون ۱۸۵۷ء

عریضۂ انکسار

دستخط (راجا جگنا تھ سنگھ)

(۱۶) اشتہارِ معافی، ملکہ وکٹوریہ

باجلاس کونسل بنام والیان وسرداران وجمہور انام ہند

جناب ملکہ معظمہ وکٹوریہ، بفضل خدا خدیو مملکت گریٹ برٹن و آئرلینڈ و آبادی ہا و مضافات واقع یورپ و ایشیاد افریقہ وامریکہ و آسٹریلیشیا ظہیر المذہب کی طرف سے خاص و عام کی اطلاع کے لئے حسب تفصیل ذیل مشتہر کیا جاتا ہے۔

واضح ہو کہ بوجوہ کاملہ وبصلاح واتفاق رائے امرائے ملّی و ملکی مختارانِ عوام حاضرین جلسۂ پارلیمنٹ ہم نے اس ارادے کو مصمم کرلیا ہے کہ ممالک ہند کا انتظام جن کا انصرام آنریبل ایسٹ انڈیا کمپنی کو آج تک امانتاً مفوض تھا اپنے اہتمام میں لیویں۔ پس اس قرطاس کی رو سے ہم اطلاع دیتے اور اعلان فرماتے ہیں کہ بصلاح واتفاق رائے مذکورہ بالا کے ہم نے انتظام ملک مذکور اپنے اہتمام میں لیا اور اس قرطاس کی رو سے اپنی جمیع رعایا کو جو قلمرد مذکور میں موجود ہیں تاکیداً فرماتے ہیں کہ ہماری اور ہمارے وارثوں اور جانشینوں کی وفاداری اور اطاعت کریں اور جس کسی کو ہم اپنے نام اور اپنی طرف سے ملک کے انتظام کے لئے وقتاً بوقت آئندہ مقرر کرنا مناسب سمجھیں اس کی فرمانبرداری کریں اور جو فرزند ارجمند معززا ور معتمد علیہ مشیر خاص نواب چارلس جان وائیکونٹ کیننگ صاحب کی وفاداری اور قابلیت اور فہم و فراست کی نسبت ہم کو اطمینان اور خاطر جمعی کلی حاصل ہے اس لئے ہم نے صاحب موصوف یعنی وائیکونٹ کیننگ صاحب کو واسطے کرنے انتظام ممالک مذکور کے ہماری طرف اور ہمارے

نام سے برعایت ہمارے احکام اور ان آئین کے جو اس کے پاس معرفت ہمارے وزیر اعظم کے بھیجے جائیں قائم مقام اوّل اور ممالک مذکور کا گورنر جنرل مقرر کیا اور جو جو لوگ بالفعل کیا عہدے پر کیا ملکی کیا فوجی سرکار آنریبل ایسٹ انڈیا کمپنی کے مامور ہیں ان کو اس قرطاس کی رو سے اپنے اپنے عہدے پر بحال اور قائم فرماتے ہیں، لیکن وہ ہماری مرضی آئندہ کے مطیع ہیں اور سب آئین و قوانین کی اطاعت کرتے رہیں جو آئندہ نافذ کئے جائیں گے۔

اور والیان ہند کو اطلاع دیجاتی ہے کہ جس جس عہد و پیمان کو خود آنریبل ایسٹ انڈیا کمپنی نے کیا یا وہ اس کی اجازت سے منعقد ہوا ان سب کو ہم پذیرا اور قبول فرماتے ہیں اور ان کا ایفا بہ کمال احتیاط ہوتا رہے گا۔ اور چشمداشت ہے کہ ان والیوں کی طرف سے بھی اسی طرح تعمیل ہوتی رہیگی۔ جو ملک بالفعل ہمارے قبضے میں ہے اسے زیادہ کرنا نہیں چاہتے۔ اور جب یہ ہم کو گوارا نہیں ہے کہ کوئی اور شخص ہماری مملکت یا حقوق میں دست اندازی کرے تو ہم بھی بیش قدمی کی اپنی طرف سے بہ نسبت مملکت یا حقوق اوروں کے اجازت نہ دیں گے اور والیان ہند کے حقوق اور منزلت اور عزت مثل اپنے حقوق اور منزلت اور عزت کے عزیز سمجھیں گے۔ اور ہم کو آرزو ہے کہ والیان ہند اور ہماری رعایا کو بھی وہ سعادت اور حسن اخلاق کی ترقی حاصل ہو کہ جو ملک میں صلح اور حسن انتظام سے پیدا ہوتی ہے۔

جو لوازم بہ نسبت اپنی دوسری رعایا کے ہم پر واجب ہیں وہی لوازم بہ نسبت اپنی رعایائے ہند کے ہم اپنے ذمے لازم جانیں گے۔ اور بفضل خدا

وفاداری اور راستی کے ساتھ ہم لوازم مذکور کا لحاظ کرتے رہیں گے، اگرچہ ہم کو مذہب عیسائی کے صدق کی نسبت یقین کلّی حاصل ہے اور جو تسلی خاطر اس سے ہوتی ہے اس کا بکمال شکر گذاری اعتراف ہے تو بھی ہم کو نہ یہ منصب نہ یہ آرزو کہ کسی رعیت سے خواہ مخواہ اپنے عقیدے تسلیم کرا دیں بلکہ ہمارا حکم شاہانہ اور مرضی ہے کہ نہ کسی اہل مذہب کی بوجہ ان کے مذہب کے تائید کی جائے اور نہ کسی کو بوجہ اس کے اعتقادات کے تکلیف دیجائے بلکہ سب رعیت کی بموجب قانون کے بغیر طرفداری حفاظت ہوتی رہے اور جو لوگ ہمارے فرمان پذیر انتظام ملک ہند کے لیے مامور ہیں ان کو بکمال تاکید ارشاد فرماتے ہیں کہ کسی ہماری رعیت کے اعتقاد اور عبادتِ مذہبی کی نسبت دست اندازی نہ کریں۔ والاّ ہمارا نہایت غضب ہوگا۔ اور یہ بھی ہمارا حکم ہے کہ جہانتک ممکن ہو ہماری سب رعیت کو گو کسی قوم یا مذہب کی ہو بلا تعرض وطرفداری کے ہماری ملازمت میں ان عہدوں پر جن کو وہ اپنی علمیت اور قابلیت اور دیانت سے انجام دے سکتے ہوں مقرر کرتے ہیں۔

اس کا ہمیں بخوبی علم ہے کہ اہل ہند اس اراضی کو کہ جو ان کے بزرگوں سے انہیں وراثتہً پہونچی ہے عزیز رکھتے ہیں۔ اس لیے ہمکو بھی بڑا لحاظ ہے اور بلکہ چاہتے ہیں کہ یہ حقوق ان کے جو آراضی سے متعلق ہیں بشرط ادا کرنے مطالبہ سرکاری کے محفوظ رہیں اور ہمارا حکم ہے کہ بوقت تجویز ونفاذ قانون کے عموماً حقوق قدیمی اور ملک ہند کے رسم ورواج پر لحاظ کامل ہوتا رہے باستماع اس حال کے کہ بعض مفسدوں نے جھوٹ موٹ افواہیں اڑا کر اپنے ہم وطنوں کو ورغلایا ان سے بغاوت فاش کرائی اور ملک ہند پر ایک بلا

نازل کرائی ہم کو نہایت افسوس ہوا۔ اور ہمارے اقتدار کی کیفیت تو لوگوں کو فرد کرنے فسادیا عیوں میں بیچ میدان کارزار معلوم ہو گئی ہے، لیکن اب ہمارا یہ منشاء ہے کہ ان لوگوں کا عفو جرائم کر کے جو اسطرح دھوکہ کھا گئے ہیں اور پھر اطاعت میں آنا چاہتے ہیں اپنا اظہار ترحم کریں۔

اس نیت سے کہ آئندہ زیادہ خونریزی نہ ہونے پاوے اور ہمارے ممالک ہند میں جلدی امن وامان ہو جاوے، ہمارے قائم مقام اور گورنر جنرل بہادر نے ایک علاقے میں کہ جہاں لوگوں نے ان ایام غدر مکروہ میں جرم مخالف سرکار کئے تھے ان میں اکثروں کو مترصد عفو قصورات کا بشرائط مخصوص کیا ہے۔ اور جن لوگوں کی تقاصیر نے ان کو احاطہ ترحم سے باہر کر دیا ہے ان کی سزاؤں کی بھی تشریح کر دی گئی ہے. چنانچہ ہم اپنے قائم مقام اور گورنر جنرل کے اس عمل مذکور کو پذیرا اور قبول کرتے ہیں علاوہ اس کے حسب ذیل اعلان فرماتے ہیں یعنی سوائے ان لوگوں کے جن کی نسبت ثابت ہوا یا اب ثابت ہو کہ وے رعیت سرکار انگریزی کے قتل میں بذاتہ شریک ہوئے باقی اور جملہ ملزموں کی نسبت اظہار ترحم کیا جائے گا مگر بہ نسبت شرکائے قتل کے انصاف مقتضی اس بات کا ہے کہ ان پر ترحم نہ ہو۔

جن لوگوں نے جان بوجھ کے قاتلوں کو پناہ دی ہو یا جو لوگ باغیوں کے سردار ہوتے یا ترغیب بغاوت دی ہو ان کی نسبت صرف یہی وعدہ ہو سکتا ہے کہ ان کی جان بخشی ہوگی، لیکن ایسے لوگوں کی تجویز سزا میں ان سب احوال پر جن کے اعتبار سے وے اپنی اطاعت سے پھر گئے، کامل غور کیا جائے گا اور ان لوگوں کی نسبت جو بے سوچے مفسدوں کی جھوٹی باتوں میں

اگر مجرم ہو گئے بڑی رعایت کی جائے گی۔ باقی اور سبھوں سے جو سرکار کے مقابل ہتھیار بند ہیں بموجب اس قرطاس کے وعدہ ہوتا ہے کہ اگر وے اپنے اپنے گھر چلے جاویں اور اپنے اپنے پیشہ صلح و سدا دیں مصروف ہوں تو ان کے قصورات جو ہماری نسبت اور ہماری سلطنت اور منزلت کی نسبت سرزد ہوتے بلا شرط معاف اور درگزر اور فراموش کر دئے جائیں گے۔

ہماری یہ مرضی شاہانہ ہے کہ رحم اور عفو کی شرائط مذکور ان سبھوں سے متعلق ہوں جو قبل از تاریخ یکم جنوری ۱۸۵۹ء شرائط مذکور کی تعمیل کریں۔

اور ہماری بدل وجان یہ تمنّا ہے کہ جب ملک ہند میں خدا کے فضل سے پھر امن وچین ہو جائے تو وہاں صنائع صلح کی ترقی کریں اور افادہ خلائق کے لئے کام مثل تیاری سڑک و نہر وغیرہ جاری کریں اور ملک کا ایسا انتظام کیا جائے کہ جس سے ہماری ساری رعایائے باشندہ ملک مذکور کو فائدہ ہو کیوں کہ ان کی فراغ بالی ہمارے لئے موجب اقتدار اور ان کی قناعت ہمارے لئے بے خطری اور ان کی شکر گزاری ہمارے لئے پورا صلہ ہے اور خدائے قادر ہم کو اور ہمارے فرمانبردار ماتحتوں کو ایسی توفیق دیوے کہ یہ ہماری مرادیں واسطے فائدہ رسانی خلائق کے اچھی طرح حسن اختتام کو پہونچیں [1]۔ فقط

---

[1] آئینہ تاریخ نما۔ از شیو پرشاد (طبع الہ آباد) ص ۱۳۱ - ۱۳۶

(۱۷) ٹکٹ گزاشت مکان میر محمد

امام جامع مسجد دہلی

جنگ آزادی ۱۸۵۷ء کے بعد جب مسلمان دہلی کو شہر میں آباد ہونے کی اجازت ملی تو حکومت کی جانب سے یہ ٹکٹ جاری کئے گئے تھے۔ جس میں نمبر ٹکٹ، نمبر کتاب، نام مکان، نام مالک، نام یابندہ دخل، کیفیت اور قبضہ مکان کا حکم درج کیا جاتا تھا۔ مرزا غالبؔ نے اپنے اکثر خطوط میں ان ٹکٹوں کا ذکر کیا ہے۔ اس قسم کا ایک ٹکٹ ہمیں اپنے مخلص دوست سید یوسف بخاری دہلوی کے پاس دیکھنے کا اتفاق ہوا۔ جو ان کے دادا سید محمد (میر محمد) کے مکان کے گزاشت ہونے پر میر محمد مرحوم کے نام جاری ہوا تھا۔ یہ اصل ٹکٹ اب نیشنل میوزیم آف پاکستان (کراچی) میں موجود ہے۔ اس خط کی نقل مطابق اصل سید یوسف بخاری نے مرحمت فرمائی جس کے لئے ہم ان کے شکر گزار ہیں۔

ٹکٹ وگذاشت مکان مسلمانان گذر بھوجلا پہاڑی دہلی تاریخ ۱۴ر جنوری سنہ ۱۸۶۰ء

نمبر شمار	نمبر مندرجہ کتاب	نام مکان	نام مالک مندرجہ رجسٹر خانہ شماری سابقہ	نام یابندہ دخل	کیفیت
۲۴۸	۴۹/صفحہ ۱۱ حویلی دوران خاں کٹرہ نظام الملک	ایک مکان	امام جی	میر محمد ولد سید احمد	جو یابندۂ گذاشت نے بیان کیا کہ میرا نام میر محمد عرف امام جیو ہے اور یہ مکان ملکیت موروثی میرا ہے اور مسمیان غلام نبی و عنایت اللہ

دستخط بخط انگریزی
مہر بخط اردو

گواہان نے بیان نام زد کو

(عبارت پشت کاغذ ٹکٹ گذاشت)

تصدیق کیا اس واسطے بموجب حکم عام مورخہ ۱۳ر دسمبر ۱۸۵۹ء قرقی سے گذاشت کر کر دخل دیا گیا۔ دستخط بخط اردو (چوکیدار)

گواہ شد
غلام نبی ولد میر قطب الدین
عمر

گواہ شد
عنایت اللہ ولد محمد مراد ساکن ٹیاحل بقلم خود عمر ۔ سال

(۱۸)

حکمنامہ گذاشت مکان میر محمدؒ

امام جامع مسجد دہلی

۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کے بعد دہلی میں مسلمانوں کی آبادی کی اجازت ٹکٹ کے ذریعے ہوئی اور مسلمانوں کو اپنے مکان اور جائداد کے حصول میں بڑی دقتیں اٹھانی پڑیں، اس قسم کی کھکھیڑ جامع مسجد دہلی کے امام میر محمد (سید محمد) بن سید احمد کو اٹھانی پڑی چنانچہ ان کی درخواست گذاشت مکان مع حکم درج ذیل ہے. یہ دستاویز ہمیں اپنے دوست سیّد یوسف بخاری دہلوی کی عنایت سے دستیاب ہوئی جس کے لئے ہم ان کے شکرگزار ہیں. اصل دستاویز نیشنل میوزیم آف پاکستان (کراچی) میں موجود ہے. میر محمد (سید محمد) مرحوم سید یوسف بخاری بن سید حامد بخاری کے دادا ہیں.

روبکاری سررشتہ شہر دہلی

باجلاس منشی سید وزیر علی صاحب بہادر اکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر

واقع ۸ دسمبر ۱۸۶۰ء

مہر

اشٹامپ قیمتی ہشت آنہ

محکمہ عدالت فوجداری

اسسٹنٹ مجسٹریٹ صاحب بہادر دہلی خاص

دستخط بخط اردو

میر محمد امام مسجد جامع ساکن گلی امام گزر بھوجلا پہاڑی سائل

درخواست گذاشت

بملاحظہ عرضی سائل کیفیت اس مقدمہ کی سررشتہ سے مطلوب ہوئی تھی کیفیت سررشتہ بدیں مضموں ملاحظہ ہوئی کہ گلی امام کے پیچھے اور کوئی زمین کتاب دستخطی کپتان ڈگلس صاحب بہادر میں بنام میر محمد لکھی نہیں ہے، مگر پیچھے محلہ بوریا والہ کے ۲۲۰ نمبر پر بمقدار تین سو گز زمین عملہ میر محمد علی لکھا ہوا ہے اور بخوائے تقریر دہندہ عرضی سے پایا جاتا ہے کہ کوچہ بہادر علی خاں و گلی امام ملحق ہے۔ اس سے اشتباہ ہے کہ شاید زمین مندرجہ ۲۰۲ نمبر ان کے ہی مکان کی ہووے اور خدمت امامت جامع مسجد ان کے والد کو تھی اگر معافی ہووے تو عجب نہیں، اس پر تیسری ماہ حال کو حکم بنام ایں احقر صادر ہوا کہ برسر موقع جاکر اور دیکھ کر کیفیت عرض کرے آج کیفیت اس کی مشعر اس کے کہ دریافت

کیا گیا تو کوئی شخص اس زمین کو شاہی نہیں بتاتا اور خود تحقیقات میں کم
جو کہ زمین مذکور کتاب شاہی میں مرقوم نہیں اور بیانات میر خاں و سعادت
خاں و غازی خاں و مسماۃ نتھی خاکروبہ سے بھی شاہی نہ ہونا اس کا معلوم
ہوتا ہے بنابراں ہمارے نزدیک یہ مکان لایق دست اندازی سرکار
نہیں ہے۔

حکم ہے

کہ مثل مقدمہ بامید منظوری تجویز بحضور جناب ڈپٹی کمشنر بہادر
پیش ہووے۔ فقط

بمنظوری تجویز صاحب اکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر بہادر کے حکم ہوا کہ۔
مثل مقدمہ واپس بھیجی جاوے۔ ۱۳- دسمبر ۱۸۶۰ء

فی الواقع چوبیسویں دسمبر ۱۸۶۰ء کو نقل حکم ہذا میر محمد امام جامع مسجد کو
باخذ اجرت دی گئی۔

عبارت ناگری .... دو سطروں میں

نشان مہر ..... مہر میر محمد ساکن گلی امام دہلی۔

۸- فروری ۱۸۶۰ء

العبد
دستخط

العبد
نقل نویس
دستخط بخط اردو

مہر

(یہ عبارت ناگری خط میں مرقوم ہے)
(یہ کاغذ قیمتی آٹھ آنے میر محمد سکنہ گلی امام کے فروخت ہوا)

العبد
دستخط بخط اردو
۸- نومبر ۱۸۶۰ء پنجشنبہ

(۱۹) پروانہ بنام پیرجی محمد یوسف خاں[1] جاورہ

عزیز القدر محمد یوسف خاں، بعافیت باشند - ایشاں بر عہدہ فوجداری ومنصرم گرائی گلشن آباد جاورہ مقرر کردہ می شود ہر قدر جواں جہت تجسس وتفحص باغیاں سوار وپیادہ کنٹیجنٹ مہدپور ومفدان مندسور وگراڑیہ وغیرہ درکار باشند، از جواناں سلح خانہ طلبند دہر وقت مستعد وآمادہ تجسس وتفحص کساں مذکورین بودہ بگرفتاری آناں پرداختہ واظہارات شاں گرفتہ روبکارش درست نمودہ باشند کسانیکہ سوائے باغیان کنٹیجنٹ مہدپور منجملہ مفدان مندسور وگراڑیہ دستیاب شوند، پس از روبکاری آناں مقید داشتہ ہر روز جویائے حال شاں مانند واطلاعش بحضور بہادر دولت

---

[1] پیرجی محمد یوسف ولد جلال خاں ۱۲۴۶ھ / ۱۸۳۰ء میں پیدا ہوئے اور ۲ جمادی الثانی ۱۳۲۹ھ کو ان کا انتقال ہوا - بہت سی کتابوں کے مصنف ہیں جن میں پیرامن یوسفی اور شرح یوسفی بہت مشہور ہیں - پیری مریدی کا بھی مشغلہ رکھتے تھے تفضیلی مسلک رکھتے تھے ۱۲۶۲ھ میں نواب محمد غوث خاں رئیس جاورہ (ف ۱۲۸۱ھ) نے پیرجی محمد یوسف کو اپنی پیشی میں ملازم رکھ لیا اور ایک سال کے بعد انقلاب ۱۸۵۷ء کا آغاز ہوا - انہوں نے ریاست جاورہ کی طرف سے انگریزوں کے حسب منشا خدمات انجام دیں انقلابیوں سے مقابلہ کیا اور ان کو گرفتار کرانے میں معین و مددگار ہوئے چنانچہ اس صلے میں منصرم فوجداری مقرر ہوئے اور خلعت وسند خیر خواہی ملی - (تفصیل کے لئے دیکھئے سوانح عمری یوسفی (قلمی)، خود نوشت مملوکہ محمد ایوب قادری - نیز الزبیر (آپ بیتی نمبر)، بہاولپور ۱۹۶۲ء ۶ ص ۵۳۹ - ۵۴۲

دادہ باشند اگر کسے ظاہر خواہد کرد کہ من بہ محمد یوسف خاں جہت گرفتاری فلاں نشاں دادہ بودم مذکور آں کس را گرفتار نہ کردند پس گاہ ثبوت تساہل باز پرسش ایشاں خواہد بود باید کہ بحزم و ہوشیاری تمام در انجام مراتب مصرحہ الصدر مشغولی داشتہ از حسن انتظام مورد الطاف ما بدولت بودہ باشند[1]۔

(۲۰) سندات خیر خواہی مرزا غلام مرتضیٰ ساکن قادیان

"میں[2] (مرزا غلام احمد قادیانی) ایک ایسے خاندان سے ہوں کہ جو اس گورنمنٹ کا پکا خیر خواہ ہے۔ میرا والد مرزا غلام مرتضیٰ گورنمنٹ کی نظر میں ایک وفادار اور خیر خواہ آدمی تھا۔ جن کو دربار گورنری میں کرسی ملتی تھی اور جن کا ذکر مسٹر گریفن صاحب کی تاریخ رئیسان پنجاب میں ہے اور ۱۸۵۷ء میں انہوں نے اپنی طاقت سے بڑھ کر سرکار انگریزی کو مدد دی تھی یعنی پچاس

---

[1] یہ پروانہ پیرجی محمد یوسف کی خود نوشت سوانح عمری کے صفحہ ۱۲ سے ماخوذ ہے۔ [2] یہ تحریر مرزا غلام احمد قادیانی (ف ۱۹۰۸ء) کی ہے۔ جس میں دکھایا گیا ہے کہ یہ خاندان سرکار برطانیہ کا ہمیشہ وفادار رہا ہے اور ۱۸۵۷ء میں مرزا غلام احمد قادیانی کے والد مرزا غلام مرتضیٰ اور بڑے بھائی مرزا غلام قادر نے سرکار برطانیہ کی نمایاں خدمات انجام دی ہیں۔ تفصیل کے لئے دیکھئے اشتہار واجب الاظہار از مرزا غلام احمد قادیانی (قادیان ۱۸۹۷ء) نیز کشف الغطاء۔ از مرزا غلام احمد قادیانی (قادیان ۱۹۰۶ء)

سوار اور گھوڑے بہم پہونچا کر عین زمانہ غدر کے وقت سرکار انگریزی کی امداد میں دے تھے۔ ان خدمات کی وجہ سے جو چٹھیات خوشنودی حکام ان کو ملی تھیں مجھے افسوس ہے کہ بہت سی ان میں سے گم ہوگئیں مگر تین چٹھیاں جو مدت سے چھپ چکی ہیں ان کی نقلیں حاشئے میں درج کی گئی ہیں، پھر میرے والد صاحب کی وفات پر میرا بڑا بھائی مرزا غلام قادر خدمات سرکاری میں مصروف رہا، اور جب تموں کے گذر پر مفسدوں کا سرکار انگریزی کی فوج سے مقابلہ ہوا تو وہ سرکار انگریزی کی طرف سے لڑائی میں شریک تھا پھر میں اپنے والد اور بھائی کی وفات کے بعد ایک گوشہ نشین آدمی تھا تاہم سترہ برس سے سرکار انگریزی کی امداد اور تائید میں اپنے قلم سے کام لیتا ہوں، اس سترہ برس کی مدت میں جس قدر میں نے کتابیں تالیف[1] کیں ان سب میں سرکار انگریزی کی اطاعت اور ہمدردی کے لئے لوگوں کو ترغیب دی اور جہاد کی ممانعت کے بارے میں نہایت موثر تقریریں لکھیں اور پھر میں نے قریب مصلحت سمجھ کر اسی امر ممانعت جہاد کو عام ملکوں میں پھیلانے کے لئے عربی اور فارسی میں کتابیں لکھیں —— ، جن کی چھپائی اور اشاعت پر ہزارہا روپئے خرچ ہوئے اور وہ تمام کتابیں عرب اور بلاد شام اور روم اور مصر اور بغداد اور افغانستان میں شائع کی گئیں۔ میں یقین رکھتا ہوں کہ کسی نہ کسی وقت ان کا اثر ہوگا۔"

---

[1] اس موضوع پر مرزا غلام احمد قادیانی نے چوبیس کتابیں لکھی ہیں، جن کے نام "اشتہار واجب الاظہار" صفحہ ۸ میں درج ہیں۔

(۱)

نقل مراسلہ (ولسن صاحب) ؎

نمبر ۳۵۳

تہور پناہ شجاعت دستگاہ مرزا غلام مرتضیٰ رئیس قادیان حفظہ،

عریضہ شما مشعر بریاد دہانی خدمات و حقوق خود و خاندان خود بملاحظہ حضور ایں جانب در آمد ما خوب می دانیم کہ بلاشک شما و خاندان شما از ابتدائے دخل و حکومتِ سرکار انگریزی جاں نثار، وفاکیش ثابت قدم ماندہ آید و حقوق شما در اصل قابل قدر اند۔ بہر نہج تسلی و تشفی دارید۔ سرکار انگریزی حقوق و خدمات خاندان شما را ہرگز فراموش نخواہد کرد، بموقع مناسب بر حقوق و خدمات شما غور و توجہ کردہ خواہد شد، باید کہ ہمیشہ ہواخواہ و جاں نثار سرکار انگریزی بمانند۔ کہ دریں امر خوشنودی سرکار و بہبودی شما متصور است فقط

المرقوم ۱۱ جون ۱۸۴۹ء بمقام لاہور انارکلی

؎ ملاحظہ ہو "اشتہار واجب الاظہار" از مرزا غلام احمد قادیانی (قادیان ۱۸۹۷ء) صہ ۳ نیز کشف الغطاء از " " "
۱۹۰۳ء) " ۳ - ۶

(۳)

نقل مراسلہ[1]

(رابرٹ کسٹ صاحب بہادر کمشنر لاہور)

تہور و شجاعت دستگاہ مرزا غلام مرتضیٰ رئیس قادیان بعافیت باشندہ
ازانجاکہ ہنگامِ مفسدہ ہندوستان موقوعہ ۱۸۵۷ء از جانب آپ کے رفاقت و خیر خواہی و مدددہی سرکار دولت مدار انگلشیہ درباب نگاہداشت سواران و بہم رسانی اسپاں بخوبی بمنصۂ ظہور پہونچی، اور شروع مفسدہ سے آج تک آپ بدل ہوا خواہ سرکار رہے اور باعثِ خوشنودی سرکار ہوا لہذا بجلدوی اس خیر خواہی اور خیر سگالی کے خلعت مبلغ دو صد روپیہ کا سرکار سے آپ کو عطا ہوتا ہے، اور حسب منشاء چٹھی صاحب کمشنر بہادر نمبری ۵۷۶ مورخہ ۱۰ راگست ۱۸۵۸ء پروانہ ہذا باظہار خوشنودی سرکار و نیکنامی و وفاداری بنام آپ کے لکھا جاتا ہے۔ مرقومہ ۲۰ ستمبر ۱۸۵۸ء

---

[1] ملاحظہ ہو اشتہار واجب الاظہار۔ صہ ۵ - ۶ نیز کشف الغطاء۔ صہ ۵

(۲۱)

سند خیر خواہی

بنام مرزا غلام قادر ساکن قادیان

نقل مراسلہ[1] فنانشیل کمشنر

مشفق مہربان دوستان مرزا غلام قادر۔ رئیس قادیان حفظہ

آپ کا خط ۲۔ ماہ حال کا لکھا ہوا ملاحظہ حضور ایں جانب میں گذرا
مرزا غلام قادر صاحب، آپ کے والد کی وفات سے ہم کو بہت افسوس ہوا۔ مرزا غلام مرتضیٰ سرکار انگریزی کا اچھا خیر خواہ اور وفادار رئیس تھا۔ ہم آپ کی خاندانی لحاظ سے اسی طرح پر عزت کریں گے، جس طرح تمہارے باپ وفادار کی جاتی تھی۔ ہم کو کسی اچھے موقعے کے نکلنے پر تمہارے خاندان کی بہتری اور پابجائی کا خیال رہے گا۔ المرقوم ۲۹، جون ۱۸۷۶ء

الراقم سر رابرٹ ایجرٹن صاحب بہادر
فنانشل کمشنر پنجاب

---

[1] ملاحظہ ہو۔ اشتہار واجب الاظہار۔ صد ۲، و کشف الغطاء صد ۶

(۲۲)

سندات خیر خواہی[1]

برکت علیخاں بہادر[2]

امرتسر۔ ۱۹ اپریل ۱۸۵۸ء

رسالدار برکت علی امبالہ کی جانب روانہ ہو رہا ہے۔ اس نے اس ضلع میں ۹ سال تک اور پنجاب میں کل ملا کر بارہ سال کام کیا ہے۔ وہ ہماری ۱۸۴۹ء کی پنجاب کی مہم کے دوران ہماری ملازمت میں رہتے ہوئے زخمی ہوا تھا۔ وہ نہایت شاندار اور اوّل درجے کا سوار ہے، اس میں اور صلاحیتیں بھی اعلیٰ درجے کی ہیں۔ وہ یکم اگست ۱۸۵۷ء کو ۲۶ ویں ا۔ ے باغیوں کی گرفتاری کے وقت میری خدمت میں رہا تھا۔

فریڈرک کوپر۔ ڈپٹی کمشنر

(۲)

۱۸۵۷ء کے دوران اس نے امرتسر میں ایک پولس دستے کی کمان کی تھی اور

---

[1] یہ سندات "کاپیز آف ٹیسٹی مونیلس اینڈ ایبسٹریکٹس فرام پرواناس گرانٹڈ ٹو محمد برکت علی خاں بہادر"، (طبع لاہور) ص ۹۔۱۰ سے ماخوذ ہیں۔ یہ کتاب ہمیں اپنے کرم فرما ذوالفقار احمد (لاہور) سے ملی جس کے لئے ہم ان کے شکر گزار ہیں

[2] خان بہادر محمد برکت علی خاں بن محمد عارف خاں ۲۱ نومبر ۱۸۲۱ء کو (باقی اگلے صفحہ پر)

نہایت سلیقے سے کام کیا تھا۔ اس نے میری معیت میں دہلی جانے کے لئے خود کو پیش کیا تھا۔ مجموعی طور پر میری رائے ہے کہ برکت علی سرکار کی جانب سے حسن سلوک کا مستحق ہے۔

آر۔ سی۔ لارنس

منسٹری سکریٹری

(۲۳) سندات خیر خواہی

مولوی امداد العلی ڈپٹی کلکٹر

„جس خیر خواہ سرکار کی نسبت حضرت سید احمد خاں صاحب تحریر فرماتے ہیں کہ ہمدردی کو کفر خیال کرتے ہیں اس تحریر کا

(بقیہ نوٹ صفحہ گزشتہ) شاہجہاں پور (یو۔ پی) میں پیدا ہوئے ان کے باپ انگریزی فوج میں ملازم تھے۔ ان کا تقرر تھانیداری کے عہدے پر ہوا، پنجاب کی فتح کے موقع پر انہوں نے نمایاں خدمات انجام دیں۔ جنگ آزادی ۱۸۵۷ء میں انگریز کے خیر خواہ رہے ۱۸۶۰ء میں تحصیلدار اور ۱۸۶۹ء میں اکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر مقرر ہوئے۔ یکم جنوری ۱۸۸۲ء کو پنشن یاب ہو کر لاہور میں مستقل سکونت اختیار کر لی۔ ، اگست ۱۹۰۵ء کو لاہور میں انتقال ہوا۔

پنجاب یونیورسٹی کے فیلو تھے ۱۸۶۵ء میں گجرانوالہ میں مدرسہ تعلیم نسواں اور ۱۸۶۹ء میں انجمن اسلامیہ پنجاب قائم کی۔ لاہور میں برکت علی محمڈن ہال (باقی اگلے صفحہ پر)

محاکمہ حکام وقت اور جملہ مسلمانان اور اہل ہنود پر چھوڑتا ہوں کہ آیا جو شخص سینہ سپر ہو کر بہ نظر نمک حلالی اپنے آقا کے سینہ پر گولی باغیوں کی کھاوے اور ہزار ہا روپے کا مال ان سے چھڑا دے اور وہ گولی چھ مہینے بعد ڈاکٹر مری صاحب بہادر نکالیں، جس کا خون مسٹر لو صاحب داماد جناب لفٹننٹ گورنر صاحب بہادر اور مسٹر بیسٹ صاحب کلکٹر و مجسٹریٹ متھرا پو نچھتے جاویں اور اس گولی کا نشان ایک تمغہ ہمدردی اور نمک حلالی ملکہ معظمہ کا جس بہادر کے سینے پر موجود ہو تو انصاف فرمایا جاوے کہ وہ شخص ہمدردی کو کفر سمجھنے والا ہے یا

بقیہ نوٹ صفحہ گزشتہ) ان کی یادگار ہے۔ (ملاحظہ ہو تاریخ شاہجہاں پور۔ صد ۳۱۱ - ۳۱۲

[۱] مولوی امداد العلی اور مولوی علی بخش بدایونی سر سید احمد خاں کے سخت مخالفین تھے ، آخر الذکر تو سید احمد خاں کے لئے حرمین شریفین سے کفر کا فتویٰ لاتے تھے۔ اول الذکر نے بھی سر سید احمد خاں کے خلاف حزب قلمی جہاد کیا۔ سر سید احمد خاں کے خطوط اور مضامین میں مولوی امداد العلی کا اکثر ذکر ملتا ہے۔

معلوم ایسا ہوتا ہے کہ غالباً سر سید احمد خاں نے اپنی کسی تحریر میں لکھ دیا تھا کہ مولوی امداد العلی حکومت برطانیہ کی خیر خواہی کو کفر خیال کرتے ہیں اس سلسلے میں مولوی امداد العلی نے اپنی صفائی پیش کی ہے۔ اور بتایا ہے کہ جنگ آزادی ۱۸۵۷ء میں وہ کیسے خیر خواہ سرکار رہے۔ اور انہوں نے اپنی سندات نقل کی ہیں جو درج ذیل ہیں مولوی امداد العلی کا انتقال آگرہ میں ہوا اور وہیں اپنے باغ معمرہ ۱۸۸۲ء میں دفن ہوئے (مرقع اکبرآباد از سعید احمد مارہروی (آگرہ ۱۹۳۱ء) صد ۱۳۳

جو اس کو کہے ایسے لفظ وہ شخص تمام دنیا کا جھوٹا اور مفسد
اور خبیث النفس ہے۔"

(۱)

ترجمہ چٹھی مسٹر ڈکرم منی

مجھ کو نہایت خوشی ہے اس خیر خواہی کی تصدیق کرنے میں جو امداد العلی نے شروع سے تا نہایت بڑے وقت اس ایام تکلیف میں ظاہر کی، یعنی جون ۱۸۵۷ء میں متھرا کے ضلع کوسی میں، جہاں کہ وہ تحصیلدار تھے ایسے وقت میں گیا تھا جب کہ بغاوت روز بروز پھیلتی تھی اور نہایت خوفناک کیفیتیں روز پہونچتی تھیں اور جب باغیوں کا پہلو نہایت زور میں تھا۔ اور بند نہیں ہو سکتے تھے اور جب روز بروز ہم لوگ کے کارخانے کی تیرگی ہوتی جاتی تھی۔ اس نہایت آزمائش کے تمام ایام میں امداد العلی نے نہایت مستحکم اور بے ریا خیر خواہی سرکار کی قائم رکھی۔ اور اپنے مقام پر جب تک کہ ایک عرصے تک حفاظت چاروں کی نہیں ہو گئی تھی موجود رہے۔ واقع میں نہایت معلق خطرہ میں ایسے لوگوں سے پڑے ہوئے تھے جو علانیہ ان کو مار ڈالنے کے لئے متلاشی تھا۔ بسبب ہونے ایک دوست اور رفیق صادق سرکار کے۔

له ملاحظہ ہو امداد الآفاق برجم اہل النفاق، بجواب پرچہ تہذیب الاخلاق۔ از سید امداد العلی ڈپٹی کلکٹر کانپور (مطبع نظامی کانپور ۱۲۹۰ھ)، ص

(۲)

ترجمہ فقرہ جناب لفٹیننٹ گورنر بہادر

میں کسی شخص کو نہیں جانتا جو ہم لوگوں کا مستحق زیادہ ہے واسطے اپنے خیر خواہی اور ایمانداری اس آزمائش کے ایام میں امداد علی ہے۔

(۳)

انتخاب چٹھی نمبری ۱۲۷ مورخہ ۶ رجولائی ۱۸۵۸ء

منجانب کلکٹر کیفرڈ جنٹ مجسٹریٹ بنام مجسٹریٹ متھرا

اگر غلام حسین کو تیزی اور چالاکی امداد العلی کی سی ہوتی، مجھ کو شک نہیں کہ وہ خزانہ جو باغی بعد پہلے بلوے کے چھوڑ گئے تھے کبھی لٹ نہ جاتا اور حصہ کثیر ہم لوگوں کے مال کا فوراً شہر میں انتقال ہوتا اور بچ جاتا، میں خیال کرتا ہوں کہ غلام حسین چالاک اور تیز آدمی نہیں ہے۔ اس کا مقابلہ یا اور کسی دوسرے حاکم کا مقابلہ امداد العلی کے وزن سے کرنا کبھی درست نہیں۔ کیونکہ امداد العلی یکتا ہے اور مجھ کو شبہ ہے کہ کسی شخص نے ان ممالک مغربی و شمالی میں ایسی خیر خواہی سرکار کی کی ہو۔

---

۵ ملاحظہ ہو امداد الآفاق برجم اہل النفاق۔ ص ۲

(۲۴) پروانہ جات بابت انعام خیر خواہی سر سید احمد خاں[1]

(۱)

نقل چٹھی سیکرٹری گورنمنٹ نمبری ۲۳۷۹ مورخہ ۱۲ جولائی ۱۸۵۸ء

بنام صاحب رجسٹرار صدر دیوانی عدالت

بجواب چٹھی مورخہ ۱۹ جون سنہ حال آپ کو اطلاع دی جاتی ہے کہ حسب تجویز حکام عدالت صدر، امیر کبیر نواب گورنر جنرل بہادر نے سید احمد خاں صدر امین بجنور کی ترقی اوپر عہدۂ صدر الصدوری ضلع مراد آباد ابتدائے اس تاریخ سے کہ سرکار کا قبضہ اس ضلع پر ہوا بعوض خیر خواہی و عمدہ کارگزاری ایام غدر کے منظور فرمائی۔

(دستخط) میور صاحب سیکرٹری گورنمنٹ

۲

ترجمہ چٹھی گورنمنٹ ہند نمبری ۳۴۶

بنام سیکریٹری گورنمنٹ اضلاع مغربی

بوصول چٹھی مورخہ ۲۹ جولائی ۱۸۵۸ء نمبری ۱۸۲ حرف الف مرسلہ آپ کے

---

[1] سرسید احمد خاں نے ان پروانہ جات کا ذکر اپنی کتاب تاریخ (باقی اگلے صفحہ پر)
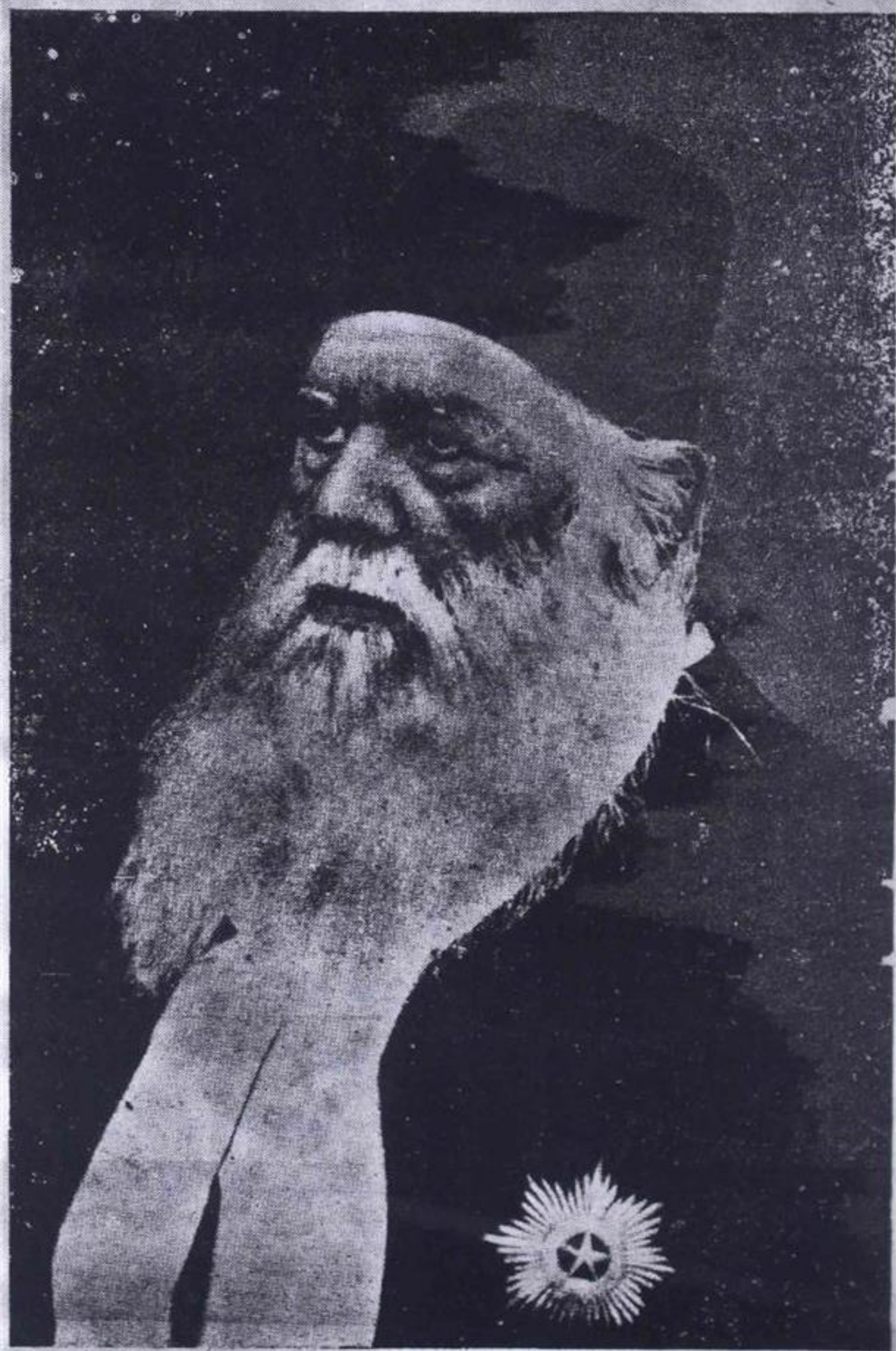
سر سید احمد خاں

جواباً آپ کو اطلاع دی جاتی ہے کہ بعوض خیر خواہی و حسنِ کارگزاری ایام غدر کے، امیر کبیر نواب گورنر جنرل بہادر نے پنشن مبلغ دو سو روپے ماہوار حین حیات سید احمد خاں صدر الصدور مراد آباد اور ان کے بیٹے کے مرحمت فرمائی۔

دستخط، ایڈمنسٹن صاحب سیکریٹری
گورنمنٹ ہند
ہمراہی گورنر جنرل بہادر

(۳)

میر صاحب مشفق مہربان مخلصان سید احمد خانصاحب
صدر الصدور مراد آباد۔ سلامت۔

بعد اشتیاق ملاقات محبت آیات واضح باد۔ حکم جناب مستطاب معلی القاب نواب گورنر جنرل بہادر بتاریخ شانزدہم مارچ ۱۸۵۹ء جناب صاحب کمشنر بہادر روہیل کھنڈ نے باجلاس عام خلعت پانچ پارچہ و تین رقم جواہر مفصلہ ذیل بہ نظر خیر خواہی آپ کو عطا کیا اور یہ خط حسب ضابطہ سند بنام آپ کے

(بقیہ نوٹ صفحہ گزشتہ) سرکشی ضلع بجنور (مطبع کراچی۔ صفحہ ۲۹) میں کیا ہے اور یہ پروانہ جات اپنے رسالے لائل محمڈنس آف انڈیا (حصۂ اول) میں شائع کئے ہیں اس رسالے سے ہم نے یہ تین پروانے یہاں نقل کئے ہیں۔

تسطیر ہوا، بطور سند اپنے پاس رکھو۔

(تفصیل خلعت)

پارچہ	جواہر	شمشیر مع پرتلہ	کلاہ چارتب
۵	۳	۱	۱

گوشوارہ	جیغہ	سرپیچ	نیم آستین	دوشالہ
۱	۱	۱	۱	

مالائے مروارید پٹکہ

(دستخط) جی۔ پامر
مجسٹریٹ و کلکٹر۔ المرقوم
۱۶ مارچ ۱۸۵۹ء

محضر بابت خیر خواہی گورنمنٹ

(۲۵) سید رضا مسیح برادر حکیم سید کرامت علی سکنہ محلہ ذخیرہ (بریلی)
نے درج ذیل سرٹیفکیٹ عمائد بریلی سے چاہا کہ ان کے بھائی کرامت علی
نے جنگ آزادی ۱۸۵۷ء کے زمانے میں ایک میم مع دختر ہفت سالہ
ان کے گھر میں پوشیدہ رکھی اسی زمانے میں اس کے ایک اور لڑکی
پیدا ہوئی جب حالات درست ہوئے تو ان سب کو بحفاظت
لکھنؤ بھیجوا دیا گیا اس کے صلے میں ان کو دیہات اور خلعت عطا
ہوا۔ ہمیں اس کی نقل مشفق خواجہ صاحب سے ملی۔

"استشہاد طلب کرتا ہوں اور گواہی چاہتا ہوں اس بات پر کہ میرے
بھائی حکیم کرامت علی صاحب مغفور نے میم صاحبہ اور ان کی لڑکی کی جانیں
باغیوں کے ہاتھ سے بچائیں اور چھ مہینے تک میم صاحبہ کو مع ان کی دختر
ہفت سالہ کے خاص میرے مکان میں پوشیدہ رکھا اور میں نے بذات خاص
اس مدت تک ان کی حفاظت اور پاسبانی کی اور میرے گھر میں میم صاحبہ کے
دوسری لڑکی پیدا ہوئی اور میں نے ہر طرح پر باحتیاط اس کو پرورش کرایا۔
اور ان سب کو باحتیاط تمام لکھنؤ بھیجوا دیا اور بجلدوی اس خیر خواہی کے میرے
بھائی سید حکیم کرامت علی صاحب مرحوم کو دیہات اور خلعت عطا ہوا جو حضرات
واقف ہوں اس محضر پر مہر و دستخط اپنے ثبت فرماویں فقط"

العبد

سید رضا مسیح برادر حکیم سید کرامت علی مرحوم
خیر خواہ ساکن بریلی

دستخط ومواہیر

مولوی فدا حسین منصف سہسوان ۔ محمد نجف علی خاں ولد محمد تجمل حسین خاں
سید عنایت حسین ۔ محمد عبد الجلیل قاضی پرگنہ بریلی ۔ سید ذاکر علی مختار
محمد ابراہیم علی ۔ سید امیر علی مختار محمد ذکی عرف عاشق حسین کمبوہ
خیرات حسن خاں کمبوہ ۔ رضا حسین کمبوہ ۔ نیاز حسین خاں کمبوہ
شیخ محمد جواد کمبوہ ۔ موسیٰ رضا خاں ولد نواب حسن رضا خاں،
محمد درویش حسن ولد مفتی مولوی احمد حسن خاں، محمد حسن خاں،
جیون سہائے، محمد الطاف علی خاں، سید غلام امام
حافظ محب اللہ، محمد جعفر ولد شیخ امام علی، منشی بلدیو سنگھ رئیس بریلی
حسن علی [1]

---

[1] چند نام پڑھنے میں نہیں آئے خیال پڑتا ہے کہ محضر کی تاریخ نقل کرنے سے رہ گئی

خطوط مولوی درویش حسن بریلوی

(۲۶)

بنام

مولوی سید دولت علی بدایونی نائب دیوان گوالیار

بریلی کے مفتیوں کے خاندان کے رکن مولوی درویش حسن صاحب کے جنگ آزادی ۱۸۵۷ء کے زمانہ کے تین خط جلیں ان کی صاحبزادی غوثیہ خاتون (زوجہ سید اعجاز حسن ابن اکبر حسن ابن دولت علی کے نواسے سید ابو محمد مسعود نقوی (ابن سبط نبی نقوی بدایونی) سے دستیاب ہوتے ہیں جن کو ہم یہاں نقل کرتے ہیں

مولوی درویش حسن (ابن مولوی احمد حسن خاں صدر الصدور ابن مفتی ابوالحسن ذی علم بزرگ اور عمائد بریلی سے تھے، مرزا غالب سے بھی تعلقات تھے مرزا صاحب نے اپنے ایک خط میں مولوی درویش حسن کا ذکر کیا ہے[1] انہوں نے یہ خط اپنے پھوپا مولوی دولت علی کے نام لکھے ہیں۔

مولوی دولت علی ابن مولوی سید عبدالعلی بدایونی (ف ۱۲۴۹ھ) عنفوان شباب میں بریلی چلے گئے ان کی شادی مفتی ابوالحسن بریلوی کی صاحبزادی حمایت فاطمہ کے ساتھ ہوئی۔ تقریباً ۱۸۵۰ء میں وہ گوالیار گئے اور مہاراجا جیاجی راؤ سندھیا کے زمانے میں نائب دیوان سررشتہ داری حضور دربار مقرر ہوئے ۹۰-۱۸۸۹ء میں پنشن پائی اور ۱۸۹۴ء میں بریلی چلے آئے جہاں[2] ۹/ شعبان ۱۳۱۳ھ کو دولت علی صاحب کا انتقال ہوا اور باغ مفتیاں میں دفن ہوئے[3]

---

[1] خطوط غالب جلد دوم صفحہ ۲۶۰ [2] شجرہ خاندان نواب سید حکیم احمد نقوی بدایونی مرتبہ حکیم احمد نقوی (یونائیٹڈ پریس لکھنؤ ۱۹۵۵ء) صفحہ ۶ [3] آئینۂ دلدار از ابرار علی (کراچی ۱۹۵۶ء) صفحہ ۴

(۱)

جناب فیض مآب پھوپا صاحب قبلہ دین و ایمان کعبہ دو جہاں من مد اللہ ظلہم العالی - بعد بجا آوری تسلیم و کورنش غلامانہ عرض خدمت شریف میں یہ ہے کہ نوازش نامہ آپ کا بعد مدت دراز موسومہ جناب چھوٹے چچا صاحب قبلہ کا شرف صدور فرما ہوا - خیر و عافیت مزاج گرامی کی دریافت کر کے سجدات شکر بجالایا - یہاں بھی ہر طرح خیریت ہے خاطر شریف .... کمترین نے قبل اس کے چند قطعہ عرائض ... آنجناب کے ملاحظہ میں گزرے ہو دیں گے لیکن نہ تو جواب کسی کا آیا اور نہ ان کا ملاحظے میں گزرنا ترقیم فرمایا جناب چھوٹی پھوپی صاحبہ قبلہ ارشاد فرماتی ہیں کہ اس قدر توقف ترسیل خطوط میں ایسے وقت پر شور و شغف میں ہرگز مناسب نہیں - دو حرفی خط خیریت روزانہ روانہ فرماتے رہیئے - اور وہاں اقامت کرنا بھی کچھ ضرور نہیں ہے - جس طرح ممکن ہو اب چلا آنا ہی مناسب بلکہ ضروری ... اور آپ نے جو ہنڈی روانہ مراد آباد فرمائی ہیں ابھی تک ان کے وصول کا حال دریافت نہیں ہوا شاید مراد آباد میں آگئی ہوں - دو تین روز میں یہاں آجاویں گی - اور ان دنوں میں اس نواح میں بڑا انلاطم و شورش ہے - یعنی بریلی میں خان بہادر ایک ظلم شدید کر رہا ہے ہر کہ و مہ کو لوٹتا ہے اور بے عزت کرتا ہے اور بریلی سے کسی کو نکلنے نہیں دیتا - بلکہ حکم دیا ہے کہ جو شخص خروج کا بریلی سے قصد کرے لوٹ لو - اور بندوقیں مارو اور علی ہذا القیاس تمام عملداری اپنی میں مثل بدایوں اور شاہجہاں پور اور پیلی بھیت وغیرہ میں بھی فساد برپا ہے [۱]

---

[۱] مولوی درویش حسن نے اپنے انداز میں تبصرہ کیا ہے -

اور عرصہ چار پانچ روز ہوا۔ قاضی عبدالجلیل[1] صاحب اور برادرم قاضی ظہور احمد[2] کو بجرم اخفاء انگریزوں کے اپنے مکان میں کہ صرف حیلہ غارت گری و تہمت تھی گرفتار کر کے بے عزت کیا۔ لیکن بہ سبب قصور کے چھوڑ تو دیا ہے لیکن آدمی واسطے پہرے کے متعین کر دیے ہیں[3] اور مولوی غلام حمزہ[4] صاحب وقت پر کہیں کو بھاگ گئے اور مولوی فضیل[5] احمد اور عبدالجمیل[6] اور والدہ ان کی بریلی میں نہ تھے بدایوں میں تھے۔ یہ بھی ...... کہ عورتوں میں سے کوئی بریلی میں نہ تھی۔ خداوند کریم جلد فضل فرما دے یہ ظالم بدذات جلد اپنے اعمال کی پاداش کو پہنچے اور حاکم عادل مسلط ہو[7]۔ آمین ثم آمین اطلاعاً گزارش کیا۔ زیادہ حد ادب۔ برادرم ضیاء الحسن[8] وغیرہ و اکبر حسن[9] و ہمشیرہ عزیزہ زبیدہ و لیخمہ وغیرہ آپ کو تسلیم و کورنش عرض کرتے ہیں اور ہر دم یاد کرتے ہیں۔ فقط

---

[1] قاضی عبدالجلیل ابن حافظ غلام احمد ابن غلام نبی

[2] قاضی ظہور احمد ابن غلام رسالت ابن غلام حضرت ابن غلام نبی

[3] اس خاندان کے ممتاز رکن مولوی حامد حسن منصف مفتی ابوالحسن کے یہاں جج اور کلکٹر وغیرہ چھپے تھے۔ (ملاحظہ ہو اخبار الصنادید جلد دوم ص ۳۶۔)

[4] قاضی غلام حمزہ ابن حافظ غلام احمد ابن غلام نبی۔ [5] مولوی فضیل احمد ابن غلام رسالت ابن غلام حضرت ابن غلام نبی [6] قاضی عبدالجمیل (جنوں) ابن قاضی عبدالجلیل ابن حافظ غلام احمد ابن غلام نبی [7] یعنی انگریز

[8] ضیاء الحسن ابن محمد حسن خاں صدر الصدور ابن مفتی ابوالحسن [9] اکبر حسن ابن دولت علی

(۲)

جناب فیض مآب پھوپا صاحب قبلہ و کعبہ من مداللہ ظلہم العالی

بعد بجالانے تسلیم کورنش غلامانہ عرض خدمت شریف میں یہ ہے کہ قبل اس کے عرضی محتوی حالات خیریت یہاں کے روانہ گوالیار کئے ہیں غالب ہے کہ ملاحظہ میں گزرے ہوں حالات تفصیلی یہاں کے عرض جناب برادر صاحب قبلہ و کعبہ مولوی سلطان حسن صاحب[۱] مداللہ ظلہم العالی سے دریافت ملازمان ہوا ہوگا کہ جس طرح ہم مصیبت میں ہیں اور جان بچاتے شہر بہ شہر اور در بدر پھرتے پھرتے ہیں ہر چند کہ یہ حال اپنا دیکھ کر جی یہی چاہتا ہے کہ جو کوئی جائے محفوظ میں رہ کر بچے رہے وہی غنیمت ہے لیکن پھر یہ خیال آتا ہے کہ امید کوئی صورت اپنے بچاؤ اور زیست کی ہے ہی نہیں... لہذا ایسے وقت میں اپنی عزیزہ ہی ایک دفعہ ...... کو بھی بہت غنیمت جانکر آپ سے گزارش کرتا ہوں کہ اگر جناب میاں صاحب قبلہ و کعبہ اجازت تشریف آوری کی دیویں تو بالضرور آپ تشریف لے آویں ہم سب زیادہ از حد مشتاق حصول ملازمت ہیں اور اگر جناب موصوف عدم تشریف آوری حضور کے قرین صلاح وقت اور قرین مصلحت سمجھیں تو وہی اولیٰ و انسب ہے لیکن در صورت اجازت نہ دینے جناب ممدوح کے ایک دفعہ پھر اجازت چاہی جاوے کیا عجب ہے کہ پھر اجازت فرما دیں۔ اور یہی مقولہ اور صلاح جناب پھوپی صاحبہ قبلہ کی بھی تصور فرما دیں فقط زیادہ حد ادب ہمشیرہ عزیزہ زبیدہ اور برادرم عزیز از جانم اکبر حسن کہ ہر دم آپ کے نام کا وظیفہ

---

[۱] مولوی سلطان حسن ابن مولوی احمد حسن خاں صدر الصدور ابن مفتی ابوالحسن

رکھتے ہیں اور خیر و عافیت سے ہیں۔ آداب و تسلیمات عرض کرتے ہیں۔ برادرم صاحب سراپا عنایت و کرم، مولوی سید مطیع احمد[1] صاحب سلام مسنون بوحدت مضمون وصول باد۔

(۳)

برادر صاحب سراپا لطف و عنایت مولوی سید مطیع احمد صاحب زاد خلوصہم۔ بعد سلام مسنون شوق از حد افزوں مدعا طراز نیست کہ دریں عرصہ عنایت نامجات سامی موسومہ جناب چھوٹے چچا صاحب قبلہ و برادر صاحب وصول عنایت شمول آوردہ ممنون و مشکور یاد فرمایتہا گردانید دریں جا در بدایوں اعزہ و احباب بندہ و سامی ملازماں خیریت جسمانی دارند خاطر جمع دارند۔ والد و عم و دیگر مردمان خانہ سامی در موضع بچھڑیا[2] بودہ کہ در بدایوں شورش است در باب تشریف آوری خود و جناب پھوپا صاحب قبلہ توقف مناسب نیست بلکہ دریں وقت پر خوف اجتماع جملہ اعزہ از اعزائے مصیبت رسیدگان ضرور است۔ باقی حالات از عریضہ موسومہ جناب پھوپا صاحب قبلہ دریافت خواہند شد۔ باقی خیریت است، برادر اکبر حسن و ہمشیرہ عزیزہ زبیدہ سلمہا اللہ تعالیٰ تسلیم می رسانند و جناب چھوٹی پھوپی صاحبہ قبلہ و چھوٹی چچی صاحبہ و قبلہ دعا می رسانند

فقط

محمد درویش حسن

---

[1] سید مطیع احمد ابن فرزند علی ابن سید عبد العلی بدایونی

[2] ضلع بریلی کا ایک گاؤں ہے

بابِ نہم

۱۔ مولوی احمد اللہ شاہ

مولوی احمد اللہ شاہ جنگ آزادی کے نامور قائد اور مجاہد تھے اور انہوں نے اس تحریک کو کامیاب بنانے کی پوری پوری کوشش کی اور تبلیغ جہاد کے لئے ملک کے بڑے حصّے کا دورہ کیا۔ مختلف مراکز قائم کئے اور ایک جماعت فراہم کی ان کی تحریک کے لوگ مختلف جگہ ان کے کام کو آگے بڑھاتے تھے۔ مولوی احمد اللہ شاہ کے حالات کا واحد ماخذ ان کے مرید مولوی فتح محمد تائب لکھنوی (ف ۱۳۲۰ھ / ۱۹۰۲ء) کی مثنوی "تواریخ احمدی" (۱۲۸۰ھ) ہے یا دو ایک انگریز مورخوں کا وہ خراج عقیدت ہے جو انہوں نے مولوی احمد اللہ شاہ کی بہادری بے لوثی اور تنظیمی صلاحیتوں کے متعلق اپنے خاص الفاظ میں پیش کیا ہے اسی کی اساس پر مولوی احمد اللہ شاہ کے متعلق لکھا گیا ہے۔ مگر ضرورت ہے کہ ایک مبصرانہ جائزہ ان کے حالات کا لیا جائے، اور جنگ آزادی کی تاریخ میں ان کا صحیح مقام متعین کیا جائے[1]۔

---

[1] مولوی فتح محمد تائب لکھنوی مولوی احمد اللہ شاہ کے مرید ہیں (باقی اگلے صفحہ پر)

مولوی احمد اللہ چنیاپٹن (مدراس) میں پیدا ہوئے اصل نام احمد علی اور لقب ضیاء الدین تھا۔ ان کے مرشد نے احمد اللہ شاہ کہہ کر پکارا۔ حسب رواج پانچ سال کی عمر میں تعلیم کا آغاز ہوا۔ مروجہ علوم منقول و معقول حاصل کئے۔ اس کے بعد فن سپہ گری سیکھا۔ اور پھر حیدر آباد میں ان کی نسبت طے ہوئی۔ کچھ دن حیدر آباد رہے مگر جلد ہی درباری سازشوں سے دل برداشتہ ہوگئے اور لندن کے سفر کا عزم کیا، کچھ دن وہاں گذارے، واپسی میں حرمین شریفین کی زیارت سے مشرف ہوتے۔ سیاحت کرتے ہوئے ایران پہونچے پھر واپسی پر تصوف کا غلبہ ہوا اور مرشد کی تلاش شروع کی اور اس ارادے سے دہلی گئے۔ مختلف بزرگوں سے ملے پھر جے پور میں شاہ فرقان علی سے ملاقات ہوئی اور انہیں سے سانبھر میں بیعت کی اور خرقۂ خلافت حاصل کیا، اور سیر و سیاحت اختیار کی۔ وعظ و تبلیغ اور تذکیر و اصلاح کا سلسلہ جاری کر دیا گھومتے گھامتے گوالیار پہونچے اور محراب شاہ کے مرید ہوتے، چار چھ سال ان کی تربیت میں رہے اور محراب شاہ نے ان کو جہاد کا حکم دیا۔[۱]

لیا ان سے پھر امتحان جہاد کہ کیجے نصاریٰ پہ تیغ جہاد[۲]

مرشد کا حکم پاکر احمد اللہ شاہ آگرہ پہونچے وہاں بہت خلق رجوع ہوئی بعض حساد نے

(بقیہ نوٹ صفحہ گزشتہ) لہٰذا ان کا تمام تر بیان عقیدت پر مبنی ہے۔ اور پھر چونکہ یہ کتاب نظم میں لکھی گئی ہے اس لئے بعض باتیں شاعرانہ انداز میں بھی بیان ہوئی ہیں۔ ہم نے تواریخ احمدی کی روشنی ہی میں یہ حالات لکھے ہیں۔

۱؎ تواریخ احمدی از فتح محمد تائب (مطبع انوار احمدی لکھنؤ ۱۲۹۶ھ) صد ۱۵

۲؎ ایک ہم عصر مورخ مولوی محمد اکرم قائمؔ لکھتے ہیں (ذات احمد اللہ شاہ) مع ایک (باقی اگلے صفحہ پر)

حاکم شہر سے مخبری کی کہ احمد اللہ شاہ جہاد کی تلقین کرتے ہیں، شاہ صاحب طلب ہو گئے اور آخر کو رہا ہو گئے

شاہ صاحب اپنے مرشد محراب شاہ کی خدمت میں حاضر ہوئے وہاں سے پھر سفر کی اجازت ملی اور شاہ صاحب لکھنؤ پہونچے۔ شاہ صاحب نے وہاں پہونچ کر باقاعدہ جہاد کی تبلیغ شروع کر دی

نصاریٰ سے جو حکم پیکار تھا ہر اک شخص سے اس کا اظہار تھا

لکھنؤ سے شاہ صاحب فیض آباد پہونچے، وہاں بھی خاص و عام میں جہاد کی

(بقیہ نوٹ صفحہ گزشتہ) بڑی جماعت مریدوں کے آگرہ میں تشریف لائے اور ایک بڑا مکان کرائے پر لیا۔ اس کے دروازے پر نقارے رکھوائے۔ پانچوں وقت نوبت بجنے لگی۔ شہرہ پھیلا بہت آدمی مرید ہو گئے۔ قوالی کی مجلسیں شروع ہوئیں میں بھی ان کے پاس آنے جانے لگا۔" خوارق مستان، از محمد اکرام فائز (آگرہ ۱۳۱۱ھ)، ص۲۹

لے تاریخ ص ۵۰، محمد اکرم فائز لکھتے ہیں کہ ایک مرتبہ احمد اللہ شاہ نے کہا "مولوی صاحب آج کی تاریخ لکھ رکھئے آج سے چھ مہینے کے بعد سرکاری عملداری میں بڑا فتور ہوگا اور غدر پڑے گا۔ یہ کہہ کر دم چڑھالیا۔ قوالی ختم ہوئی اور مجلس برخاست (خوارق مستان ص۳۰)۔

سے مولوی احمد اللہ شاہ آگرہ سے علی گڑھ پہونچے، اور پھر وہاں سے لکھنؤ گئے۔ محمد اکرم فائز لکھتے ہیں۔

"آگرہ سے راجہ مرساں کے پاس ہوتے ہوئے علی گڑھ پہونچے اور رتن لال کی سرا میں فروکش ہوئے ...... راجہ مرساں نے ان کو ڈھائی سو روپے اور ایک سبزہ گھوڑا بڑا قیمتی اور دو شکاری کتے نذر کئے۔ ایک پہلوان کی سواری کا گھوڑا (باقی اگلے صفحہ پر)

روح پھونک دی اور آخر انگریزی پلٹن سے مقابلہ ہو گیا۔ شاہ صاحب گرفتار ہوئے قید خانے میں بہت سے لوگ معتقد ہو گئے اور وہاں بھی شاہ صاحب نے جہاد کی تبلیغ شروع کردی، اس دوران میں جنگ آزادی کا آغاز ہو گیا۔ شاہ صاحب نے فیض آباد سے رہا ہو کر قیادت سنبھالی۔ بہت سی فوج ان کے ہمراہ ہو گئی اور وہ لکھنؤ پہونچے۔ اور چنہٹ کے مقام پر انگریزوں سے مقابلہ ہوا جس میں انگریزوں کو شکست ہوئی۔

لکھنؤ میں جب سپاہ نے برجیس قدر کو تخت نشین کیا تو شاہ صاحب کو یہ بات پسند نہ آئی اور انہوں نے اس سے اختلاف کیا۔ جب سپاہ نے بیلی گارد پر حملے کا ارادہ کیا اور شاہ صاحب سے شرکت کی درخواست کی تو انہوں نے صاف انکار کر دیا، مگر پھر اپنے مرید برکات احمد کی درخواست پر راضی ہو گئے اور سپاہ کے ساتھ روانہ ہوئے مگر کامیابی نہیں ہوئی بلکہ اس کے بعد جب انگریزی سپاہ نے حملہ کیا تو اسکا پلہ بھاری رہا۔ سپاہ میں مذہبی اختلاف بھی تھا۔ شاہ صاحب نے تلقین کی کہ تبرا نہیں ہونا چاہئے۔ اور اس کا عہد و پیمان ہوا پھر سخت معرکے ہوتے۔ شاہ صاحب نے خوب بہادری دکھائی اور شاہ صاحب کی معرکہ آرائی کا سلسلہ آخر تک جاری رہا۔

سقوط لکھنو کے بعد شاہ صاحب باڑی روانہ ہوئے۔ وہاں ساری فوج، قائدین تحریک، شہزادہ برجیس قدر اور بیگم حضرت محل بھی پہونچیں۔ انگریزوں نے حملہ کیا۔ شاہ صاحب چونکہ علیل تھے لہذا انہوں اپنے مرید خاص میاں سعد اللہ کو سردار لشکر بنا کر بھیجا۔ شاہ صاحب کے ساتھیوں نے خوب مقابلہ کیا۔ مگر سپاہ سے

(باقیماندہ صفحہ گزشتہ) اور وہ سبزہ دونوں بندھ رہے تھے"۔ اخوارق مستان، ص ۲۳

بیسی توقع تھی ؛ یسا اس نے ثبوت مردانگی نہ دیا سعد اللہ شہید ہوئے شاہ صاحب
فوج کے اس رویے سے جز بز ہوئے ۔ اور بریلی جانے کا ارادہ کیا[1]

رفیقوں کو ہمرہ لے جائیں گے — بریلی کو اب ہم چلے جائیں گے
اور محمدی کے قلعے میں شاہ صاحب آ گئے[2]

---

[1] تائب ص ۹۴

[2] مولوی احمد اللہ شاہ نے ۲۰ مارچ ۱۸۵۸ء کو اپنی بادشاہی کا اعلان کیا اور سکہ بھی مضروب کیا ۔

سکہ زد بر ہفت کشور خادم محراب شاہ — حامی دین محمد احمد اللہ بادشاہ

(قیصر التواریخ جلد دوم ص ۳۶۶) مختلف رؤسا اور رجواڑوں کو فرمان جاری کئے گئے ۔ انگریز ، شاہ صاحب کی بادشاہی کے اعلان سے بوکھلا اٹھے اور ٹرام نے اس کی اطلاع بذریعہ تار الہ آباد دی (مآثر دلاوری ۔ ص ۱۴۰) مولوی غلام رسول مہر نے ان کی بادشاہت کے دعویٰ کو ماننے میں تامل کیا ہے ۔ (۱۸۵۷ء کے مجاہد لاہور ۱۹۵۷ء ص ۸۶) مگر واقعہ یہی ہے ۔ اب تو وہ فرامین بھی دستیاب ہو گئے ہیں جو شاہ صاحب نے جاری کئے تھے ۔ (مآثر دلاوری ۔ ص ۱۴۲ ۔ ۱۴۵) یہ بات یوں بھی سمجھ میں آتی ہے کہ بہادر شاہ ظفر قید ہو چکے تھے لکھنؤ انقلابیوں کے ہاتھ سے نکل چکا تھا اور بیگم حضرت محل اور شاہزادہ برجیس قدر نیپال کا رخ کر چکے تھے ۔ ملک میں یک مرکزی نظام کے لئے اس زمانے کے مزاج کے مطابق کسی بادشاہ کا ہونا ضروری تھا تاکہ مرکزیت قائم رہ سکے ۔ لہٰذا مولوی احمد اللہ شاہ نے بادشاہت کا اعلان کر دیا ۔ اور ہمارا خیال یہ ہے کہ اسی بادشاہت کے جواز کیلئے مولوی احمد اللہ شاہ کو تائب نے "بادشاہزادہ" لکھا ہے اگرچہ باپ اور خاندان کی صراحت کا کتاب میں کہیں ذکر نہیں ہے ۔

احمداللہ شاہ صاحب اودھ سے بارٹی پہونچے اور وہاں فوج کے جمع کرنے لڑنے پر سخت ناراض ہوئے اور فرمایا کہ۔

رفیقوں کو ہمراہ لے جائیں گے
بریلی کو اب ہم چلے جائیں گے

اس کے بعد احمداللہ شاہ صاحب نے بریلی کے نواب (خان بہادر خاں) کو ایک فرمان لکھا کہ ہمارا ارادہ بریلی آنے کا ہے۔ اس کے متعلق جواب دو۔ بقول مصنف تواریخ احمدی، نواب بریلی نے شاہ صاحب کی آمد بریلی میں مناسب نہیں سمجھی شاہ صاحب کو جب نواب خان بہادر خاں کا جواب ملگیا تو وہ محمدی کے انتظام میں مصروف ہو گئے اور محالوں پر عامل مقرر کئے۔ جب شاہ صاحب کو شاہجہاں پور کی حالت کا علم ہوا تو انہوں نے شاہجہاں پور کی طرف رخ کیا، اور شاہجہاں پور پر حملہ آور ہوئے۔ یہ حملہ ۳ مئی کو ہوا اور ۱۱ مئی تک جاری رہا۔ اس میں انگریزوں کو سخت شکست ہوئی۔ شاہ صاحب کو مال غنیمت ہاتھ لگا۔ انگریز پرانی جیل میں محصور ہو گئے۔ شاہ صاحب نے بہت اچھا انتظام کیا۔ فوج کو ہدایات جاری کیں کہ رعایا پر ظلم نہ کیا جائے علاقوں پر ناظم مقرر کئے، اپنی ٹکسال جاری کر دی اور مرزا برجیس قدر کو شاہ احمداللہ صاحب نے ایک فرمان بھیجا، جس میں اس کو شاہجہاں پور کی فتحیابی قومی حکومت کا قیام اور سکہ کے اجراء کی خبر بھیجی۔[1]

انگریزوں نے چاروں طرف سے اپنی طاقت کو جمع کیا اور کانٹ پر اکٹھے ہوئے۔ احمداللہ شاہ پر حملہ کا پروگرام بنایا۔ شاہ صاحب کو جب انگریزوں کے اس ارادے کی خبر ہوئی تو انہوں نے بھی تیاری شروع کردی

---

[1] تائب۔ صد ۹۴

شاہ صاحب کے ساتھ بارہ سو سوار تھے اور انگریزوں کی فوج چھ ہزار تھی دونوں طرف سے گھمسان کی لڑائی ہوئی، اور معرکہ کارزار رہا۔ انگریز شاہجہانپور میں داخل ہو گئے۔ شاہ صاحب نے شہر چھوڑ دیا، اسی درمیان میں بریلی پر انگریزوں کا قبضہ ہو چکا تھا۔ نواب خان بہادر خاں شاہجہانپور پہونچے۔ فیروز شاہ شہزادہ اور اسمٰعیل خاں فتح گڑھ سے بھی آ گئے شاہ صاحب کے پاس سولہ ہزار فوج جمع ہو گئی۔ تمام سرداروں کا مشورہ ہوا کہ اب انگریزوں سے کس طرح مقابلہ کیا جائے۔ طے ہوا کہ غول کر کے چڑھائی کی جاتے اور تازہ دم مدد پہونچتی رہے انقلابیوں کی فوج اپنی قیام گاہ سے چلی، چھ سات کوس کے فاصلے پر پہونچی کہ انگریزی فوج سے مقابلہ ہو گیا۔ معرکہ کارزار گرم ہوا۔ اس مقابلہ میں انگریزی فوج کو شکست ہوئی۔ انقلابی فوج کامیاب ہوئی۔ معلوم ہوتا ہے کہ شاہ صاحب اس معرکے میں خود شریک نہیں رہے بلکہ جنگی پالیسی کی کمان کر رہے تھے۔ تائب لکھتے ہیں۔

گیا مژدۂ فتح حضرت کے پاس ... زباں میں ہوئیں صرف شکر و سپاس

شاہ صاحب نے فوج کا جائزہ لیا۔ چونکہ حدِ فرخ آباد تک کا ملک قبضے میں آ گیا تھا لہٰذا شاہ صاحب اس طرف گئے ہوئے تھے۔ جب انگریزوں کو اس کا علم ہوا تو انہوں نے انقلابی فوج پر حملہ کر دیا۔ طرفین سے سخت مقابلہ ہوا، آخر انقلابیوں کو شکست ہوئی اور انگریز کامیاب ہوئے جب شاہ صاحب کو اس کا علم ہوا تو فوراً وہ شاہجہانپور کی طرف واپس آئے۔ اور وہاں اپنے مرید لکڑشاہ کو قائم مقام کیا۔ برباد شدہ سپاہ کا جائزہ لیا اور اس کو اس کی کوتاہیاں بتائیں۔ طے کیا کہ سکندر آباد کا رخ کیا جائے۔ اس کے بعض دیگر انتظامات بھی کیے۔ پھر قلعہ محمدی[1]

---

[1] تائب صد ۱۱۴

پہونچے اور درویش الف شاہ سے ملاقات کی اور الف شاہ سے حصول فیض کے بعد رخصت ہوئے"۔

اس کے بعد بلدیو سنگھ نے اپنی سازش کا جال بچھایا اور شاہ صاحب شہید ہو گئے۔ (۵ /جون ۱۸۵۸ء) جس کا تفصیلی ذکر باب پنجم میں کیا جا چکا ہے۔

استدراک مولوی احمد اللہ شاہ مدراسی کے حالات میں ایک کتاب "تذکرہ مولانا احمد اللہ شاہ شہید"، یعنی ماثر دلاوری ۱۹۶۶ء میں گوپامئو ضلع ہردوئی (یو.پی) سے شائع ہوئی ہے، جس کے مؤلف محمد ابرار حسین گوپاموی ہیں، اس کتاب میں مولف نے مولوی احمد اللہ شاہ کو فاروقی نسب اور نواب والاجاہ کے خاندان سے بتایا ہے اور یہی جذبہ اس کتاب کی تالیف کا محرک بھی ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ فاضل مؤلف اس دعوے کو ثابت کرنے میں ناکام رہے ہیں۔ اس حصے (نام و خاندان کی بحث) کے علاوہ دوسرے مندرجات قابل قدر ہیں اور مولوی احمد اللہ شاہ کے حالات میں نیا اضافہ ہیں۔

فاروقی صاحب کو اس کتاب لکھنے کی تحریک اس وجہ سے ہوئی کہ شیخ تصدق حسین صاحب ایڈوکیٹ لکھنؤ نے ۱۰ اگست ۱۹۶۳ء کو ریڈیو اسٹیشن لکھنؤ سے ایک مقالہ "جنگ آزادی کے مجاہد احمد اللہ شاہ" کے عنوان سے پڑھا، اور انھوں نے اس میں ارشاد فرمایا۔

> "ان (مولوی احمد اللہ شاہ) کے پردادا نواب سید انوار الدین خاں بہادر شہامت جنگ تھے، جو ابتداءً قصبہ گوپامئو، ضلع ہردوئی کے باشندے تھے جن کے بیٹے محمد علی خاں والاجاہ نواب ارکاٹ تھے۔ آخرالذکر

کے تحت جگر عمدۃ الامراء غلام حسین خاں نواب چنیا پٹن مدراس[۱]
تھے، جن کے نورِ نظر "دلاور جنگ" تھے. جن کا اصلی
نام احمد علی تھا"

اور شیخ صاحب کے اس بیان کی اساس، بقول خود اخبار "طلسم" فرنگی محل لکھنؤ مجریہ مارچ ۱۸۵۶ء ہے اور اسی بیان نے ابرار حسین فاروقی صاحب کو کتاب کی تدوین و تیاری پر آمادہ کیا. تحقیق کے سلسلے میں یہ نہایت ضروری اور اہم بات تھی کہ وہ پہلے "طلسم" کا وہ پرچہ ملاحظہ فرماتے تاکہ یہ معلوم ہوتا کہ اس بیان کی اساس کیا ہے. فاروقی صاحب نے "طلسم" کے بعض بیانات کو اپنی تحریر میں ساقط الاعتبار قرار دیا ہے. لطیفہ ملاحظہ ہو کہ وہ اخبار شیخ تصدق حسین کے پاس سے کوئی صاحب مانگ کر لے گئے جو واپس نہ ملا. حالانکہ انھوں نے تاریخ میں ایک نئے باب کا اضافہ کیا تھا. لہٰذا اس دستاویز کی گم شدگی سے مقدمہ کمزور ہو گیا.

اب ابرار حسین فاروقی صاحب کی دوسری کوششوں کا جائزہ لیجئے تو اس سلسلے میں مدراس سے کوئی تائیدی ثبوت نہ مل سکا کہ مولوی احمد اللہ شاہ نواب والاجاہ کے خاندان سے تھے بلکہ ان کی تحقیق کا یہ ضروری حصہ مفلوج ہی رہا اور مدراس کے لوگ مولوی احمد اللہ شاہ کے "نام و کام ہی سے نا آشنا" نکلے خود گوپامئو سے بھی کوئی دستاویز یا شجرہ ایسا فراہم نہ ہو سکا کہ جس سے یہ دعویٰ ثابت ہو جاتا. انھوں نے ظن و قیاس پر ساری عمارت تعمیر کر دی. اصل حقیقت یہ ہے کہ مولوی احمد اللہ شاہ کے مریدِ عقیدت مند اور سوانح نگار اوّل مولوی فتح محمد تائب بھی ان کے والد، خاندان اور ابتدائی حالات سے بے خبر ہیں. چنانچہ وہ لکھتے ہیں[۲].

[۱] تائب - صفحہ ۱۲

مفصل امیری کے احوال سے ۔۔۔ نہ واقف تھا لکھا ہے اجمال سے

یہ تمکین و رفعت خداداد ہے ۔۔۔ کہ نام آپ کا صرف اوراد ہے
نسب نامۂ سرورِ پاک دیں ۔۔۔ یہ تفصیل معلوم مجھ کو نہیں

آگے چل کر لکھتے ہیں۔
مگر بعض مضمون تحریر سے ۔۔۔ خطوط اور اندازِ تقریر سے
عیاں ہے کہ آلِ پیمبر ہیں آپ ۔۔۔ سیادت کے دریا کے گوہر ہیں آپ

اس بیان کو موکد کرنے کے لئے لکھتے ہیں۔
قرابت انہیں تھی بلا اشتباہ ۔۔۔ سوئے سیّد ابوالحسن ؒ قطب شاہ

اس سلسلے کا سب سے اہم شعر یہ ہے۔
جلال اور دیہے نسب سے ہا درست[1] ۔۔۔ کہ جن پر قبائے عدالت تھی چست

اس شعر کو فاروقی صاحب صاف اڑا گئے اور اپنی کتاب میں کہیں زیر بحث نہیں لائے۔ ایک شعر فاروقی صاحب نے لکھا ہے۔
ہمارے ہے قبضے میں تیغ عمر ۔۔۔ لڑائی میں گوروں کی ہیں شیر نر
فاروقی صاحب نے اس کا حاشیہ بھی نقل کیا ہے۔ مگر اس کے بعد کا شعر

---

[1] کذا فی الاصل

نقل نہیں فرمایا۔

درِ رزم بازوئے حیدر ہیں ہم — کڑے، شکل فولاد خنجر ہیں ہم

اگلا شعر ہے۔

یہ زورِ خداداد' بازو میں ہے — عنانِ ظفر اپنے قابو میں ہے

درحقیقت چنہٹ کے معرکے کا ذکر کرتے ہوئے تائبؔ صاحب نے تہوری بہادری اور مبارزت کے جذبات کا ان اشعار میں اظہار کیا ہے۔ اگر فاروقی صاحب کا یہی اندازِ استدلال ہے تو تائبؔ صاحب کے دو شعر اور ملاحظہ ہوں۔

نگاہوں سے تھی شانِ حیدر عیاں — گراتی تھی چیں بر جبیں بجلیاں

علم یا علی کہہ کے خنجر کیا — رواں مرکب باد پیکر کیا

سابقہ اور ان اشعار کی روشنی میں شاہ صاحب کو کیوں علوی النسب نہ لکھا جاتے۔ ان کے سوانح نگار تائبؔ نے تو صاف لکھ دیا کہ شاہ صاحب کا نسب نامہ تفصیل سے معلوم نہیں ہے۔ مگر فاروقی صاحب نے گم شدہ "طلسم" کے موہوم و مجروم بیان کی روشنی میں ایسی تحقیق فرمائی کہ مولوی احمد اللہ شاہ کو فاروقی النسب بنا دیا۔ تائبؔ کے دو شعر نہایت غور طلب ہیں، محراب شاہ کی بیعت سے قبل مولوی احمد اللہ شاہ کی طبیعت کو ایک خاص نوع کی پریشانی تھی جس کے سلسلے میں وہ اپنے مرشد فرقان علی شاہ کے حضور میں پہونچتے ہیں اور اپنی پریشانی کا اظہار کرتے ہیں۔

مری زندگی ہے ہوس خیز مرگ — کہ ہے خارِ فرقت خلش ریز مرگ

نہ ہونا خوشی اس کی گر آپ کی — کروں جا کے خدمت میں ماں باپ کی

شاہ فرقان علی نے جواب میں فرمایا۔

کہ دیدار ماں باپ کا خوب ہے — دیا قربتِ یار مطلوب ہے

اس کے بعد فرقان علی شاہؔ نے رہنمائی کی کہ وہ گوالیار محراب شاہ سے فیض حاصل کریں۔ اس بحث کا حاصل یہ ہے کہ اس وقت مولوی احمد اللہ شاہ کے والدین زندہ تھے اور ان کی عمر چالیس سال سے زیادہ ہوگی، کیونکہ بقول تائب تیس سال کی عمر سے زیادہ میں وہ بیعت ہوئے، کچھ مدت تعلیم و تلقین میں ہوئی پھر سیر و سیاحت کی وعظ و تبلیغ کا سلسلہ رہا۔ لہٰذا چالیس سال کی عمر کا کم سے کم اندازہ ہے۔ اور اگر ابرار حسین فاروقی صاحب کا تخمینی سال پیدائش ۱۷۸۷ء تا ۱۷۸۹ء مان لیا جائے تو یہ واقعہ کم سے کم ۱۸۲۹ء کا ہوتا ہے، جب احمد اللہ شاہ صاحب اپنے مرشد سے اپنے ماں باپ کی خدمت کرنے کی اجازت چاہتے ہیں۔ اور فاروقی صاحب کی تحریر کے مطابق ان کے والد عمدۃ الامراء غلام حسین خاں بہادر والاجاہ دوم ۳ ربیع الاول ۱۲۱۶ھ ۱۴ جولائی ۱۸۰۱ء کو فوت ہو چکے تھے۔ اور فاروقی صاحب کے خیال کے مطابق ان کی والدہ کا بچپن میں انتقال ہوا تھا اور ان کی پھوپی جنہوں نے دودھ پلایا تھا وہ ۱۸۲۰ء میں فوت ہو چکی تھیں لہٰذا شاہ صاحب نے ماں باپ کی خدمت کی اجازت کیوں طلب کی اس سلسلے میں فاروقی صاحب نے اظہار خیال نہیں فرمایا، اور اس مسئلے کو حل نہیں کیا۔

۱؎ ابرار حسین فاروقی نے فرقان علی شاہ کے بجائے قربان علی شاہ لکھا ہے (مآثر دلاوری۔ ص۶۵)، حالانکہ تائب نے فرقان علی شاہ صاحب لکھا ہے۔ اسی طرح فاروقی صاحب نے بریلی کے نواب کو بہادر خاں لکھا ہے۔ حالانکہ ان کا نام خان بہادر خاں تھا۔ (مآثر دلاوری، ص۴۳)

۲۔ مولوی سرفراز علی امام المجاہدینؒ

مولوی سرفراز علی گورکھپور کے رہنے والے، عالم اور واعظ خوش بیان تھے۔ چشتیہ نظامیہ سلسلے میں شاہ ابواللیث خلیفہ شاہ سبحان علی، خلیفہ شاہ فخر الدین دہلوی کے مرید و خلیفہ تھے۔ انہوں نے فوج میں انگریزی اقتدار کے خلاف جذبۂ نفرت پیدا کیا۔ گورکھپور کے قریب سنگولی کی چھاؤنی میں شاہجہاں پور کے بہت سے لوگ ملازم تھے، جن میں غلام محمد خاں رسالدار اور شاہ غلام امام خاں ساکنان شاہجہاں پور خاص طور سے قابلِ ذکر ہیں۔ شاہجہاں پور کے لوگ مولوی سرفراز علی کے وعظوں میں اکثر شریک ہوتے تھے۔ اس طرح مولوی صاحب کے خیالات سے سنگولی کے سپاہی متاثر ہوئے۔ غلام امام خاں مولوی سرفراز علی کے مرید ہو گئے، اور ۱۸۵۷ء کے موقع پر مولوی سرفراز علی شاہجہاں پور تشریف لائے، شہر میں جا بجا ان کے وعظ ہوئے۔ مسلمان سپاہیوں نے خاص چھاؤنی میں ان کا وعظ کرایا۔ اور اس طرح شاہجہاں پور کی سپاہ سے براہ راست ان کا تعلق ہو گیا۔ اور جب شاہجہاں پور کی فوجوں نے انگریزوں کی غلامی کا جوا اپنے کندھوں سے اتار پھینکا تو اس موقع پر مولوی سرفراز علی شاہجہاں پور میں موجود تھے۔ وہاں سے فوج کے ہمراہ مولوی صاحب بریلی پہونچے اور بخت خاں کے مشورے سے دہلی روانہ ہوئے۔ مولوی سرفراز علی کا تعلق دہلی کی انقلابی جماعت سے پہلے سے تھا۔ جیسا کہ مولوی صاحب کے خط سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت شاہ باقی باللہؒ کے عرس کے

ؒ مولوی سرفراز علی کے حالات زیادہ تر تاریخ شاہجہانپور ص ۳۲۱ - ۳۲۲ سے ماخوذ ہیں۔

موقع پر فروری ۱۸۵۸ء میں وہ دہلی میں تھے، اور رسالدار سردار خاں سے ملے تھے۔

مولوی سرفراز علی دہلی پہونچے تو ان کی اور بخت خاں کی کوششوں سے دہلی کی تحریک آزادی میں جان آگئی اور وہ آخر وقت تک بخت خاں کے شریک و سہیم رہے۔ دہلی کے مشہور فتوی جہاد پر مولوی سرفراز علی نے دستخط کئے سقوط دہلی کے بعد وہ بخت خاں کیساتھ لکھنؤ آئے، اور آخر میں تحریک کے دوسرے قائدین کے ہمراہ نیپال چلے گئے اور وہیں ان کا انتقال ہوا۔ مؤلف تاریخ شاہجہاں پور لکھتے ہیں۔

> "غدر کے بعد وہ نیپال چلے گئے۔ راجہ (نیپال) نے نہایت احترام و اکرام سے پناہ دے کر گذارہ مقرر کردیا آپکا نیپال ہی میں وصال ہوا۔ اور وہیں سپرد خاک ہوئے مولانا ایک زبردست عالم، سحر بیان واعظ خوش اخلاق اور کامل درویش تھے۔ سماع بھی سنتے تھے"

شاہجہانپور میں غلام امام خاں مولوی سرفراز علی کے خلیفہ تھے، جن کا انتقال ۱۲۸۳ھ میں ہوا۔ شاہجہانپور میں غلام امام خاں کے بہت سے مرید تھے جن میں حافظ احمد حسین عرف حافظ میاں (ف ۱۳۲۵ھ) خاص طور سے قابل ذکر ہیں۔ حافظ میاں سے متعدد تصانیف یادگار ہیں۔ جن میں سے کلیات نظم اور میزان الانفاس طبع ہو چکی ہیں۔

---

۵۵ تاریخ شاہجہاں پور۔ صہ ۳۲۱

۵۶ " " " ۱۰۴ - ۱۰۵

۵۷ " " " ۱۲۴ - ۱۲۸

۳۔ مولانا فیض احمد بدایونیؒ

پیدائش مولانا فیض احمد بن حکیم غلام احمد مولوی محلہ شہر بدایوں میں ۱۲۲۳ھ میں پیدا ہوئے۔ ان کی عمر قریب تین سال کی ہوگی کہ والد ماجد کا انتقال ہوگیا۔ اور یتیمی کا داغ لگا۔ مگر ان کی والدہ نے ان کی باحسن وجوہ تربیت فرمائی۔

تعلیم و تربیت والدہ نے اس ہونہار بچے کو اپنے بھائی مولانا فضل رسولؒ بدایونی کے سپرد کردیا۔ انہوں نے نہایت محبت اور ناز و نعم سے پرورش فرمائی۔ مولانا فیض احمد نے تمام علوم منقول و معقول اپنے ماموں اور شفیق استاد مولانا فضل رسول سے حاصل فرمائے دوسرے فنون مروجہ خطاطی، شعر و شاعری وغیرہ میں بھی انہوں نے کمال حاصل کیا۔ ایک قلیل عرصہ میں ان کی شہرت ہوگئی، مولانا فضل رسول ان کے متعلق ملفوظات معینی میں لکھتے ہیں۔

> بفضلہ تعالیٰ فیض احمد نور کہ ہمشیرزادہ و نور دیدہ ولخت دل و قوتِ بازوئے خاکسار است جامع کمالاتِ انسانی است در علوم مروجہ بر معاصرین بالا دست و عقیدت و محبت صحیحہ بامحبان و محبوب خدا دارد۔ اللّٰھم زد

---

[1] مولانا فیض احمد کے مفصل حالات بصورت کتاب راقم الحروف نے شائع کر دئے ہیں۔

انزعین الکمالی کہ دارد ہمینکہ بخدمات جلیلہ حکام دنیا تضییع
اوقات می کند۔ اللہ تعالیٰ انجام بخیر فرمایدچونکہ حبل المتین
محبت دوستان خدا دارد امید[1] ماست۔

درس و تدریس

مولانا فیض احمد نے جب مسند درس کو سنبھالا تو ایک عالم مستفید ہوا۔ طلباء سے ایک خاص تعلق ہوتا تھا۔ ان کی خبر گیری اور بسا اوقات ان کی مدد کرنا ان کے معمولات سے تھا۔ دوران ملازمت بھی وہ طلباء کو درس دیتے تھے۔ تلامذہ کا شمار دشوار ہے بدایوں کے مقامی تلامذہ میں مولوی صبیح الدین عباسی، قاضی شمس الاسلام، مولوی دولت علے نقوی بقائی[2]، مولوی حکیم غلام صفدر، مولوی محمد اسحٰق صدیقی، مولوی محمد بخش صدر الصدور، مولوی علی بخش خاں صدر الصدور، مولوی محمود بخش صدر الصدور، مولوی کرامت اللہ منصف، مولوی محمد حسین، مولوی نجابت اللہ خلیفہ غلام حسین، مولوی نذیر احمد، مولوی محمد سعید، مولوی نور محمد وغیرہ وغیرہ خاص طور سے قابل ذکر ہیں[3]۔ بیرونجات کے شاگردوں میں مولوی احمد حسن عرشی قنوجی، مولوی عبد الصمد قنوجی، مولوی فضل احمد فرخ آبادی، مولوی سراج احمد و اولاد احمد سہسوانی کے نام ملتے ہیں۔

آگرہ میں دوران ملازمت جنہوں نے تعلیم پائی ان میں مولوی اولاد علی اکبر آبادی اور مولوی باسط علی کے نام نمایاں ہیں۔

---

[1] بحوالہ اکمل التاریخ جلد اوّل۔ صنعہ [2] یہ بدایوں کے نامور اور مشہور لوگ گذرے ہیں۔ ان کے حالات اکمل التاریخ نیز بدایوں کے دوسرے خاندانی تذکروں میں موجود ہیں۔

ملازمت آغاز ملازمت کی تاریخ کا صحیح تعین نہ ہو سکا مگر خیال ہے کہ کچھ دنوں درس و تدریس کا سلسلہ رہا ہو گا۔ چونکہ ان کے ماموں مولوی فضل رسول بدایونی انگریزی ملازمت میں سررشتہ رہ چکے تھے لہٰذا اسی تعلق کی بناء پر انہوں نے بھی انگریزی ملازمت اختیار کی ہو گی۔ اور پھر اہلیت و قابلیت کے اعتبار سے وہ اس کے مستحق بھی تھے۔ بدایوں کے ایک رئیس چودھری تفضّل حسین فاروقی[1] ولد محمد عظیم، زمیندار سرائے چودھری کے ایک خاندانی قضیے کے تصفیے میں پنچایت میں دوسرے عمائد کے ساتھ ساتھ مولانا فیض احمد صاحب کی بھی مہر راقم کی نظر سے گذری یہ واقعہ و فیصلہ ۱۲۵۲ھ؍۱۸۳۶ء کا ہے۔ ان کی مہر بشکل مستطیل تھی اور اس میں "فیض احمد" مندرج تھا۔

ان کے آغاز ملازمت کے سلسلے میں صاحب اکمل التاریخ بھی خاموش ہیں اور "تحفۂ فیض" میں صرف اشارہ ہی پر اکتفا کیا گیا ہے۔ ممکن ہے کہ ملازمت کا آغاز بدایوں ہوا ہو جو زیادہ قرین قیاس ہے، پھر آگرہ پہونچے ہوں۔ آگرہ اس وقت صوبہ کا صدر مقام تھا۔ صدر نظامت آگرہ میں پہلے وہ مسل خواں پھر پیشکار ہوئے اور آخر میں بورڈ آف ریونیو میں سررشتہ دار ہو گئے۔ فرائض منصبی نہایت دیانت، محنت اور درستی سے انجام دیتے تھے حکام بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ اسی زمانہ میں ولیم میور نے جو وہاں مجسٹریٹ علاقہ فوج تھا اور بعد کو لفٹیننٹ گورنر صوبہ یو۔پی ۱۸۶۸ء تا ۱۸۷۴ء ہوا۔ ان سے عربی پڑھی۔

مناظرہ مابین مولوی رحمت اللہ کیرانوی و پادری فنڈر ہندوستان میں ایسٹ انڈیا

[1] تفضّل حسین محلہ چودھری سرائے (بدایوں) کے رئیس جنگ آزادی ۱۸۵۷ء میں حصہ لیا اور ۱۸۹۳ء میں انتقال ہوا۔

کمپنی کے اقتدار کے ہمدوش مذہب عیسوی نے بھی فروغ حاصل کیا اور ہر ممکن صورت سے اس مغلوب ملک کو مذہبی حیثیت سے بھی فتح کرنے کی کوشش کی۔ کمپنی کی تائید و اعانت سے مذہب مسیحی کی تنظیم اور ترقی عمل میں آئی۔ ملک کے طول و عرض میں ہر جگہ اس تنظیم کے آثار قائم کئے گئے۔ چرچ مشن سوسائٹی، بائیبل سوسائٹی، مشن فنڈ، مشن اسپتال، مشن کالج اور مدارس جابجا قائم ہوتے۔ مذہبی کتابوں اور رسائل کی اشاعت کے ذریعے ہندوستانیوں کے رجحانات و عقائد بدلنے کی کوشش کی گئی۔ غرض یہ وہ زمانہ تھا کہ عیسائیوں نے ہندوستان میں اسلام کے خلاف زبردست مہم جاری کر رکھی تھی۔ ۱۸۵۴ء میں پادری فنڈر یورپ سے ہندوستان آیا، یہاں اس نے اور اس کی جماعت نے دل شکن تقریروں کا سلسلہ شروع کر دیا۔ اور اس کی کتاب "میزان الحق" نے خوف و ہراس پیدا کر دیا تھا۔ پادری فنڈر نے آگرہ کو مناظرہ کا گڑھ ٹھہرایا۔ کیونکہ آگرہ اس وقت علماء کا مرکز تھا۔ اس کا خیال تھا کہ اگر یہاں کسی طرح فتح ہو گئی تو عیسائیت کی تبلیغ میں بڑی مدد ملے گی۔ اس نے مشاہیر علماء کو چیلنج دیا، مجلس علماء میں مشورہ ہوا۔ مولانا فیض احمد کے دوست ڈاکٹر وزیر خاں نے چیلنج قبول کر لیا اور مذہب عیسوی کے مشہور ماہر و مناظر مولوی رحمت اللہ کیرانوی جو کہ عرصہ سے پادری مذکور سے خط و کتابت کر رہے تھے۔ بلائے گئے۔ چھلی اینٹ آگرہ میں قیام کیا۔

۱۱ رجب ۱۲۷۰ھ م ۱۰ اپریل ۱۸۵۴ء بروز پیر کٹرہ عبد المسیح آگرہ میں مناظرہ کا پہلا اجلاس ہوا اہل اسلام کی جانب سے مناظرِ اوّل مولوی رحمت اللہ عثمانی کیرانوی اور مناظر دوم ڈاکٹر وزیر خاں تھے۔ عیسائیوں کی طرف سے مناظر اوّل پادری فنڈر اور مناظر دوم پادری فرنچ تھے۔ مجلس مناظرہ میں مسٹر اسمتھ حاکم صدر دیوانی، مسٹر کرسچن سکنڈ، صوبہ بورڈ، مسٹر ولیم میور مجسٹریٹ علاقہ فوج، مسٹر لیڈل ترجمان

حکومت پادری، ولیم گلبن، مفتی ریاض الدین، مولوی حضور احمد سہسوانی، مولوی امیر اللہ مختار، راجہ بنارس، مولوی قمر الاسلام امام جامع مسجد آگرہ، مفتی خادم علی مہتمم مطلع الاخبار، مولوی سراج الحق، مولوی کریم اللہ خاں بچھرایونی، پنڈت جگل کشور، راجہ بلوان سنگھ (بنارس)، قاضی حکیم فرخند علی گوپاموی، مولوی سراج الاسلام، نیز اور بہت سے علماء، عمائدین اور روسائے شہر موجود تھے۔ شرائط مناظرہ میں یہ خاص شرط تھی کہ مغلوب کو غالب کا مذہب اختیار کرنا ہوگا۔ دو روز تک مناظرہ ہوا۔ پادری فنڈر کو انجیل کی تحریف کا اقرار کرنا پڑا اور اس نے شکست فاش کھائی۔ اور آگرہ سے راہ فرار اختیار کر کے سیدھا یورپ پہونچا۔ اس مناظرہ کی پوری کیفیت "البحث الشریف فی اثبات النسخ والتحریف" کے نام سے وزیر الدین نے مرتب کی اور حافظ عبد اللہ کے نام سے سنہ ۱۲۷۰ھ میں فخر المطابع شاہجہاں آباد میں ولی عہد مرزا فخرو کے صرفہ و حکم سے چھپ کر اکناف و اطراف ہند میں تقسیم کی گئی۔ اسی مناظرہ اکبر آباد کو چھوٹی تقطیع پر حصہ اول "مباحثہ مذہبی" اور دوسرا حصہ "مراسلات مذہبی" کے نام سے سید عبد اللہ اکبر آبادی نے منشی محمد امیر کے اہتمام سے مطبع منمیہ اکبر آباد میں سنہ ۱۲۷۰ھ میں چھپوایا۔ پہلا حصہ فارسی میں تقریری مناظرہ کی روداد ہے اور دوسرے حصے میں ڈاکٹر وزیر خاں اور پادری فنڈر کا تحریری مناظرہ اردو میں ہے اس کتاب کا عربی ترجمہ مولوی رحمت اللہ کی کتاب اظہار الحق کے حاشیے پر مطبوع ہے جو کہ مطبع محمودیہ قاہرہ مصر سے سنہ ۱۳۱۷ ہجری میں طبع ہوا ہے۔ غرض اس تاریخی مناظرہ میں مولانا فیض احمد بدایونی برابر موجود رہے۔ بعض سوال و جواب میں حصہ

لہ ایک مجاہد معمار (سوانح مولانا رحمت اللہ) شائع کردہ دار العلوم حرم صولتیہ مکہ معظمہ۔

لیا۔ اور اس کی کامیابی کے ممد ہوتے۔ اور دورانِ ملازمت میں یہ بڑا کام تھا۔

انقلاب ۱۸۵۷ء

انقلاب ۱۸۵۷ء کے آغاز پر آگرہ میں اوّل اوّل کچھ حالت قابل اطمینان رہی۔ مگر جب میرٹھ اور دہلی کی فوجوں کی بغاوت اور مجاہدین کے معرکوں کی خبر آگرہ پہونچی، جونس کالون لفٹیننٹ گورنر بہادر نے سب فوج ہندوستانی اور انگریزی کو جمع کر کے فہمائش کی، اس کا اثر چند روز رہا۔ آخر آگرہ کی سپاہ بھی باغی ہوگئی۔ اور مجاہدین سے مل گئی۔ اور آزادی وطن میں کوشاں ہوئی۔ انگریزوں نے قلعہ کو جائے پناہ قرار دیا۔ ماہ جون میں یہاں بھی واقعات شروع ہوئے، جولائی میں تیزی آئی۔ مجاہد فوج کی سرپرستی ڈاکٹر وزیر خاں اور مولوی فیض احمد بدایونی نے کی۔ مگر حالات کا جب گہرا جائزہ لیا اور دہلی سے پیام وسلام کے ذریعے طلبی ہوئی تو کچھ مسلح سپاہ کے ساتھ ڈاکٹر وزیر خاں اور فیض احمد بدایونی دہلی روانہ ہوگئے۔

واقعاتِ دہلی

دہلی میں بہادر شاہ نے باقاعدہ بادشاہت کا اعلان کر دیا تھا جنرل بخت خاں فوج کے ہمراہ بریلی سے دہلی پہونچ چکے تھے۔

دہلی میں جنرل بخت خاں کی فوج کی حالت سب سے اچھی تھی۔ بادشاہ کو جنرل بخت خاں پر بڑا اعتماد تھا خلوت وجلوت میں ہر وقت بادشاہ کی باریابی کی اجازت تھی۔ جنرل بخت خاں کو لارڈ گورنر بنایا گیا تھا۔ انہوں نے اپنی معاونت اور مشورے کے لیے ڈاکٹر وزیر خاں کو اپنے ساتھ رکھا۔ مولوی فیض احمد بدایونی مرزا مغل کے

---

[1] آثار رحمت۔ صد ۱۶۵ و ۲۰۹

پیشکار مقرر ہوئے۔

ہنگامۂ کارزار

دہلی میں جنرل بخت خاں نے بڑے معرکے سر کئے انگریزی فوج نے ہر جگہ اس بہادر و جانباز جنرل سے شکست کھائی در اصل جنرل بخت خاں کی فوج بہت باقاعدہ اور بہادر تھی۔ اس کی تصدیق بطور عینی شاہد کے مرزا ظہیر دہلوی کے روزنامچہ غدر سے ہوتی ہے۔

سقوط دہلی کے بعد جنرل بخت خاں، ڈاکٹر وزیر خاں اور مولوی فیض احمد بدایونی وغیرہ نے دہلی چھوڑ دی۔ مولوی عبد الشاہد خاں شروانی لکھتے ہیں۔

"جنرل بخت خاں، ڈاکٹر وزیر خاں اور مولوی فیض احمد وغیرہ سب لکھنؤ چلے گئے" (باغی ہندوستان ص۱۵۱ از مولوی عبد الشاہد خاں شروانی)

لکھنؤ میں مولوی احمد اللہ شاہ کے زیر کمان مولوی فیض احمد شریک معرکہ رہے۔ تمام سرداران، جنرل بخت خاں، ڈاکٹر وزیر خاں، عظیم اللہ کانپوری نواب تفضل حسین فرخ آبادی، تانا راؤ۔ شہزادہ فیروز شاہ، مولوی لیاقت علی الہ آبادی، مولوی سرفراز علی امام المجاہدین، وغیرہ وغیرہ مختلف مقامات سے آکر شاہ احمد اللہ صاحب سے آملے تھے۔

سقوط لکھنؤ کے بعد احمد اللہ شاہ اپنے رفقاء کے ہمراہ شاہجہاں پور چلے گئے، چونکہ شاہ صاحب کے ہمراہ تحریک کے بڑے بڑے سردار موجود تھے، شاہ صاحب نے شاہجہاں پور چھوڑنا مناسب نہ سمجھا مگر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ شاہ صاحب نے ان سرداروں کو روہیل کھنڈ کے مختلف اطراف میں

پھیلا کر مختلف مورچوں اور مقامات پر مجاہدین کی مدد اور قیادت کے لئے بھیجدیا۔ چنانچہ ڈاکٹر وزیر خاں اور مولوی فیض احمد بدایونی گنگا کو عبور کر کے بدایوں پہونچے اور انہوں نے ککرالہ (بدایوں) کے معرکے میں خوب دادِ شجاعت دی۔ جس کا اعتراف مؤلف گزیٹیر ضلع بدایوں نے بھی دبے الفاظ میں کیا ہے۔

ککرالہ کے معرکے کے بعد شہزادہ فیروز شاہ، مولوی فیض احمد بدایونی اور ڈاکٹر وزیر خاں وغیرہ بریلی پہونچے۔ شاہزادے فیروز شاہ نواب خان بہادر خاں کے پاس رہ گئے اور مولوی فیض احمد و ڈاکٹر وزیر خاں شاہ احمد اللہ صاحب کے پاس شاہجہاں پور چلے گئے اور وہیں معرکوں میں شریک رہے۔

مولوی فیض احمد بدایونی کی روپوشی

جب مولوی احمد اللہ شاہ راجہ پوایاں کی غداری سے شہید ہو گئے تو ان کی شہادت کے بعد مجاہدین کے سرگروہ منتشر ہو گئے۔ کانپور، فرخ آباد، مراد آباد، بدایوں، بریلی اور شاہجہان پور وغیرہ پر مکمل طور سے انگریز کا قبضہ ہو چکا تھا، مخبروں کی بن آئی تھی۔ جنرل بخت خاں، شہزادہ فیروز شاہ، ڈاکٹر وزیر خاں، نیز دوسرے سربرآوردہ حضرات نے راہ فرار اختیار کی، فیروز شاہ اور ڈاکٹر وزیر خاں مکہ معظمہ پہونچے، مولانا فیض احمد کے متعلق مشہور ہے کہ نیپال کی طرف چلے گئے۔ اور یہ یقینی بات ہے کہ اگر مولوی فیض احمد معرکہ محمدی سے بچ گئے تو یقیناً ڈاکٹر وزیر خاں کے ساتھ رہے۔ ڈاکٹر وزیر خاں اور فیروز شاہ شہزادے کی فراری کے متعلق قیصر التواریخ جلد دوم میں ہے کہ[1] شہزادہ شاہ احمد اللہ شاہ کی وفات کے بعد سندیلہ

---

[1] عبارت میں اختصار کر دیا گیا ہے۔

تکمی

پہونچا، کئی جگہ مقابلہ ہوا، آخر میں چار سو سوار رجمنٹ ۱۲ مع ظریف خاں رسالدار اور ڈاکٹر وزیر خاں باقی سوار جنگی متفرق قریب سو کے جمع ہو کر باڑی روانہ ہوئے پھر باڑی سے واپس ہو کر بلہور گھاٹ (کانپور) پر دریائے گنگا کو عبور کیا۔ شہزادے نے ملاحوں کو دو سو روپیہ انعام دیا۔ پھر پور حضرت بدیع الدین کے مزار پر پہونچے اور وہاں سے اٹاوہ ہو کر شیر پور کے گھاٹ جمنا کو عبور کیا، راستے میں بہادری سے لڑتا ہوا راجپوتانہ چلا گیا جے پور، بیکانیر، دامن کوہسار دکن میں سرگرداں رہا۔ وہاں قوم بھیل بھی شریک ہوگئی۔ آخر دریائے اٹک اتر کر داخل ملک ایران ہوا اور وہاں سے حجاز پہونچا۔

شہزادہ فیروز شاہ اور ڈاکٹر وزیر خاں حجاز پہونچے، مگر مولوی فیض احمد کا پتہ نہیں چلتا کہ راستے ہی میں ساتھیوں کو داغ مفارقت دیا، یا کسی اور طرف چلے گئے، لیکن یہ واقعہ ہے کہ اگر مولانا فیض احمد حجاز پہونچتے تو ضرور پتہ لگتا۔ کیونکہ ان کے ماموں مولانا فضل رسول رح بدایونی نے بہت تلاش کیا اور اس سلسلے میں ممالک اسلامیہ کا سفر اختیار کیا قسطنطنیہ (ترکی) تک پہونچے مگر سراغ نہ ملا۔ مولانا فیض احمد بدایونی کہاں گئے اور کیا حشر ہوا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

سخن گستری مولانا فیض احمد بدایونی نے جس بہادری، جانبازی اور ہمت وجرأت سے جنگ آزادی ۱۸۵۷ء میں حصہ لیا اور جان ومال کی قربانی دی وہ اظہر من الشمس ہے۔ مگر انگریزوں کے خوف کی وجہ سے

لہ اکمل التاریخ جلد دوم۔ صد ۲۶

ان کے کارناموں کے ذکر سے خاندانی تذکرے خالی ہیں۔ ان کے ماموں زاد بھائی مولانا عبد القادر بدایونی ان کے متعلق لکھتے ہیں۔

آخر در سنہ یک ہزار و دو صد و ہفتاد و سہ ترک علائق دنیا نمودہ اعانت دین متین بر جان و مال خود مقدم فہمیدند و فی سبیل اللہ جانِ خود را وقف گردانیدند و حیاتِ سرمدی نعیم ابدی فائز شدند" (تحفہ فیض ص۷)

آپ کے خاندان کے ایک ممتاز رکن مولوی انوار الحق عثمانی بدایونی اپنی کتاب طوالع الانوار میں لکھتے ہیں۔

"صاحب ممدوح جامع کمالات محمود الصفات بے نظیر زمانہ، فخر اوصاف میں یگانہ تھے۔ سنہ بارہ سو تہتر میں تائید دین متین میں للہ فی اللہ مردانہ دولت دنیا کو پیٹھ دے کر مصروف ہوئے، جب سے آج تک کچھ حال معلوم نہیں ہوا" (طوالع الانوار ص۲۳)

بوارق محمدیہ[1] مصنفہ مولانا فضل رسول بدایونی کے خاتمہ میں قاضی معین الدین میرٹھی لکھتے ہیں۔

" در صفا قلب و اعانت مسلمین وجود رہنمائی بے نظیر

---

[1] بوارق محمدیہ حضرت مولانا فضل رسول بدایونیؒ کی فارسی تصنیف رد وہابیت میں مشہور ہے۔ اس کے آخر میں قاضی معین الدین کیفی میرٹھی کے نام سے ایک تتمہ لگا ہے جس میں مولوی فضل رسول بدایونیؒ کا مختصر حال مع اساتذہ و تلامذہ و تصانیف وغیرہ کے درج ہے۔

نمودہ اند .... " در سنہ دوازدہ صد و ہفتاد
و چہار راہی جنت گردید "

اس سلسلے کی آخری کتاب اکمل التاریخ جلد اول میں ہے کہ .

" آپ نے زمانۂ غدر میں آگرہ ہی سے جب کہ ہر طرف
ہنگامہ جدال و قتال گرم تھا ترک علائق کر کے راہ حق میں
قدم رکھا اور جادہ فنا تک پہونچ کر بقائے جاودانی
کا لطف اٹھایا ۔ کسی کو آپ کا پتہ نہ چلا کہ آپ کہاں
تشریف لے گئے ۔"

دن گزرے ، مہینے گزرے ، سال گزرے ، یہاں تک کہ ایک صدی کے
بعد اس مجاہد جلیل مولانا فیض احمد بدایونی کے کارناموں کا ذکر خاکسار نے
تفصیل سے لکھا ۔

شاعری مولانا فیض احمد بدایونی کو شعر و شاعری سے طبعی مناسبت تھی رسوا
تخلص فرماتے تھے ۔ ابتداء میں عاشقانہ کلام کی طرف توجہ تھی اور
استادان لکھنؤ کی پیروی کی ، بعد کو منقبت میں لکھا ۔ چند اشعار اردو
خمخانۂ جاوید مؤلفہ سری رام ایم ۔ اے دہلوی میں بھی ملتے ہیں ۔ اردو کا کلام
ہدیۂ ناظرین ہے ۔

نہ طوطی شکرستاں ہوں نہ بلبل زار — نہ شمع بزم ہوں یارو نہ مرغ آتش بار
ہوں ہاں ہلال پریشان و بال جان ہے زیست — نہیں ہوں میں کسی کافر کا طرۂ طرار
کیا بتوں کے تلون نے جی یہ عرصہ تنگ — ثبات بات کو ان کے نہ میرے جی کو قرار
غلط ہے گر کوئی مریخ کو کہے جلاد — کہ میرے حق میں تو زہرہ بھی ہوگئی خونخوار
ہوا غم نصیب یہاں تک کہ اب کے سال ہوا — ہلال عید مرے حق میں مغربی تلوار

جو بھاگوں میں جگر خستہ تو کدھر بھاگوں | کہ سنگ حادثہ کی ہر طرف سے ہے بوچھاڑ
امید بہتری اب تک خیال باطل ہے | کہ سب کا اس فلک بے مدار پر ہے مدار

مگر میں کیا کروں دم مارنے کا حکم نہیں | کیا ہے ضبط غم عشق نے مجھے لاچار
یہ چرخ فتنہ دکھاتا ہے سبز باغ مجھے | جو بہر زخم ہو درکار مرہم زنگار
بہت ہیں اور بھی دنیا میں عاشقی پیشہ | مجھ ہی سے برسر کیں ہے، یہ چرخ ناہنجار
ہجوم رنج والم سے یہ حال ہے دل کا | کہ جیسے قبر منافق ہو تیرہ و تار
دکھاؤں یاروں کو دل میں جو شورشیں ہیں بھری | مگر جہاں میں نہیں جائے یک طپیدن دار
غلط ہے سنگدلوں سے امید دل گرمی | اگرچہ سنگ سے دیکھے نکلتے شرار

سو آج دست فلک سے ہوں اس قدر بے چین | کہ ایک پاؤں پہ پھرتا ہوں صورت پرکار
وہ کون ہے کہ جگہ میری سکے دل میں ہے | وہ کون شخص ہے جس کو نہیں ہے مجھ سے عار
حرم سے مجھ کو مسلمان منع کرتے ہیں | تو جانے دیر میں دیتے نہیں مجھے کفار
زمین پاؤں کے نیچے نکل سی جاتی ہے | نہیں ہے میری دعا کو بھی آسماں پہ بار

عربی زبان پر ادیبانہ دسترس رکھتے تھے، اور نثر و نظم میں یکساں قدرت تھی مولانا عبدالقادر بدایونی لکھتے ہیں۔

"دار السنہ ثلاثہ عربیہ و فارسیہ و ہندیہ بر نظم و نثر چناں قدرت مہارت داشتند کہ مرتجلاً قصائد و خطب بلیغہ مشتمل بر صنائع و بدائع لفظیہ و معنویہ قلم برداشتہ می نگاشتند غرضکہ در فنون شعر ہم یگانۂ وقت بودند شعرا مشاہیر زمانہ از جناب مولانا علیہ الرحمہ استفادہ

می نمودند اکثر کلام بلاغت نظام فصاحت التیام در
مدح و منقبت حضرت محبوب سبحانی رضی اللہ عنہ می بود
ہر کہ می دید و می شنید حلاوت ایمانی و لذت عرفانی
حاصل می نمود" (تحفۂ فیض ۸۲)

ایک مرتبہ ولیم میور نے غالباً ملکہ وکٹوریہ کی مدح کے لئے فرمائش کی ہمولانا فیض احمد بدایونی نے رات بھر کوشش کی، چند اشعار سے زیادہ نہ لکھ سکے خیال ہوا کہ یہ ایک حاکم دنیا کی مدح میں کوشش کی ذرا شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کی منقبت میں کچھ لکھوں اسی وقت لکھنا شروع کیا اور ایک ہی نشست میں ایک سو گیارہ اشعار کا قصیدہ مرتب کر لیا۔ جو نہایت فصیح و بلیغ تھا۔ اس سلسلے میں مولانا عبدالقادر بدایونی لکھتے ہیں۔

آنکہ روزے بخاطر داشت و امرا یکے از شاگرداں
(ولیم میور) ارادہ تالیف قصیدہ مدح یکے از حاکم دنیا (ملکہ
وکٹوریہ) نمودہ بودند و شب خلی بالطبع نشستہ چند
اشعار متعلق مدح او تصنیف ہم فرمودند کہ ناگاہ لعنایت
الٰہی و توجہات حضور غوث رضی اللہ عنہ، مولانا تحریر آن
قصیدۂ ناتمام را ترک نمودہ فوراً چاک ساختند و منیت
کفارہ ہماں وقت و ہموں جلسہ تحریر قصیدہ اولیں ہدیہ قادریہ
کہ مشتمل بر یکصد و یازدہ شعر با چناں صنائع لفظیہ و معنویہ قلم

لہ تحفۂ فیض از مولانا عبدالقادر بدایونیؒ و اکمل التاریخ جلد دوم از مولوی یعقوب حسین ضیاء القادری۔

برداشتہ پرداختند ومن بعد بعینہ قصائد ہدیہ قادریہ ہم
در چند جلسہ تالیف نمودند وتصنیف فرمودند" (تحفۂ
فیض - ص۴)

اوران قصائد عربیہ کی تعریف اعیان ومشاہیر بغداد نے کی اور آپ کی
عربی نظم ونثر کو سراہا[1]۔ غرض مولانا پچھلی صدی میں برصغیر میں عربی کے صاحب
طرز شاعر گزرے ہیں[2]۔ شعراء میں آپ کے مستفیض مولوی فضل الدین قیسؔ،
مولوی غلام شاہد فداؔ، مولوی احمد حسن وحشتؔ، مولوی نیاز احمد نیازؔ اور
مولوی اشرف علی نفیسؔ وغیرہ مشہور لوگ ہوئے ہیں[3]۔ عربی کا ایک مختصر سا قصیدہ
ہدیۂ قادریہ سے نقل کیا جاتا ہے۔

ملک الورىٰ بكماله وهب الهدىٰ لرجاله
مخلوق کے مالک ہوئے اپنے کمال سے۔ آپنے لوگوں کو ہدایت بخشی

سمح العلىٰ لعياله قطر الندىٰ بنواله
بلندی عطا کی اپنی عیال کو برسائی عطا اپنی عطا سے

بضيائه، ببهائه، بفنائه، ببقائه
قسم ہے ان کی ضیا کی بہا کی فنا و بقا کی

بولائه، بوفائه، قسما بكل خصاله
ولا کی وفا کی ان کی ہر خصلت کی قسم ہے

---

[1] تحفۂ فیض - ص ۳ [2] العرب (عربی ماہنامہ کراچی)، محرم وصفر ۱۳۷۳ہجری
[3] ان حضرات کے مختصر حالات اکمل التاریخ جلد اول اور تحفۂ فیض و طوالع الانوار میں کم و
بیش ایک ہی عبارت کے ساتھ درج ہیں۔

برع العوالم کلہا ملك المكارم جلہا

تمام عالم سے فائق ہوئے تمام اچھی عادتوں کے مالک ہوئے

جمع المحاسن جمعہا بجمالہ وجلالہ

تمام خوبیوں کے جامع ہیں اپنے جمال و جلال سے

متعبد لالٰہہ ومقرب ومکرم

اپنے خدا کے عبادت گزار ہیں مقرب ہیں مکرم ہیں

وسرور روح محمد وقریر اعین آلہ

خوشی ہیں روح محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ٹھنڈک اپنی آل کی آنکھوں کی

خرق الحجاب فلا ھنالك حاجب ومانع

حجابات کو چاک کیا وہاں کوئی حاجب ہے نہ مانع

شرب الکئوس علی الکئوس مسرة بوصالہ

جام پہ جام پیے بطور مسرت وصال

ولہ الدھور مطیعة ولحکمہ لاسیرة

زمانہ ان کا مطیع اور ان کے حکم کا پابند ہے

والیہ مرجع کلہا بکمالہ وبجمالہ

سب کا مرجع ان کی طرف ہے انکے کمال اور جمال سے

بلغ الاقاصی والادانی رشح بحر فیوضہ

دور و نزدیک ان کے فیض کے دریا کے چھینٹے پہونچ چکے ہیں

اسف علی اسف علی متکبر وضلالہ

افسوس پر افسوس منکر پر اور اس کی گمراہی پر

واتاك عدة سائل ودعاك زمرة سائل

بہت سے سائل آپکے پاس آئے بہت سے گروہ نے آپ سے مانگا

. فعلمت مضمر حاله وجبوة قبل سواله

اس کے پوشیدہ حال کو آپ نے جان لیا اور قبل سوال آپ نے عطا فرمایا

تصنیفات

مولانا فیض احمد تصانیف کثیرہ کے مالک تھے۔ طبیعت میں استغنا بدرجہ کمال تھا اکثر مسودات تحریرات شاگرد لے گئے اور انکی دلچسپی نہ ہوئی بعض مسودات ۱۸۵۷ء میں ضائع ہوگئے اس طرح اکثر تصانیف مشہور نہ ہوئیں۔ آپ کی تصانیف سے علم کلام میں رسالہ تعلیم الجاہل ہے جو بشیر الدین قنوجی کی کتاب تفہیم المسائل کے جواب میں لکھا گیا ہے۔ حاشیہ شرح ہدایت الحکمۃ صدر شیرازی نیز تعلیقات علی فصوص الفارابی ہیں اس کے علاوہ مجموعہ نثر و قصائد عربیہ موسومہ ہدیہ قادریہ ہے۔ یہ مشتمل خزینہ و گنجینۂ کمالات ہے اس ایک ہزار ایک سو گیارہ نثر کے فقرے ہیں اور اسی طرح ایک ہزار ایک سو گیارہ اشعار عربی حضرت شیخ عبد القادر جیلانی رضی اللہ عنہ کی منقبت میں ہیں ہدیہ قادریہ کی طباعت کے بعد ہی بعض حضرات کے مقدمے اور حاشئے کے ساتھ سنہ ۱۳۰۳ھ میں مطبع نسیم سحر بدایوں سے شائع ہوگیا ہے۔ ہدیہ قادریہ مولانا عبد المقتدر بدایونی کے اصرار پر مولانا عبد القادر بدایونی نے ان کے حالات میں تحفۂ فیض مرتب کیا۔ جو فخر المطابع میرٹھ سے طبع ہوا ہے۔[1]

اولاد

مولانا فیض احمد بدایونی کو ان کے ماموں مولانا فضل رسول کی صاحبزادی منسوب تھیں جن سے صرف ایک صاحبزادے مولانا حکیم سراج الحق تھے جو ۲۰ رمضان المبارک سنہ ۱۲۶۳ھ کو پیدا ہوئے علوم عقلیہ و نقلیہ اپنے والد مولانا فیض احمد و مولانا نور احمد بدایونی سے حاصل کئے طب حکیم مولانا فضل رسول بدایونی سے پڑھی۔ معقول، فلسفہ، ریاضی میں مہارت تامہ حاصل کی طب میں کمال خصوصی حاصل تھا۔ بوارق محمدیہ مصنفہ حضرت مولانا فضل رسول رحمہ اللہ کے خاتمہ میں قاضی معین الدین کیفی لکھتے ہیں۔

---

[1] تحفۂ فیض۔ ص ۸۔
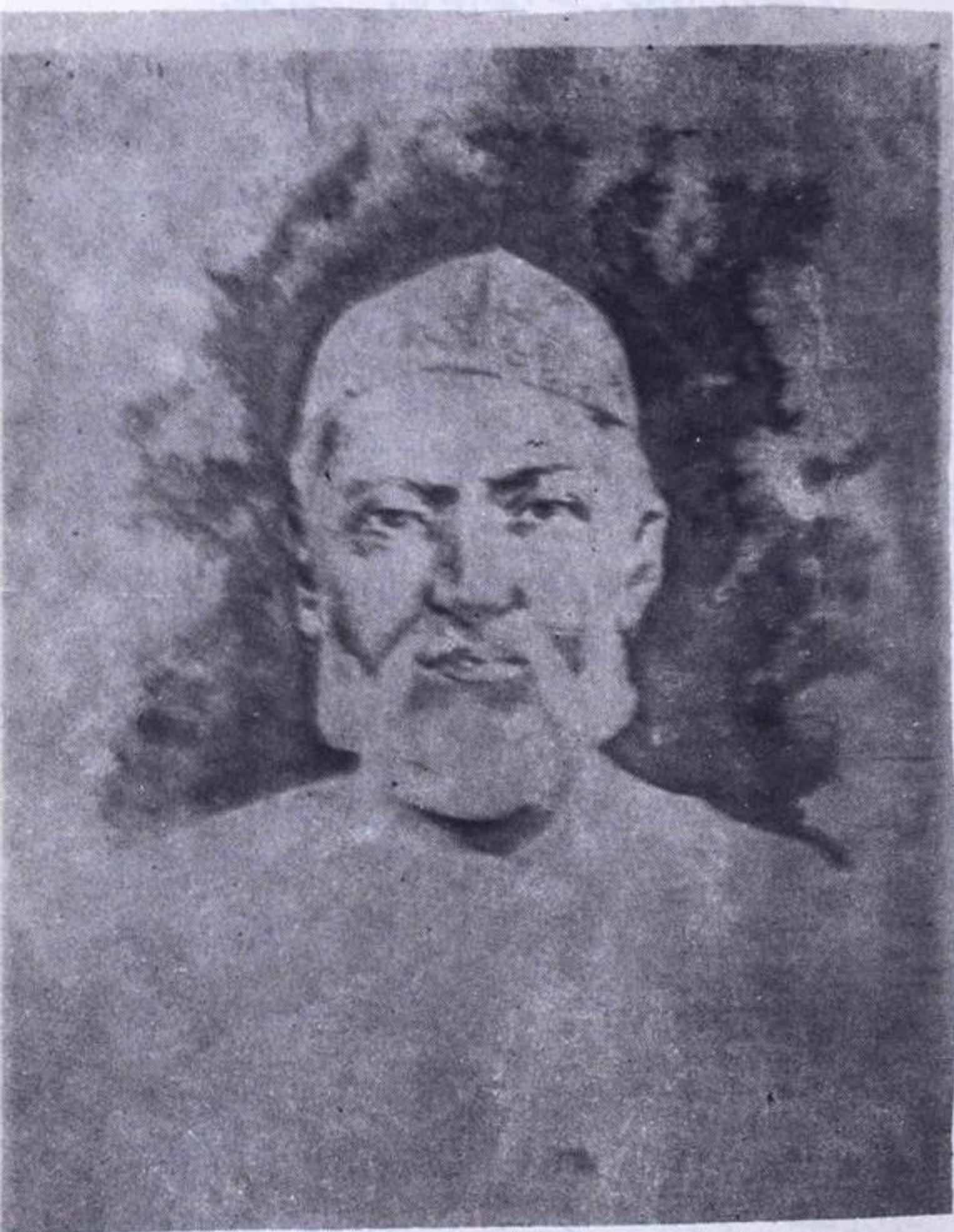
مولوی فیض احمد رسوا بدایونی

"تحصیلِ علوم عقلیہ و نقلیہ از والد ماجد خود فرمودہ اند امام عصر
و علامہ دہر مستند در جملہ علوم عقلیہ و نقلیہ ید طولیٰ دارند بالخصوص
در فن طب اگر شیخ وقت گفتہ اید بجا است، تالیفات جناب
موصوف بسیار، از آنجملہ شرح رسائل معمیات بہاء الدین عاملی
است حاشیہ معتقد المنتقد و سراج الحکمۃ در طبیعات و دیگر رسائل
متعددہ در فن طب قصائد بلیغہ عربی و فارسی بسیار اند"

اکثر رؤسائے دانپور و دھرم پور کی ملازمت میں رہے۔ ۲۸، ذی قعدہ ۱۳۲۳ھ ۶۵، برس
کی عمر میں دانپور میں انتقال کیا۔ صاحب تصنیف تھے شرح رسائل معمیات بہاء الدین عاملی مطبوعہ ہے،
طبیعات میں شرح رسالہ معتقد المنتقد لکھی، عربی نظم میں مثل اپنے والد کے کمال رکھتے تھے
صاحب درس تھے، آپکے شاگردوں میں مطیع احمد نقوی قبائی بدایونی، مولانا عاشق حسین بدایونی رجاہ میرا
مولوی باقر علی بدایونی، مولوی میر نذر علی بدایونی مولوی تفضل حسین گڑھ مکتیشری، مولوی محمد حسین ہاردوی
حکیم محمد حسین ہسوانی، سید اولاد حسین، حکیم تصور علی صاحب اکبرآبادی، مولوی مقبول حسین مشہور
مفسر مذہب امامیہ، مولوی محمد حسین بٹالوی سرگروہ جماعت اہلحدیث، مولوی جمال الدین پنجابی
اور سید عبد اللہ کابلی وغیرہ مشہور لوگ ہوئے ہیں، سراج الحق کے ایک صاحبزادے منیر الحق اور ایک دختر
تھیں منیر الحق ۱۲۸۲ھ میں پیدا ہوئے تو نہایت طباع و ذہین تھے، مدرسہ قادریہ بدایوں میں تحصیل علم کی درس نظامی کی
تکمیل بہت تھوڑے عرصے میں کرلی، ۱۲۹۹ھ میں اپنے والد کے ہمراہ حج کو گئے، آخری ایام میں مکہ
معظمہ میں ۱۸ سال کی عمر میں انتقال کیا۔ اس طرح مولانا فیض احمد بدایونی کا سلسلہ ختم ہوگیا
حکیم سراج الحق کی لڑکی کا سلسلۂ اولاد موجود ہے یہ لڑکی عبد الحق ولد مولوی انوار الحق،
عثمانی، (صاحب طوالع الانوار)، سے منسوب تھی۔ عبد الحق کے صاحبزادے ظہور الحق
قادری (ف ۱۳، جنوری ۱۹۷۵ء) تھے

۴ - مولانا کفایت علی کافی

ابتدائی حالات کفایت علی نام تخلص کافی ہے ایک معزز خاندان کے رکن اور مراد آباد کے قدیم ساکن تھے۔ مندرجہ ذیل اشعار میں انہوں نے اپنے نام، وطن اور تخلص کی طرف اشارہ کیا ہے۔

اور یہ بھی ترے جہاں میں ہے	اب کفایت کی التجا یارب
مونس روزگار کافی ہو	نعت اوصاف مصطفےٰ یارب

چل مدینہ طیبہ کو چھوڑ کر شہر وطن	اس مراد آباد سے کافی کہاں کا ارتباط

ابتدائی تعلیم مراد آباد میں حاصل کی، بدایوں اور بریلی تحصیل علم کے سلسلے میں رہے شاہ ابو سعید مجددی رامپوری سے علم حدیث پڑھا۔ بدایوں میں مولوی محمد اسحٰق بدایونی (شاگرد مولانا فیض احمد بدایونی) المتوفی ۱۲۹۰ھ سے خاص تعلقات رہے مولانا کافی نے اپنی نظم "داستانِ صادق" میں مولوی محمد اسحٰق بدایونی کا خصوصی ذکر کیا ہے۔

علم و فضل مولانا کافی تمام علوم عقلیہ و نقلیہ میں مہارت کامل رکھتے تھے خصوصاً علم طب، صرف و نحو اور شاعری و ادب وغیرہ میں کمال حاصل تھا۔ علم حدیث سے بڑا تعلق تھا۔ شاعری کے سلسلے میں مولانا کافی صاحب کا ذکر مولوی عبد الغفور صاحب نساخ نے سخن شعراء میں حکیم غلام قطب الدین باطن اکبر آبادی نے گلشنِ بے خزاں میں اور مولوی عبد الحیٔ صفا بدایونی نے تذکرۂ شمیم سخن

میں بڑے گراں قدر الفاظ میں کیا ہے۔

علم حدیث سے شغف

مولانا کافی نے علم حدیث حضرت شاہ ابوسعید مجددی رامپوری سے حاصل کیا، جو کہ سراج الہند شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کے شاگرد تھے۔ اس طرح مولانا کافی کا سلسلہ تلمذ صرف دو واسطوں سے حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی سے مل جاتا ہے مولانا کافی کی شاعری محبت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور ذکر حدیث سے عبارت ہے، ان کی تصانیف بھی احادیث کے تراجم یا تشریح وتفصیل سے متعلق ہیں۔ شمائل ترمذی کا ترجمہ بہار خلد، چہل احادیث کا مجموعہ مع تشریح نسیم جنت اور حضرت شاہ عبدالحق محدث دہلوی کے رسالے ترغیب اہل سعادت متعلق بہ فضائل درود کا ترجمہ خیابان فردوس کے نام سے کیا۔

زیارت حرمین شریفین

مولانا کا محبوب مشغلہ مدحت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تھا۔ مدینہ طیبہ کا بار بار ذکر کرتے ہیں اور بڑے والہانہ انداز سے کرتے ہیں۔ دیوان کافی میں مدینہ طیبہ سے متعلق چھ نظمیں ہیں۔ مولانا کافی حج بیت اللہ کو گئے اور پھر مدینہ طیبہ روضۂ اقدس نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی حاضر ہوتے اور اس سلسلے میں مولانا نے ایک مثنوی بھی لکھی ہے۔

قیام آگرہ

تحریک آزادی ۱۸۵۷ء سے پہلے مولانا کافی کا قیام آگرہ میں بھی کچھ مدت رہا ہے، اسی لئے تذکرہ گلشن بے خزاں میں ان کا ذکر ہے۔ منشی عبدالرحمن شاکر مالک مطبع نظامی کانپور کی ملاقات بھی مولانا کافی سے آگرہ میں ہوئی تھی اور وہیں انہوں نے مولانا کافی سے مثنوی تجمل دربار طباعت کے لئے حاصل کی۔

مولنا کفایت علی کافی

انقلاب ۱۸۵۷ء مولانا کافی کا وطن مراد آباد تحریک آزادی ۱۸۵۷ء کا خاص مرکز رہا۔ بادشاہ دہلی کی طرف سے ناظم روہیلکھنڈ نواب خاں بہادر خاں نبیرۂ حافظ الملک حافظ رحمت خاں مقرر ہوتے تھے۔ نواب خاں بہادر خان کی طرف سے مراد آباد کے حاکم نواب مجد الدین خاں عرف مجو خاں بنائے گئے جو نواب عظمت اللہ خاں فاروقی حاکم مراد آباد کے خاندان سے تھے۔ نواب دوندے خاں کی اولاد بھی اس تحریک میں پیش پیش تھی۔ مولانا کفایت علی کافی صدر الشریعۃ مقرر ہوئے۔ مولوی منّو نے مسلمانوں میں جہاد کی روح پھونک دی مسلمانوں نے اس علاقے میں قومی حکومت کے قیام کا مستقل ارادہ کر لیا تھا۔ لیکن ریاست رامپور کی وفاداری نے اس ارادے میں رکاوٹ ڈالی اور مجاہدین کی قوت کو کمزور کر دیا۔

فتویٰ جہاد کی نشر و اشاعت جس وقت مراد آباد میں نواب رامپور کی بالادستی قائم ہوگئی اس زمانے میں مولانا کافی نے نشر و اشاعت کا خوب کام کیا۔ فتویٰ جہاد کی نقول آپ نے دوسری مقامات پر بھجوائیں بلکہ بعض مقامات پر خود گئے۔ قصبہ آنولہ ضلع بریلی میں خاص اسی مقصد کے لئے گئے، ہفتہ عشرہ قیام کیا، اپنے ہم درس اور ساتھی مولوی حکیم سعید اللہ ولد حکیم عظیم اللہ کے یہاں ٹھہرے۔ تبلیغ جہاد کے سلسلے میں خاصی کامیابی ہوئی۔ مولانا کافی آنولہ سے بریلی پہنچے، وہاں نواب خاں بہادر خاں اور امام المجاہدین مولوی سرفراز علی سے مشورے ہوئے۔

مراد آباد پر انگریزوں کا قبضہ جنرل بخت خاں کی فوج مراد آباد سے گذر گئی تو نواب رامپور نے پھر مراد آباد پر قبضہ کر لیا، لیکن جب شہزادہ فیروز شاہ کا گذر مراد آباد سے ہوا تو ریاست رامپور کی

فوج کو سخت زک اٹھانی پڑی، لیکن جنرل جونس کی آمد کی خبر معلوم ہوتے ہی شاہزادہ فیروز شاہ نے میدان چھوڑ دیا۔ ۲۵ ر اپریل ۱۸۵۸ء کو اچانک جنرل جونس مراد آباد میں آگیا، ریاست رامپور کے اہلکاروں نے مراد آباد کا انتظام اس کے سپرد کر دیا انگلش کے آتے ہی دارو گیر شروع ہوئی، کرنل لگ نے شہر کی ناکہ بندی کرکے خانہ تلاشی اور گرفتاری شروع کی ذرا ذرا سے شبہ پر مسلمان گرفتار ہوئے۔

مولانا کافیؔ کی گرفتاری اور پھانسی

فخر الدین (کلال) نامی ایک شخص نے مخبری کی، مولانا کفایت علی کافیؔ گرفتار ہوئے، مولانا کافیؔ پر مختلف الزامات قائم ہوئے۔ معمولی ضابطے کی کارروائی کے بعد پھانسی کا حکم ہوا، مولانا کافی نے یہ حکم سنتے ہی خوشی کا اظہار کیا۔ اور جب مولانا کو پھانسی دینے کے لیے لیجایا گیا تو مولانا کافی نہایت بلند آواز سے اپنی ایک تازہ غزل پڑھتے ہوئے جار ہے تھے جو درج ذیل ہے۔

کوئی گل باقی رہے گا نے چمن رہ جائیگا ۔۔۔ پر رسول اللہ کا دین حسن رہ جائے گا

ہم صفیرو باغ میں ہے کوئی دم کا چہچہا ۔۔۔ بلبلیں اڑ جائیں گی سونا چمن رہ جائیگا

اطلس و کمخواب کی پوشاک پہ نازاں نہ ہو ۔۔۔ اس تن بیجان پر خاکی کفن رہ جائیگا

نام شاہان جہاں مٹ جائینگے لیکن یہاں ۔۔۔ حشر تک نام و نشان پنجتن رہ جائے گا

جو پڑھے گا صاحب لولاک کے اوپر درود ۔۔۔ آگ سے محفوظ اس کا تن بدن رہ جائیگا

سب فنا ہو جائیں گے کافیؔ ولیکن حشر تک
نعت حضرت کا زبانوں پر سخن رہ جائے گا

مولانا احمد رضا خاں صاحب بریلوی نے بھی "الملفوظ" حصہ دوم میں اس غزل کی طرف اشارہ کیا ہے، لیکن ہمیں یہ پوری غزل مولوی غلام محی الدین صاحب نعیمی مراد آبادی کی عنایت خاص سے ملی ہے۔

مولانا کفایت علی کافی کو جیل مراد آباد کے پاس مجمع عام میں پھانسی دی گئی اور وہیں تدفین عمل میں آئی۔ قبر عقب جیل تا ہنوز محفوظ ہے۔

مولانا کافی کی شاعری

مولانا کافی کی نعتیہ شاعری کو ایک خاص مقام حاصل ہے۔ شیخ مہدی علی خاں ذکی مراد آبادی سے تلمذ حاصل تھا۔ صنف نظم میں نعت گوئی بڑا سخت میدان ہے جہاں افراط و تفریط کی ذرہ برابر گنجائش نہیں۔ مولانا کافی اس امتحان میں نہایت کامیاب اترے۔ مولانا کی زبان نہایت صاف شستہ اور انداز بیان نہایت موثر ہے مولانا کافی کا دیوان طبع ہو چکا ہے۔

تلامذہ

مولانا کافی کے صرف دو شاگردوں کے نام معلوم ہو سکے

(۱) عباسؔ مراد آبادی، عباس علی ولد نادر علی مراد آباد کے ساکن تھے عدالت منصفی میں وکیل رہے۔ پھر ریاست رامپور محکمہ رجسٹری میں محرر اول رہے شاعری میں مولانا کافی کے شاگرد تھے ۱۲۹۷ھ میں انتقال ہوا۔

(۲) اکبرؔ مراد آبادی۔ محمد اکبر نام، اکبر تخلص، مراد آباد کے رہنے والے تھے۔ شاگرد ہونے کے علاوہ مولانا کافی سے دوستانہ تعلقات بھی تھے۔ مولانا کافی کی کئی کتابوں پر اکبر کی منظوم تقریظات درج ہیں۔[۱]

---

[۱] تفصیل کے لئے دیکھئے ہمارا مقالہ "کافی شہید" العلم کراچی، اپریل ۱۹۵۷ء

۵۔ مولوی سید فضل حق شاہجہانپوری ثم رامپوری

شیخ عبد القادر جیلانی کی اولاد میں تھے ان کے بزرگ ابو اسحاق ابراہیم حموی گیلانی عہد شاہجہانی میں وارد شاہجہاں پور ہوئے وہاں یہ خاندان نہایت معزز و محترم ٹھہرا اس خاندان کے کچھ لوگ رام پور میں بھی آباد ہو گئے[1] مولوی سید فضل حق کے والد کا نام سید عبد اللہ عرف ننھے میاں تھا سید فضل حق نواب احمد علی خاں کے زمانے میں رام پور میں پیدا ہوئے۔ تعلیم رام پور اور شاہجہاں پور دونوں جگہ پائی ان کے اساتذہ میں مولوی عبد اللہ اور مولوی عبد الرحمٰن فرزندان مولوی نظام الدین ابن مولوی مدن شاہجہانپوری نہایت ممتاز ہیں۔ مولوی نظام الدین کی ایک صاحبزادی فضل حق صاحب کے بھائی مولوی محمد مبین ڈپٹی کلکٹر کو منسوب تھیں[2]

سید فضل حق، شاہ سیادت علی ہانسوی (نبیرہ شاہ عبد الرزاق) سے بیعت تھے۔ نہایت پرہیزگار اور برگزیدہ تھے تمام عمر کسی نے ان کے جسم کو برہنہ نہیں دیکھا۔ شروع میں رام پور میں نائب سررشتہ دار محکمہ صدر کی حیثیت سے ملازم تھے اس کے بعد انگریزی ملازمت اختیار کر لی اور بریلی کی کمشنری میں سررشتہ دار ہو گئے بعد ازاں تحصیلداری کے عہدے پر متفرر ہوئے۔ جنگ

---

[1] تاریخ شاہجہاں پور (جلد دوم)، ص ۷

[2] ایضاً ص ۱۵

آزادی میں مردانہ وار شرکت کی۔ نواب خاں بہادر خاں کی طرف سے پیلی بھیت میں تعینات رہے نینی تال میں انگریزوں کے خلاف جو مہمات بھیجی گئیں ان میں سے کئی مہمات میں فضل حق صاحب نے حصہ لیا۔ انقلابی حکومت کی طرف سے محمدی میں چکلہ دار رہے سقوط بریلی کے بعد شہزادہ فیروز شاہ کا ساتھ دیا۔ تمام معرکہ آرائیوں میں حصہ لیا۔ بلکہ فوج کی افسری کے فرائض انجام دیئے اور جھانسی کے کسی معرکہ میں شہید ہوگئے۔[1]

یہاں یہ بات خاص طور سے قابل ذکر ہے کہ جنگ آزادی کے بعد جب علامہ فضل حق خیر آبادیؒ کا مقدمہ عدالت میں چل رہا تھا اور اس زمانے کے اخبارات علامہ فضل حقؒ سے متعلق مختلف خبریں شائع کر رہے تھے تو ان خبروں میں روہیل کھنڈ سے متعلق مولوی سید فضل حق شاہجہاں پوری کی انقلابی وجنگی سرگرمیاں ہم نام ہونے کی وجہ سے علامہ فضل حق خیر آبادی کے سر منڈھ دی گئیں ظاہر ہے اس طرح علامہ خیر آبادی کا مقدمہ اور خراب ہو رہا تھا چنانچہ اس سلسلے میں علامہ خیر آبادی نے نواب یوسف علی خاں رئیس رام پور کو ایک خط لکھا ہے۔ جس میں وہ لکھتے ہیں۔[2]

"فدوی را بعلت نوکری خان بہادر خاں دنظامت پیلی بھیت دچکلہ داری محمدی دافسری لشکر باغی ماخوذ کردہ اند حالانکہ فدوی ازیں ہر سہ امر محض بری است ومنشاء مواخذہ آنست کہ شخصے میر فضل حق نام از سادات شاہ جہاں پور، کہ قبل ازیں در سرکار ابد

---

[1] تذکرہ کاملانِ رام پور صفحہ ۳۲

[2] ملاحظہ ہو ماہنامہ تحریک دہلی۔ اگست سنہ ۱۹۵۷ء

فرار بندگان عالی ملازم ماندہ سررشتہ داری پیلی بھیت ماخوذ
شدہ وزبانے تحصیلدار آنولہ دیپلی بھیت ماندہ بود در ابتلائے
غدر از طرف خان علی خاں چکلہ داری محمدی شدہ پس از زمانے
با فسری کدامی لشکر باغی ہمراہ فیروز شاہ آں طرف جمن فرار
کرد، عزیزان او در سرکار کمپنی بعہد ہائے جلیلہ مامور اند
چنانچہ برادر حقیقی او مولوی مبین ڈپٹی کلکٹر سہارن پور بود،
مہتممان اخبار خانہ خراب ناواقف ازیں تفصیل کہ او شخصے
دیگر است و فدوی از شیوخ خیر آباد شخصے دیگر در اخبار
نامہا حال نظامت پیلی بھیت و محمدی وافسر لشکر و فرار او
با فیروز شاہ آں طرف جمن نوشتہ بعض
کہ برادر حقیقی او در سرکار مہاراجہ پٹیالہ نوکر و برادر دیگرش
در سہارنپور ڈپٹی کلکٹر است وحاکمان اینجا یا اشتباہ ہمان
مولوی فضل حق کہ ہم نام و در بعضے علامات شریک فدوی است
فدوی را محض بے جرم مقید کردہ اند۔"

علامہ خیر آبادی نے اپنے بیان میں بات بیان کی ہے وہ فرماتے ہیں[1]
"فضل حق ایک اور شخص کا نام ہے مجھے اسکی جگہ گرفتار کر لیا گیا ہے وہ آجکل (شاہزادہ) فیروز شاہ (ابن بہادر شاہ کیساتھ ہے یہ (فضل حق) سابق میں آنولہ کا تحصیلدار تھا اور اس نے خان بہادر خاں اور بیگم (حضرت محل) کی ملازمت بھی کی ہے وہ ذات کا سید اور شاہجہانپور کا رہنے والا ہے۔"
یہی بات صفائی کے گواہوں میں سے بعض نے کہی۔[2]
سید فضل حق بہت اچھے خوش نویس تھے خط نستعلیق خوب لکھتے تھے۔

---

[1] ملاحظہ ہو تحریک دہلی جون ۱۹۶۰ء صد ۱۲
[2] ایضاً ص ۱۲

۶۔ شاہ حسن عسکری

خاندان: دہلی میں شیخ ابراہیم چشتی کے مشہور خلیفہ شیخ محمد چشتی تھے۔ جن کے نامور خلیفہ اور بھتیجے شاہ غلام سادات تھے۔ شاہ غلام سادات کے دو فرزند، نصیر الدین اور حسین بخش تھے شاہ نصیر الدین کے نامور فرزند شاہ صابر بخش (ف ۱۲۶۱ھ/۱۲۳۳ھ) تھے۔[1] جو دہلی کے مشہور چشتی صابری بزرگ تھے اور شیخ حسین بخش کے فرزند شاہ حسن عسکری تھے۔ دہلی کا یہ مشہور چشتی صابری خاندان ہے۔ حضرت شاہ حسن عسکری مشہور زمانہ بزرگ شاہ سلیمان تونسوی (ف ۱۲۶۷ھ) کے مرید و خلیفہ تھے۔

شاہ حسن عسکری کی والدہ ماجدہ حبیب النساء، شیخ عماد الاسلام گنگوہی کی صاحبزادی تھیں، اس طرح شاہ حسن عسکری کی ننہال شیخ عبد القدوس گنگوہی کے خاندان میں تھی۔[2] اور خود شاہ حسن عسکری کی شادی انبیہٹہ کے انصاریوں میں ہوئی اور ان کی بیٹی امۃ اللہ کی شادی حبیب محمد بن شیخ احمد علی انبیہٹوی سے ہوئی۔ جن کے نامور فرزند مولانا محمد صدیق انبیٹھوی (ف ۲۷، صفر ۱۳۳۴ھ مطابق ۱۹۱۵ء) تھے۔

قلعۂ معلیٰ کے شاہزادگان و سلاطین کو شاہ غلام سادات کے خاندان سے غایت درجہ عقیدت تھی۔ اور بہت سے شاہزادے اس خاندان سے بسلسلۂ بیعت منسلک تھے۔ ابو ظفر بہادر شاہ بھی اس خاندان کے عقیدت مند تھے

---

[1] مرزا محمد اختر دہلوی نے صابر بخش کا سال وصال ۱۲۳۳ھ لکھا ہے (باقی اگلے صفحہ پر)

چنانچہ شاہ صابر بخش کے لوح مزار پر سنگی کتبہ خود بہادر شاہ ظفر نے لگوایا تھا۔[1] شاہ حسن عسکری شاہ صابر بخش کے حقیقی چچا زاد بھائی اور شاہ سلیمان تونسوی کے مرید تھے، لہذا بادشاہ ان کا بھی بہت معتقد تھا، اور قلعہ کے اکثر شہزادے اور شہزادیاں شاہ حسن عسکری سے بیعت تھیں، خود بہادر شاہ ظفر کی ایک صاحبزادی شاہ حسن عسکری سے بیعت تھیں، اور ایک روایت یہ بھی ہے کہ جب شاہ حسن عسکری کی پہلی بیوی کا انتقال ہو گیا تو شاہ حسن عسکری نے کسی مغل شہزادی سے نکاح کر لیا۔[2] یہ بات بہادر شاہ ظفر کے مقدمے میں بھی زیر بحث آئی۔

بہادر شاہ کے مقدمے میں شاہ حسن عسکری کا خاصا ذکر آیا ہے اور مختلف گواہوں، مثلاً جاٹ مل، کمند لال اور حکیم احسن اللہ خاں نے ان کا بار بار ذکر کیا ہے۔ جس کا حاصل یہ ہے کہ شاہ حسن عسکری کیسا تھ بادشاہ ظفر کے تقریباً چار سال (یعنی ۱۸۵۳-۵۷ء) سے زیادہ تعلقات تھے، بادشاہ اپنی بیماری کے موقع پر شاہ صاحب سے دعا کا طالب ہوتا تھا۔ اور شاہ صاحب کی دعا سے اکثر اسے افاقہ ہوتا تھا۔ شاہ حسن عسکری بادشاہ کے مشیر خاص تھے۔ شاہ صاحب کی تحریک پر حبشی غلام قنبر کو شاہ ایران کے پاس

(بقیہ نوٹ صفحہ پچھلا) تذکرہ اولیائے ہند و پاکستان طبع لاہور سال طباعت ندارد۔) صد ۳۱۱۔ [2] مولوی عاشق الٰہی میرٹھی نے شاہ حسن عسکری کا وطن رامپور منہاران لکھدیا ہے (تذکرۃ الخلیل مطبوعہ الخلیل مشین پریس میرٹھ) صد ۱

[1] واقعات دار الحکومت دہلی (جلد دوم) صد ۱۳۳-۱۳۴ [2] علمائے ہند کا شاندار ماضی (جلد چہارم) صد ۲۹۳-۲۹۴

بھیجا گیا۔ اس سلسلے میں ان کے ایک خواب کو بھی بیان کیا گیا کہ جو بہادر شاہ ظفر کی شرکت کا محرک ہوا۔ وہ خواب یہ ہے کہ۔

"مغرب سے بگولہ نمودار ہوا، جس کے تعاقب میں ایک سیلاب عظیم آیا، اور ملک کو روندتا ہوا چلا گیا۔ مگر اس سیلاب سے بادشاہ کو پریشانی نہیں ہوئی بلکہ وہ سیلاب میں بھی اپنے تخت پر بیٹھے رہے"

شاہ صاحب نے اس خواب کی یہ تعبیر بیان کی کہ۔

"شاہ ایران مشرق میں برطانوی طاقت کو تباہ کر دیگا اور بادشاہ کو تخت پر بٹھا کر از سر نو عنان حکومت ان کے ہاتھ میں دیدیگا اور کفار یعنی برطانوی قتل کر دیئے جائیں گے۔"

حقیقت یہ ہے کہ شاہ حسن عسکری کا تحریک ۱۸۵۷ء سے گہرا تعلق تھا اور انہوں نے اس تحریک میں بادشاہ کی شرکت کیلئے بطور خاص کوشش کی، وہ اس کے مشیر و صلاح کار رہے تحریک ۱۸۵۷ء کے بعد جب دہلی کے لوگ بھاگنے لگے تو شاہ حسن عسکری بھی درگاہ خواجہ نظام الدین اولیاءؒ پہونچے پھر وہاں سے قطب صاحب چلے گئے، وہاں سے گڑھی ہرسرد پہونچے وہاں وہ بیمار ہو گئے۔ پھر انہوں نے لکھنؤ کی راہ لی۔

لکھنؤ سے شاہ حسن عسکری اپنے ننہالی وطن گنگوہ آئے جہاں ان کو درگاہ شیخ عبدالقدوس گنگوہی سے گرفتار کر لیا گیا۔ ان پر مقدمہ چلایا گیا اور پھانسی کی سزا دی گئی۔[1]

رہے نام اللہ کا

---

[1] اس مضمون کے آخری حصے کی تیاری میں اشتیاق حسین اظہر کا مضمون "شاہ حسن عسکری" مطبوعہ روزنامہ "انجام" کراچی مورخہ ۲۳ دسمبر ۱۹۶۳ء پیش نظر رہا ہے۔

۷۔ مولوی لیاقت علی الٰہ آبادی

مولوی لیاقت علی بن مہر علی موضع مہگاؤں[1] پرگنہ چائل ضلع الٰہ آباد کے رہنے والے تھے، ان کی پیدائش ۱۸۱۵ء تا ۱۸۲۰ء کے درمیان[2] ہوئی۔ ان کے والد مہر علی کاشتکاری کا پیشہ[3] کیا کرتے تھے اور چچا دائم علی فوج میں ملازم تھے۔ مولوی لیاقت علی نے اپنے چچا کے زیر سایہ تعلیم و تربیت پائی مروجہ تعلیم کی تحصیل کے بعد درس و تدریس اور وعظ و تذکیر کا مشغلہ شروع کر دیا مولوی صاحب نے اپنی اصلاحی سرگرمیوں کا مرکز اس مسجد کو بنایا جو مٹرک کلاں مہگاؤں پر واقع ہے[1]۔ مولوی لیاقت علی نے کئی سال فوج میں بھی ملازمت[3] کی مولوی لیاقت علی افکار و خیالات کے اعتبار سے سید احمد شہید کے متبع تھے اور ان کی اصلاحی تحریک کے مبلغ اور سرگرم کارکن۔

اندازہ ایسا ہوتا ہے کہ مولوی لیاقت علی نے تحریک جہاد کو پھیلانے اور نشر و اشاعت کے سلسلے میں خاص کارنامہ انجام دیا ہے۔ مولوی صاحب نے دو اعلان، جہاد کے متعلق چھپوا کر تقسیم کئے۔ پہلا اشتہار تو دراصل مولوی خرم علی

---

[1] مہگاؤں الٰہ آباد سے مغرب کی طرف ۱۵ میل کے فاصلے پر گرانڈ ٹرنک روڈ پر واقع ہے۔

[2] مولوی لیاقت علی الٰہ آبادی پر ایک مفصل مضمون عبدالباری عاصی ایم اے پرنسپل حافظ صدیق نیشنل ہائر سکنڈری سکول جھانسی کا الجمعیۃ دہلی مورخہ ۲ ستمبر ۱۹۵۷ء میں شائع ہوا۔ اس میں انہوں نے بعض قرائن کی روشنی میں سال پیدائش تعین کیا ہے۔ ۳ دیکھو الجمعیۃ دہلی مورخہ ۲ ستمبر ۱۹۵۷ء

[3] اسٹرگل فار فریڈم ان اتر پردیش، جلد چہارم، ص ۵۵۰

بلہوری دف ۱۲۷۳ھ/۱۸۵۷ء کے رسالہ جہادیہ پر مشتمل ہے[1]۔ رسالہ جہادیہ ستاون اشعار پر مشتمل ہے۔ مولوی لیاقت علی کے اشتہار میں صرف ابتدائی ستائیس اشعار شامل ہیں۔ چوبیسویں پچیسویں اور چھبیسویں اشعار میں حسب ضرورت ترمیم کی گئی ہے۔ مولوی صاحب کا دوسرا اشتہار نثر میں ہے[2]۔ ہم نے یہ دونوں اشتہار آٹھویں باب میں شامل کر دئے ہیں

الہ آباد میں جنگ آزادی کا آغاز ۵ رجون ۱۸۵۷ء کو ہوا، ۶ رجون ۱۸۵۷ء کو مولوی لیاقت علی الہ آباد پہونچے اور جہاد آزادی کی قیادت کی۔ مولوی صاحب نے خسرو باغ الہ آباد کو مستقر قرار دیا الہ آباد میں مولوی صاحب کی حکومت قائم ہو گئی۔ مولوی صاحب نے تھانیدار اور تحصیل دار مقرر کئے[3]۔ دہلی سے بھی مولوی لیاقت علی کی تقرری کا پروانہ آ گیا۔ انگریز قلعہ میں محصور تھے ان کے پاس توپیں تھیں، ۱۶ رجون ۱۸۵۷ء کو انقلابیوں اور انگریزوں میں مقابلہ ہوا۔ انگریزوں کی فتح ہوئی مولوی صاحب مع اپنی جماعت کے نانا راؤ کے پاس کانپور پہونچے اور وہاں بخشی زین العابدین کے یہاں قیام کیا۔ اس سلسلے میں مولوی مقبول احمد صمدانی لکھتے ہیں[4]۔

"ہندوستان کی بغاوت ۱۸۵۷ء کے زمانے میں بھی رباب

---

[1] سید احمد شہید مولفہ غلام رسول مہر۔ ص ۱۵۷ تا ۱۶۰۔ [2] محاربۂ اعظم از کنہیالال۔ ص ۲۰۰۔۲۰۱ [3] ملاحظہ ہو باغ عارف ملفوظات صوفی عبد الاحد سلیمان (پھلواری) حصہ دوم (کراچی ۱۹۵۳ء) ص ۳

[4] ملاحظہ ہو تاریخ الہ آباد جلد اول از مولوی مقبول احمد صمدانی۔ (استار پریس الہ آباد ۱۲۵۷ھ) ص ۳۱۔۳۲

مولانا لیاقت علی الہ آبادی

سیاست کی نگاہیں خسرو باغ کی طرف لگی ہوئی تھیں کہا جاتا ہے کہ تاریخ اپنے کو دہراتی ہے۔ مسٹر C.D. Steels اور ان کے رفقائے قلم کے بقول "خسرو باغ" اگر پونے تین سو برس پیشتر ایک بغاوت کیش اور سرگشتہ شاہزادے کا مامن ومسکن تھا تو ۱۸۵۷ء میں بھی اس نے ایک شوریدہ سر فتنہ گر کو پناہ دی:

یہ شوریدہ سر فتنہ گر مولوی لیاقت علی باشندۂ مہہ گاؤں (پرگنہ چائل، ضلع الہ آباد تھے) جن کے تقدس واتقاء کا شہرہ دور دور تک تھا۔ بغاوت کے شروع ہی سے ضلع الہ آباد کے اس علاقے میں جو دوآب گنگ وجمن واقع ہے ان کا بڑا اثر تھا۔ وہاں کے آشفتہ مزاج، شورش پسند، خیرہ سر زمینداروں کو حسب روایت سرکاری ایک ایسے رہنما کی ضرورت تھی جو قتل خون وغارت گری وتاراجی میں ان کا پیشوا بن سکے۔ نظر انتخاب مولوی لیاقت علی پر پڑی وہ بڑی آن بان اور مردانہ تزک واحتشام سے کوچ کرکے الہ آباد آئے، بادشاہ دہلی کی فرمانروائی اور حکومت کا اعلان فرمایا۔ گورنر الہ آباد کی حیثیت سے اپنا جھنڈا بلند کیا، خسرو باغ میں قیام پذیر ہوئے یہیں سے تمام احکام صادر ونافذ ہوتے تھے۔

وسط جون میں مولوی لیاقت علی اور ان کے متبعین اور پیروؤں کی جماعت نے افواج انگریزی سے شکست کھائی اور بھاگ کھڑے ہوئے۔ مولوی صاحب کچھ زمانے تک مفرور و روپوش رہے۔ ۱۸۷۲ء میں الہ آباد میں گرفتار ہوئے اور مدت العمر محبوس رہنے کے بعد بعبور دریائے شور بھیج دئے گئے۔ مولوی مقبول احمد صمدنی مؤلف تاریخ الہ آباد لکھتے ہیں

"قانون کی نگاہ میں اور سرکاری طور پر ان کے جرائم کیسے بھی ناقابل درگذر اور اور مملکت کے لحاظ سے شدید مواخذہ و باز پرس کے مستوجب رہے ہوں مگر میں نے بعض سن رسیدہ، ممتاز و فہیم مسلمانوں کو ان کا نام ادب و احترام کے ساتھ لیتے سنا ہے۔ ان کے ذکر میں خود گزیٹیروں کا لہجہ بھی چنداں تلخ و درشت نہیں پایا جاتا۔"

مئی ۱۸۵۸ء میں جب مولوی احمد اللہ شاہ، شاہجہاں پور میں سرگرم کار دیکھے جاتے ہیں تو دوسرے قائدین کے ساتھ مولوی لیاقت علی بھی وہاں نظر آتے ہیں۔ احمد اللہ شاہ کی شہادت کے بعد جب ان لوگوں کی جماعت بھی منتشر ہوئی تو مولوی لیاقت علی یہاں سے نکل کر گجرات پہونچے۔

مولوی لیاقت علی کا قیام تقریباً ایک سال بڑودہ میں رہا، پھر لاج پور پہونچے، اس وقت عبد الکریم خاں دوم نواب لاج پور تھے جن کی وجہ سے علماء و صلحاء کا اچھا خاصا مجمع ہو گیا تھا۔ مولوی لیاقت علی کی حیثیت ان سب میں ممتاز تھی، وہاں بھی مولوی صاحب نے وعظ و تذکیر اور اصلاح و تبلیغ کا کام شروع کیا۔ مولوی صاحب فرقۂ جہادیہ کے نام سے بیعت لیتے تھے۔ لاج پور میں مولوی صاحب نے ایک شاندار مسجد بنوائی تھی اس علاقہ میں ہندوانہ رسوم کا خاتمہ کیا تھا، وہاں مستورات عام طور سے ہندوانہ لباس پہنا کرتی تھیں مولوی صاحب نے ہندوانہ لباس کے رواج کو کلیتاً ختم کرایا۔ ۱۸۶۰ء میں نواب ابراہیم، محمد یاقوت خاں دوم تخت نشین ہوئے ان کے عہد میں ریاست کے تمام معاملات شریعت کے مطابق طے ہوتے تھے، تمام مقدمات کے فیصلے مولوی لیاقت علی اور صوفی عبد الاحد سلیمان لاج پوری[۱] انجام دیتے

---

[۱] ملاحظہ ہو باغ عارف (ملفوظات صوفی عبد الاحد سلیمان لاجپوری (باقی اگلے صفحہ پر)

تھے۔ مولوی صاحب نے وہیں ٹونک یا جے پور کے کسی عالم کی صاحبزادی کے ساتھ شادی کرلی تھی جن سے ان کے ایک صاحبزادی پیدا ہوئیں جن کے صاجزادے حافظ نذیر احمد ہیں

مولوی لیاقت علی کا لاج پور میں تقریباً دس سال قیام رہا آخر انگریزی حکومت کو مولوی لیاقت علی اور ان کی سرگرمیوں کا علم ہوگیا۔ مولوی صاحب کو بھی حالات کا اندازہ ہوگیا۔ مولوی صاحب لاج پور سے بمبئی پہونچے وہیں گرفتار ہوگئے۔ ان کو الہ آباد لایا گیا، مقدمہ چلایا گیا، حبس دوام بعبور دریائے شور کی سزا ہوئی۔ عبدالباری عاصی کا بیان ہے کہ مولوی عبدالحق میاں جی مرحوم (الہ آبادی) نے ایک اردو مثنوی بھی ان کے حالات میں لکھی تھی، جسے انہوں نے اپنے لڑکپن میں خود دیکھا تھا۔ مولوی لیاقت علی نے فیروز شاہ اور سرحد کے علماء سے بھی تعلقات پیدا کئے تھے۔ اور ۱۸۶۶ء میں اس علاقے میں گئے بھی تھے یہ واقعات ہمیں اس خط سے معلوم ہوتے ہیں جو الہ آباد کے ایک افسر پارسن نے پشاور کے کلکٹر مسٹر میکنب کو لکھا تھا۔ اور مولوی لیاقت علی کا فوٹو شناخت کے لئے بھیجا تھا کہ یہ فوٹو ملا سید امیر، اسماعیل اور محمود سے شناخت کرائے جائیں۔ یہ خط اور فوٹو پشاور میوزیم میں محفوظ ہے خط کا اردو ترجمہ ہم نے باب ہشتم میں شامل کردیا ہے۔

(بقیہ نوٹ پچھلے صفحے کا) حصہ سوم (کراچی ۱۹۵۳ء) ص ۳۷

۸۔ مولوی قطب شاہ بریلوی

مولوی قطب شاہ بریلوی جنگ آزادی ۱۸۵۷ء کے نامور مجاہد اور سرگرم کارکن تھے۔ انہوں نے اس جنگ میں قیادت کے فرائض انجام دئے اور تبلیغ و تشہیر و اشاعت کا کام خاص طور سے کیا افسوس کہ ان کے حالات بالکل پردۂ خفا میں ہیں[1] اور یہ بھی نہیں معلوم کہ بریلی میں کس خاندان سے تعلق تھا۔ اور ان کی اولاد و احفاد میں کوئی آج موجود بھی ہے یا نہیں

مولوی قطب شاہ بریلی (روہیل کھنڈ) کے پیرزادے تھے۔ ان کے والد کا نام بخش اللہ تھا۔ انہوں نے علوم مروجہ کی باقاعدہ تحصیل کی تھی۔ اور ان کو علوم مشرقی میں خوب دسترس حاصل تھی۔ وہ بریلی کالج میں فارسی اور اردو کے لکچرار تھے۔ کالج میں ان کی تنخواہ پچاس روپے ماہوار تھی جب بریلی میں جنگ آزادی کا آغاز ہوا تو انہوں نے نوکری کو خیرباد کہا اور اپنی خدمات نواب خان بہادر خاں کے سپرد کر دیں۔ مولوی قطب شاہ نے بریلی میں آزادی کا جھنڈا لہرایا۔ انہوں نے اس زمانے میں خان بہادر خاں کے نام کی رعایت سے بریلی میں "بہادری پریس" قایم کیا، یہ گویا خان بہادر خاں کی حکومت کا سرکاری پریس تھا۔ اور مولوی قطب شاہ اس کے انچارج تھے، خان بہادر خاں کے تمام سرکاری اور غیر سرکاری اعلانات اور اشتہارات اسی پریس میں طبع ہوتے تھے۔

---

[1] مولوی قطب شاہ کے حالات فریڈم اسٹرگل ان یوپی،، جلد پنجم، (لکھنؤ ۱۹۶۰ء) سے ماخوذ ہیں۔

اوران پر طابع وناشر کی حیثیت سے مولوی قطب شاہ کا نام چھپتا تھا۔ بریلی کے اس بہادری پریس سے نہ صرف نواب خان بہادر خاں کے اشتہار طبع وشائع ہوتے تھے، بلکہ شہزادہ فیروز شاہ اور بہادر شاہ ظفر کے بھی بعض اعلانات اس پریس میں طبع وشائع ہوتے تھے۔ مولوی قطب شاہ کے مقدمے میں بھی یہ اعلانات واشتہارات ان کے جرم کے ثبوت میں پیش ہوئے۔

مولوی قطب شاہ نے بریلی کالج کی لائبریری اوراس کے دوسرے سامان کو احاطۂ کالج میں نیلام کر کے اس کی رقم سے بہادری پریس قائم کیا تھا۔ مولوی قطب شاہ کچھ دنوں نواب خان بہادر خاں کی طرف سے بیلی بھیت کینال کے سپرنٹنڈنٹ بھی رہے۔ اوراس سلسلے میں ان کی تنخواہ ایکسو پچاس روپے ماہانہ تھی۔

جب بریلی پر انگریزوں کا قبضہ ہوگیا تو مولوی قطب شاہ رام پور چلے گئے اور وہاں کچھ دنوں چھپے رہے پھر وہ رام پور سے میرٹھ پہونچے میرٹھ جاکر انہوں نے نام اور حلیہ بدل کر سرکاری فوج ۱۲۔ ار ریگولر کیولری میں ملازمت کرلی، اس سلسلے میں ایک شخص سردار بہادر نے ان کی مدد کی جو دغالباً) ان کا برادر نسبتی تھا۔ مگر جب یہ راز فاش ہوگیا۔ اوران پر مقدمہ چلا تو سردار بہادر نے صاف انکار کردیا، اور کہاکہ میں تو اس شخص کو بالکل نہیں جانتا ہوں اوراس (مولوی قطب شاہ) کا بیان بالکل غلط اور جھوٹ ہے۔

میرٹھ میں مولوی قطب شاہ گرفتار ہو گئے۔ میرٹھ سے ان کو بریلی لایاگیا اور بریلی کی عدالت میں ان پر مقدمہ چلایا گیا۔ ان پر مندرجہ ذیل چار الزام لگائے گئے۔

(۱) وہ تحریک کے خاص لیڈر تھے اورانہوں نے سازش میں حصہ لیا۔

(۲) ۳۱ رمئی کو انگریزوں کے قتل میں جرم اعانت کا ارتکاب کیا۔

(۳) سرکاری مال (کالج کی لائبریری وغیرہ) لوٹا۔

(۴) ۱۲۔ ار ریگولر کیولری میں غلط بیانی کر کے ملازم ہوئے۔

مولوی قطب شاہ کے مقدمے میں سرکار کی طرف سے چار گواہ، رام دین، گنیش، مترا اور راہو مل پیش ہوئے۔ ان گواہوں کے بیانات سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہ سب جھوٹے اور جعلی گواہ تھے۔ جس کا اقرار کسی حد تک عدالت نے بھی کیا۔ عدالت نے مولوی قطب شاہ کو وہابی قرار دیا اور بتایا کہ وہ اپنے عقیدے کی رو سے بھی بغاوت کے لئے مجبور تھے اور ان کے مطبوعہ اعلانات و اشتہارات ان کے جرم کا خاص ثبوت قرار دئے گئے۔ مولوی قطب شاہ نے اپنی صفائی میں جو بیان دیا وہ ناقابل قبول ٹھہرا۔ اور ان ... کو ابتدائی عدالت سے پھانسی کی سزا دی گئی۔

معلوم ہوتا ہے کہ یا تو مولوی قطب شاہ نے اپیل کی یا قاعدے کی رو سے لفٹینٹ گورنر صوبہ متحدہ آگرہ و اودھ نے ان کی مثل پر نظر ثانی کی اور گورنر نے مولوی قطب شاہ کے مقدمے کی مسل دیکھنے کے بعد فیصلہ دیا کہ الزام نمبر ۲ (انگریزوں کے قتل میں اعانت) ملزم پر ثابت نہیں ہوتا، اور راہو مل کا بیان غلط معلوم ہوتا ہے اور مولوی قطب شاہ کی پھانسی کی سزا حبس دوام بعبور دریائے شور سے بدل گئی مگر تمام جائداد ضبط ہو گئی۔

۹۔ منشی رسول بخش کاکوروی

منشی رسول بخش ولد منشی فیض بخش کاکوری کے رہنے والے تھے۔ ان کے والد منشی فیض بخش بہو بیگم (والدہ آصف الدولہ) کی سرکار میں ملازم تھے وہ نامور مصنف تھے۔ ان کی تاریخ فرح بخش اور چشمۂ فیض وغیرہ مشہور ہیں

منشی رسول بخش نہایت قابل اور لائق منشی تھے۔ مولوی تقی علی قلندر کاکوروی سے خاص تعلقات تھے۔ واجد علی شاہ کی سرکار میں کسی معزز عہدے پر ملازم تھے، اور بڑے خیر خواہوں میں ان کا شمار تھا۔ جب واجد علی شاہ معزول ہو کر کلکتے چلے گئے اور انقلاب ۱۸۵۷ء شروع ہوا تو انہوں نے مرزا برجیس قدر کی تخت نشینی کی بابت خاص حکمت عملی سے کام لیا، اودھ کے زمینداروں اور تعلقہ داروں کو ہم خیال بنایا اور برجیس قدر کی دوبارہ حکومت قائم کرنے کی کوشش کی۔ لیکن افشائے راز ہونے پر تمام معاملہ بگڑ گیا۔[1]

صورت یہ ہوئی کہ منشی رسول بخش کے ایک معاون اور ساتھی میر عباس تھانیدار نے کرم خاں صوبیدار کو اپنے ساتھ شریک کرنے کی تحریک کی صوبیدار نے نیم رضامندی کا اظہار کیا اور کوئی اطمینان بخش جواب نہ دیا۔ جب صوبیدار کرم خاں پلٹن میں واپس آیا تو معلوم ہوا کہ اس کی اور میر عباس کی گفتگو کو دو سپاہیوں نے سن لیا ہے، وہ خوفزدہ ہوا اور تمام واقعہ کرم خاں صوبیدار نے افسر فوج

---

[1] تذکرہ مشاہیر کاکوری از محمد علی حیدر لکھنؤ ۱۹۲۷ء ص ۱۶۵

سے بیان کر دیا۔ افسر فوج نے کہا کہ جب صبح کو میر عباس تمہارے پاس آئے تو تم اس کے ساتھ اس کے گھر چلے جانا۔ چنانچہ صبح کو میر عباس کرم خاں صوبیدار کو شرکت پر آمادہ کرنے کے لئے گئے اور اس کو منشی رسول بخش کے پاس لائے وہاں ایک مجلس مشاورت قائم ہوئی، جس میں منشی رسول بخش سرگردہ تھے اس کے علاوہ میر عباس اور منشی رسول بخش کے صاحبزادے حافظ عبد الصمد نیز دیگر لوگ بھی شامل تھے۔ کل شرکاء کی تعداد بائیس تھی۔ کارروائی شروع ہوئی۔ منشی رسول بخش نے صوبیدار کرم خاں سے گفتگو کی اور شرکت جہاد کے لئے آمادہ کرنا چاہا اور بعض دوسرے حضرات کی تحریریں اور خطوط بھی دکھلائے یہ کارروائی ہو رہی تھی کہ مسٹر کارینگی اور محمود خاں کوتوال موقع پر پہونچ گئے مکان کو چاروں طرف سے گھیر لیا۔ سب کو پابجولاں رزیڈنسی لے گئے۔ منشی رسول بخش، حافظ عبد الصمد (ان کا صاحبزادہ) اور میر عباس کو پھانسی کے احکام ہوئے رزیڈنسی سے مچھی بھون لائے گئے۔ ۲۴ رشوال بروز چہارشنبہ ۱۲۷۳ھ کو ان تینوں حضرات کو پیر محمد لکھنوی کے ٹیلے پر پھانسی دے دی گئی۔[1] اور وہیں دفن کئے گئے۔ بعد کو حسب نشاندہی بعض ثقات، منشی رسول بخش کے چھوٹے صاحبزادے منشی عبد الحی عرشی (المتوفی ۱۳۰۳ھ) نے ٹیلے پر سے ہڈیاں لاکر کوٹھی تلہ کی مسجد کے سامنے (کاکوری) دفن کیا۔ نواب تفضل حسن خاں شیدا نے مندرجہ ذیل تاریخ کہی ہے۔[2]

عبد الصمد جناب و قبلہ رسول بخش توام ز حادثات فتادند ہر دو درخت

---

[1] قیصر التواریخ۔ جلد دوم۔ صـ۲۰۶-۲۰۷ [2] تذکرہ مشاہیر کاکوری۔ صـ۱۶۵

تاریخ بست چہارم شوال وقت صبح ۔۔۔ روز چہار شنبہ ہم شد برائے سختت
آمد دو بار سال کہ زشید ائے مصرعے ۔۔۔ گفتہ یہ میں قضاو قدر دو جگر دو لخت

ان حضرات کا صرف یہ جرم تھا کہ اپنے وطن عزیز کو غیر ملکی اقتدار سے آزاد کرانے کی کوشش کر رہے تھے۔ صاحب قیصر التواریخ نے میر عباس علی کا ذکر منشی رسول بخش کے ساتھ کچھ ایسے انداز سے کیا ہے کہ جیسے میر عباس منشی رسول بخش کے بیٹے تھے۔ حالانکہ منشی رسول بخش کے صاحبزادے حافظ عبد الصمدؒ تھے۔ جن کا نام صاحب قیصر التواریخ نے نہیں لکھا ہے۔

ملیح آباد کے لوگوں نے جب منشی رسول بخش، ان کے صاحبزادے حافظ عبد الصمد اور میر عباس کے پھانسی پانے کی خبر سنی تو وہ لوگ ــــ ایک جمعیت کثیر کے ساتھ کاکوری پہونچے ۱ تھانے پر حملہ کر دیا۔ اور ایک جمعدار اور دو برقندازوں کو مشتعل ہو کر مار ڈالا۔ پھر ملیح آباد واپس چلے آئے۔

---

۱ ان کے حالات کے لئے ملاحظہ ہو۔ تذکرہ مشاہیر کاکوری۔ صـ ۲۵۵

۱۰۔ احمد خاں کھرل

احمد خاں کھرل جنگ آزادی کا مشہور جانباز سپاہی اور قائد ہے جس نے ضلع منٹگمری میں ۱۸۵۷ء میں آزادی کے جھنڈے کو بلند کیا اور اپنی جان دے کر بقائے دوام حاصل کی۔ راجپوت پنور کی ایک شاخ کھرل ہے[1]، اسی قبیلے سے اس کا تعلق تھا ۱۲ مئی ۱۸۵۷ء کو میرٹھ کی خبریں براہ لاہور گوگیرہ پہونچیں احمد خاں کھرل نے جوئیا خاندان کیساتھ مل کر انگریزوں کے اقتدار کو ختم کرنے کا منصوبہ بنایا مختلف قبائل کو تیار کیا، ۲۰ جولائی ۱۸۵۷ء کو پاک پٹن کے ایک گاؤں سکھوکا سے آغاز ہوا۔ اور وہاں کے جوئیا خاندان نے لگان دینے سے انکار کردیا۔ ۲۶ جولائی کو احمد خاں نے گوگیرہ جیل کو توڑ ڈالا، اور انگریزی حکومت سے باقاعدہ ٹکرلی۔ احمد خاں روپوش ہوگیا۔ پچاس سے زیادہ آدمی ہلاک و زخمی ہوئے

حکومت نے انقلابیوں کا زور توڑنے کیلئے، ۱۶ستمبر کو علاقے کے سرداروں اور زمینداروں کی میٹنگ بلائی مگر آزادی کی ایسی آگ لگی ہوئی تھی کہ یہ میٹنگ کامیاب نہ ہوسکی قبیلہ کھرل کے ایک غدار شخص سرفراز خاں کھرل نے مخبری کے فرائض انجام دئے، انگریز افسر برکلے، احمد خاں کی گرفتاری کیلئے متعین ہوا لیکن جب اسے کامیابی نہ ہوئی تو لفٹنٹ خود اس طرف متوجہ ہوا اور اس نے احمد خاں کے گاؤں جھامرہ کو آگ لگادی۔ احمد خاں نے وٹو راجپوتوں سے مدد حاصل کی ۱۹ستمبر کو سکھوں کی بٹالین انگریز افسر کی کمان میں گوگیرہ پہونچ گئی اس کے بعد مزید کمک آگئی اور انگریزی فوج نے احمد خاں اور ان کے ساتھیوں کو جنگل میں محصور کردیا۔ آخرکار احمد خاں سے مقابلہ ہوا جسمیں انگریزوں کے بیس سپاہی مارے گئے اور اس معرکے میں احمد خاں نے جام شہادت نوش کیا۔

اس کے بعد انگریزوں نے انتقامی کارروائی کی اور یہاں کی آبادی کو اپنے ظلم وستم کا

---

[1] تواریخ ضلع مظفر گڑھ (قلمی)، ص ۱۰۴-۱ (مملوکہ شیخ محمد اسمٰعیل پانی پتی۔ لاہور)

نشانہ بنایا۔[۱]

انگریزوں کے وفاداروں میں سرفراز خاں کھرل کے علاوہ، دھاڑا سنگھ، نہال سنگھ، کھیم سنگھ، اور سمپورن سنگھ کے نام بھی قابل ذکر ہیں۔[۲] اسی طرح صادق محمد خاں تھانیدار ملتانی اور پیر مخدوم ولایت شاہ المعروف مخدوم شیخ عبدالقادر خامس (ف ۱۸۸۴ء) سجادہ نشین درگاہ موسیٰ پاک شہید ملتانی، نے بھی جنگ آزادی ۱۸۵۷ء کے موقع پر انگریزوں کی نمایاں خدمات انجام دیں اور انعام واکرام کے مستحق ٹھہرے، چنانچہ مخدوم شیخ عبدالقادر خامس کا خاندانی تذکرہ نگار لکھتا ہے۔[۳]

"قبل از مسند نشینی بایماء والد ماجد مخدوم پیر نور شاہ ملقب بہ مخدوم شیخ حامد گنج بخش چہارم (ف ۱۸۶۳ء)، غدر ۱۸۵۷ء کے موقع پر شورش جلی ضلع منٹگمری میں بذاتہ بجمعیت ۔۔۳ سواران وہاں جا دھمکے اور امداد گورنمنٹ کی دے کر جوہر شجاعت کا بین ثبوت دیا، نیز بر سر موقعہ جنگ بہ علم وہبی حاصل کر کے کہ کہ تقدیر حکومت کا قرعہ بنام گورنمنٹ قائم ہو چکی ہے سرداران سرحدی کو اس پر آگاہ کر کے اس بات کی طرف توجہ دلائی کہ متقادمت بیہودہ ہے موافقت سے کام لے کر اپنا اقتدار بڑھاؤ"

۱۔ ایضاً

۲۔ احمد خاں کھرل کے یہ حالات، اشرف قدسی کے مضمون "احمد خاں کھرل"، مطبوعہ منٹگمری گزٹ منٹگمری شمارہ ۱، جلد ۲، ۲ اکتوبر ۱۹۴۴ء سے ماخوذ ہیں۔ ۳۔ موسیٰ پاک شہید ملتانی کے سلسلے کے قادریہ مشائخ کا ناقص الطرفین تذکرہ راقم الحروف کے کتب خانہ میں محفوظ ہے اس سے یہ اقتباس نقل کیا گیا ہے۔ اس تذکرہ کے مولف قاضی برخوردار ملتانی ہیں

۱۱۔ مولوی عبدالقادر لدھیانوی

ابتدائی حالات مولوی عبدالقادر ابن حکیم حافظ عبدالوارث، رائیں قبیلے کے چشم و چراغ تھے تقریباً ۱۲۰۶ھ میں موضع نوکھرہ وال ضلع جالندھر میں پیدا ہوئے[1] پھر ان کے والد نے موضع بلیہ وال ضلع لدھیانہ میں سکونت اختیار کرلی تھی[2]۔ ابتدائی تعلیم والد سے حاصل کی پھر تمام علوم مروجہ کی تحصیل شاہ ولی اللہ کے خاندان کے علماء سے دہلی میں حاصل کی[3] اور حضرت شاہ عبدالقادر دہلوی (ف ۱۲۳۰ھ / ۱۸۱۴ء) کے خلیفہ شاہ عبداللہ جے راج پوری کرنالوی سے بیعت ہوئے اور ان ہی سے اجازت و خلافت بھی پائی[4] اور اپنے علاقے میں تدریس و تبلیغ کا کام شروع کردیا۔ مولوی عبدالقادر مرحوم کا تعلق سید احمد شہید کی جماعت سے بھی تھا، اور کہا جاتا ہے سید احمد شہید کی اہلیہ نے مولوی عبدالقادر مرحوم کو تین خط بھی بھیجے تھے جو مفتی محمد نعیم صاحب کے پاس ابتک محفوظ ہیں[5]۔

امیر کابل سے تعلق ۱۸۰۳ء میں شاہ زمان الملک امیر کابل اور شاہ شجاع الملک اپنے وزیر فتح علی خاں سے شکست

---

[1] سلیم التواریخ از مولوی محمد اکبر علی صوفی (جالندھر ۱۹۱۹ء) ص ۴۷ - ص ۳۰ ، ۴
[2] " " " " " " ص ۴۷ ، ۱ - ص ۳۰ ، ۴
[3] رئیس الاحرار مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی اور ہندوستان کی (باقی اگلے صفحہ پر

کھاکر انگریزوں کی پناہ میں آکر لدھیانہ رہنے لگے۔ شاہ زمان الملک آنکھوں سے معذور تھے اور تصوف کا ذوق رکھتے تھے، انہوں نے مولوی عبدالقادر لدھیانوی کے ہاتھ پر موضع بلبیہ وال جاکر بیعت کرلی اور پھر مولوی لدھیانوی مرحوم کو لدھیانہ بلالیا۔ مولوی صاحب محلہ موچپورہ میں سکونت پذیر ہوگئے۔ اس کے بعد ان کی تدریسی اور تبلیغی سرگرمیوں کا مرکز لدھیانہ بن گیا۔ اور اصلاح و تبلیغ کے سلسلے میں انہوں نے گرانقدر خدمات انجام دیں۔ ۱۸۴۰ء میں شجاع الملک افغانستان واپس چلا گیا اور دوست محمد خاں کو تخت سے دستبردار کر دیا گیا۔ مگر جلد ہی دوست محمد خاں کو کابل کا تخت پھر مل گیا۔ دوست محمد خاں بھی مولوی عبدالقادر لدھیانوی کا بڑا معتقد تھا[1]۔ جنگ آزادی ۱۸۵۷ء کے بعد ان کے فرزند اکبر مولوی سیف الرحمن نے کابل جاکر سکونت اختیار کرلی[2]

جنگ آزادی ۱۸۵۷ء

انقلاب ۱۸۵۷ء میں مولوی عبدالقادر لدھیانوی نے مردانہ وار حصہ لیا۔ اس میں ان کے بڑے بھائی اور چاروں فرزندان، مولوی سیف الرحمن، مولوی محمد، مولوی عبداللہ اور مولوی عبدالعزیز شریک رہے۔ مولوی عبدالقادر کی قیادت اور ان کے خاندان کی شرکت کی وجہ سے لدھیانہ تحریک کا خاص مرکز بن گیا۔ سندرلال لکھتے ہیں[3]

(بقیہ نوٹ صفحہ گزشتہ) جنگ آزادی۔ از عزیز الرحمن جامعی۔ (دہلی ۱۹۶۱ء) ص۵ ۴؎ ایضاً ص۱۵-۱۶ ۱؎ ایضاً ص۱۴-۱۵

۲؎ ایضاً ص۲۳ ۳؎ سندرلال۔ ص۱۲۳

"لدھیانہ کا شہر پنجاب میں جنگ آزادی کا ایک خاص مرکز تھا۔ شہر بھر میں اس دن سب جگہ جوش تھا، جیل خانہ توڑ دیا گیا، انگریزی مکان جلا دیے گئے، سرکاری خزانے پر قبضہ کر لیا گیا۔ اس کے بعد جالندھر، لدھیانہ اور پھلور کی فوج مل کر آزادی کی اس جنگ میں حصہ لینے کے لئے دلی کی طرف روانہ ہو گئی۔"[1]

مولوی عبدالقادر نے پنجاب کی فوجوں سے بھی تعلقات قائم کر لئے تھے، مگر یہ ان ہی چھاؤنیوں میں ممکن ہو سکا، جہاں ہندوستانی سپاہی متعین تھے۔ مولانا غلام رسول مہر لکھتے ہیں[2]

"تاریخ اس امر کی شاہد ہے کہ پنجاب میں جہاں جہاں ہنگامے بسلسلہ ۱۸۵۷ء برپا ہوئے وہ پنجابیوں نے نہیں بلکہ ہندوستانیوں نے برپا کئے تھے پنجابیوں نے تو ایک سے زیادہ موقعوں پر درخواست کی تھی کہ انہیں ہندوستانی فوجیوں سے الگ رکھا جائے"۔

ساورکر لکھتے ہیں[3]۔

"سکھ اور فرنگی فوجوں کے خلاف اپنی تازہ فتح کی خوشی اور مسرت سے سرشار ہو کر قوم پرست فوجی رسالہ

---

[2] جنرل سر عمر حیات خاں ٹوانہ - صـ ۱۵۹

[3] ساورکر - صـ ۱۵۵ بحوالہ عزیز الرحمٰن جامعی - صـ ۵۶

دوپہر کے وقت شہر میں داخل ہوا، شہر میں ایک با اثر مولوی تھے جو ہمیشہ وہاں کے لوگوں کو فرنگی طوق غلامی کو اتار پھینکنے اور سوراج قائم کرنے کی تلقین کیا کرتے تھے، اس مولوی کی تقریروں کا یہ اثر تھا کہ یہ شہر پنجاب کی انقلابی پارٹیوں کا ایک مضبوط مرکز بن گیا۔ اور غلامی کی زنجیروں پر آخری ضرب لگانے کا وقت آگیا تو سارا شہر مولوی صاحب کے اشارے پر بیدار ہو گیا...... لدھیانہ میں بھی انقلاب کی آگ لگی۔ جالندھر، پھلور اور لدھیانہ کی انقلابی افواج اور شہریوں کی قومی فوج مولوی صاحب کی زیر کمان دہلی کی طرف روانہ ہو گئی"۔

ایک ہم عصر وقائع نگار ۲ر جولائی ۱۸۵۷ء کے ضمن میں لکھتا ہے[1]۔

"عبدالرحمٰن و عبدالقادر دو صد سوار با آویزہ خدمت گرد آوردند نہ بہمیں بس، جستجو و تگاپو زیادہ ازیں دو صد کس بود۔ بخت خاں سپارش نمود کہ خسرو بہ ہریک زوج دو شالہ بخشود"،

مولوی عبدالقادر مسجد فتح پوری (دہلی) میں مقیم ہوئے وہیں انکی اہلیہ کا انتقال ہوا[2]۔

---

[1] عبداللطیف۔ صد ۱۸

[2] عزیزالرحمٰن جامعی۔ صد ۶۱

سقوطِ دہلی کے بعد مولوی عبد القادر، ان کے بیٹے اور ساتھی کرنال ہوتے ہوئے پٹیالہ کے جنگلات میں روپوش ہو گئے اور لدھیانہ میں مولوی عبد القادر کی تمام جائداد مع مسجد نیلام کر دی گئی۔ اور گرفتاری کے لئے انعام مقرر ہو گیا[1]۔

مولوی عبد القادر اور ان کے بیٹے پٹیالہ سے بیس میل کے فاصلے پر موضع ستلانہ میں قیام پذیر ہو گئے۔ یہاں کے مسلمان راجپوتوں نے ان کی ہر طرح خدمت و حفاظت کی، اور گرفتاری سے بچایا۔ مولوی عبد القادر اور ان کے بیٹوں کے قیام کی وجہ سے اس گاؤں میں اسلامی شعائر خوب رواج پذیر ہوئے[2]۔

۱۲۷۶ھ / ۱۸۶۰ء میں مولوی عبد القادر کا ستلانہ میں انتقال ہوا۔ ان کے بڑے بیٹے مولوی سیف الرحمٰن کابل چلے گئے، اور پھر وطن واپس نہ آئے[3]۔ مولوی سیف الرحمٰن نے دہلی کے مشہور فتوے جہاد پر دستخط کئے تھے۔

سنہ ۱۸۶۰ء میں مولوی عبد القادر کے تینوں صاحبزادے، مولوی محمد، مولوی عبد اللہ اور مولوی عبد العزیز لدھیانہ واپس آئے، مقامی حکام نے ان کو گرفتار کر لیا اور پھر جلد ہی رہا ہو گئے[4]۔

اس کے بعد از سرِ نو زندگی کا آغاز ہوا۔ مکانات تعمیر ہوئے مسجد آباد ہوئی درس و تدریس کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ مشہور احرار لیڈر مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی بن مولوی محمد زکریا، مولوی محمد کے پوتے ہیں۔

---

[1] عزیز الرحمٰن جامعی، صہ ۶ [2] ایضاً صہ ۷۔۸ [3] ایضاً وسلیم التواریخ صہ ۴۷۲۔۴۷۳

[4] عزیز الرحمٰن جامعی۔ صہ ۱۰

مولوی عبد اللہ نے سہارنپور کو اپنی سرگرمیوں کا مرکز بنایا اور وہیں ۲۷ ذی قعدہ سنہ ۱۳۱۱ہجری کو ان کا انتقال ہوا[1] انہوں نے قادیانیت کا خاص طور سے رد کیا۔[2]

مولانا عبد العزیز کا ۲۲ شعبان سنہ ۱۳۱۹ھ (۴ دسمبر سنہ ۱۹۰۱ء) کو اور مولانا محمد کا ۶ رمضان سنہ ۱۳۱۹ھ (۱۸ دسمبر سنہ ۱۹۰۱ء) کو انتقال ہوا۔ ان دونوں بھائیوں نے نصرۃ الابرار کے نام سے ایک فتویٰ دسمبر سنہ ۱۸۸۸ء میں کتابی صورت میں کانگریس کی شرکت کے جواز میں شائع کیا، جس میں برصغیر کے بہت سے علماء کے دستخط تھے۔ یہ بات خاص طور سے قابل ذکر ہے کہ اس وقت کانگریس حکومت برطانیہ کی مخالف نہ تھی بلکہ مؤید تھی۔ اور اس کی فتوے میں بھی صراحت ہے۔ اس فتوے کا دوسرا حصہ سر سید احمد خاں کے خلاف ہے۔

مولوی محمد اور مولوی عبد العزیز نے اہل حدیث کے مسجد سے اخراج کا فتویٰ انتظام المساجد باخراج اہل الفتن والمفاسد لکھا۔[3]

---

[1] سلیم التواریخ۔ صہ ۴۷ [2] ایضاً و قوم آرائیں از علی اصغر چودھری (لاہور سنہ ۱۹۶۶ء) صہ ۳۵۴ [3] ملاحظہ ہو عزیز الرحمٰن جامعی۔ صہ ۱۸

۱۲- مولوی حکیم سعید اللہ قادری

پیدائش و وطن حکیم سعید اللہ ولد مولوی حافظ حکیم عظیم اللہ ولد حکیم حبیب اللہ ولد حکیم احمد اللہ ولد حافظ احسن اللہ قصبہ آنولہ ضلع بریلی وطن تھا۔ یہ قصبہ علاقہ کٹھیر روہیل کھنڈ میں مشہور تاریخی مقام ہے۔ روہیلہ دور میں اس مقام کو خاص طور سے شہرت حاصل ہوئی۔

آنولہ سے دو میل کے فاصلہ پر بجانب مغرب ایک موضع منونہ واقع ہے نواب علی محمد خاں نے سب سے اوّل منونہ کے محمد صالح خواجہ سرا کو ختم کر کے روہیل کھنڈ میں فتوحات کا سلسلہ شروع کیا۔ حکیم سعید اللہ اسی بستی منونہ میں سنہ ۱۸۲۶ء میں پیدا ہوئے۔

خاندان نواب علی محمد خاں والی روہیل کھنڈ نے حضرت شاہ نور غازی ابن داؤد کے مزار مصارف کے واسطے جو نو سو نواسی بیگہ اراضی وقف کی تھی اس کی تولیت ان کے خاندان کے سپرد تھی ان کے جد اعلیٰ حکیم احمد اللہ اپنے زمانے کے مشہور طبیب تھے اور انہوں نے تولیت کے فرائض کو نہایت خوبی سے انجام دیا۔

سنہ ۱۷۷۴ء میں جب شجاع الدولہ نے روہیل کھنڈ کو فتح کر کے، پیلی بھیت، بریلی آنولہ منونہ اور بسولی وغیرہ کو تاراج کیا تو اس وقت حکیم صاحب کا خاندان بھی برباد ہوا۔ جب روہیل کھنڈ میں کمپنی کی حکومت قائم ہوئی تو حکیم عظیم اللہ صاحب نے آنولہ میں مستقل سکونت اختیار کر لی۔

تعلیم و تربیت حکیم سعید اللہ کے خاندان میں طب موروثی پیشہ تھا، ان کے والد

اور دادا بڑے فاضل طبیب تھے، حکیم عظیم اللہ بڑے دیندار اور متبع سنت تھے
حکیم سعید اللہ نے ابتدائی تعلیم گھر پر حاصل کی پھر سلسلۂ تحصیل علم بریلی، مراد آباد، رامپور
اور دہلی رہے۔ طب میں اپنے وطن کے فاضل طبیب حکیم منا سے بھی استفادہ کیا
حکیم منا اپنے فن میں استاد یگانہ تھے۔ حکیم سعادت علی خاں رئیس اعظم آنولہ
و مدار المہام ریاست رامپور ان کی بڑی عزت کرتے تھے۔ اکثر مایوس العلاج
مریض حکیم منا سے رجوع کرتے تھے حکیم صاحب شاہ آل برکات مارہروی ؟
سے سلسلۂ قادریہ میں شرف بیعت رکھتے تھے۔ فقراء درویشوں سے اکثر صحبت
رہتی تھی۔ بچپن میں اپنے شہر کے مشہور مجذوب اور صاحب باطن بزرگ اکبر علی
شاہ عرف ٹیا شاہ کو دیکھا تھا حضرت اچھے میاں مارہروی کے خلیفہ شاہ میرں
میاں بریلوی (المتوفی ۱۲۷۳ھ) نزیل آنولہ سے بھی تعلقات تھے۔ خط نسخ و نستعلیق
میں خوب مہارت تھی فقہ و تصوف وغیرہ پر کئی رسالے لکھے۔

آنولہ اور جنگ آزادی ۱۸۵۷ء

جب ۱۸۵۷ء میں ہندوستان میں مسلمانوں نے انگریزی حکومت کی لعنت کو اپنے اوپر
سے دور کرنے کی کوشش کی اور بریلی میں حافظ الملک حافظ رحمت خاں
کے پوتے خان بہادر خاں نے علم جہاد بلند کیا تو مسلمانان آنولہ نے اس جنگ آزادی
میں پورا پورا حصہ لیا۔ اگرچہ ان کو بڑی بڑی دقتیں پیش آئیں، کیونکہ حکیم سعادت
علی خاں ولد حکیم مردان علی خاں ولد حافظ اعظم علی خاں، نواب یوسف علی خاں
والی رامپور کے مدار المہام، انگریزوں کے دوست، مددگار اور معاون تھے
اور آنولہ کے رئیس اعظم تھے، لیکن آنولہ کی اکثریت نے جنگ آزادی ۱۸۵۷ء میں
انقلابیوں کا ساتھ دیا۔ نواب خان بہادر خاں کی آواز پر لبیک کہا۔ نواب خان بہادر
خاں بڑے مدبر اور جہاں دیدہ شخص تھے۔ آنولہ میں انہوں نے نواب کلن خاں کو

حاکم بنایا۔

بلاتخصیص مذہب وملت ہر قوم کو ان کی سرداری تسلیم تھی۔ لہٰذا اہل شہر نے ان کی حکومت کو تسلیم کیا۔ جب آنولہ سے تحصیل اور تھانہ اٹھ گیا تو نواب کلن خاں نے اپنا انتظام قائم کیا۔ انہوں نے شہر کے انتظام کیلئے ایک کمیٹی بنائی جس میں نواب جان محمد، نواب حسن، حکیم سعید اللہ، شیخ خیر اللہ، مولوی محمد اسمٰعیل وغیرہ شامل تھے۔ مولوی محمد اسمٰعیل صدر شریعت بنائے گئے۔ شیخ خیر اللہ کے ذمہ فوج اور پولس تھی، نواب جان محمد مشیر خصوصی تھے اور حکیم سعید اللہ کے ذمہ سفارت اور نامہ و پیام کی ذمہ داری تھی

فتوے جہاد کی نشر و اشاعت کے سلسلے میں مولانا کفایت علی کافی مراد آباد سے آنولہ آئے اور حکیم سعید اللہ صاحب کے یہاں قیام کیا، کیونکہ دونوں ہمدرس رہے تھے، اور آپس میں خاص تعلقات تھے حکیم سعید اللہ دوران انقلاب ۱۸۵۷ء میں دہلی بھی گئے تھے۔

آنولہ میں چند مہینے خان بہادر خاں کی حکومت رہی یہ نہایت امن و امان کا دور رہا۔ اس زمانے میں اندرون شہر کسی قسم کی گڑبڑ نہیں ہوئی۔ البتہ جب دیہات کے مفسدین نے آنولہ کا رخ کیا تو بڑے سخت معرکے ہوئے۔ بلوائی بھاگے اور شکست کھائی۔ پہلا معرکہ موضع ارلاء رسولا کے ٹھاکروں سے ہوا۔

حکیم سعادت علی خاں نے بڑی کوشش کی کہ مسلمانان آنولہ خان بہادر خاں کے مقرر کردہ حاکم نواب کلن خاں کا ساتھ چھوڑ دیں، مگر اس میں ان کو کامیابی نہ ہوئی لہٰذا وہ خاموش ہو گئے۔ مگر اپنی کوشش برابر جاری رکھی، ادھر مجاہدین کا سخت زور تھا۔ لیکن مجاہدین نے حکیم سعادت علی خاں کے خاندان کو کوئی نقصان نہیں پہونچایا۔ ہر جمعہ کو مساجد آنولہ میں جہاد کا وعظ ہوتا تھا فتویٰ جہاد کی

نقول جس کو جنرل بخت خاں نے دہلی میں علماء سے تیار کرایا تھا۔ مولوی کفایت علی کافی کے ذریعے سے آنولہ پہونچیں، مولانا کفایت علی کافی حکیم سعید اللہ کے یہاں ایک ہفتہ تک مقیم رہے اس دوران میں ان کے جہاد پر وعظ بھی ہوئے اور نواب مجو خاں حاکم مراد آباد کا پیغام بھی نواب کلن خاں کو پہونچایا۔

مولانا کفایت علی آنولہ سے محافظ الملک نواب خاں بہادر خاں کے یہاں بریلی تشریف لے گئے۔

نواب کلن خاں نے اترچھنیڈٹی اور اس کے نواح میں مسٹر ٹیم سنگھ کو اور منونہ اور اس کے نواح میں مصدق علی کو مالیانہ کا ٹھیکہ دیا۔ جب آنولہ میں مجاہدین کا زور ہوا تو حکیم سعادت علی خاں کو بہت فکر ہوئی اس سے قبل وہ نواب یوسف علی خاں اور حکام انگریز کو یہی اطلاع دیتے تھے کہ آنولہ میں بالکل امن ہے اور کوئی باغی نہیں ہے۔

آخر جولائی میں حکیم سعادت علی خاں ریاست رامپور کی فوج کے ساتھ آنولہ آئے، فوج باہر پڑی رہی حکیم صاحب واپس چلے گئے۔ مجاہدین کو ہر وقت حکیم سعادت علی خاں سے اندیشہ تھا۔ آخر جب نواب خان بہادر خان کو شکست ہوئی بریلی پر انگریزی فوج کا تسلط ہو گیا اور انگریزی حکومت قائم ہو گئی تو آنولہ کا انتظام حکیم سعادت علی خاں کے سپرد ہوا۔ حکیم سعادت علی خاں نے سربراہ کاروں کو طلب کیا، نواب حسن سے کوئی مواخذہ نہ ہوا۔ نواب جان محمد، نواب کلن خاں کو حکیم صاحب نے تین روز اپنے پاس رکھا۔ اس دوران میں آنولہ میں بالکل امن وامان قائم ہو گیا، انگریزی تحصیل و تھانہ قائم ہو گئے نواب جان محمد آزاد کر دے گئے۔ نواب کلن خاں کو رامپور لے گئے چند مہینے رامپور

رہے اور پھر ان کی معافی ہو گئی، نواب شیخ خیر اللہ کی جائداد ضبط ہوئی اور ہمیشہ دریں کی سزا پائی۔ حکیم سعید اللہ اور مولوی اسمٰعیل فرار ہو گئے۔ حکیم سعید اللہ ابن حکیم عظیم اللہ اور مولوی محمد اسمٰعیل نے ککرالہ (ضلع بدایوں) میں انگریزوں سے مقابلہ کیا۔ پھر کنپلہ (ضلع فرخ آباد) میں بھی نواب عبد القدیر خاں کے ہمراہ لڑے جب فرخ آباد، بدایوں، شاہجہانپور، مراد آباد، بریلی، سب جگہ قبضہ ہو گیا تو یہ دونوں ساتھی حکیم سعید اللہ اور مولوی محمد اسمٰعیل جنگلوں میں چھپے رہے معافی عام پر حکیم صاحب ظاہر ہوئے کچھ مدت قصبہ سیر دلی میں سکونت اختیار کی۔ پھر آنولہ آ گئے۔

انتقال حکیم صاحب کی عمر قریب اسّی سال کے ہوئی، آخر میں درد مثانہ اور حبس البول کی شکایت ہو گئی تھی اور اسی مرض میں ۱۹۰۷ء میں آنولہ میں انتقال کیا۔ اور اپنے والد حکیم عظیم اللہ کے ہم پہلو تکیہ عبداللہ شاہ واقع محلہ گھیرا نو خاں میں دفن ہوئے۔

إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ ط

اخلاق حکیم صاحب پابند شرع اور نیک اخلاق کے مالک تھے۔ اعزہ واقارب کے ساتھ حسن سلوک اور صلہ رحمی کرتے تھے۔ طلبہ کی خاص طور سے مدد کرتے تھے۔ حکیم عثمان علی عرف عدا شاہ ساکن آنولہ کا بیان ہے کہ مجھے علم طب کا شوق اپنے استاد حکیم سعد اللہ صاحب کے فیض صحبت سے ہوا۔ علم طب میں بڑا درک حاصل تھا مایوس مریض ان سے رجوع کرتے تھے اور ان کے علاج سے صحت یاب ہوتے تھے۔

بُگّا بُوا حکیم صاحب کی ایک بہن "بیگم بوا" تھیں بڑی باحوصلہ اور بہادر خاتون تھیں اہل خاندان عام طور سے انہیں "بگا بوا" کہتے تھے۔

۱۸۵۷ء میں ان کی عمر ۱۰۹ سال کی تھی۔ مرحومہ کا انتقال ۱۹۳۴ء میں ہوا۔ وہ فخریہ بیان کیا کرتی تھیں کہ ہمارے بھائی حکیم محمد سعید اللہ کو موذی فرنگی سے سخت نفرت تھی اور حکیم صاحب کی جنگل کی روپوشی کے واقعات اکثر سنایا کرتی تھیں۔

اولاد حکیم صاحب نے صرف ایک فرزند مولوی رحیم بخش قادری یادگار چھوڑے جو کہ عجیب دل و دماغ کے مالک تھے۔ نہایت عقیل و فہیم تھے ان کی عقلمندی اور زیرکی کے بہت سے واقعات قصبہ آنولہ میں زبان زد خاص و عام ہیں۔ مولوی رحیم بخش صاحب ۱۸۵۷ء میں پیدا ہوئے تھے، فروری ۱۹۲۰ء میں انتقال ہوا۔ ان سے چند کتابیں بھی یادگار ہیں۔

مولوی میاں رحیم بخش کے ایک صاحبزادے والدی مولوی میاں مشیت اللہ قادری تھے۔ میاں صاحب ۱۸۸۹ء میں پیدا ہوئے اور اکتوبر ۱۹۵۹ء میں دادو (پاکستان) میں انتقال ہوا۔ فارسی ادب پر عبور تھا تاریخ و انساب پر بڑی گہری نظر تھی بالخصوص روہیلکھنڈ کی تاریخ اور حالات رجال میں اپنا ثانی نہیں رکھتے تھے تمام زندگی سیاحت و تجارت میں گزاری میاں صاحب کے تین لڑکے (۱) محمد ایوب قادری راقم الحروف (۲) عنایت اللہ قادری اور (۳) محمد نعمت اللہ قادری اور چار لڑکیاں موجود ہیں۔ فرزند اکبر منشی عبدالقیوم صاحب کا ۱۹۴۲ء میں بدایوں میں انتقال ہوگیا اور وہیں بھٹیری کے قبرستان میں دفن ہوئے۔ ان سے ایک صاحبزادی شاہجہاں بیگم یادگار ہے جو بدایوں میں اپنی ننھال میں سکونت پذیر ہے

۱۳- شیخ خیر اللہ مجاہد

شیخ خیر اللہ ولد امان اللہ قصبہ آنولہ ضلع بریلی (روہیل کھنڈ) کے رہنے والے تھے معمولی لکھے پڑھے متبع سنت تھے۔ شرک و بدعت کا بڑا رد کرتے تھے، سادہ زندگی کے عادی تھے، انگریزوں سے بڑی سخت عداوت رکھتے تھے، مجددی سلسلے میں بیعت تھے۔ آنولہ میں نواب خان بہادر خاں ناظم روہیل کھنڈ کی طرف سے نواب کلن خاں حاکم تھے۔

جب آنولہ میں تحریک آزادی نے زور پکڑا تو شیخ خیر اللہ نے بڑا کام کیا۔ جہاد کی خوب تبلیغ کی، نواب کلن خاں کی طرف سے فوجی سربراہوں میں شیخ خیر اللہ بھی تھے۔ جب ارلار رسولا کے ٹھاکروں نے آنولہ پر حملہ کیا تو وہ عظیم الشان معرکہ ہوا کہ جس کی یاد آج بھی اس نواح میں باقی ہے۔

معلوم ہوا کہ دشمن دو ٹولیوں میں منقسم ہیں، لہٰذا انہوں نے بھی اپنی جمعیت کے کئی حصے کئے۔ اور حکم دیا کہ تھوڑے تھوڑے وقفے سے تازہ دم کمک شامل ہوتی رہے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ مجاہدین کے سامنے بلوائی نہ ٹھہر سکے اور دو گھنٹے کے بعد میدان صاف ہو گیا۔ مجاہدین نے موضع ارلا- رسولا تک ان کا پیچھا کیا اور سخت زک پہنچائی۔ ایک ہفتہ کے بعد ان لوگوں نے پھر مجتمع ہو کر دیہات کے مزید لوگوں کے ہمراہ رات کو شہر کے ایک حصے پر حملہ کیا۔ اس معرکے کے نگراں خود نواب کلن خاں تھے، اس کا مقابلہ نواب علی محمد خاں کے مقبرہ کے قریب میں ہوا۔

دیہاتی بہت جلد ہمت ہار گئے اور راہ فرار اختیار کی اس کے بعد کسی کی

ہمت نہ ہوئی۔

رات کو آنولہ کے چاروں طرف پہرہ دار متعین تھے تاکہ کسی انگریزی خیر خواہ کو جاسوسی کا موقع نہ مل سکے۔ اتفاق سے ایک شخص دیہاتیوں کے حلیہ میں ایک اہم خبر لے کر نواب عبدالرحمٰن خاں حاکم بدایوں کی جانب سے نواب کلن خاں کے پاس آیا، متعین پہرہ داروں کو شبہ ہوا، انہوں نے اس پر گولی سر کر دی اور وہ مارا گیا۔ اس کے قبضہ سے ایک خط برآمد ہوا جس میں یہ بھی تحریر تھا کہ،

"آنولہ کا ایک باشندہ سیف اللہ خاں ساکن محلہ قلعہ بدایوں آیا تھا اور یہ انگریزوں کی جاسوسی کر رہا ہے لہٰذا اس سے خبردار رہا جائے اور اگر موقع ملے تو اسے کیفر کردار کو پہونچایا جائے۔"

نواب کلن خاں پہلے ہی سے اس قومی غدار سے واقف تھے لیکن اس خبر رساں کی موت پر افسوس ہوا۔

اس خبر رساں کی قبر بیرون شہر محلہ کٹرہ خام گولی پیر یا گل سید کے نام سے مشہور ہے۔

گل سید کے متعلق مولوی حکیم عبدالغفور لکھتے ہیں[1]۔

"حکیم سعادت علی خاں کے مقبرے کے قریب گولی پیر عرف گل سید کا مزار ہے نام اور سوانح عمری سے کوئی واقف نہیں...... میرے دادا حسن ان کے معتقد تھے

---

[1] سوانحات المتاخرین آنولہ (قلمی)، صفحہ ۔

کیونکہ ان کے زمانے کا واقعہ ہے جب میں نے ان کا نام سوانح عمری اور رہنے کا مقام دریافت کیا تو لاعلمی ظاہر کی، لیکن واقعہ اس طرح بیان کیا۔ کہ غدر ۱۸۵۷ء میں کہیں سے آئے تھے جاسوس سمجھ کر ایک شخص نے گولی سے شہید کر دیا۔

سوال[1] آپ نے خود دیکھا تھا؟

جواب بچشم خود دیکھا تھا۔

سوال حلیہ کیسا تھا؟

جواب پستہ قد، سانولا رنگ، پتلے دبلے، چہرے پر داڑھی، بوڑھے آدمی تھے۔ گھٹنوں سے اونچی دھوتی، نیم آستین گاڑھے کی مرزئی پہنے تھے۔

سوال پیشانی پر سجدے کا نشاں تھا؟

جواب نہیں۔

سوال گولی پیر کیوں کہتے ہیں؟

جواب گولی سے مارے جانے کی وجہ سے

سوال گل سید کیوں کہتے ہیں؟

جواب گلے میں رسی باندھ کر لٹکا دیتے کی وجہ سے۔

سوال سیّد اور پیر کہنے کی کیا وجہ ہے؟

جواب کئی روز تک لاش نہ بگڑنے کی وجہ سے سید اور پیر کہتے ہیں۔

---

[1] یہ سوال و جواب حکیم عبد الغفور اور ان کے دادا حسن کے درمیان ہوئے۔ (قادری)

ایک موقع پر حکیم سعادت علی خاں کے ایمار سے چوبرجی کے شیعوں نے نواب کلن خاں کی مجلس میں مصلحت آمیز تقریر کی جس سے انگریزوں کی طرفداری ظاہر ہوتی تھی۔ شیخ خیراللہ نے فوراً تلوار نکال لی مگر نواب کلن خاں نے معاملہ رفع دفع کر دیا۔

معلوم نہیں اس بہادر مجاہد شیخ خیراللہ کا کیا حشر ہوا۔

ہرگز نمیرد آں کہ دلش زندہ شد بعشق

ثبت است بر جریدۂ عالم دوام۔

۱۴۔ مولانا محمد مظہر نانوتوی

مولانا محمد مظہر بن حافظ لطف علی ۱۸۲۳ء میں نانوتہ میں پیدا ہوئے ابتدائی تعلیم و حفظ قرآن اپنے والد حافظ لطف علی سے کیا۔ دہلی کالج (دہلی) میں تعلیم حاصل کی، مولانا مملوک العلی نانوتوی کے سامنے زانوئے ادب تہ کیا حدیث کی سند حضرت شاہ محمد اسحاق سے حاصل کی۔ مفتی صدر الدین اور مولانا رشید الدین سے بھی استفادۂ علمی کیا[1]۔ مولانا محمد مظہر تحصیل علم کے بعد اجمیر کالج میں ملازم ہو گئے وہاں سے آگرہ کالج میں تبادلہ ہوا۔ جنگ آزادی ۱۸۵۷ء میں مردانہ وار حصہ لیا۔ میدان شاملی میں شریک رہے، اور اس موقع پر پیر میں گولی لگی۔ جہاد شاملی کے بعد مصائب و آلام میں گرفتار رہے اور کچھ دنوں روپوش رہے۔ کچھ مدت بریلی بھی رہے جب معافی عام ہوئی تو ظاہر ہوئے۔ ملازمت سرکاری سے قطع تعلق ہو گیا۔ گھر پر طلباء کو درس دینا شروع کر دیا۔ مولانا کے شریک جہاد ہونے کا حال اخفاء و پوشیدگی کی نذر ہو گیا۔

رجب ۱۲۸۳ھ/۱۸۶۶ء میں مولوی سعادت علی سہارنپوری نے ایک مدرسہ سہارنپور میں جاری کیا۔ مولوی سخاوت علی انبیہٹوی مولوی عنایت علی اور حافظ قمر الدین مدرس مقرر ہوئے۔ تین مہینے کے بعد شوال ۱۲۸۳ھ میں

---

[1] ملاحظہ ہو، مولانا محمد احسن نانوتوی۔ صہ ۱۵۷ - ۱۶۰

مولانا محمد مظہر نانوتوی اس مدرسے کے شیخ الحدیث اور صدر مدرس مقرر ہوئے۔ جب مدرسے کو ترقی ہوئی تو حافظ فضل حق نے اپنے مکان کو مدرسے کے لئے وقف کر دیا۔ مکان کی عمارت توڑ کر مدرسے کی عمارت تعمیر کی گئی۔ حافظ فضل حق (ف سنہ ۱۳۰۲ھ) مولانا محمد قاسم نانوتوی کے مرید اور مولانا محمد مظہر نانوتوی کے مخلص دوست تھے۔ مدرسہ تعمیر ہونے کے بعد اس مدرسہ کا نام مظاہر العلوم تجویز ہوا۔ مولانا احمد علی سہارن پوری اس مدرسے کے معین و مددگار رہے۔ مدرسہ مظاہر العلوم ہندوستان کی مشہور اسلامی درسگاہ ہے۔

سنہ ۱۲۷۷ھ / ۱۸۶۱ء میں مولانا محمد مظہر نے پہلا حج اور سنہ ۱۲۹۵ھ / ۱۸۷۸ء میں دوسرا حج کیا۔ مولانا محمد مظہر کے تعلقات مولانا محمد قاسم نانوتوی اور مولانا رشید احمد گنگوہی سے بہت خصوصیت کے تھے۔

مولانا محمد مظہر حدیث و فقہ میں بڑا درک رکھتے تھے۔ مولانا محمد احسن نانوتوی نے جب مولوی خرم علی بلہوری کے ورثاء سے درمختار کا اردو ترجمہ اشاعت کی غرض سے خرید الو اس کتاب کے بقیہ ترجمے اور صحت و درستی میں مولانا محمد مظہر نانوتوی پورے شریک رہے، جیسا کہ مولانا محمد احسن نانوتوی نے کتاب کے مقدمے میں ذکر کیا ہے۔

مولانا محمد مظہر نانوتوی نہایت متقی، پرہیزگار، منکسر المزاج اور نیک نفس بزرگ تھے۔ سنہ ۱۳۰۲ھ مطابق سنہ ۱۸۸۵ء میں سہارن پور میں لاولد

فوت ہوئے۔

مولانا محمد مظہر نانوتوی کے انتقال پر سرسید احمد خاں (ف ۱۸۹۸ء)
نے ایک شذرہ لکھا ہے جو درج ذیل ہے ۔

"مولوی محمد مظہر صاحب مرحوم ! افسوس کہ مولوی
محمد مظہر صاحب نے جو عربی مدرسہ سہارنپور میں مدرس
تھے اور انہیں کی ذات بابرکات سے اس مدرسے کو
عزت اور رونق تھی بروز شنبہ تیسری اکتوبر ۱۸۸۵ء
کو انتقال فرمایا ۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ ط مولوی صاحب
ممدوح بہت بڑے عالم تھے ، جس زمانے میں کہ دہلی میں
طالب علم تھے اس زمانے میں ان کی ذہانت مشہور تھی
تقویٰ و ورع میں بھی نہایت اعلیٰ درجہ رکھتے تھے بیس برس سے
انھوں نے اپنے ہم قوموں ، کو علوم دینی کی فیض رسانی پر
کمر ہمت چست باندھی تھی ، اور عربی مدرسہ سہارنپور
میں پاشکستہ ہو کر بیٹھ گئے تھے ۔ آمدنی مدرسہ سے
صرف پچیس روپئے ماہواری بقدر گزر اوقات لیتے
تھے ، اور علوم کی تعلیم میں مصروف تھے بہت لوگ
ان سے فیض یاب ہوئے ۔ مگر افسوس ہے کہ اجل نے
لوگوں کو اس فیض سے محروم کر دیا ۔"

۱۵۔ مولوی محمد منیر نانوتوی

مولوی محمد منیر بن حافظ لطف علی، ۱۸۳۱ء میں نانوتہ میں پیدا ہوئے ابتدائی تعلیم اپنے والد سے حاصل کی پھر دہلی کالج (دہلی) میں تعلیم پائی مولانا مملوک العلی نانوتوی، مفتی صدر الدین آزردہ اور شاہ عبد الغنی مجددی دہلوی سے استفادۂ علم کیا۔ مولانا منیر صاحب جنگ آزادی ۱۸۵۷ء کے ایک سرگرم کارکن اور مجاہد تھے وہ دوسرے لوگوں کے ساتھ جنگ شاملی میں شریک رہے اور بقول مولانا مناظر احسن گیلانی، مولوی محمد منیر حربی سکریٹری تھے۔ اور انہوں نے خوب داد شجاعت دی جیساکہ سوانح قاسمی سے اندازہ ہوتا ہے۔ جنگ شاملی کے بعد مولوی محمد منیر بھی روپوش ہو گئے معافی کے بعد اپنے بڑے بھائی، مولانا محمد احسن نانوتوی کے پاس بریلی پہونچے۔ ۱۳ر مئی ۱۸۶۱ء کو بریلی کالج میں ملازم ہو گئے۔[1] مطبع صدیقی بریلی کے مہتمم رہے اور اس کا نظم ونسق زیادہ تر انہیں سے متعلق رہا۔ بریلی سے پنشن پائی ۱۲۹۳ھ کے بعد بریلی سے تعلق ختم ہو گیا۔ مولانا محمد قاسم نانوتوی سے بہت گہرے تعلقات تھے۔ دونوں بچپن کے ساتھی تھے

مولوی محمد منیر صاحب دو سال دار العلوم دیوبند کے مہتمم رہے ایمانداری و دیانتداری میں جواب نہیں رکھتے تھے۔ چنانچہ ایک مرتبہ دار العلوم دیوبند کی روداد چھپوانے کے سلسلے میں ڈھائی سو روپئے چوری ہو گئے اس رقم کو انہوں نے اپنے پاس سے ادا کیا۔ اگرچہ دار العلوم کے ارکان مجلس نے یہ تاوان

---

[1] ملاحظہ ہو، مولانا محمد احسن نانوتوی۔ ص ۱۵۴۔ ۱۵۷

نہ لینے کا فیصلہ کیا۔ مگر مولانا نے اس رائے سے اتفاق نہ کیا۔

مولانا محمد احسن نانوتوی کے انتقال کے بعد دارالعلوم دیوبند کی مہتممی سے مستعفی ہو کر ۱۳۱۲ھ/۱۸۹۴ء میں نانوتہ واپس آگئے۔ مولوی محمد منیر خارج اوقات میں دارالعلوم میں عربی ادب کی کتابیں پڑھایا کرتے تھے۔

مولوی محمد منیر نہایت وجیہہ صورت تھے، اکثر خاموش رہتے تھے۔ پنشن لینے ہر مہینے جب سہارنپور جاتے تو اپنے اعزہ کے گھروں پر جاکر دریافت کرتے کہ کچھ منگانا تو نہیں ہے ان کی فرمائش لکھ کر لے جاتے اور خرید کر لاتے۔ مولوی محمد منیر نقشبندی سلسلے میں بیعت تھے۔

مولوی محمد منیر نے امام غزالی کی کتاب "منہاج العابدین" کا اردو ترجمہ "سراج السالکین" کے نام سے کیا۔ جو مطبع صدیقی بریلی سے سنہ ۱۲۸۱ھ/۱۸۶۴ء میں طبع ہوا ہے۔ مولوی محمد منیر کی ایک دوسری تصنیف "فوائد غریبیہ" ہے۔ جو دہلی سے طبع ہوئی ہے یہ رسالہ تین ابواب پر مشتمل ہے پہلا باب توحید و رسالت سے متعلق ہے۔ دوسرا نفس کے بیان میں ہے، اور تیسرا قرآن کریم کی تلاوت سے متعلق ہے مولانا منیر نے ایک مختصر سا رسالہ حج کے موضوع پر بھی لکھا تھا۔ افسوس کہ تاریخ انتقال معلوم نہ ہوسکی۔ سنہ ۱۳۲۱ھ/۱۹۰۴ء تک وہ زندہ تھے سنہ ۱۲۹۵ھ/۱۸۷۸ء میں حج ادا کیا۔ ان کی اولاد نانوتہ اور کراچی میں موجود ہے۔

۱۶۔ حکیم مرزا عبدالاحد عطار الدولہ

حکیم مرزا عبدالاحد بن مرزا محمد ناصر ۱۲۵۳ھ/۱۸۳۷ء میں پیدا ہوئے۔ مرزا محمد ناصر، مولوی عبدالقادر خاں رامپوری بن مرزا محمد اکرم آشنا کے علاتی بھائی تھے۔ حکیم عبدالاحد مروجہ تعلیم حاصل کرنیکے بعد اپنے تایا مولوی عبدالقادر کی سفارش سے ریاست رامپور میں تیس روپے ماہوار پر ناظر مقرر ہوگئے اس کے بعد بدایوں میں فگن صاحب کلکٹر و مجسٹریٹ کے زمانے میں ناظر فوجداری مقرر ہوئے، اور وہاں مال خانے کے غبن کے سلسلے میں دو سال کی قید بامشقت ہوگئی۔ رہائی کے بعد کچھ دنوں رام پور میں عدالت میں سررشتہ دار رہے اور پھر بھوپال چلے گئے۔

حکیم عبدالاحد کو فنِ طب میں خاص مہارت تھی اور وہ بھوپال میں افسر الاطباء کے عہدے پر مقرر ہوئے۔

انقلاب ۱۸۵۷ء

جب ۱۸۵۷ء میں جنگ آزادی کا آغاز ہوا تو حکیم صاحب نے بیگم صاحبہ بھوپال کی فوج میں نماز، روزہ، تمیز حلال و حرام، بجا آوری اوامر الٰہی اور انکار نواہی سے متعلق وعظ و تبلیغ کا آغاز کر دیا اس طرح فوج میں جہاد کی روح پھونکنی شروع کر دی کسی نے بیگم بھوپال کو خبر پہونچائی کہ افسر الاطباء فوج میں وعظ کہتے ہیں اور اہل فوج کو صاحبان انگریز سے جہاد کرنے کی ترغیب دیتے ہیں۔ انکو بھی ایک مخلص دوست کے ذریعے معلوم ہوگیا، لہٰذا یہ گرفتاری سے قبل ہی بھوپال سے

فرار ہو گئے اور بریلی پہونچے۔

بریلی میں آمد حکیم عبدالاحد بریلی میں نواب خان بہادر خاں کی تحریک کے سربراہ اور اپنے ہم زلف مدار علی خاں کے گھر میں مقیم ہوئے۔ مدار علی خاں، خان بہادر خاں کی فوج کے سپہ سالار اور تحریک آزادی کے سربرآوردہ رکن تھے۔ لیکن کچھ دنوں رہ کر رامپور پہونچے۔ اسی دوران میں روہیل کھنڈ وغیرہ پر انگریزوں کا قبضہ ہوگیا، انہوں نے ریاست رامپور میں رہ کر نواب یوسف علی خاں کے ذریعے اپنے معاملے کی صفائی چاہی۔

معافی حکیم عبدالاحد کے بھانجے مرزا نظام الدین ولد مرزا عبدالہادی، انقلاب ۱۸۵۷ء میں انگریزوں کے وفادار اور خدمت گزار رہے تھے اور انہوں نے جہادیوں سے مقابلے بھی کئے تھے، لہذا مرزا عبدالاحد ان کے پاس لکھنؤ پہونچے اور انہوں نے سعی و سفارش کے بعد کرنل پیرون صاحب اسپشل کمشنر سے معافی کا پروانہ دلوا دیا۔

قیام لکھنؤ حکیم عبدالاحد لکھنؤ میں واجد علی شاہ کی بہن نواب افسر بیگم کی سرکار کے مختار مقرر ہو گئے۔ اور ان کے وہ وثیقے جاری کرا دیے جو بند ہو گئے تھے انہوں نے تجارت کا بڑا سلسلہ شروع کر دیا، اور لاکھوں روپے کی تجارت اور آڑھت کا کام کلکتہ سے پشاور تک شروع ہوگیا، لیکن ان کی بے پروائی کی وجہ سے گماشتوں نے سارا کاروبار چوپٹ کر دیا۔ حکیم صاحب فرانس کی عملداری ڈاکہ چلے گئے لکھنؤ میں ان کے سارے

کار خانے قرق ہو گئے۔ حکیم صاحب مدتوں سرگرداں اور پریشان رہے۔ اور بمبئی اور حیدرآباد میں طبابت کے ذریعے کچھ دن کاٹے

انتقال و اولاد

پھر کلکتہ میں شاہزادگان اودھ میں سے شاہزادہ ارسطو خاں سے ملاقات کی۔ اور ان کے دشیقے کے جاری کرانے کی کوشش کی۔ اور اس سلسلے میں ان کو کامیابی ہوئی۔ کہا جاتا ہے کہ شاہزادے کے مصاحبین کے مشورے سے حکیم صاحب کو زہر دیدیا گیا اور مشہور یہ کر دیا کہ وہ ہیضے میں مر گئے ان کی موت ۱۲۹۵ھ / ۱۸۷۸ء میں واقع ہوئی

حکیم عبدالاحد کے تین لڑکے، احمد مرزا، محمد مرزا، اور علی مرزا تھے۔ اول الذکر دونوں کا انتقال ۱۳۱۵ھ / ۱۸۹۸ء میں ہوا۔ علی مرزا ناخواندہ اور جاہل تھے تینوں لڑکوں کا سلسلۂ اولاد باقی ہے[1]۔

---

[1] یہ حالات وقائع نصیر خانی (خود نوشت حالات مرزا نصیر الدین مترجمہ و مرتبہ محمد ایوب قادری) ص ۲۷۔ ۴۳ سے ماخوذ ہیں۔